نور قرآن

نزول، تدوین، حفاظت، رسم

روایت











تحقیق وترتیب

محمد طاہر ہاشمی

ایم۔اے علوم اسلامیہ

ایم۔اے تاریخ



فہرست

مقدمہ 21

علوم فی القرآن 21

عُلوم القرآن 22

اسلاف کا طرز عمل 25

لغوی معنی 28

قرآن کی اصطلاحی تعریف 29

قرآن مجید کی جامع ومانع تعریف 30

موضوع قرآن کیا ہے؟ 30

قرآن مجید کیا ہے؟ 30

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: 31

قرآن مجید میں غیر مسلموں کے پانچ معروف سوالات کے جوابات تفصیل میں ہیں 32

قرآن مجید سب لوگوں کی طرف اللہ تعالی کی کتاب ہے 32

نزولِ قرآن کے مقاصد کیا ہیں؟ 34

قرآن کریم کس زبان میں ہے؟ 36

عربی زبان کے امتیازات 38

کیا قرآن کے مختلف الفاظ اور اصطلاحات غیر زبانوں سے مستعار ہیں؟ 39

سوالات قبر سریانی زبان میں ہوں گے 43

مراحل نزول قرآن 47

پہلا مرحلہ 48

دوسرا مرحلہ 48

تیسرا مرحلہ 48

بیت عزت میں نزول قرآن کی حکمتیں 49

قرآن کے مرحلہ وار نزول کی وجوہات 49

قرآن کریم کے مختلف نام 50



وحی کا معنی 53
قرآن اور حدیث قدسی کے درمیان فرق 54
وحی کی اقسام 54
نزول وحی کے طریقے 55
صلصلة الجرس 55
تمثل ملک 56
فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا 56
رؤیائے صادقہ 58
کلام الہی 59
نفث فی الروع 59
بلا حجاب مشاہدہ وخطاب (بغیر حجاب کے مشاہدہ اور ہم کلام ہونا) 60
مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات 62
قرآن کریم کی سورتوں کی چار قسمیں ہیں 62
مفصل سورتوں کی تین قسمیں ہیں 63
قرآن کریم کے حقوق 64
قرآن کریم کے پانچ حقوق کون سے ہیں 64
پہلا حق 65
قرآن کریم کا دوسرا حق 66
قرآن مجید کا تیسرا حق 67
قرآن کریم کا چوتھا حق 68
پانچواں حق 68
صحابہ کرامؓ کا قرآن سے تعلق 70
سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کی وہ تاثیر اب ختم ہوگئی، جس نے حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کو ہلا کے رکھ دیا تھا 73
مبلغ کے لئے دشواری 75
تین قرآنی اصول 76
منافقین کے بارے میں نازل ہونے والی آیتوں کو پڑھ کر اُن پر خشیت اِلٰہی کا غلبہ ہونا 77



اللہ پر ایمان۔۔۔یومِ آخرت پر ایمان۔۔۔اور عملِ صالح"۔۔۔یہ تین شرائط ایسی ہیں، جو اللہ کے اجر کا مستحق بناتی ہیں 78
صحابہؓ نے قرآن کی شبنم سے دلوں کی سرزمین کو قابل فصل بنادیا تھا........ 79
قرآن کریم کے ساتھ ہمارا تعلق 80
قرآن "حبل اللہ" ہے! 80
جَآءِمِنۡ عِنۡدِاللّٰهِ........ 82
قرآن شریف پڑھتا جا اور (جنت کے درجات پر) چڑھتا جا 82
مثال سے وضاحت 83
اہل ایمان کو جوڑنے والی رسّی 84
قرآن مجید سے ہمارا تعلق کس قدر اور کس نوعیت کا ہے 85
قرآن پاک کا جتنا احترام ہم کرتے ہیں وہ اس کی قدر دانی کا ثبوت ہے 86
قرآن مجید کی قدر دانی کا کیا یہی مطلب ہے؟ 86
قرآن مجید پر ایمان لانے کا ایک تقاضہ 90
وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ﴿۳۰﴾ 91
اور رسولِ (اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عرض کریں گے: اے رب! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو بالکل ہی چھوڑ رکھا تھاo 91
بلاشبہ یہ قرآن آپ اور آپ کی قوم کے لئے پیامِ نصیحت ہے، عنقریب تم سے پوچھا جائے گا........ 92
اہم نکات 93
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے 94
قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کو معاشرے میں موثر مقام دیا جانا چاہیے 96
مسلمان کی مثال........ 97
فضائل قرآن پر چالیس احادیث مبارکہ........ 97
تَاثِيۡرُ الۡقُرۡآنِ 118
قرآن مجید کی تاثیر 118
فَضۡلُ الۡقُرۡآنِ الۡمَجِيۡدِ........ 123
قرآن مجید کے فضائل 123
قرآن مجید کی پیروی کرنے والے ہمیشہ راہ راست پر رہیں گے۔ 127
قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کو دنیا میں غلبہ اور عروج حاصل ہو گا۔ 128



قرآن مجید ابدی معجزہ ہے۔ 128

فَضْلُ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ 129

تلاوت قرآن مجید کی فضیلت 129

قرآن مجید کی تلاوت سے سکون قلب اور سکینت حاصل ہوتی ہے۔ 129

قرآن مجید کی تلاوت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے چھوڑی ہے۔ 133

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں درج ذیل چار نعمتوں سے نوازتے ہیں۔ 134

قرآن مجید کی تلاوت، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا کرتی ہے۔ 134

نماز تہجد میں قرآن مجید کی دس آیات پڑھنے کا اجر وثواب دنیا ومافیہا کی ہر نعمت سے زیادہ ہے۔ 135

آدَابُ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ 138

تلاوت قرآن مجید کے آداب 138

فَضْلُ تَعَلُّمِ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ 145

قرآن مجید سیکھنے کی فضیلت 145

قرآن مجید سیکھنے والے کو اللہ تعالیٰ درج ذیل چار نعمتوں سے نوازتے ہیں۔ 146

فَضْلُ تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ 150

قرآن مجید سکھانے کی فضیلت 150

فَضْلُ حِفْظِ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ 154

قرآن مجید یاد کرنے کی فضیلت 154

فَضْلُ اِسْتِمَاعِ الْقُرْآنِ وَاَسْمَاعِهٖ 157

قرآن مجید سننے اور سنانے کی فضیلت 157

فَضْلُ الْوَالِدَيْنِ لِتَعْلِيْمِ وَلَدِهَا 159

اپنی اولاد کو قرآن مجید کی تعلیم دلوانے کی فضیلت 159

فَضَائِلُ بَعْضِ السُّوَرِ الْقُرْآنِيَّةِ 161

بعض قرآنی سورتوں کے فضائل 161

سورہ فاتحہ کی فضیلت 161

فَضْلُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ 164

فَضْلُ سُوْرَةِ آلِ عِمْرَانَ 165



سورہ آل عمران کی فضیلت 165
فَضْلُ سُوْرَۃِ هُوْدٍ 166
فَضْلُ سُوْرَۃِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ 167
فَضْلُ سُوْرَۃِ الْكَهْفِ 167
سورہ کہف کی فضیلت 167
اَلْقُرآنُ شِفَاءٌ 169
قرآن مجید شفاء ہے 169
اَلْقُرْآنُ وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم 171
قرآن مجید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 171
قرآن حکیم اور اسے پڑھنے، سمجھنے والوں کے فضائل 175
قرآن کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں لانے کا شرف روحُ الامین حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام کو حاصل ہوا۔ 193
اعجازِ قرآن۔ ایک مختصر جائزہ 195
معجزہ 196
قرآن کریم، ایک مسحور کن کلام 197
اعجاز قرآن کے ادراک میں تمام اہل عرب برابر تھے 198
قرآن کریم کا چیلنج 200
اعجاز قرآن کے مختلف وجوہ 201
قرآن کریم کی بلاغت اور فصاحت 202
اسلوب کا اعجاز 203
غیب کی خبروں سے اعجاز کا پہلو 203
اعجازِ قرآن اور اہل بلاغت 204
اعجازِ بیانی کا امتیاز 209
اعجازِ بیانی کا معجزانہ امتیاز 210
مفردات کا اعجاز 210
ترکیب کا اعجاز 212
انداز کا اعجاز 213

ربط بین الآیات کا اعجاز 214
ایک تقابلی جائزہ 214
اعجاز کی معرفت کے لیے کوئی معیار قائم کرنا تقریباً محال ہے 217
اعجاز نظم 218
نمونۂ عبرت (علمی اعجاز) 221
قران مجید کا صوتی نظام اور ردھم 223
سائنسی اعجاز 227
سائنس کے دلچسپ حقائق اور قرآن 227
ہر چیز پانی سے بنی ہے 227
لوہا باہر سے لایا گیا 228
آسمان محفوظ چھت 228
پہاڑ زمین میں میخیں ہیں 228
کائنات بڑھ رہی ہے 229
سورج اور چاند اپنے مدار میں حرکت کرتے ہیں 229
پیشانی کے ذریعے جھوٹ پکڑنا 229
درد کی وجہ 230
ایمبریالوجی اور اعجاز قرآن 231
قرآن کی الہامی ترتیب اور ریاضیاتی معجزہ 239
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی چند خصوصیات 239
حروف مقطعات اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ربط 241
قرآن کے بعض اور ریاضیاتی معجزے 243
تدوین قرآن 247
عہد نبوی 247
کتابت قرآن 250
زیادہ مشہور کاتبینِ وحی 251
سامانِ کتابت 253



عہد نبوی میں قرآن ایک مصحف میں جمع کیوں نہیں کیا گیا؟ 254
چندوجوہات / حکمتیں........ 254
سورتوں اور آیتوں کی ترتیب 255
عہدِ نبوی میں قرآن مجید کے نسخے 256
عہد صدیقیؓ میں تدوینِ قرآن مجید 257
جمعِ قرآن میں حضرت زید بن ثابت ؓ کا طریقہ کار 260
جمع قرآن میں درج ذیل باتیں بھی پیشِ نظر رکھی گئیں: 261
نسخۂ صدیق کی خصوصیت 262
عہدِ عثمانی میں امت کی شیرازہ بندی 264
کام کی نوعیت 264
عہد عثمانی میں تیار کردہ نسخوں کی خصوصیات 265
عہدِ عثمانی میں تیار کردہ نسخوں کی تعداد 265
امت میں پائے جانے والے دیگر مصاحف 265
عثمان رضی اللہ عنہ نے سات نسخے بھیجے اس میں سے تین نسخے آج بھی موجود ہے: 266
قرآن پاک سبعۃ احرف میں 266
إنَّ ھذا القرآنَ أُنزل علی سبعةِ أحرفٍ........ 267
مفاہیم احادیث 268
اہتمام 273
مشہور قراء جن سے روایت کی جاتی ہے، ان کے نام درج ذیل ہیں: 277
امام ابن جزری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تیس سال تک میرے غور کے نتیجہ جو معنی مجھ پر منکشف ہوا وہ یہ ہے کہ سبعہ احرف سے مراد اختلافِ قراءات کی سات وجوہ ہیں۔ 278
سبعہ لہجات یا سبعہ وجوہ 278
قران کی حفاظت 282
کتاب الٰہی کی، کیسے حفاظت کی گئی؟ 288
وہ کون سی چیزیں ہیں، جو قرآن کے خاطر محفوظ کی گئیں؟ 288
باب 294
قرآنی اعراب 294



قرآن مجید میں نقطے 294
حرکات 295
عباسی دورِ حکومت 295
مصحف کی اَجزا(پاروں)میں تقسیم 296
منزلیں 297
کتابت مصاحف اور علم الرسم 300
رسم عثمانی کے چھ قواعد ہیں 300
قواعد رسم عثمانی کے اَسرار ورموز 305
علم الرسم کی نوعیت 315
علم الرسم کے لئے مختلف ادوار میں مختلف الفاظ 316
(الرسم)کی مناسبت سے مصاحف کے بارے میں چند امور قابل ذکر ہیں 318
علماءِ رسم کو کتابتِ مصاحف کے ضمن میں تین قسم کے املائی اختلافات سے واسطہ پڑنے لگا 322
علم الرسم پر تالیفات 327
رسم القرآنی کے متعلق تین نظریات پیش کئے گئے ہیں 333
پہلا نظریہ 333
دوسرا نظریہ 333
تیسرا نظریہ 334
حوالے اور حواشی 340
حقیقت قراءات 346
قرآن مجید اور قراءات قرآنیہ کے بارے میں مستشرقین کا نقطۂ نظر 347
خاص بات 348
اُمت مسلمہ اور مستشرقین کے درمیان اصل اختلاف 348
قرآن کو مختلف قرأت میں نازل کرنے کا مقصد 350
قرآن اور ان قراءات کو واضح اور قطعی تواتر کے ساتھ نقل کیا 350
قرآنی روایات معروف نہ ہونے کی وجوہات 351
تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف مختلف شہروں کی طرف بھیجے تھے، وہ چھ تھے۔[2] 353



یہاں ہم بعض ایسے مقامات ذکر کریں گے، جن میں اہل حجاز، عراق اور شام کے مصاحف میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ 356

قراءات قرآنیہ پر طعن وتشنیع 363

خلاصہ کلام 366

سبعۃ اُحرف پر نزولِ قرآن کی احادیث مبارکہ 368

سبعہ احرف" سے کیا مراد ہے؟ 382

پہلا قول:...سبعۃ احرف بمعنی لغات ولہجات 382

دوسرا قول:...سبعۃ اُحرف بمعنی قراءات 383

تیسرا قول:...سبعہ اَحرف بمعنی اَوجۂ قراءات 384

۱...اَسماء کا اختلاف 384

۲...افعال کا اختلاف 386

۳ ...وجوہِ اَعراب کا اختلاف 387

۴ ... کمی وزِیادتی کا اختلاف 388

۵ ...تقدیم وتاخیر کا اِختلاف 388

۷ ...لہجات کا اختلاف 390

سبعہ اَحرف پر نزول قرآن کی حکمت 391

۱۔نزول کتاب میں ہر قوم کی زبان کی موافقت کا لحاظ رکھنا: 391

۲۔دو مختلف قراءتوں سے دو مختلف حکموں کے مابین جمع کا فائدہ: 392

۳۔مجمع علیہ حکم کی وضاحت: 392

۵۔تعددِ قراءات کی تعددِ اعجاز پر دلالت 393

۶۔تنوع قراءات میں قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے اوراس کی تصدیق کرنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر براہین قاطعہ اور دلائل صادقہ موجود ہیں: 393

اَحادیث مبارکہ سے مستنبط فوائد 395

قراءاتِ سبعہ کا حروفِ سبعہ سے تعلق 398

موجودہ قراءاتِ عشرہ حروفِ سبعہ کا جزء ہیں، کل نہیں: 400

۱۔اَسماء کا اختلاف 400

۲۔افعال کا اختلاف 401



۳۔اعراب کا اختلاف 402
۴۔نقص وزیادتی کا اختلاف 402
۵۔تقدیم وتاخیر کا اختلاف 403
۶۔ابدال کلمہ کا اختلاف 403
۷۔اختلافِ لہجات 404
خلاصۂ کلام 405
قراءات ائمہ عشرہ کا تواتر اوران کا ثبوت 405
علمائے اُصول کے مطابق تواتر کی تعریف 405
بعض اُمور کی وضاحت 407
قراءاتِ صحیحہ کی دو اَقسام ہیں 408
اِنکارِ قراءات کا حکم 409
ائمہ عشرہ کے اختیارات 410
قراءت کی تعریف 413
اصطلاحی تعریف 413
قراءات کی مذکورہ بالا تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اہل علم کے دو مذہب پائے جاتے ہیں: 415
روایات کی تعریف 415
طرق کی تعریف 416
اوجہ کی تعریف 417
اختیار کی تعریف 418
قراءت میں تلفیق(ایک بات کو دوسری بات میں ملانا) کا حکم 420
قراءات کی اقسام 421
۱۔ قراءت مقبولہ 421
قراءت مردودہ کی اقسام: 425
خلاصہ 428
قراءات شاذہ 428
قراءات مدرجہ 428



قراءات موضوعہ 429

اس مذہب والوں کے قرآن وسنت سے دلائل 431

راجح موقف 433

قرآنی خطاطی 435

خلافت صدیقی میں قرآنی خطاطی 436

خلافت فاروقی 437

خلافت عثمانی 437

خلافت علوی 437

بنوامیہ 438

بنوعباس کے قرآنی خطاط 439

قرآنی خطاطی برصغیر میں 442

قرآن کی طباعت 452

نسخ 452

نسخ فی القرآن کی تین قسمیں ہیں 452

نسخ کی شرائط 452

نسخ کی حکمت 453

آیات منسوخہ کی تعداد 454

نسخ کی اقسام 454

محکمات اور متشابہات 456

متشابہات کی تین اقسام 457

محکمات اور متشابہات کے قرآن مجید میں مختلف معنوں میں استعمالات 457

قرآن مجید میں امثال کا فائدہ 458

قرآن کریم میں مذکورہ قصوں کے فوائد 459

اسباب نزول 460

اسباب النزول پر چند مفید کتابیں 460

قرآن مجید کی نئے نظریات کے ساتھ تفسیر کا حکم 460



حقوق قرآن کیا کیا ہیں؟ 462

تلاوت قرآن کے آداب 463

بچوں میں قرآن سے شغف پیدا کرنے کے ذرائع کیا ہیں؟ 464

قرآن کیسے حفظ کیا جائے؟ 465

قرآن کریم سے روگردانی کی سزا 467

قرآن کی فریاد 467

سند القرآن عند أهل السنة 469

اشاعت 2023

ای بک پی۔ڈی۔ایف

نظم وترتیب محمد طاہر ہاشمی ایم اے علوم اسلامیہ وہسٹری

ہدیہ

بار اول

برائے رابطہ

hashmipk786@gmail .com

برائے ایصال ثواب

والد گرامی ووالدہ محترمہ

امت مسلمہ

تعاون محمد حسان وبیگم محمد حسان ہاشمی، محمد انس ہاشمی اور انکی والدہ

مولایَ صلِّ وَسَلِّمْ دائماً ابداً

علٰی حَبِیْبِكَ خَیرِ الخَلقِ کُلِّھِمِ

انتساب

اس ذات مقدسہ ﷺ کے نام جن کے دم
قدم سے اس گلستان میں علوم کی نیرنگیاں ہیں

اِعْتِذار

ایک مسلمان دینی کتابوں میں دانستہ غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ غلطیوں کی تصحیح واصلاح کے لئے ہمہ وقت تیار۔ اگرچہ کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پوری توجہ سے کی جاتی ہے تاہم انسان غلطی کا پتلا ہے۔ غلطی رہ جانے کا امکان موجود ہے۔ لہٰذا احباب سے گذارش ہے کہ جو غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں تاکہ اسے درست کیا جاسکے۔ نیکی کے کام میں آپکا تعاون یقیناً صدقہ جاریہ ہوگا۔

رابطہ: hashmipk786@gmail.com

کچھ اپنے بارے میں

ناچیز کا نام محمد طاہر ہاشمی ولد نور احمد ہاشمیؒ ہے۔ بندہ ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ والدین اللہ کی عظیم نعمت ہوتے ہیں۔ قبلہ والد گرامی اولیاء میں تھے زمیندار تھے کچھ عرصہ گاؤں کی نمبر داری کی لیکن چھوڑ دی۔ مزاج میں غنا اور تصوف کی فراوانی تھی زیادہ عرصہ فقر و درویشی میں گذارا۔ رجسٹرڈ پریکٹیشنر تھے لیکن طب کی پریکٹس کی نہیں کہتے تھے کہ اس سے دل مطمئن نہیں ہوتا یا تو انسان فی سبیل اللہ خدمت کرے۔ 58 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اللہ کریم جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنائت فرمائے اور اپنی رحمت سے نوازے آمین! نے اور والدہ محترمہؒ نے چلنا پھرنا اور باتیں کرنا، قائدہ پڑھنا اور ابتدائی تعلیم کا آغاز کروایا۔

والدہ محترمہ کی علمی استعدا، معاملہ فہمی اور بروقت علمی پکڑ ہمیں آخر تک لاجواب کر دیتی تھی۔ امی جی سکول سے پڑھے ہوئے تو نہ تھے پر گھر میں اپنے والد گرامی قدر جناب محمد عظیمؒ ہاشمی قدس سرہ العزیز! سے تعلیم حاصل کی تھی جو پورے علاقے میں تقویٰ و بزرگی میں جانے پہچانے جاتے تھے، سے حاصل کی تھی۔ کمال کا حافظہ تھا۔ اللہ کریم انکی قبر پر اپنی کرم و فضل کی بارش ہمہ وقت فرماتا رہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وصحبہ وبارك وَسَلِّمْ۔

اللھم اغفر لی وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِینَ والمؤمنات

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

ابتدائی تعلیم اوکاڑہ کے دور افتادہ ایک گاؤں چک 18 جی ڈی میں حاصل کی۔ پرائمری میں سکول ٹاپ کیا اور وظیفہ کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا وظیفہ لگا لیکن ملا نہیں۔ قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم ایک عظیم درویش و حافظ جناب قبلہ عبد الرشید صاحب سے حاصل کی۔ حافظ صاحب قبلہ نابینا تھے لیکن صاحب کرامت تھے۔ ان کی منزل سننا، ان کے لئے کتاب خوانی کرنا بندۂ ناچیز کے



سپرد تھا۔ بالخصوص رمضان المبارک میں۔ وقت بغیر گھڑی دیکھے بتادیتے تھے۔ تجوید و قرآت کچھ عرصہ قاری خوشی محمد الازہریؒ سے حاصل کی تھی۔ بلا کا حافظہ تھا۔ ایک دفعہ کوئی مل لیتا تو مدتوں بعد اسے پہچان لیتے۔ اللہ کریم ان کی مرقد کو اپنے نور سے منور کرے آمین!

پھر قبلہ ماموں "پھوپھا" جان جناب غلام یٰسین ہاشمی نور اللہ مرقدہٗ سے درس لیا۔ پورے علاقے میں ماہر طبیب اور اللہ کے برگزیدہ بندے کے طور پر جانے جاتے تھے۔ جب تک حیات رہے پورے گاؤں میں صرف ایک جگہ جمعہ ہوتا تھا۔ خدمت خلق جبلت میں تھی۔ گھر سے کئی لوگوں کا کھانا جاتا تھا یہ خدمت بندہ کے حصہ میں تھی۔ دو تین تو یاد ہیں، ایک بابا جمعہ خادم مسجد، ایک محمد رفیق صوفی کھڈی کا کام کرتے تھے، اور عبدالحمید ڈسپنسر، باقی یاد نہیں۔

ماموں جان بڑے وضع دار شخصیت کے حامل تھے۔ گاؤں کی پنچائت کے سربراہ تھے، زمیندار تھے اور ایک بڑے باغ کے مالک تھے۔

اس کے بعد بندہ کے والدین قدس سرہ العزیز! اوکاڑہ شفٹ ہوگئے۔ وہاں گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا اور کلاس میں دوسری پوزیشن لی۔ اوکاڑہ ایک ایک علمی شہر تھا۔ اس میں مولانا غلام علی اکاڑویؒ، جناب سید صاحب، کچھ عرصہ مفتی محمد شفیع اکاڑویؒ بعد ازاں کراچی چلے گئے، مفتی الہ یار، پہلے کچھ عرصہ جناب علامہ احمد سعید کاظمیؒ صاحب اور مفتی غلام سرور قادریؒ صاحب جو بعد ازاں لاہور اور ملتان بالترتیب منتقل ہوگئے تھے، علاوہ ازیں مفتی محمد اقبال چشتیؒ جو 2023 میں انتقال فرماگئے تھے کی خدمات لافانی ہیں۔ ان کے علاوہ اہل حدیث علماء جامعہ محمدیہ میں معین الدین لکھوی، اور عبدالحلیم صاحب بڑی علمی شخصیات تھیں، دیوبندی علماٗ میں محمد امین صفدر بڑے نامور علماٗ تھے۔ ان میں سے اکثر علماٗ سے دروس لئے۔

اس کے بعد ہم سمبڑیال شفٹ ہوگئے باقی تعلیم سیالکوٹ اور پسرور سے حاصل کی اور محکمہ تعلیم میں بحیثیت استاد فرائض سرانجام دئے۔ آخر میں گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول سے ریٹائرمنٹ لی۔ 1985 سے 2014 تک مختلف مساجد میں خطابات جمعہ سرانجام دیئے۔ اور اب مختلف مضامین میں تحقیق کرکے وٹس ایپ پر گروپوں میں شئیر کررہاہے۔ اور انہیں ای بک بنارہاہے۔ اللہ کریم انہیں مقبول بنائے اور ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ نبیہ الکریم الامین ﷺ!

الشکر والحمد للہ جل فی علاہ فالیہ ینسبی الفضل کلہ فی الکمال ویبقی للہ وحدہ

اللّهم لك الحمد أنت قلت وقولك الحقّ المبين، قل صدق الله، فاتّبعوا ملّة إبراهيم حنيفاً، ومن أصدق من الله قيلا، ومن أصدق من الله حديثاً، وأشهد أن لا إله إلاّ الله، المتوحّد في الجلال بكمال الجمال تعظيماً وتكبيراً، المتفرّد بتصريف الأمور على التّفصيل والإجمال تقديراً وتدبيراً، وأشهد إن نبيّنا محمّد عبده ورسوله، أرسله إلى عموم الثّقلين بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً،

لا إله إلاّ الله، ربّ الأرباب، ومسبّب الأسباب، وخالق خلقه من تراب، فسبحان من خضعت لعظمته الرّقاب، ولانت لجبروته الصّعاب، وذلّت له الشّدائد الصّلاب، غافر الذّنب وقابل التّوب شديد العقاب، ذو الطول لا إله إلا هو عليه توكّلت وإليه متاب، لا إله إلا الله، الكريم، الحليم، العظيم، ربّ العرش العظيم، ونحن على ما قال ربنا وخالقنا من الشّاهدين، ولم ألزم وأوجب غير جاحدين،

والحمد لله ربّ العالمين،

وصلوات الله وسلامه على سيّد الأوّلين والآخرين، وخاتم الأنبياء والمرسلين، وعلى أزواجه أمّهات المؤمنين، وعلى آله الطّيبين الطّاهرين، وعلى صحابته الغرّ الميامين،

اللّهم أرضى عنا معهم برحمتك يا أرحم الرّاحمين،

مقدمہ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ أَمَّا بَعۡدُ!

عام طور پر علوم قرآن کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

اولاً۔ وہ علوم جو قرآن سے ماخوذ ہیں اور جنہیں آیاتِ قرآن میں تحقیق اور جستجو سے حاصل کیا جاتا ہے انہیں "علوم في القرآن" کہتے ہیں۔

ثانیاً۔ وہ علوم جنہیں فہم القرآن کے لئے مقدمہ کے طور پر سیکھا جاتا ہے انہیں "علوم لِلقُرآن" کہتے ہیں۔

علوم فی القرآن

قاضي ابو بکر بن عربي نے "قانون التّاویل" میں قرآن سے ماخوذ علوم کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: ۱۔توحید، ۲۔تذکیر، ۳۔احکام جبکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مطابق قرآن میں پانچ قسم کے علوم کا ذکر ہوا ہے۔ جو نیچے دیئے گئے ہیں تاہم ان علوم کو علماء کی تشریح کے مطابق

1۔ علمِ تذکیر بآلاءِ اللہ،

2۔ علمِ احکام،

3۔ علمِ عقائد،

4۔ علمِ تاریخ،

5۔ علمِ موعظت

6۔ علمِ آخرت کہا جاسکتا ہے۔ بعض علماء نے ان علوم کو بالاختصار علم توحید، علمِ رسالت اور علمِ آخرت بھی کہا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن کے جملہ علوم کی زمرہ بندی اس طرح کی ہے [1]:

(ا) علمِ احکام: واجب، مستحب، مکروہ، حلال و حرام۔ ان احکام کا تعلق عبادت، تدبیرِ منزل (معاشرت) اور سیاست مدن وغیرہ سے ہے۔



(۲) علمِ مناظرہ: چاروں گم راہ فرقوں، یعنی یہود و نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے بارے میں بحث۔

(۳) علمِ تذکیر بآلاءِ اللہ: اللہ کی نشانیوں اور انعامات کا ذکر، یعنی تخلیقِ ارض و سما اور خدا کی صفات کاملہ کا بیان۔

(۴) علمِ تذکیر بایّامِ اللہ: ان واقعات کا ذکر جو خدا کی اطاعت کرنے والوں کی جزا اور مجرموں کی سزا سے متعلق ہیں۔

(۵) علمِ تذکیر بالموت: حشر و نشر، حساب، میزان اور جنت و دوزخ کا بیان

اس کتاب میں مخلوقات سے آگاہی۔ اسماءِ صفات اور خالق سے آشنائي کو علم توحید قرار دیا گیا ہے۔ بہشت کا وعدہ اور دوزخ کي وعید کو علم تزکیر اور تمام مباح امور، یعني شرعي احکام اور اُن کے نفع و نقصانات کے بیان کو علم احکام محسوب کیا گیا ہے۔ کتاب میں علم توحید کے لئے اس آیت کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے: ﴿وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾(۱)، اس میں توحیدِ ذات افعال اور صفات پوشیدہ ہیں علم تذکیر کے لئے: ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾(۲) کي مثال دي گئي ہے اور تیسرے علم لئے: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم﴾(۳) کو شاہد کے طور پر لایا گیا ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ فاتحۃ الکتاب کو اسي لئے "امّ الکتاب" کہا جاتا ہے کہ اس میں تینوں اقسام توحید، تذکیر، اور احکام کا ذکر موجود ہے۔

مثلاً سورہ کي ابتدا سے لے کر یوم الدّین تک توحید ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾(۴) عبودیت اور احکام میں اطاعت سے متعلق ہے۔

﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ﴾(۵) سے لیکر آخر تک میں تذکیر کا ذکر ہے۔

اَبُوالحَکَمُ اِبنِ برّجان "ارشاد" میں تحریر کرتے ہیں: سارا قرآن تین علوم پر مشتمل ہے: اسماء اللہ اور اس کي صفات کا علم، نبّوت اور اس کے استدلال و براہین کا علم، علم تکلیف (شرعي احکامات)

محمد بن جریر طبري کہتے ہیں: قرآن تین علوم پر مشتمل ہے: توحید، اخبار اور دیانات، اسي لئے پیغمبر خدا نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾(۶) قرآن کے برابر ہے چونکہ یہ سورت سراسر توحید ہے۔

عُلوم القرآن

کلي طور پر وہ علوم جو آیات کے فہم و ادراک کے اور کلام خدا کے معاني کو سمجھنے کے لئے، قرآن سے پہلے مقدمۃً سیکھے جاتے ہیں اُنہیں علوم قرآن کہتے ہیں۔ اس تحریر میں ہمارا مقصود یہي علوم اور منابع ہیں کیونکہ قرآن پیغمبر اسلام کا ایک ابدي معجزہ ہے جو درج ذیل موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہے: اخبار، قصص، حِکم، موعظہ، وعدہ، وعید، امر، نہي، تنذیر، تہذیب قلوب، تسکین نفوس، ارشاد، مطالعہ فطرت، وسیع کائنات میں غور و فکر۔



قرآن مجید فصیح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے: ﴿وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ. عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ﴾ (۷)۔ "تحقیق یہ قرآن عالمین کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جبرئیل کے توسط سے اسے تمہارے قلب پر نازل کیا گیا تاکہ تم اس کے مواعظ اور حکمتوں کو لوگوں کے لئے بیان کرو۔ یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے۔"

لیکن جیسا کہ عربی زبان کا طریقہ ہے قرآن بھی حقیقت و مجاز، تصریح اور کنایہ، ایجاز و تشبیہ و تمثیل اور امثال سے پُر ہے۔ معارف قرآن کے طالب مجبور ہیں کہ وہ بلاغت و فصاحت کے علوم کو اچھی طرح سیکھیں کیونکہ الٰہی کلام کے اعجاز سے آگاہی متعلقہ امور سے مکمل واقفیت کے بغیر ہرگز ممکن نہیں ہے؟ ہرگز نہیں معرفت قرآن کے مقدمات سے آگاہی جس قدر زیادہ ہوگی کلام الٰہی کی روح اور گہرائی سے آگاہی بھی اسی قدر زیادہ ہوگی۔

ہم اس کتاب میں بعونہ تعالیٰ قرآن کے معانی، موضوع، مقاصد، نزول قرآن، وحی، قرآن کے حقوق، اسکے فضائل، معلم کی خوبیاں، تاثیر قرآن، تلاوت قرآن کی فضیلت، قرآن پاک کے آداب، بعض سورتوں کی فضیلت، اعجاز قرآن، اسلوب، سائنسی اعجاز، قرآن پاک کی ترتیب، کتابت قرآن، تدوین قرآن، قرآنی اعراب، رسم، سبعہ احرف، قرآت عشرہ، قرآت کی اقسام، قرآنی خطاطی وغیرہا ان عنوانات پر بات کریں گے جن کا جاننا بھی ضروری ہے اور اس پر عموما بات نہیں ہوتی۔

تعلیم و تربیت کے میدان میں معلم ایک سرگرم کردار اور بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا مدرس کے لیے ان صفات و اقدار کو جاننا از حد ضروری ہے جن سے مزین ہو کر وہ اپنے اس عظیم کردار کو نبھانے اور ترقی کی منازل طے کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔

معلم کے اسی عظیم کردار کو سامنے رکھتے ہوئے خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کی طرف بھیجے جانے والے مصاحف کے ساتھ ساتھ اسی لیے معلمین کو بھی روانہ کیا، تاکہ ہر شہر کے لوگ ان قراء کرام سے اپنے اپنے مصحف کے مطابق صحیح تلفظ کے ساتھ قراءت سیکھ سکیں۔

اگرچہ بعض علوم معلم کے بغیر بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں، لیکن قراءات قرآنیہ کا حصول معلم کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ قرآن مجید کی تعلیم عرض (استاد کو سنانا)، تلقی (استاد سے اہتمام کے ساتھ سننا)، مشافہت (استاد کے روبرو بیٹھ کر سیکھنا) اور اسناد پر موقوف ہے، جو معلم کے بغیر ناممکن ہے۔

(قِيلَ لِأَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله فِي الْمَسْجِدِ حَلْقَةٌ يَنْظُرُونَ فِي الفِقْهِ. فَقَالَ: أَلَهُمْ رَأْسٌ؟ قَالُوا: لَا. قَالَ: لَا يَفْقَهُ هٰؤُلَاءِ أَبَدًا) [1]

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ مسجد میں فقہ کا ایک حلقہ قایم ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا ان کا کوئی معلم ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: یہ لوگ کبھی فقیہ نہیں بن سکتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب معلم کے بغیر فقہ حاصل نہیں ہو سکتی تو قرآن مجید کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ [1]

[1] تذکرۃ السامع والمتکلم فی آدب العالم والمتعلم: ۴۶.



یہ ایک حقیقت ہے کہ معلم تعلیم وتربیت اور درس وتدریس کے میدان میں مرکز ومحور کی حیثیت رکھتا ہے۔مضبوط مناہج،دستیاب وسایل اور بہترین ظروف کے باوجود معلم کے کردار سے مستغنی نہیں ہوا جاسکتا۔بسا اوقات بہترین تعلیمی وسایل ناتجربہ کار معلم کے ہاتھوں ناکارہ اور برباد ہو جاتے ہیں اور اچھے سے اچھا نصاب بھی اپنے مطلوبہ نتائج پورے نہیں دے پاتا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اچھے تعلیمی نتائج کا حصول صرف اور صرف معلم کی شخصیت اور اس کے متحرک اور مثالی کردار پر منحصر ہے۔

خلفا،عمایدین اور رہبرانِ قوم اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے ہمیشہ سے کامیاب معلمین کے انتخاب کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں۔پوری دنیا میں آج بھی لوگ اپنے بچوں کو ان مدارس میں داخل کروانے کو ترجیح دیتے ہیں،جہاں کامیاب اور ماہر اساتذہ کرام موجود ہوتے

[1]

مَنْ يَأْخُذُ الْعِلْمَ عَنْ شَيْخٍ مُشَافَهَةً

يَكُنْ عَنِ الزَّيْغِ وَالتَّصْحِيفِ فِيْ حَرَمِ

وَمَنْ كَانَ آخِذًا لِلْعِلْمِ مِنْ صُحُفٍ

فَعِلْمُهُ عَنْ أَهْلِ الْعِلْمِ كَالْعَدَمِ

"جو شخص شیوخ سے مشافہۃ علم حاصل کرتا ہے وہ انحراف حق اور(تغیر تبدل)کی غلطی سے محفوظ رہتا ہے اور جو کوئی علم کتابوں سے حاصل کرنے والا ہو اس کا علم اہل علم کے ہاں نہ ہونے کے مترادف ہے۔."

کیونکہ بہترین تعلیمی نتائج صرف کامیاب اور تجربہ کار اساتذہ سے پڑھنے سے ہی حاصل ہوسکتے ہیں۔

معلم کا اخلاق عالیہ سے متصف ہونا اقامت دین کے حوالے سے اسے نمایاں مقام ومرتبہ پر فایز کر دیتا ہے۔طلباء اپنے اساتذہ کے ہر ہر عمل پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔اساتذہ کی ہر اچھائی وبرائی ان کے سامنے ہوتی ہے۔طلباء اپنے والدین سے زیادہ اپنے اساتذہ کے اخلاق اور طرز عمل سے متاثر ہوتے ہیں۔طالب علم کا بہترین آئیڈیل اس کا استاد ہوتا ہے۔جو استاد کرے گا وہی طالب علم کرنے کی کوشش کرے گا۔یہی وجہ ہے کہ اسلاف نے علم اور دین کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔بلکہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے لازم وملزوم قرار دیا ہے۔وہ اپنے اساتذہ کرام سے علم کے ساتھ ساتھ حسن سیرت،حسن اخلاق،اور اچھا کردار بھی سیکھا کرتے تھے۔

اسلاف کا طرز عمل

ہمارے اسلاف قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے پر بڑے حریص تھے۔ وہ قرآن مجید کی تعلیم کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ سلف کے اس خصوصی اہتمام کی دلیل سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال غنیمت کی حفاظت پر مامور کیا اور تین راتوں تک مسلسل شیطان چوری کرنے کے لیے آتا رہا۔ جب سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا تو اس نے لجاجت سے کہا: مجھے چھوڑ دو! میں تجھے ایسے کلمات سکھلاتا ہوں۔ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ تجھے نفع دے گا۔ پھر اس نے آیت الکرسی بتلائی۔

راوی فرماتے ہیں کہ:

(وَكَانُوا أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ.) [1]

"وہ لوگ خیر پر بہت زیادہ حریص تھے۔"

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَشْغُلُ، فَإِذَا قَدِمَ رَجُلٌ مُهَاجِرٌ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم دَفَعَهُ إِلَى رَجُلٍ مِنَّا يُعَلِّمُهُ الْقُرْآنَ.) [2]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مشغول ہوتے تھے۔ آپ کے پاس جب کوئی مہاجر آتا تو آپ اسے ہم میں سے کسی شخص کے حوالے کر دیتے جو اسے قرآن مجید سکھلاتا تھا۔"

[1] فتح الباری: ۴-۵۶۸.

[2] مسند احمد: ۵-۳۲۵.

امام ابوالفضل الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وَعَلَى الْحِفْظِ وَالتَّحَفُّظِ كَانَ الصَّدْرُ الْأَوَّلُ وَمَنْ بَعْدَهُمْ فَرُبَمَا قَرَأَ الْأَكْبَرُ مِنْهُمْ عَلَى الْأَصْغَرِ سِنًّا فَلَمْ يَكُنِ الْفُقَهَاءُ وَالْمُحَدِّثُوْنَ وَالْوُعَّاظُ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنْ هٰذَا.) [1]

"صدر اول کے لوگ قرآن مجید کو حفظ کرنے اور کروانے کا خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات بڑی عمر کے لوگ چھوٹی عمر کے لوگوں سے پڑھتے تھے۔ فقہاء، محدثین اور واعظین سب اس میدان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور کوئی بھی پیچھے نہ رہتا۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :

(قَدْ بَيَّنَ قَتَادَةُ فِي رِوَايَتِهِ (أَيْ عَنْ أَنَسٍ) أَنَّهُمْ كَانُوا يَحْتَطِبُونَ بِالنَّهَارِ وَيُصَلُّونَ بِاللَّيْلِ وَفِي رِوَايَةِ ثَابِتٍ، وَيَشْتَرُونَ بِهِ الطَّعَامَ لِأَهْلِ الصُّفَّةِ وَيَتَدَارَسُونَ الْقُرْآنَ بِاللَّيْلِ وَيَتَعَلَّمُونَ۔) [2]

”قتادہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام دن کو لکڑیاں چنتے تھے اور رات کو قیام کرتے تھے۔ اور ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔ وہ ان لکڑیوں سے اہل صفہ کے لیے کھانا خریدتے تھے اور رات کو قرآن مجید پڑھتے اور اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔“

[1] بخاری:۴۰۹۰۔

[2] فتح الباری:۷-۴۴۷۔

علم وروایت کے ماہرین اور فہم وبصیرت کے بلند پایہ مشائخ جو اہل سنت کے منہج پہ اللہ کی اطاعت بحسن خوبی کرنے والے ہیں ان سے حصول علم کا ارادہ کرنا چاہئیے

”قرآن کے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اس کی اتباع کرتے ہیں، اگرچہ وہ اس کی مہارت سے قراءت نہ بھی کرتے ہوں۔“

معلم کو چاہیے کہ وہ خود کو اور اپنے تلامذہ کو قراءت میں من گھڑت اَسالیب سے دور رکھے، جو قرون مفضلہ (فضیلت والے ادوار) کے بعد گھڑ لیے گئے ہیں۔ جیسے گانے کی آواز پر تلاوت کرنا، یا ترعید، ترقیص، تطریب اور اَعاجم کے مخصوص لہجات میں پڑھنا، کیونکہ قرآن مجید عربی ہے لہٰذا اس کو عربی لہجات کے مطابق ہی پڑھنا چاہیے۔ اسی طرح قرآن مجید کو یہودیوں وعیسائیوں کے مخصوص لہجات، جن میں وہ تورات وانجیل کی تلاوت کرتے ہیں، میں پڑھنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ جب مطلقاً جمیع اَمور میں ان کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے تو تلاوت قرآن مجید کے لہجات میں ان کی مشابہت اختیار کرنا بالاولیٰ حرام ہو گی۔

اہل علم نے ایسے شخص کی مذمت کی ہے جو قرآن مجید کا کوئی لفظ یاد کرلیتا ہے اور اس کا معنی ومفہوم اور تفسیر نہیں جانتا۔ [2]

امام راغب الاصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

(أَوَّلُ مَا يَحْتَاجُ أَنْ يُشْتَغَلَ بِهِ مِنْ عُلُومِ الْقُرْآنِ الْعُلُومُ اللَّفْظِيَّةُ، وَمِنَ الْعُلُومِ اللَّفْظِيَّةِ تَحْقِيقُ الْأَلْفَاظِ الْمُفْرَدَةِ فَتَحْصِيلُ مَعَانِي مُفْرَدَاتِ أَلْفَاظِ الْقُرْآنِ فِي كَوْنِهِ مِنْ أَوَائِلِ الْمُعَاوِنِ لِمَنْ يُرِيدُ أَنْ يُدْرِكَ مَعَانِيَهِ، كَتَحْصِيلِ اللَّبِنِ فِي كَوْنِهِ مِنْ أَوَّلِ الْمُعَاوِنِ فِي بِنَاءِ مَا يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَهُ، وَلَيْسَ ذَلِكَ نَافِعًا فِي عِلْمِ الْقُرْآنِ فَقَطْ بَلْ هُوَ نَافِعٌ فِي كُلِّ عِلْمٍ مِنْ عُلُومِ الشَّرْعِ، فَأَلْفَاظُ الْقُرْآنِ هِيَ لُبُّ كَلَامِ الْعَرَبِ وَزُبْدَتُهُ وَوَاسِطَتُهُ وَكَرَائِمُهُ، وَعَلَيْهَا اعْتِمَادُ الْفُقَهَاءِ وَالْحُكَمَاءِ فِي أَحْكَامِهِمْ وَحِكَمِهِمْ۔)



”علوم قرآن میں سے سب سے پہلے لفظی علوم کو سیکھنا چاہیے اور مفرد الفاظ کے معانی کی معرفت حاصل کرنی چاہیے۔ کیونکہ مفرد الفاظ کے معانی پوری آیت کے مفہوم کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مفرد الفاظ کی مثال عمارت میں اینٹوں کی سی ہے۔ جب اینٹیں دستیاب ہوں تو آپ جیسے چاہیں عمارت تعمیر کرلیں۔ یہ اسلوب نہ صرف علم قرآن میں بلکہ تمام علوم شرعیہ میں مفید و نافع ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ کلام عرب کا مغز اور جوہر ہیں۔ فقہا و حکما اپنے اَحکام اور حکم میں انہی الفاظ پر اعتماد کرتے ہیں۔ “

یہی وجہ ہے کہ مقری اور معلم قرآن کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ وہ تفسیر اور غریب القرآن کا عالم ہو، تاکہ قرآن فہمی میں اسے کوئی مشکل پیش نہ آئے اور قرآنی الفاظ سن کر ان کے معانی سے عدم واقفیت کی بنا پر احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔

تعلیم قرآن کے حوالے سے جب ہم صحابہ کرام، اور تابعین عظام کے منہج کا جایزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ دس آیات سیکھ لیتے تھے تو اس وقت تک اگلی دس آیات نہ سیکھتے تھے جب تک پچھلی دس آیات میں موجود اَحکام کو نہ جان لیتے اور ان پر عمل نہ کرلیتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید اور علم و عمل اکٹھا ہی سیکھا تھا۔

لہذا ہمیں علوم قرآنیہ کی طرف رجوع کرنا چاہئیے۔ تاکہ دل وروح تابندہ ہو اور قرب خداوندی میسر ہو۔

وَمَا تَوۡفِيقِيٓ إِلَّا بِٱللَّهِۚ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَإِلَيۡهِ أُنِيبُ

میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں

والسلام

خاکپائے عالماں

بندۂ ناچیز محمد طاہر ہاشمی غفرلہ

2 شعبان 1445ھ بمطابق 13 فروری 2024ء

بمقام سمبڑیال ضلع سیالکوٹ

قرآن کریم

لغوی معنیٰ

اہلِ لغت نے قرآن کے لفظی (لغوی) معنیٰ میں مختلف اقوال بیان کیے ہیں

1 : قرآن "قرأ" سے مأخوذ ہے جس کے معنیٰ "قراءت" کرنے (تلاوت کرنے) کے ہیں؛ چوں کہ قرآن پاک کی قرأت (تلاوت) کی جاتی ہے؛ اس لیے اس کو "قرآن" کہتے ہیں۔

2 : قرآن "قرن" سے مأخوذ ہے جس کے معنیٰ جمع کرنے کے ہیں؛ چنانچہ قرآن کو "قرآن" اس لیے کہتے ہیں؛ کیوں کہ اس نے تمام آیات، سورتوں، وعدوں، وعیدوں، قصوں، احکامات اور ممنوعات وغیرہ کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔

3: قرآن "قرن" سے ہے بمعنیٰ ملانا اور اس کی آیات ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں؛ اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔

4 : قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کا نام ہے، یہ کسی دوسرے لفظ سے مأخوذ نہیں ہے۔

تاج العروس من جواهر القاموس-(1 / 363)

بعض علماء کی تحقیق کے مطابق لفظ قرآن الگ الگ مصدر سے مشتق ہے:

1. لفظ قرآن مشتق قراءۃ سے–پڑھنا–سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب۔

2. لفظ قرآن مشتق قرینۃ سے–جمع کرنا–دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ساری ضروری معلومات اصولی طور پر جمع کر دی گئیں۔



3. لفظ قرآن مشتق قرن سے–قریب اور سیاق وسباق–سیاق وسباق سے قرآن کا مفہوم سمجھا جائے تو سارے مشنریز کے اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں۔

4. لفظ قرآن مشتق قرینۃ سے–ملتے جلتے-قرآن میں ملتے جلتے موضوعات سے متعلق،ایک جگہ جمع کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

- قرآن کا لغوی معنیٰ کیا ہے؟

قرآن کی اصطلاحی تعریف

هُوَ كَلَامُ اللهِ تَعَالَى الْمُنَزَّلُ عَلَى مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم بِوَاسِطَةِ جِبْرِيْلَ عليه السلام اَلْمَبْدُوْءُ بِسُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ وَالْمَخْتُوْمُ بِسُوْرَةِ النَّاسِ وَالْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ وَالْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهِ۔

”قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو جبریل علیہ السلام کے واسطے سے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جس کی ابتداء سورۂ فاتحہ سے ہوتی ہے اور انتہاء سورۂ الناس پر ہوتی ہے جو کہ (12 ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے) مصاحف میں (سات حروف پر مشتمل) لکھا گیا اور اس کی تلاوت کرنا عبادت ہے۔“

(قرآن مجید کے حقوق-المجلد 1-الصفحۃ 14-جامع الکتب)

چنانچہ جب ہم نے کلام اللہ) اللہ کی کلام (کہا تو اس سے پتہ چلا کہ یہ جن وانس اور فرشتوں کی کلام نہیں بلکہ یہ صرف اللہ جل شانہ کی کلام حقیقی ہے اور جب ہم نے اَلْمُنَزَّلُ) نازل شدہ (کہا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی وہ کلام مراد ہوئی جو نازل کی گئی) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (نہ کہ وہ کلام مراد ہے جو فرشتوں کے ساتھ کی گئی یا جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور جب ہم نے علٰی محمد) صلی اللہ علیہ وسلم پر (کہا تو پتہ چلا کہ یہ وہ اللہ تعالیٰ کی کلام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی نہ کہ جو موسیٰ علیہ السلام پر تورات کی شکل میں اور نہ عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کی شکل میں۔

اور داؤد علیہ السلام پر زَبور کی صورت میں اور ابراہیم علیہ السلام پر صحائف کی صورت میں نازل کی گئی اور جب ہم نے بواسطہ جبریل علیہ السلام) جبریل علیہ السلام کے واسطے سے (کہا تو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ کلام جبریل علیہ السلام کے واسطے سے نبی تک پہنچی (جیسا کہ قرآن مجید میں وضاحت ہے ۔

(نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ. عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ) }.الشعراء: 193۔194)

’اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ کے دل پر اُترا ہے کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

نہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) اپنے پاس سے گھڑا ہے نہ سابقہ کتب سے اقتباس کیا ہے اور نہ ہی کسی بشر سے اس کو سیکھا ہے جیسا کہ بعض مستشرقین کا تخیل ہے اور جب اَلْمَبْدُوْءُ بِسُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ وَالْمَخْتُوْمُ بِسُوْرَةِ النَّاسِ کہا (کہ یہ فاتحہ سے شروع ہو کر الناس پر



ختم ہوتا ہے) تو پتہ چلا کہ یہی ترتیب و مقدار صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد تھی اس میں کمی نہیں کی گئی اور یہ کہنا بہتان ہے کہ اس قرآن کی 17000 آیتیں تھیں اور جب اَلْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ (مصاحف میں لکھا جاچکا ہے) کہا تو پتہ چلا جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو یاد کیا وہاں اس کو مصاحف میں لکھا وہ مصاحف جن کو مصاحف عثمانیہ کے نام سے مسلمان یاد کرتے ہیں اور جب ہم نے اَلْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهٖ (اس کی تلاوت کرنا عبادت ہے) کہا تو پتہ چلا کہ کائنات میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی تلاوت عبادت متصور کی جائے اور اس کو نماز میں پڑھا جائے سوائے اس قرآن مجید کے جس کا ایک حرف پڑھنے سے انسان کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری قسمت میں کرے (آمین)

(البرھان فی علوم القرآن 1/ 278، والاتقان 1/ 87، والنہایۃ فی غریب الحدیث والاثر 4/ 30، والمعجم الوسیط 2، 1/ 730، 722، 731 ودراسات فی علوم القرآن الکریم 18-22

والمنجد 799، 798، 789، 788)

قرآن مجید کی جامع و مانع تعریف

قرآن مجید اللہ رب العالمین کا وہ معجزاتی کلام ہے جو محمد ﷺ پر جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے نازل ہوا، جو مصاحف میں مکتوب ہے اور تواتر کے ساتھ ہمارے پاس چلا آرہا ہے، جس کی تلاوت کرنا عبادت ہے اور جس کا آغاز سورۃ الفاتحہ سے اور اختتام سورۃ الناس پر ہوتا ہے۔

موضوع قرآن کیا ہے؟

قرآن کا موضوع بنیادی طور پر "انسان" ہے، تا کہ وہ اپنے رب و خالق کے پیغام سے آگاہ ہو اور دنیا کی بھول بھلیوں میں اتنا گم نہ ہو جائے کہ اس خالق کو بھول جائے جس کے پاس دوبارہ اسے پلٹ کر جانا ہے۔

قرآن مجید کیا ہے؟

قرآن مجید کلام اللہ ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تا کہ وہ لوگوں کو گمراہی سے نور ہدایت کی طرف نکالے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی کے فرمان کا ترجمہ ہے:

وہ اللہ تعالی ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات اتارتا ہے تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے۔(سورۃ الحدید:9)

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید میں پہلے اور آخری لوگوں اور زمین وآسمان کی پیدائش کی خبریں دیں، اور اس میں حلال وحرام اور آداب واخلاق کے اصول، اور عبادات ومعاملات کے احکام، انبیاء وصالحین کی سیرت، کافروں اور مومنوں کی جزاوسزا، مومنین کے گھر جنت کا وصف اور کافروں کے گھر جہنم کا تفصیلی بیان ہے اور اسے ہر چیز کے بیان کرنے والا بنایا۔

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا کافی وشافی بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے رحمت وخوشخبری ہے۔(سورۃ النحل:89)

· قرآن مجید میں اللہ تعالی کے اسماء وصفات اور اس کی مخلوقات اور اللہ تعالی اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان کی دعوت کا بیان ہے، جیسا کہ فرمان ربانی ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ.

(وہ) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہلِ ایمان نے بھی، سب ہی (دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، (نیز کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان بھی (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے، اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے ہیں: ہم نے (تیرا حکم) سنا اور اطاعت (قبول) کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طلب گار ہیں اور (ہم سب کو) تیری ہی طرف لوٹنا ہےo (سورۃ البقرۃ:285)

· اور قرآن مجید میں قیامت کے دن اور موت کے بعد حشر ونشر اور حساب وکتاب کے حالات کا تذکرہ ہے، اور حوض کوثر اور پل صراط ومیزان اور نعمتوں اور عذاب اور قیامت کے دن لوگوں کے جمع ہونے کا وصف بیان کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں وہ تم سب کو یقینا قیامت کے دن جمع کرے گا، جس کے (آنے) میں کوئی شک وشبہ نہیں، اللہ تعالی سے زیادہ سچی بات کرنے والا کون ہے؟ (سورۃ النساء:87)

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالی کی آیات کونیہ (اس جہاں کی نشانیوں) اور آیات قرآنیہ میں غور وفکر اور تدبر کی دعوت دی گئی ہے، اللہ تبارک وتعالی کے فرمان کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ

فرما دیجئے: تم لوگ دیکھو تو (سہی) آسمانوں اور زمین (کی اس وسیع کائنات) میں قدرتِ الٰہیہ کی کیا کیا نشانیاں ہیں اور (یہ) نشانیاں اور (عذابِ الٰہی سے) ڈرانے والے (پیغمبر) ایسے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو ایمان لانا ہی نہیں چاہتے (سورۃ یونس:101)

اور رب ذوالجلال کا فرمان ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

کیا وہ قرآن پر غور وفکر نہیں کرتے؟ یا پھر ان کے دلوں پر تالے لگ چکے ہیں۔(سورۃ محمد:24)

قرآن مجید میں توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر تفصیلی طور پر ہے۔

قرآن مجید میں توحید ربوبیت، توحید اسماء وصفات اور توحید الوہیت کا تفصیلی ذکر ہے اور مقصد قرآن توحید الوہیت کا ثابت کرنا ہے۔

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

(انہیں بھی)واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ (بھیجا تھا)، اور (اے نبیِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور وفکر کریں (سورۃ النحل:44)

قرآن وحدیث کو فہم صحابہ اور ان کے حقیقی ہدایت یافتہ متبعین کے مطابق سمجھنا، عمل کرنا اور دعوت وتبلیغ ونفاذ حتی المقدور کرنا ایمان کی علامت ہے اور صراط مستقیم کا تقاضہ ہے۔

قرآن مجید میں غیر مسلموں کے پانچ معروف سوالات کے جوابات تفصیل میں ہیں

1۔ میں کون ہوں؟

2۔ کہاں سے آیا ہوں؟

3۔ مجھے کس نے پیدا کیا ہے؟

4۔ مجھے کیا کرنا ہے؟ کس طرح زندگی گزارنی ہے؟

5۔ مرنے کے بعد میرا کیا ہوگا؟

قرآن مجید سب لوگوں کی طرف اللہ تعالی کی کتاب ہے

اللہ سبحانہ وتعالی کے فرمان کا ترجمہ اس طرح ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ

ہم نے آپ پر لوگوں کے لیے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے پس جو شخص ہدایت پر آجائے تو اس کا اپنا ہی نفع ہے اور جو گمراہ ہو جائے اس کی گمراہی کا وبال بھی اس پر ہے اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں ہیں۔(سورۃ الزمر:41)

نزول قرآن کے بعد یہی (قرآن مع مقبول احادیث کی تشریحات) ایک ایسی کتاب ہے جو بشریت کے لیے تاقیامت کتاب رہے گی، اب جو بھی اس پر ایمان نہ لائے وہ کافر ٹھہرا اور وہ روز قیامت سزا سے دوچار ہو گا، جیسا کہ رب ذوالجلال کے فرمان کا ترجمہ اس طرح ہے:

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں ان کو عذاب پہنچے گا اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔(سورۃ الانعام:49)

قرآن کریم کی عظمت اور جو کچھ اس میں فصاحت وبلاغت اور معجزات ونشانیاں اور امثال وعبرتیں ہیں اس کی بنا پر اللہ تعالی نے فرمایا،

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے کہ وہ خشیت الٰہی سے پست ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔(سورۃ الحشر:21)

اللہ تعالی نے جن وانس کو یہ چیلنج کیا ہے کہ وہ اس کی مثل لائیں یا پھر اس کی مثل ایک سورت ہی لے آئیں، تو وہ نہیں لا سکیں اور وہ اس کی طاقت بھی نہیں رکھ سکتے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی کے فرمان کا ترجمہ ہے:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کی مثل لانا ناممکن ہے گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔(سورۃ بنی اسرائیل:88)

توجب قرآن کریم آسمانی کتب میں سب سے عظیم، کامل اور آخری کتاب ہے، تو اللہ تعالی نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کتاب لوگوں تک پہنچانے اور اس کی تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا،

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ



اے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اس (ربّ) کا پیغام پہنچایا ہی نہیں، اور اللہ (مخالف) لوگوں سے آپ (کی جان) کی (خود) حفاظت فرمائے گا۔ بیشک اللہ کافروں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا (سورۃ المائدۃ:67)

اس کتاب کی اہمیت اور امت کو اس کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالی نے اس کے ساتھ ہماری تکریم کرتے ہوئے ہم پر نازل فرمائی اور اس کی حفاظت اپنے ذمے لیتے ہوئے فرمایا،

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ

بیشک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے

(سورۃ الحجر:9)

قرآن مکمل ابدی، آفاقی و ہمہ جہت ہونے کے اعتبار سے مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اللہ کی طرف سے آخری کتاب ہے اور حدیث صحیح اس کی تشریح ہے۔

نزولِ قرآن کے مقاصد کیا ہیں؟

متعدد آیات ہیں جو نزول قرآن کے مقاصد کو واضح کرتی ہیں۔

☆... آپ ﷺ اللہ کے احکام لوگوں تک کھول کھول کر پہنچا دیں اور انہیں متنبہ کر دیں:

{وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾} (سورۃ الشعراء ۱۹۲۔۱۹۶)

اور بیشک یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ اس کو روح الامین نے آپ ﷺ کے قلب پر نازل کیا ہے تاکہ آپ ﷺ متنبہ کرنے والوں میں سے ہوں۔ واضح عربی زبان میں اور بلاشبہ اس کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی ہے۔

☆... انسانوں کو اچھے اور برے انجام سے متنبہ کیا جائے:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا. (سورۃ بنی إسرائیل: ۹)



یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

☆… متقی افراد کی راہنمائی کی جائے۔

{ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ} (سورۃ البقرہ: ۲)

یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لیے باعث ہدایت ہے۔

☆… محدود وقت، علاقے اور مخصوص قوموں کی بجائے قرآن مجید تمام بنی نوع انسان کے لیے بلا قید رنگ و نسل اور زمان و مکان نازل کیا گیا۔

{قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ...} (سورۃ الاعراف: ۱۵۸)

کہہ دیجئے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

{وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ...} (سورۃ سبا: ۲۸)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا، اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

☆… گذشتہ الہامی کتب میں شریعت کے احکام وقتی اور علاقائی ضرورت کے اعتبار سے تھے لیکن قرآن کو ابدی، دائمی اور آفاقی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

{الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ....} (سورۃ المائدہ: ۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

☆… گذشتہ کتب میں نزول کے بعد، بعد کے اَدوار میں احکام الٰہی ہونے کے باوجود ان پر عمل کرنا ممکن نہ رہا تھا کیونکہ ان میں تحریف کر دی گئی تھی۔ لہٰذا قرآن کو نازل کیا گیا جس میں بغیر کسی تحریف یا تبدیلی کے عمل کرنا آسان و ممکن رہے اور قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمہ اللہ نے خود لے لیا۔ (15: 9)

{... وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ. لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ...} (سورۃ حٰمٓ السجدہ: ۴۱۔۴۲)

بے شک یہ زبردست کتاب ہے، باطل اس پر آگے اور پیچھے سے نہیں آسکتا ہے۔

☆… یہود و نصاریٰ سے امامت چھین کر امت مسلمہ کو دی جا رہی تھی۔ اس لیے خاتم النبیین محمد ﷺ کو بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل سے مبعوث کیا گیا۔ امامت کی مکمل منتقلی کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ ایک کتاب بھی نازل کی جائے۔ (سورۃ البقرہ: 146، اشارۃ النص سے سمجھا جا سکتا ہے)

☆...نبی اکرم ﷺ آخری نبی کے طور پر آرہے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد وحی کا سلسلہ قیامت تک کے لیے رک جانا تھا۔لہذا یہ ضروری تھا کہ ایک کتاب ایسی بھی ہو جو قیامت تک ہدایت وراہنمائی کا کام دے۔(33: 40)

قرآن کریم کس زبان میں ہے؟

قرآن حکیم، فرقانِ حمید رب کائنات کی طرف سے انسانوں کی طرف ایک کھلا اور واضح پیغام ہے۔ یہ پیغامِ ربّانی تمام انسانیت کے لیے فوز و سعادت کی کنجی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنا، اور اس پیغام کو پڑھنا اور اس سے ہدایت اور رہنمائی لینا ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔ یہ اس پیغام ربانی کا اعجاز اور رب کائنات کی طرف سے اتمام حجت ہے کہ اس دنیا میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس پیغام کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ بلیغ زبان عربی میں ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢﴾

بیشک ہم نے اس کتاب کو قرآن کی صورت میں بزبانِ عربی اتارا تاکہ تم (اسے براہِ راست) سمجھ سکو۔(یُوسُف،2:12)

اور ایک دوسری جگہ اس کی مزید وضاحت فرمائی

وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ ٱلْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

اور اسی طرح ہم نے اس (آخری وحی) کو عربی زبان میں (بشکلِ) قرآن اتارا ہے اور ہم نے اس میں (عذاب سے) ڈرانے کی باتیں بار بار (مختلف طریقوں سے) بیان کی ہیں تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا (یہ قرآن) ان (کے دلوں) میں یادِ (آخرت یا قبولِ نصیحت کا جذبہ) پیدا کر دے۔
(طٰهٰ، 20 : 113)

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ ٱلْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ ٱلْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِى ٱلْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِى ٱلسَّعِيرِ ﴿٧﴾

7 . اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن کی وحی کی تاکہ آپ مکّہ والوں کو اور اُن لوگوں کو جو اِس کے اِرد گرد رہتے ہیں ڈر سنا سکیں، اور آپ جمع ہونے کے اُس دن کا خوف دلائیں جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (اُس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا گروہ دوزخ میں ہوگا۔

(الشُّوْرٰی، 42 : 7)



ضروری ہے کہ جو نبی جس قوم یا قبیلے کی طرف مبعوث کیا جائے وہ ان کی زبان بولتا ہو تا کہ ایک دوسرے کے لیے افہام و تفہیم آسان ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: (وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) (ابراھیم-4)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی زبان میں تاکہ وہ انہیں وضاحت سے بات سمجھا سکے پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

رسول اکرم حضرت محمد ﷺ جو عرب میں پیدا ہوئے یہیں پلے بڑھے اور یہ لازمی سی بات ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے جس قوم میں نبی کو مبعوث کیا جا رہا ہے وہ اس قوم کی زبان کو جانتا اور سمجھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عرب میں اللہ نے ان کی زبان میں عربی جاننے اور بولنے والا رسول ﷺ بھیجا۔ قرآن کریم وہ کتاب ہدایت ہے جو نبی اکرم ﷺ لے کر مبعوث ہوئے اور وہ بھی عربی زبان میں ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: (وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (192) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (193) عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ (194) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ) (الشعراء-192-195)

۱۹۲۔ اور بتحقیق یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ ۱۹۳۔ جسے روح الامین نے اتارا۔ ۱۹۴۔ آپ کے قلب پر تاکہ آپ تنبیہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ ۱۹۵۔ صاف عربی زبان میں۔

فرض کرتے ہیں کہ اگر یہ قرآن عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو عربوں کے لیے ان الفاظ کے معانی اور اس کے مقاصد کو سمجھنا انتہائی دشوار ہوتا اور یہ نص قرآن کے خلاف ہوتا کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: (وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) (ابراھیم.4)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی زبان میں تاکہ وہ انہیں وضاحت سے بات سمجھا سکے پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

اسی طرح اگر کتاب کو جس قوم میں اتارا گیا اس کی زبان اور رسول کی زبان (جس قوم میں وہ بھیجا گیا اس سے) مختلف ہو تو بہت سے لوگ ہدایت سے محروم رہ جائیں گے کیونکہ وہ زبان کی جہالت کی وجہ سے ہدیات کو جان نہیں سکیں گے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

(كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ) (فصلت-3)

ایسی کتاب جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، ایک عربی (زبان کا) قرآن علم رکھنے والوں کے لیے۔



اگر کتاب ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی تو لوگ شکوک کے دائرے میں پھنسے رہیں گے بالخصوص اس صورت میں جب یہ دعوی کیا جارہا ہو کہ کتاب آسمانی وحی ہے اور ولوگوں کو ہدایت دیتی ہے اور کفر سے دور کرتی ہے۔لوگ بحث ومباحثہ ہی کرتے رہ جائیں گے اور تضادات کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ ان کی زبان وحی کی زبان سے مختلف ہو گی۔ قرآن مجید نے بڑی خوبصورتی سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور ایسے سوالوں کے جوابات دیے ہیں ارشاد باری ہوتا ہے:(وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ)(فصلت-44)

اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں قرار دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات کو کھول کر بیان کیوں نہیں کیا گیا؟(کتاب) عجمی اور (نبی) عربی؟ کہدیجئے: یہ کتاب ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بھاری پن (بہرا پن) ہے اور وہ ان کے لیے اندھا پن ہے، وہ ایسے ہیں جیسے انہیں دور سے پکارا جاتا ہو۔

عربی زبان کے امتیازات

عربی زبان جو کہ قرآن کی زبان ہے اس لحاظ سے دوسری زبانوں سے ممتاز ہے کہ اس کے مفردات بہت زیادہ ہیں اور اس کے مترادفات کثرت میں ہیں۔ ہر لفظ قرآن کے معانی کو بیان کرنے اور اس کے مقاصد کو کئی جہات سے ادا کرنے اور پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ اولین معنی کو قاری تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالی چاہتا ہے کہ ہم قرآن مجید کے عربی زبان میں نازل کرنے کی علت کو سمجھیں اس لیے کتاب محکم میں ارشاد ہوا:(إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ)(یوسف-2)

ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا تاکہ تم سمجھ سکو۔

صرف شیر کے لیے دس سے زیادہ الفاظ ہیں جیسے سبع، لیث، اسد، غضنفر، قسورۃ، جساس، بیہس وغیرہ

اسی طرح عربی زبان میں یہ خصوصیت ہے کہ اس کے ایک کلمے سے کئی کلمے نکلتے ہیں۔ یہ اس کی اہم خصوصیت ہے اسی لیے بہت سی زبانوں سے جدا ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں کثرت الفاظ کی وجہ سے تعبیر معنی کے لیے کثیر الفاظ مل جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے عربی زبان کو آخری کتاب کے لیے چنا، مثال کے طور پر عربی کا ایک لفظ "قاری" ہے اس سے قرا، یقرا، اقرا، قراء، یقروون اور قرآن جیسے کلمات نکلتے ہیں۔

ایک اور لحاظ سے عربی زبان ممتاز ہوتی ہے وہ اس کی اعلی بلاغت ہے عربی زبان اس بات پر قادر ہے کہ کم ترین الفاظ کے ساتھ بہت زیادہ معنی دے جس سے باقی زبانیں بے بس ہوں اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:(وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ)(ھود-44)



اور کہا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی (کوہ) جودی پر ٹھہر گئی اور کہا گیا ظالموں پر نفرین ہو۔

یہاں پر یہ جملہ یأرض إبلعي ماءك، ويا سماء أقلعي حکم خدا کی طرف اشارہ ہے جو حضرت نوحؑ کے زمانے میں طوفان کے اختتام کی طرف ہے۔ یہ قرآن کی بہترین بلاغت ہے۔ اس طرح اور بھی بہت سی دلیلیں ہیں جو عربی کو قرآنی زبان ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اہل جنت کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے گویا وہی انسان کی اصلی زبان کہی جاسکتی ہے اور اس لیے وحی کے لیے بھی یہی زبان پسند کی گئی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے دنیا میں عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانیں بھی پیدا فرمائی ہیں تاکہ ہر انسان بہ سہولت اپنے مافی الضمیر کو ادا کر سکے اور اسی وجہ سے ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنی قوم کی زبان میں مبعوث فرمایا۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ...﴿٤﴾﴾... سورۃ ابراھیم

تاکہ وہ پیغام خداوندی جس کا نزول ان پر عربی زبان میں ہوتا ہے، اس کی ترجمانی اور توضیح اپنی قوم کے سامنے ان کی مادری زبان میں فرماتے رہیں؛ چنانچہ

عَنْ سُفيانَ مَا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ وَحْيٌ الاَّ بِالعربيةِ وَكَانَتْ الأَنْبِيَاءُ عليهمُ السلامُ تُتَرْجِمُهُ لِقَوْمِهِمْ بِلِسَانِهِمْ

(۳) سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ وحی تو عربی زبان میں ہی نازل ہوئی پھر ہر نبی نے اپنی قوم کی زبان میں اس وحی کی ترجمانی فرمائی۔ بر خلاف قرآن مجید کے کہ وہ جس زبان میں نازل ہوا وہی نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور قوم کی مادری زبان اور تمام انسانوں کی فطری اور اخروی زبان تھی؛ اس لیے قرآن جس طرح نازل ہوتا تھا، بعینہ اسی طرح قوم کے سامنے پیش کر دیا جاتا اور اسی طرح زبانی و تحریری طور پر محفوظ کر لیا جاتا تھا۔ (محدث)

کیا قرآن کے مختلف الفاظ اور اصطلاحات غیر زبانوں سے مستعار ہیں؟

قرآن پر اعتراض کا ازالہ

مستشرقین کی جانب سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ قرآن کی مختلف اصطلاحات غیر مذاہب اور غیر زبانوں سے مستعار ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ بر آمد کرنا مقصود ہوتا ہے کہ جب الفاظ مستعار ہیں تو ان کے معنی اور مفہوم بھی در آمد کیے گئے ہیں۔ گویا اسلام دیگر مذاہب کا محض چربہ ہے۔

شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں قرآن کے مختلف الفاظ اور اصطلاحات کو بیرونی الفاظ اور اصطلاحات کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔



(cf. Shorter Encyclopedia of Islam; article 'Quran', pp. 273-274)

مثلاً ارامی سے مشتق: اللہ-الاہا، امت-اُمتہ، سجدہ، سگد، کرسی-کرسیا، مدینہ-مدینتہ، مسجد-مسگد، ملت-ملا

عبرانی سے مشتق: امت-امہ، آیت-اوت، جبروت-حبروت، جہنم، گہنم، صدقہ-صداقہ، صلوٰۃ، صلوتا، عاشوراء-عاشور، قرآن-کریانا، قربان-قوربان، کروبیون-کروبین، ملت-ملہ، مہر-موہار، نبی-نابی

سریانی سے مشتق: دجال-دگالے، یادغالے، فرقان-فرکانا، مہر-مہرہ

حبشی سے مشتق: سجدہ-مسگاد، منافق-منافق

فارسی سے مشتق: برزخ-فرسخ

سامی سے مشتق: ملائک-ملک

ان کامافی الضمیر یہ ہے کہ جس کے پاس اس کے اپنے الفاظ نہیں ہیں وہ ان تصورات سے بھی بیگانہ تھا۔ چونکہ اللہ، قرآن، صلٰواۃ، سجدہ، ملائکہ، مسجد، آیت اور قربان جیسے بنادی الفاظ مستعار ہیں اس لیے یہ سارے تخلیات اور ارکانِ عبادت ان مذاہب سے مستعار ہیں جن میں یہ الفاظ پائے جاتے تھے، ان الفاظ میں سے بیشتر چونکہ عبرانی سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے یہ سب اثرات یہود کے مذہب سے قبول کیے گئے ہیں۔ اسی اندازِ فکر کے باعث کائتانی، وینسنک اور بوہل (Buhl) نے روزے کو عیسائی، مجوسی اور عرب بت پرستوں کی عبادت قرار دیا۔ (cf. Montgomary Watt; Mohammed at Medina, p.203)

بوہل نے جنگِ بدر کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے خروج کی مناسبت سے فرقان کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے خروج کی کامیابی پر عاشوراء کے روزے رکھنے کا حکم دیا تھا اسی طرح بدر میں کامیابی پر رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ (cf. Buhl; Origin of Islam, p.124)۔ حالانکہ روزے جنگِ بدر سے قبل فرض ہو چکے تھے اور 17 رمضان 2 ہجری کو جب جنگِ بدر ہوئی تو روزے رکھے جا رہے تھے۔ بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے میں بھی انہیں یہی اثرات کار فرما نظر آتے ہیں۔ مدینہ میں مسجدِ نبوی کی تعمیر کو یہود کے ہیکل کا اثر کہا گیا۔ (cf. Montgomary watt; Mohammed at Medina, p.200))

کعبے کی حرمت، طواف اور حج کو تو شعارِ جاہلیہ قرار دیا ہی جا چکا تھا، زکوٰۃ کو سریانی اور عبرانی زبانوں کا لفظ قرار دیکر جس کے معنٰی ان زبانوں میں 'اعلی اخلاق' کے آتے ہیں، اسے بھی بیرونی اثر قرار دیا گیا۔ جہاد تو ان کے نزدیک نہایت ہی ناپسندیدہ فعل ہمیشہ سے رہا ہے، اسے تو مذہبی عمل سے خارج قرار دیا گیا۔ حنیف کے لفظ سے عربی واقف ہی نہ تھے، یہ لفظ بیرونی زبانوں میں بے دین، بدعتی اور منافق کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا، لہذا اسلام، جو خود کو دینِ حنیف کہتا ہے، بے دینی، بدعت اور منافقت کا دین ہوا۔



تار اندرے نے اخلاق کے موضوع پر یہ فیصلہ کر دیا کہ اسلام کی مذہبی قدریں، مثلاً دنیاوی مال و دولت سے بیزاری، غرور سے نفرت، بے دینوں سے لاتعلقی، ہنسی ٹھٹے سے گریز، مذاق اور غیر محتاط گفتگو سے پرہیز، خیرات کی اہمت پر زور، گناہوں کا کفارہ، جنت کا تخیل، یہ سب کے سب شامی عیسائیوں (نسطوریوں) کی تحریروں سے بھرپور مماثلت رکھتی ہیں۔(Shorter Encyclopedia of Islam, p393)

الفاظ کی مماثلت:5200 قبلِ مسیح تا1500 قبلِ مسیح جو قومیں شام، فلسطین، عراق، عبر، فنیشیہ، اور مصر میں آباد تھیں ان کے کردار، زبان عقائد اور معاشرت میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس کے سبب یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ یہ تمام اقوام جو بابلی، آسوری، کلدی، آموری، عبیری، عربی اور مصری کہلاتی تھیں۔ سب کی سب ایک نسل سامی سے تھیں، سامی نسل کا اصل وطن کہاں تھا، ماہرین اس ضمن میں مختلف الخیلاہیں، ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ شمالی افریقہ سے پھیلے، دوسرا گروہ جو عہد نامہ عتیق سے متاثر ہے ان کا اصل وطن دجلہ وفرات کی وادی کو قرار دیتا ہے۔ ان دعووں کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی معاشرے نے زرعی زندگی اختیار کرنے کے بعد بدوی زندگی اختیار کی، یہ طریقہ عمل قانون ارتقاء کے خلاف ہے۔

اب مؤرخین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ،

"سامی تہذیب کا گہوارہ یہی خطہ عرب تھا۔ اسی نے ان سپوتوں کو پروان چڑھایا جو ترکِ وطن کر کے ہلالِ تہذیب میں آبسے اور بعدہ، فنیقی، شامی اور بابلی کہلائے، یہی لوگ تاریخ کے عبرانی لوگ ہیں۔ سامی تہذیب کی اسی سرزمین سے یہودیت کے آثار نمایاں ہوئے، یہیں عیسائیت پروان چڑھی۔ اسی ریگزار سے ایک نیا مذہب اسلام ابھرا،(Phillips K. Hitti; History of Arabs, P.3) "

جب سامنی نسل عرب کے ریگزاروں سے نکلی ہوگی تو وہی زبان لے کر نکلی ہوگی جو اس دور میں عرب میں بولی جاتی تھی۔ بعد کے ادوار میں ان زبانوں میں تبدیلی آتی گئی اور یہ زبان آرامی کہلائی، یہ حقیقت ہے کہ شام و عرب اور عراق تینوں جگہوں آرامی رائج تھی۔ شامی آرامی سے عبرانی، بابلی آرامی سے کلدانی، اور عربی آرامی سے عربی وجود میں آئی، عرب کے یمنی قبائل نے حبشہ میں اپنی نو آبادیاں قائم کیں تو ان کی زبان اور مقامی زبان کے اشتراک سے حبشی زبان نے ترقی کی۔ یہاں تک کہ علمائے لسانیات حبشی زبان کو عربی کی شاخ قرار دیتے ہیں۔(ملاحظہ ہو مولانا سید سلیمان ندوی؛ ارض القرآن، باب 'زبانیں')

وہ قومیں جو عرب سے باہر نکل گئیں اور جنہیں بیرونی اقوام سے سابقہ پڑا، ان کی زبانیں آہستہ آہستہ بیرونی اثرات کے تحت تبدل و تغیر کا شکار ہوئیں۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے عرب میں ہی بود و باش رکھی ان کی زبان بیرونی اثرات سے بڑی حد تک محفوظ رہی، گویا انہوں نے اصل سامی زبان یا آرامی زبان کو تغیر و تبدل سے محفوظ رکھا، لہٰذا ایک ہی اصل زبان میں اگر الفاظ مشترک ملتے ہیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ جس طرح مغرب ان الفاظ کو غیر زبانوں کے الفاظ کہنے پر مصر ہے اسی طرح اگر یہ دعویٰ کیا جائے یہ سارے اصلاً عربی الفاظ ہیں، جنہیں حبشی، آرامی، سریانی اور عبرانی زبانوں نے مستعار لے رکھا ہے تو بعید از قیاس نہ ہو گا۔



بینادی دعوٰی یہ ہے کہ الفاظ سے پہلے ان کے اصطلاحی معنی اور مطالب اخذ کیے گئے، اور چونکہ ان کے لیے متبادل الفاظ میسر نہ تھے اس لیے انہی الفاظ کو قائم رکھا گیا۔ لیکن اگر عربی لغات اور عبرانی لغآت کا موازنہ کیا جائے تو روز مرہ کے استعمال اور بنیادی ضروریات کے سینکڑوں ہزاروں الفاظ مشترک پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اب، ارض، اسیر، امر، ام، امہ، برد، برق، برکت، بطن، بکا، بکر، بن، بنت، بہق، بہیمہ، بئر، بیت، بیضۃ، تلمیذ، تنور، جبل، جمل، حرب، حکمت، حشر، حکیم، دم، ذئب، زرع، ستر، سفینہ، سکت، طعم، طعن، طہر، طول، عہد، عتیق، عقب، عقد، عقرب، عمل، عنب، عنق، عین، کبد، کبش، کبیر، کتاب، کذب، کرم کنز، کوکب، لبن، لحم، لعب، لعن، لہب، ماء، ملح، مر، مسکن، ملک، ملبوس، من، موت، نصر، نہار، نہر، نور، ہواء، ولد، ید، یلد، یم، یمین، یوم، وغیرہ وغیرہ

کیاان کے اور ان جیسے الفاظ کے مشترک ہونے کے معنی یہ لیئے جاسکتے ہیں کہ عربوں کو ان بنیادی الفاظ کے لیے عبرانی کامنت کش ہونا پڑا، اور ان الفاظ کے متوازی الفاظ عربی میں موجود نہیں تے، یا یہ کہ چونکہ یہ الفاظ عبرانی سے لیے گئے اس لیے ان الفاظ سے متعلق معنی اور تصور بھی مستعار لیا گیا۔ اگر ایسا نہیں تو پھر ایک ہی شاخ کی دو زبانیں اگر مشترک الفاظ رکھتی ہیں تو اس میں طعن کیا ہے۔ چلیے اگر مغرب کا یہ دعوٰ صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ دیکھنا ہو گا کہ متنازیہ الفاظ عربی مُس پہلے سے مستعمل تھے کہ نہیں۔ اس کا جواب خود توری کی زبان سے یہ ہے کہ،

“All the properties of the Quranic diction including the foreign words and proper names, had been familiar in Mekka before he appeared on the scene.” (C.C. Torrey; The Jewish Foundation of Islam, 2nd Lecture, ‘ Genesis of the New Faith’.)

) قرآنی لغت کے تمام عناصر، بمع بیرونی الفاظ واسمائے خاص، ان (محمد ﷺ) کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے سے مکے میں عمومی طور پر رائج تھے۔(

علامہ جلال والدین سیوطی نے اپنی کتاب 'الاتقان' میں ایک باب (نوع-38)، قرآن میں مستعمل غیر عربی الفاظ کے لیے وقف کیا ہے، اور تقریباً سو (100) ایسے الفاظ بیان کیے ہیں جو عربی الاصل نہیں ہیں۔ امام شافعیؒ، ابو عبیدہؒ اور ابنِ اوسؒ، قرآن میں غیر عربی الفاظ کے استعمال کی سختی سے تردید کرتے ہیں، ابنِ جریر کا قول ہے کہ ان الفاظ میں توارد ہو گیا ہے۔ بیشتر علماء اور مفسرین کا مسلک یہ ہے کہ الفاظ معرب ہو چکے تھے، عربی بول چال اور اشعار میں کثرت سے استعمال ہونے لگے تھے۔ اس اعتبار سے ایسے تمام الفاظ عربی ہی شمار ہوتے ہیں۔

(یہ اقتباس لیا گیا ہے کتاب: اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر)

آج کل ایک اور فتنہ گوہر شاہی کا نمائندہ یونس گوہر کہتا ہے کہ اللہ کی زبان سریانی ہے لہذا اس کا کلام بھی اسی میں ہے۔

حالانکہ قرآن کریم میں واضح فرما دیا گیا ہے کہ یہ عربی میں ہے۔

سریانی کے بارے تھوڑا سا جاننے کی کوشش کرتے ہیں



سریانی زبان (مشرقی سریانی: ܠܫܢܐ ܣܘܪܝܝܐ، لِشانا سُریایا؛ مغربی سریانی: ܠܫܢܐ ܣܘܪܝܝܐ، لِشونو سُریویو) سامی زبانوں کے خاندان سے ہے اور آرامی زبان سے نکلی ہے۔ آرامی زبان اپنے دور ترقی میں دو لہجہ میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک عراق میں رائج تھا اور دوسرا شام میں۔ یہی نقطہ آغاز ہے سریانی زبان کا۔

جس زبان کا ماخذ خود کوئی اور ہو تو وہ ام الزبان تو نہ ہوئی۔ اللہ کریم کی ذات تحمنیہ سے پاک ہے۔ اسے کسی میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اس کا کلام اسی کی شان کے مطابق ہے۔

گو کہ سریانی زبان نے اس کے بھی بہت بعد پر پرزے نکالے۔ غالباً پہلی یا دوسری صدی عیسوی میں۔ اور چوتھی صدی عیسوی میں مسیحی مدارس نے اس کی ترقی میں زبردست کردار ادا کیا۔ آج بھی اس کا شمار مسیحیت کی تین اہم ترین زبانوں یونانی، لاطینی اور سریانی میں ہوتا ہے۔ مسیحیوں نے اس زبان کو کبھی مٹنے نہیں دیا۔

عہد اسلامی میں بھی سریانی زبان خوب پھلی پھولی۔ لیکن جس طرح اندلس میں مسلمانوں کے زوال کی وجہ سے عبرانی زبان فنا بردوش ہو گئی تھی، اسی طرح خلافت عباسیہ پر تاتاری یلغار کے نتیجہ میں سریانی زبان بھی زوال آمادہ ہو گئی۔ لیکن مسیحی کنیسہ نے اس کو ناپید ہونے سے بچالیا۔ آج یہ زبان کئی ممالک میں موجود ہے۔ (آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا سے)

لہذا قرآن مجید عربی میں ہی ہے اسی میں اتارا گیا۔

سوالات قبر سریانی زبان میں ہوں گے

امام اہل سنت، اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی سے عرض کیا گیا کہ مرنے کے وقت سے زبان عربی ہو جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس بارے میں تو کچھ حدیث میں ارشاد نہیں ہوا- حضرت سیدی عبد العزیز دباغ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ قبر میں سریانی زبان میں سوال ہو گا اور کچھ لفظ بھی بتائے ہیں-(ملفوظات اعلی حضرت، ح4، ص447)

حالانکہ حدیث مبارکہ میں واضح سوالات بتائے گئے ہیں جو کہ عربی میں ہیں۔

بخاری شریف میں ہے

كِتَابُ الجَنَائِزِ بَابٌ: المَيِّتُ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ صحیح

حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتَّى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ



أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ فَيُقَالُ انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا وَأَمَّا الْكَافِرُ أَوْ الْمُنَافِقُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ أُذُنَيْهِ فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ

مردہ لوٹ کر جانے والوں کے جوتوں ہم سے عیاش بن ولید نے بیان کیا' کہا کہ ہم سے عبد الاعلیٰ نے بیان کیا' کہا کہ ہم سے سعید بن ابی عروبہ نے بیان کیا۔ (دوسری سند) امام بخاری نے کہا کہ مجھ سے خلیفہ بن خیاط نے بیان کیا' ان سے یزید بن زریع نے' ان سے سعید بن ابی عروبہ نے' ان سے قتادہ نے اور ان سے انس رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور دفن کر کے اس کے لوگ باگ پیٹھ موڑ کر رخصت ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ پھر دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تمہارا کیا اعتقاد ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس جواب پر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ دیکھ جہنم کا اپنا ایک ٹھکانا لیکن اللہ تعالیٰ نے جنت میں تیرے لیے ایک مکان اس کے بدلے میں بنا دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس بندہ مومن کو جنت اور جہنم دونوں دکھائی جاتی ہیں اور رہا کافر یا منافق تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں' میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا وہی میں بھی کہتا رہا۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے کچھ سمجھا اور نہ (اچھے لوگوں کی) پیروی کی۔ اس کے بعد اسے ایک لوہے کے ہتھوڑے سے بڑے زور سے مارا جاتا ہے اور وہ اتنے بھیانک طریقہ سے چیختا ہے کہ انسان اور جن کے سوا ارد گرد کی تمام مخلوق سنتی ہے۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما فی روایۃ طویلۃ قَالَتْ: فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ. وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ أَوْ قَرِيْبَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ. يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوْقِنُ فَيَقُوْلُ: هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى، فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا. فَيُقَالُ: نَمْ صَالِحًا، فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا. وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ، لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ، فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِي. سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهَذَا اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.)

أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: الوضوئ، باب: من لم يتوضأ إلا من الغشي المثقل، 1/79، الرقم: 182، وفي كتاب: الجمعة، باب: صلاة النساء مع الرجال في الكسوف، 1/358، الرقم: 1005، وفي كتاب: الاعتصام بالكتاب والسنة، باب: الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، 6/2657، الرقم: 6857، ومسلم في الصحيح، كتاب: الكسوف، باب: ما عرض على النبي ﷺ في صلاة الكسوف من أمر الجنة والنار، 2/624، الرقم: 905۔

"حضرت اَسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ایک طویل روایت میں مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ (نماز کسوف سے) فارغ ہو گئے تو اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا: کوئی ایسی چیز نہیں جسے میں نے اپنی اس جگہ پر نہ دیکھ لیا ہو یہاں تک کہ جنت و دوزخ بھی اور مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمہارا امتحان ہو گا۔ دجال کے فتنے جیسی آزمائش یا اُس کے قریب تر کوئی شے۔ (راوی کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ حضرت اسماء نے ان میں سے کون سی بات فرمائی) تم میں سے ہر ایک کو لایا جائے گا اور کہا جائے گا: اس شخص (حضور نبی اکرم ﷺ) کے متعلق تو کیا جانتا ہے؟ جو ایمان والا یا یقین والا ہو گا وہ کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول محمد ﷺ ہیں جو ہمارے پاس نشانیاں اور ہدایت کے ساتھ تشریف لائے۔ ہم نے ان کی بات مانی، اِن پر ایمان لائے اور اِن کی پیروی کی۔ اسے کہا جائے گا: آرام سے سو جا، ہمیں معلوم تھا کہ تو ایمان والا ہے۔ اگر وہ منافق یا شک کرنے والا ہو گا (راوی کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ حضرت اسماء نے ان میں سے کون سی بات فرمائی) تو کہے گا: مجھے نہیں معلوم۔ میں لوگوں کو جو کچھ کہتے ہوئے سنتا تھا وہی کہہ دیتا تھا۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

اس سے تو یہی مستحضر ہوتا ہے کہ عربی زبان میں ہی ہونگے۔ لیکن

شیخ احمد بن مبارک (م 1155ھ) کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے شیخ، حضرت علامہ سید عبد العزیز دباغ رحمہ اللہ تعالی سے) دریافت کیا کہ قبر میں سوالات سریانی زبان میں ہوں گے؟ کیوں کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی ایک نظم میں یہ شعر موجود ہے:

ومن غریب ماتری العینان

ان سوال القبر بالسریانی

"انسان کے لیے حیرانگی کی بات یہ ہے کہ قبر میں سریانی زبان میں میت سے سوال وجواب ہوں گے"

اس نظم کے شارح بیان کرتے ہیں کہ امام سیوطی نے اپنی تصنیف "شرح الصدور" میں شیخ الاسلام علم الدین البلقینی کے فتاوی کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ قبر میں سریانی زبان میں میت سے سوال جواب ہو گا- امام سیوطی فرماتے ہیں کہ تاہم مجھے کسی حدیث میں یہ بات نہیں مل سکی-

علامہ ابن حجر عسقلانی سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ حدیث کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاید قبر میں سوال جواب عربی زبان میں ہو گا تاہم یہ ممکن ہے کہ ہر شخص سے اس کی مخصوص زبان میں سوال جواب کیا جائے گا اور یہ بات زیادہ معقول محسوس ہوتی ہے-

شیخ سید عبد العزیز دباغ رحمہ اللہ تعالی (م 1131ھ) نے جواب میں فرمایا کہ قبر میں سوال جواب سریانی زبان میں ہو گا کیوں کہ فرشتے اور ارواح یہی زبان بولتے ہیں- سوال فرشتے کریں گے اور جواب روح دے گی کیوں کہ جب روح جسم سے نکل جائے تو اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے- اللہ تعالی جب کسی ولی کو "فتح کبیر" (کا مرتبہ) عطا فرمادے تو وہ باقاعدہ سیکھے بغیر ہی سریانی زبان میں گفتگو کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے کیوں کہ اس وقت



اس پر روح کا حکم غالب ہو جاتا ہے، اس لیے (روح کے غلبے کے باعث ہی) مردے کو سریانی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے کوئی الجھن در پیش نہیں ہو گی۔

شیخ سید عبد العزیز دباغ رحمہ اللہ تعالی سریانی زبان کے متعلق تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ارواح (روحوں) کی زبان سریانی ہے۔ یہ زبان لفظی اعتبار سے بہت مختصر اور معنوی اعتبار سے انتہائی وسیع زبان ہے۔ دوسری کوئی زبان اس خوبی میں اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔

شیخ احمد بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: کیا عربی زبان بھی؟

آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا: عربی زبان بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی البتہ قرآن میں موجود الفاظ کا حکم مختلف ہے۔ اگر عربی زبان میں سریانی کے معانی کو اکٹھا کر لیا جائے اور الفاظ عربی زبان کے ہوں تو یہ سریانی سے بھی زیادہ شیریں اور خوب صورت زبان ہو گی۔

سریانی کے سوا، دنیا کی تمام زبانوں میں اطناب (پھیلاؤ) پایا جاتا ہے۔ سریانی زبان کے علاوہ ہر زبان میں الفاظ کی ترکیب کے ذریعے جملہ بنتا ہے لیکن سریانی میں حروف کے ذریعے جملہ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سریانی زبان کے حروف تہجی کا ایک مخصوص معنی ہے۔ جب ایک حرف کو دوسرے حرف سے ملا دیا جائے تو جملہ مکمل ہو جاتا ہے۔ جس شخص کو سریانی کے حروف کا علم ہو جائے وہ آسانی کے ساتھ سریانی زبان بول یا سمجھ سکتا ہے اور آگے چل کر وہ حروف کے اسرار کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ ایک زبردست علم ہے۔ اللہ تعالی نے لوگوں پر رحمت کرتے ہوئے انھیں اس علم سے محجوب رکھا ہے کیوں کہ اگر وہ اس علم سے آگاہ ہو جائیں تو ان کی ذات میں موجود ظلمت ان کی تباہی کا باعث بن جائے (کیوں کہ وہ اس علم کو منفی طور پر استعمال کریں گے) ہم اللہ تعالی سے سلامتی کے طلب گار ہیں۔

جس طرح عود کی لکڑی میں رس (یعنی پانی) موجود ہوتا ہے اسی طرح سریانی زبان دنیا کی ہر زبان میں موجود ہے کیوں کہ دنیا کی ہر زبان حروف تہجی پر مشتمل ہوتی ہے اور ان حروف تہجی کی وضاحت سریانی زبان میں کی گئی ہے کہ کون سا حرف کس مخصوص مفہوم کی ادائیگی کے لیے مخصوص ہے۔ جیسے عربی زبان میں لفظ "احمد" ہے، سریانی زبان کے اعتبار سے اس لفظ کے پہلے حرف "ا" کا اپنا ایک مخصوص معنی ہے۔ اسی طرح جب آپ "ح" کو ساکن پڑھیں گے تو اس کا اپنا مخصوص معنی ہو گا۔ "م" پر زبر اور "د" پر پیش پڑھیں گے تو دونوں الگ الگ مفہوم پر دلالت کریں گے۔ اسی طرح لفظ "محمد" ہے، یہ کسی شخصیت کا نام ہو سکتا ہے لیکن سریانی زبان میں اس کا ہر حرف ایک مخصوص مفہوم پر دلالت کرے گا؛ جیسے عبرانی زبان میں نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی "بارقلیط" ہے، اس لفظ کا ہر حرف ایک مخصوص معنی پر دلالت کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ دنیا کی تقریباً تمام زبانیں سامی ہیں ان میں سریانی زبان ہے اور سریانی دیگر تمام زبانوں کی اصل ہے۔ دیگر زبانوں کے وجود میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں جہالت عام ہو گئی جب کہ سریانی میں گفتگو کرنے کے لیے معرفت پہلی شرط ہے تاکہ سامع (سننے والے) کو ہر حرف کے ذریعے اس کے مخصوص مفہوم کا پتہ چل جائے لہذا سریانی زبان ایجاد کرنے والوں نے اس بات کا اہتمام کیا کہ مختصر طور پر ایسی زبان ایجاد کی جائے جس کے



حروف تہجی وسیع معنی پر دلالت کر سکیں کیوں کہ مخاطب کو فائدہ اس وقت حاصل ہو گا جب اس کا ذہن آپ کے مطلوبہ معنی کی طرف منتقل ہو گا کیوں کہ بیش تر امور معنی سے متعلق ہوتے ہیں؛ یہاں تک کہ بالفرض اگر یہ ممکن ہو تا کہ آپ الفاظ و حروف کا سہارا لیے بغیر اپنا معنی مخاطب کو منتقل کر سکیں تو کبھی بھی کسی زبان کو ایجاد کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی- یہی وجہ ہے کہ صرف اکابر اہل کشف یا ارواح یا فرشتے اس زبان میں گفتگو کرتے ہیں- اگر آپ انھیں یہ زبان بولتے ہوئے سن لیں تو یہ محسوس ہو گا جیسے وہ ایک یا دو حروف میں اپنا مدعا واضح کر دیتے ہیں یا چند الفاظ میں اتنا کچھ بیان کر دیتے ہیں جسے بیان کرنے کے لیے دوسری زبانوں میں کئی رجسٹر درکار ہوں گے-

اب آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ جب بنی نوع انسان میں جہالت عام ہو گئی تو ان حروف کو دیگر معنوں کی طرف منتقل کر دیا گیا اور ان حروف کی حیثیت مہمل الفاظ کی مانند ہو گئی اور یہ دستور چل نکلا کہ مختلف حروف کو ملا کر، لفظ کی شکل دے کر مفہوم کی وضاحت کی جائے اور پھر ان الفاظ کو جملوں کی شکل میں استعمال کیا جانے لگا- اس طرح ایک بہت عظیم علم مفقود ہو گیا لیکن اس کے باوجود آپ دنیا کی کسی بھی زبان کا کوئی بھی لفظ لے لیں اس کا کوئی ایک حرف سریانی زبان کے محاورے سے ضرور مطابقت رکھتا ہو گا یعنی جو لفظ کسی مخصوص معنی کے لیے ایجاد کیا گیا ہے، اسی لفظ کا ایک حرف سریانی زبان میں اسی معنی کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہو گا- جیسے عربی زبان میں لفظ "حائط" دیوار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن سریانی زبان میں اس کا پہلا حرف "ح" اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے- عربی زبان میں پانی کے لیے لفظ "ماء" استعمال ہوتا ہے جب کہ سریانی زبان میں اس کے آخر میں آنے والا "ء" پانی کے لیے ایجاد کیا گیا ہے- عربی زبان میں آسمان کے لیے لفظ "سماء" موجود ہے اور سریانی میں اس کے معنی کے لیے صرف "س" استعمال ہوتا ہے- غرض کہ اگر آپ تحقیق کریں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہر لفظ کا کوئی ایک حرف مخصوص فہم کی ادائیگی کے لیے کافی ہوتا ہے اور بقیہ حروف خواہ مخواہ استعمال کیے جاتے ہیں-

حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو اپنی زوجۂ محترمہ اور بچوں کے ساتھ سریانی میں گفتگو کیا کرتے تھے- حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن اس کے بعد تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا اور دیگر بہت سی زبانیں وجود میں آ گئیں- اس میں سب سے پہلے ہندی (سنسکرت) زبان وجود میں آئی اور یہ سریانی زبان سے خاصی قریب ہے- حضرت آدم علیہ السلام سریانی زبان میں اس لیے گفتگو کیا کرتے تھے کیوں کہ اہل جنت کی زبان سریانی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام بھی جنت میں یہی زبان بولا کرتے تھے- واللہ اعلم ورسولہ

(انظر: الابریز من کلام سیدی عبد العزیز)

مراحل نزول قرآن

اَنْزَلَ اور نَزَّلَ کے درمیان فرق یہ ہے کہ لفظ انزل میں ایک ہی وقت اتار دینے کا معنی، جبکہ نزّل میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیا جاتا ہے۔ تورات اور انجیل کے لیے انزل کا لفظ آیا ہے۔ (سورۃ آل عمران: 3)، جبکہ قرآن مجید کے لیے انزل اور نزّل دونوں کا لفظ آیا ہے۔ قرآن جو نازل ہوا بیت العزۃ میں وہ انزل ہے اور پہلی وحی جو نازل ہوئی وہ بھی انزل ہے۔ لیکن جو تیئیس سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا وہ نزّل ہے۔

اسی لیے کہتے ہیں عربی لغت سیکھنے میں بہت لطف آتا ہے۔ اور یہ بھی حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن عربی لغت میں کیوں نازل ہوا کیونکہ عربی زبان میں تعبیر کی دقت کی وسیع گنجائش ہے۔ الفاظ کی اتنی وسعت اور ہمہ گیری کسی اور زبان میں کم دیکھنے میں آئی ہے۔ واللہ اعلم

پہلا مرحلہ

نزول کے پہلے مرحلے میں قرآن مکمل طور پر لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ یہ مرحلہ کتنے عرصے میں مکمل ہوا اور اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس بارے میں قرآن وحدیث دونوں خاموش ہیں۔ کیونکہ یہ سب غیبی امور ہیں۔ البتہ قرآن کے لوح محفوظ میں ہونے کے بارے میں شہادت موجود ہے۔ مثلاً:

{بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ. فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ} (سورۃ البروج:۲۱۔۲۲)

بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔

دوسرا مرحلہ

اس مرحلے میں پورے قرآن مجید کو لوح محفوظ سے "آسمان دنیا" میں موجود بیت العزت میں منتقل کیا گیا۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

{وَالطُّورِ ﴿۱﴾ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ﴿۲﴾ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ ﴿۳﴾ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ﴿۴﴾} (سورۃ الطور:۱۔۴)

قسم ہے طور کی، اور لکھی ہوئی کتاب کی، جو جھلی کے کھلے ورق میں ہے، اور آباد گھر کی۔

مزید فرمایا: فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿۷۵﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿۷۶﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿۷۷﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿۷۹﴾ (سورۃ الواقعہ:۷۵۔۷۹)

پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مواقع کی، اور اگر تم سمجھو تو یہ قسم ہے بہت بڑی۔ بے شک قرآن ہے بلند پایہ، ایک محفوظ کتاب میں ثبت، جسے مطہرین کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا۔

تیسرا مرحلہ

اس نزول کے لیے قرآن مجید میں لفظ تنزیل استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا۔ جبکہ انزال کے معنی کسی چیز کو ایک ہی دفعہ نازل کر دینا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ انزال جہاں استعمال ہوا ہے اس سے مراد عموماً وہ نزول ہے جو لوح محفوظ سے بیت العزۃ کی طرف ہوا۔ اور



تنزیل سے مراد وہ نزول جو بیت العزۃ سے آپ ﷺ پر بتدریج ہوا۔ اس تیسرے مرحلے میں جبریل علیہ السلام نے بیت العزۃ سے قرآن کو نبی ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیا۔ پہلے دونوں مرحلوں کی بہ نسبت اس مرحلے میں قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا۔

نزول قرآن کے اس مرحلے کا آغاز صحیح روایات کے مطابق رمضان میں اس وقت ہوا جب نبی اکرم ﷺ کی عمر چالیس برس تھی۔ جس رات اس نزول کا آغاز ہوا وہ شب قدر تھی۔ (الرحیق المختوم)

قرآن کریم کے بتدریج نازل ہونے کے بارے میں واضح آیات بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر:

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا (سورۃ بنی اسرائیل:۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاکہ آپ بھی ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کے سامنے پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔

بیت عزت میں نزول قرآن کی حکمتیں

قرآن مجید کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت عزت میں اتارنے کی بظاہر درجِ ذیل حکمتیں نظر آتی ہیں:

۱۔ لوح محفوظ سے بیت المعمور میں اسے نازل فرما کر اللہ تعالی نے فرشتوں کو باور کرایا کہ میں ہی علام الغیوب ہوں۔ جس سے کوئی شے چھپی نہیں۔ کیونکہ اس قرآن میں کچھ ایسی چیزوں کا ذکر بھی تھا جو ابھی واقع نہیں ہوئی تھیں۔

۲۔ خاتم المرسلین ﷺ کا مقام اور فضیلت بیان کر دی جائے۔ نیز امت محمد ﷺ کی تکریم اور اس کی تعظیم باور کرائی جائے۔ اس نزول کا اعلان عام فرشتوں میں کر دیا گیا کہ یہ آخری کتاب ہے اور جسے خاتم المرسلین پر ان کی امت وسط کے لیے نازل کیا جا رہا ہے۔ گویا اللہ تعالی اس امت کی تعریف کر رہا ہے کہ میری ان پر ایک خاص رحمت یہ بھی ہے۔

۳۔ کتاب کو یکبارگی اتارنے میں آپ ﷺ اور موسیٰ کے درمیان برابری ہو جائے۔ مگر فضیلت محمد ﷺ بھی بیان کر دی جائے کہ ان پر یہ قرآن بتدریج اتارا جائے گا تاکہ وہ اسے اچھی طرح حفظ کر سکیں۔

. قرآن مجید کو بتدریج اتارنے کی حکمتیں کیا کیا ہیں؟

قرآن کے مرحلہ وار نزول کی وجوہات

قرآن کو مختلف مراحل میں نازل کرنے کی کئی وجوہات ہیں، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

1. قرآن کی عظمت کا تقاضا تھا کہ اسے یک بارگی نازل کرنے کے بجائے مختلف مراحل میں نازل کیا جائے۔



2. نبی ﷺ کی ثابت قدمی اور حفظ کی آسانی کے لیے مرحلہ وار نازل کیا گیا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿۱۶﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿۱۷﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿۱۹﴾

(سورۃ القیامہ:16-19)،

(اے نبی) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں (16) اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے (17) ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں (18) پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے (19)

3. ازالۂ شبہات اور رد باطل کے لیے وقتاً فوقتاً نزول مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا. (سورۃ بنی اسرائیل:106)

قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا اس لئے اتارا ہے کہ آپ اسے بہ مہلت لوگوں کو سنائیں اور ہم نے خود بھی اسے بتدریج نازل فرمایا۔

4. مرحلہ وار اتارنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ کتاب ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

5. قرآن کو آسمان دنیا پر نازل کر کے ملائکہ اور دیگر مخلوق کو بھی اس بات کا گواہ بنایا گیا کہ قرآن وہ آخری کتاب ہے جو آخری رسول اور آخری امت کے لیے نازل کی جا رہی ہے۔

قرآن کریم کے مختلف نام

القرآن (سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ،

ترجمہ: ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ ﴿سورۃ البقرۃ:185﴾

الفرقان (فرق کرنے والا)

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا،

بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے۔ ﴿سورۃ الفرقان:10﴾

البرھان (دلیل)

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا،

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آپہنچی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا ہے۔

﴿سورۃ النساء:174﴾

الکتاب (لکھاہوا)

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ،

ترجمہ☹وہ) اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں۔﴿سورۃ البقرۃ:2﴾

الحق (حق، سچ)

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ۔

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے، (نہیں نہیں) بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ انہیں ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔﴿سورۃ السجدۃ:3﴾

الذکر (نصیحت)

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ،

ہم نے ہی اس نصیحت (قرآن) کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔﴿سورۃ الحجر:9﴾

التنزیل (نازل کیاہوا)

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ،

اور بیشک یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔﴿سورۃ الشعراء:192﴾

احسن الحدیث (بہترین بات)

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ ، اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے۔﴿سورۃ الزمر:۲۳﴾

عظیم (عظمت والا)



وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ، یقیناً

ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں کہ دہرائی جاتی ہیں اور عظیم قرآن بھی دے رکھا ہے۔﴿سورۃ الحجر:۸۷﴾

کریم (عزت والا)

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ،

کہ بیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے۔﴿سورۃ الواقعۃ:۷۷﴾

عزیز (بلند مرتبہ)

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ،

یہ بڑی باوقعت کتاب ہے۔﴿ سورة حم السجده: ٤١﴾

مجید (بڑی شان والا)

ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ، ق!

بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ہے۔﴿سورۃ ق:۱﴾

حکیم (حکمت والا): علی (بلند مرتبہ)

وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿۴﴾،

یقیناً یہ لوح محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بلند مرتبہ حکمت والی ہے۔﴿سورۃ الزخرف:۴﴾

الموعظۃ (نصیحت): الشفاء (شفاء): الھدی (ہدایت): الرحمۃ (رحمت)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ،

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔﴿سورۃ یونس:۵۷﴾

المصدق (تصدیق کرنے ولا): المھیمن (نگہبان)

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ،

اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔﴿سورۃ المائدۃ: ۴۸﴾

المبین (کھول کر بیان کرنے والا)

الر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ،

الرٰ، یہ کتاب الٰہی کی آیتیں ہیں اور کھلے اور روشن قرآن کی۔﴿سورۃ الحجر: ۱﴾

المبارک (بابرکت)

وَهَذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ،

اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر وبرکت والی، سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔﴿سورۃ الأنعام: ۱۵۵﴾

البشیر (بشارت دینے والا): النذیر (ڈرانے والا)

كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ. بَشِيرًا وَنَذِيرًا ،

(ایسی) کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے، (اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں ہے اس قوم کے لیے جو جانتی ہے، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے۔﴿سورۃ فصلت: ۳، ۴﴾

النور (روشنی)

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ،

تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔﴿سورۃ المائدۃ: ۱۵﴾

نوٹ: ان ناموں میں سے پانچ نام مشہور ہیں توقیفی ہیں: القرآن، الفرقان، الذکر، التنزیل اور الکتاب، باقی کو صفاتی نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک قول کے مطابق 55 نام تک ملتے ہیں۔

وحی کا معنی

وحی کا لغوی معنی "خفیہ طور پر جلدی سے اشارہ کرنے" کے ہیں۔



اصطلاح میں وحی سے مراد وہ پیغام ہے جو اللہ تعالی اپنے کسی نبی یا رسول کی طرف بھیجتا ہے،اور آخری وحی و شریعت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوئی۔

قرآن اور حدیث قدسی کے درمیان فرق

(1) قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس کے الفاظ و معانی اللہ کی طرف سے ہیں۔جبکہ حدیث قدسی میں مفہوم اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے اور الفاظ اللہ کے نبی ﷺ کے ہوتے ہیں۔

(2) قرآن کی تلاوت کرنا عبادت ہے جبکہ حدیث قدسی کا پڑھنا عبادت نہیں ہے (ویسے نیکی کا کام ہے)۔گویا قرآن وحی متلو ہے اور حدیث قدسی وحی غیر متلو ہے۔

(3) قرآن کے ثبوت کے لیے امت کا اتفاق اور تواتر کا ہونا شرط ہے مگر حدیث قدسی کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔

(4) قرآن مجید جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نازل ہوا ہے مگر حدیث قدسی میں اس فرشتے کا واسطہ اور ذریعے ہونا ضروری نہیں۔

(5) قرآن معجزہ ہے اور حدیث قدسی معجزہ نہیں ہے۔

وحی کی اقسام

وحی کی تین قسمیں ہیں:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ۔(سورۃ شوری:51)

ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالی کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے،بیشک وہ برتر ہے حکمت والا ہے۔

1 وحی قلبی:اس قسم میں باری تعالی براہِ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتا ہے۔

2 کلام الٰہی:اس دوسری قسم میں باری تعالی براہ راست رسول کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرماتا ہے۔

3 وحی مَلَکی:اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعے نبی تک بھیجتا ہے۔



نزول وحی کے طریقے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی۔

صلصلۃ الجرس

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں مروی ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ، وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي، وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ، وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِي الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ"، قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ، وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا.

ہم کو عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، ان کو مالک نے ہشام بن عروہ کی روایت سے خبر دی، انہوں نے اپنے والد سے نقل کی، انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی آپ نے فرمایا کہ ایک شخص حارث بن ہشام نامی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وحی نازل ہوتے وقت کبھی مجھ کو گھنٹی کی سی آواز محسوس ہوتی ہے اور وحی کی یہ کیفیت مجھ پر بہت شاق گزرتی ہے۔ جب یہ کیفیت ختم ہوتی ہے تو میرے دل و دماغ پر اس (فرشتے) کے ذریعہ نازل شدہ وحی محفوظ ہو جاتی ہے اور کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ بشکل انسان میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے۔ پس میں اس کا کہا ہوا یاد رکھ لیتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے سخت کڑاکے کی سردی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور جب اس کا سلسلہ موقوف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پسینے سے شرابور تھی۔

(صحیح بخاری:2)

ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رکنے لگتا چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: 8/379)



وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ :إِنْ كَانَ لَيُوحَى إِلَيْهِ وَهُوَ عَلَى نَاقَته فَيَضْرِب حِزَامهَا مِنْ ثِقَل مَا يُوحَى إِلَيْه۔ (فتح الباری:1/3)

اگر وحی اس حالت میں آتی کہ آپ اپنی اونٹی پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی بیٹھ جاتی۔

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔(بیہقی، ابواب کیفیۃ نزول الوحی، حدیث نمبر:2983)

تمثل ملک

أَخْبَرَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنْبَأَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلَ الْحَارِثُ بْنُ هِشَامٍ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ قَالَ فِي مِثْلِ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ فَيَفْصِمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ وَأَحْيَانًا يَأْتِينِي فِي مِثْلِ صُورَةِ الْفَتَى فَيَنْبِذُهُ إِلَيَّ (نسائی:934)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ نے فرمایا:"گھنٹی کی آواز کی طرح۔ جب وہ موقوف ہوتی ہے تو میں فرشتے کا پیغام یاد کر چکا ہوتا ہوں۔ تحقیق یہ وحی مجھ پر بہت گراں گزرتی ہے۔ اور کبھی (وحی لانے والا فرشتہ) ایک نوجوان کی صورت میں میرے پاس آتا ہے جو مجھ پر وحی ڈالتا ہے۔"

فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔(مصنف بن ابی شیبہ، ماذکر فی عائشہ رضی اللہ عنہا، حدیث نمبر:۳۲۹۴۵)

فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا

جبرئیل علیہ السلام کسی انسانی شکل اختیار کیے بغیر اپنی اصل صورت میں دکھائی دیتے تھے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسانی شکل اختیار کیے بغیر اپنی اصل صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے خود حضرت جبرئیل علیہ اسلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اَجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔(فتح الباری 1/18،19)



أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ، عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي فَرْوَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي ذَرٍّ، قَالَا: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ أَصْحَابِهِ، فَيَجِيءُ الْغَرِيبُ فَلَا يَدْرِي أَيُّهُمْ هُوَ؟ حَتَّى يَسْأَلَ، فَطَلَبْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَجْعَلَ لَهُ مَجْلِسًا يَعْرِفُهُ الْغَرِيبُ إِذَا أَتَاهُ، فَبَنَيْنَا لَهُ دُكَّانًا مِنْ طِينٍ كَانَ يَجْلِسُ عَلَيْهِ، وَإِنَّا لَجُلُوسٌ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسِهِ، إِذْ أَقْبَلَ رَجُلٌ أَحْسَنُ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَطْيَبُ النَّاسِ رِيحًا كَأَنَّ ثِيَابَهُ لَمْ يَمَسَّهَا دَنَسٌ، حَتَّى سَلَّمَ فِي طَرَفِ الْبِسَاطِ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ، فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: أَدْنُو يَا مُحَمَّدُ، قَالَ: ادْنُهْ فَمَا زَالَ، يَقُولُ: أَدْنُو مِرَارًا، وَيَقُولُ لَهُ: ادْنُ حَتَّى وَضَعَ يَدَهُ عَلَى رُكْبَتَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: "الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ، وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ". قَالَ: إِذَا فَعَلْتُ ذَلِكَ فَقَدْ أَسْلَمْتُ؟ قَالَ: "نَعَمْ"، قَالَ: صَدَقْتَ فَلَمَّا سَمِعْنَا قَوْلَ الرَّجُلِ صَدَقْتَ أَنْكَرْنَاهُ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَخْبِرْنِي مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: "الْإِيمَانُ بِاللَّهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَالْكِتَابِ، وَالنَّبِيِّينَ، وَتُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ"، قَالَ: فَإِذَا فَعَلْتُ ذَلِكَ فَقَدْ آمَنْتُ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نَعَمْ"، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَخْبِرْنِي مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ"، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَخْبِرْنِي مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: فَنَكَسَ فَلَمْ يُجِبْهُ شَيْئًا، ثُمَّ أَعَادَ فَلَمْ يُجِبْهُ شَيْئًا، ثُمَّ أَعَادَ فَلَمْ يُجِبْهُ شَيْئًا، وَرَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: "مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَلَكِنْ لَهَا عَلَامَاتٌ تُعْرَفُ بِهَا إِذَا رَأَيْتَ الرِّعَاءَ الْبُهُمَ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ، وَرَأَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ مُلُوكَ الْأَرْضِ، وَرَأَيْتَ الْمَرْأَةَ تَلِدُ رَبَّهَا خَمْسٌ، لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ إِلَى قَوْلِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ سورة لقمان آية 34"، ثُمَّ قَالَ: "لَا، وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ هُدًى وَبَشِيرًا مَا كُنْتُ بِأَعْلَمَ بِهِ مِنْ رَجُلٍ مِنْكُمْ، وَإِنَّهُ لَجِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام نَزَلَ فِي صُورَةِ دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ."

ابوہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان اس طرح بیٹھتے تھے کہ اجنبی آتا تو آپ کو پہچان نہیں پاتا جب تک پوچھ نہ لیتا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش ظاہر کی کہ ہم آپ کے بیٹھنے کی جگہ بنا دیں تاکہ جب کوئی اجنبی شخص آئے تو آپ کو پہچان لے، چنانچہ ہم نے آپ کے لیے مٹی کا ایک چبوترہ بنایا جس پر آپ بیٹھتے تھے۔ ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر بیٹھے تھے، اتنے میں ایک شخص آیا، جس کا چہرہ سب لوگوں سے اچھا تھا، جس کے بدن کی خوشبو سب لوگوں سے بہتر تھی، گویا کپڑوں میں میل لگا ہی نہ تھا، اس نے فرش کے کنارے سے سلام کیا اور کہا: ”السلام علیک یا محمد “ اے محمد! آپ پر سلام ہو، آپ نے سلام کا جواب دیا، وہ بولا: اے محمد! کیا میں نزدیک آؤں؟ آپ نے فرمایا: آؤ، وہ کئی بار کہتا رہا: کیا میں نزدیک آؤں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے رہے: آؤ، آؤ، یہاں تک کہ اس نے اپنا ہاتھ آپ کے دونوں گھٹنوں کے اوپر رکھا۔ وہ بولا: اے محمد! مجھے بتائیے، اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز ادا کرو، زکاۃ دو، بیت اللہ کا حج کرو اور رمضان کے روزے رکھو“۔ وہ بولا: جب میں ایسا کرنے لگوں تو کیا میں مسلمان ہو گیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں“، اس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔ جب ہم نے اس شخص کی یہ بات سنی کہ ”آپ نے سچ کہا“ تو ہمیں عجیب لگا (خود ہی سوال بھی کرتا ہے اور جواب کی تصدیق بھی)۔ وہ بولا: محمد! مجھے بتائیے، ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، کتاب پر، نبیوں پر ایمان رکھنا اور تقدیر پر ایمان لانا“، وہ بولا: کیا اگر میں نے یہ سب کر لیا تو میں مومن ہو



گیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں“، وہ بولا: آپ نے سچ کہا۔ پھر بولا: محمد! مجھے بتائیے، احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے“۔ وہ بولا: آپ نے سچ کہا۔ پھر بولا: محمد! مجھے بتائیے کہ قیامت کب آئے گی؟ یہ سن کر آپ نے اپنا سر جھکالیا اور اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے سوال دہرایا تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، اس نے پھر سوال دہرایا تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ”جس سے سوال کیا جارہا ہے وہ قیامت کے آنے کے متعلق سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ اس کی کچھ نشانیاں ہیں جن سے تم جان سکتے ہو: جب تم دیکھو کہ جانوروں کو چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنارہے ہیں اور دیکھو کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن پھرنے والے زمین کے بادشاہ ہو رہے ہیں، اور دیکھو کہ غلام عورت اپنے مالک کو جنم دے رہی ہے (تو سمجھ لو کہ قیامت نزدیک ہے)، پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پھر آپ نے « إن الله عنده علم الساعة » ”اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے“ (سورۃ لقمان:34) سے لے کر « إن الله عليم خبير » ”اللہ علیم (ہر چیز کا جاننے والا) اور خبیر (ہر چیز کی خبر رکھنے والا) ہے“ کی تلاوت کی، پھر فرمایا: نہیں، اس ذات کی قسم! جس نے محمد کو حق کے ساتھ ہادی وبشارت دینے والا بنا کر بھیجا، میں اس کو تم میں سے کسی شخص سے زیادہ نہیں جانتا، وہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو دحیہ کلبی کی شکل میں آئے تھے۔

[سنن نسائي/كتاب الإيمان وشرائعه/حدیث:4994]

تخریج الحدیث: « سنن ابی داود/السنة17(4698)، (تحفة الأشراف:12002) (صحیح) »

قال الشيخ الألباني: صحيح

قال الشيخ زبير على زئي: إسناده صحيح

رؤیائے صادقہ

آپ ﷺ کو نزول قرآن سے قبل سچے خواب نظر آیا کرتے تھے جو کچھ خواب میں دیکھتے بیداری میں ویسا ہی ہو جاتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ۔ (بخاری، حدیث نمبر:3/باب بدء الوحی)

آپ پر وحی کی ابتدا نیند کی حالت میں سچے خوابوں سے ہوئی اس وقت جو آپ خواب میں دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا نکلتا۔

کلام الٰہی

ارشاد فرمایا

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (البقرۃ،2:253)

یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی)۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ط وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا o (النساء،4:164)

اور (ہم نے کئی) ایسے رسول (بھیجے) ہیں جن کے حالات ہم (اس سے) پہلے آپ کو سنا چکے ہیں اور (کئی) ایسے رسول بھی (بھیجے) ہیں جن کے حالات ہم نے (ابھی تک) آپ کو نہیں سنائے اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے (بلاواسطہ) گفتگو (بھی) فرمائی۔

موسی علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کی ۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"فرمانِ باری تعالی: (مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ)

ترجمہ: ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا[البقرۃ:253]

اس میں موسی علیہ السلام، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم علیہ السلام شامل ہیں جیسے کہ [آدم علیہ السلام] بارے میں صحیح ابن حبان میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔

نفث فی الروع

حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء (ڈالنا) فرمادیتے تھے اسے اصطلاح میں "نفث فی الروع" کہتے ہیں: جیسے حدیث پاک میں ہے:

وَإِنَّ الرُّوْحَ الْأَمِيْنَ قَدْ نَفَثَ فِيْ رَوْعِيْ أَنَّهُ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰى تُسْتَوْفِيْ رِزْقُهَا فَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ۔

(شعب الایمان، حدیث نمبر: 1190)



حضرت جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں بات ڈالی ہے کہ کوئی نفس مر تا نہیں یہاں تک کہ اس کا رزق مکمل ہو جائے، لہٰذا تلاش رزق میں اعتدال اختیار کرو۔

جبرئیل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء (ڈالنا) کر دیتے تھے اسے اصطلاح میں "نفث فی الروع" کہتے ہیں۔

بلا حجاب مشاہدہ و خطاب (بغیر حجاب کے مشاہدہ اور ہم کلام ہونا)

وحی کی انتہائی صورت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شب معراج بلا حجاب مشاہدہ و خطاب سے سر فراز فرمایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بیک وقت تکلم و دیدار کے شرف سے مشرف ہوئے۔

پہلی چار صورتیں عمومی ہیں جن میں وحی اکثر و بیشتر ہوا کرتی تھی جبکہ آخری چار صورتیں خصوصی ہیں جن کا تعلق بعض خاص ساعتوں سے تھا، مثلاً معراج میں مقام قاب قوسین او ادنیٰ اور مقام دنیٰ فتدلیٰ وغیرہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ بعثت کے جملہ احوال پر نظر ڈالی جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وحی الٰہی کی سب سے ابتدائی صورت رویائے صالحہ تھی اور اس کی آخری صورت جو منتہائے کمال پر ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شبِ معراج جمال الٰہی کے بلا حجاب مشاہدہ اور ذات حق سے شرف کلام سے عبارت تھا اس حقیقت کی طرف اشارہ اس آیت کریمہ میں ملتا ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ٥ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ

القرآن، نجم، 53:9-8

”پھر (اس محبوب حقیقی سے) آپ قریب ہوئے اور آگے بڑھے پھر (یہاں تک بڑھے کہ) صرف دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔“

اور یہ حدیث بھی جسے حضرت عبد اللہ ابن عباس ص نے روایت کیا ہے اس امر پر دلالت کرتی ہے۔

دنا الجبار رب العزة فتدلى

بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قوله وکلم اللہ موسیٰ تکلیما، 6:2731، رقم: 7079

ابو عوانة، المسند، 1:121، رقم: 357

ھبة اللہ، اعتقاد اھل السنة، 4:769

”اللہ رب العزت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزید قریب ہوئے۔“

اور پھر ”فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ“ کے تحت جو کچھ چاہا محبوب کو وحی کیا اور محب و محبوب کے درمیان راز و نیاز کی بلا حجاب باتیں ہوئیں۔

اس کے علاوہ نزول وحی کی اور بھی صورتیں ہیں اختصاراً یہاں چند صورتوں کو ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن کی سورتیں باعتبار مکی اور مدنی



قرآن کی سورتوں کی تقسیم مکی اور مدنی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔

مکی: قرآن کریم کی جو آیتیں یا سورتیں رسول ﷺ پر ہجرت سے پہلے اتریں وہ مکی ہیں۔

مدنی: جو سورتیں یا آیتیں رسول اللہ ﷺ پر ہجرت کے بعد اتریں وہ مدنی ہیں۔

مکی اور مدنی سورتوں کی تعداد مصحف مدنی [باشراف صالح ال الشیخ] کے اعتبار سے

مدنی سورتوں کی تعداد 28 ہیں اور مکی سورتوں کی تعداد 86۔

مندرجہ ذیل سورتیں مدنی ہیں:

(1) سورۃ البقرہ، (2) سورۃ آل عمران، (3) سورۃ النساء، (4) سورۃ المائدہ، (5) سورۃ الانفال، (6) سورۃ التوبہ، (7) سورۃ الرعد، (8) سورۃ الحج، (9) سورۃ النور، (10) سورۃ الاحزاب، (11) سورۃ محمد، (12) سورۃ الفتح، (13) سورۃ الحجرات، (14) سورۃ الرحمن، (15) سورۃ الحدید، (16) سورۃ المجادلہ، (17) سورۃ الحشر، (18) سورۃ الممتحنہ، (19) سورۃ الصف، (20) سورۃ الجمعہ، (21) سورۃ المنافقون، (22) سورۃ التغابن، (23) سورۃ الطلاق، (24) سورۃ التحریم، (25) سورۃ الانسان، (26) سورۃ البینہ، (27) سورۃ الزلزال، (28) سورۃ النصر۔

مذکورہ بالا سورتوں کے علاوہ جتنی سورتیں ہیں وہ سب کی سب مکی ہیں۔

مکی سورتوں کی بعض علامات

(1) ہر وہ سورت جس میں لفظ (کَلَّا) آیا ہو۔

(2) ہر وہ سورت جس میں سجدہ آیا ہو۔

(3) ہر وہ سورت جس میں حروف مقطعات آئے ہوں سوائے سورۃ البقرہ اور سورہ آل عمران کے۔

(4) ہر وہ سورت جس میں آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ مذکور ہو سوائے سورۃ البقرہ کے۔

(5) ہر وہ سورت جس میں نبیوں اور امم ماضیہ کے حالات اور واقعات مذکور ہوں سوائے سورۃ البقرہ کے۔

(دیکھئے مباحث فی علوم القران للشیخ مناع القطان)

بعض علماء کے مطابق مکی سورتوں کا بنیادی مضمون توحید، رسالت اور آخرت ہے، اور دیگر مضامین جیسے اخلاقیات وغیرہ کا ذکر بھی موجود ہے۔

مکی سورتوں سے کیا مراد ہے اور اس کی کیا علامتیں ہیں؟

مدنی سورتوں کی بعض علامات کیا ہیں؟

(1) جس سورت میں حدود و فرائض کا ذکر ہو۔

(2) جس سورت میں جہاد کی اجازت اور جہاد کے احکام بیان کیے گئے ہوں۔

(3) جس سورت میں منافقین کا ذکر آیا ہو سوائے سورہ عنکبوت کے۔

نوٹ: مدنی سورتوں کا بنیادی مضمون مسائل اور احکام شریعت کا تفصیلی بیان ہے بہ نسبت مکی سورتوں کے۔

مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات

1. ابتدائی مکی سورتوں کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں وارد شدہ آیات نہایت چھوٹی چھوٹی ہیں۔ کیوں کہ ان میں حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے اور آیات کے آخری الفاظ (فواصل) ہم وزن و ہم قافیہ ہیں واضح رہے کہ ان میں عجیب قسم کا صوتی تناسب پایا جاتا ہے۔

2. دوسرے مرحلے کی مکی سورتوں اور پہلے مرحلہ کی مکی سورتوں کا اسلوب و انداز تقریبا یکساں ہے۔ مقاطع و فواصل ملتے جلتے ہیں۔ رنگ آمیزی کی وہی فراوانی ہے جو ابتدائی مرحلہ کی سورتوں میں ہے۔ صوتی حسن و جمال بھی بڑی حد تک یکساں نوعیت کا ہے۔

3. تیسرے مرحلے کی مکی سورتوں کا رنگ ڈھنگ بالکل نیا ہے، اس مرحلے کی لمبی سورتیں مکی وحی کے آخری دور اور مدنی وحی کی ابتداء کے درمیان سنگم اور نقطۂ اتصال کی حیثیت رکھتی ہیں، اس مرحلے کی متعدد سورتیں لمبی لمبی ہیں بعض سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے کیا گیا ہے، جبکہ بعض سورتوں میں جلیل القدر انبیاء کے قصص و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

4. مدینہ طیبہ میں جو سورتیں نازل ہوئی تھیں ان کے مراحل کی تعیین نہایت آسان ہے کیونکہ اس وقت اسلام پھیل چکا تھا اور لوگ عام طور پر سورتوں کے نزول سے آگاہ تھے، جب کہ مدنی سورتوں کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ ان میں عبادات و معاملات، حلال و حرام، شخصی احوال، سیاسی و اقتصادی قوانین، صلح و جنگ کے حالات، غزوات کی تفصیلات اور اس قسم کے دیگر شرعی حقائق مذکور ہیں۔

قرآن کریم کی سورتوں کی چار قسمیں ہیں

(1) طوال

(2) مئون



(3) مثانی

(4) مفصل

قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: ((أعطيتُ مكان التوراة السبعَ، وأعطيتُ مكان الزبور المِئِين، وأعطيتُ مكان الإنجيل المثاني، وفضِّلت بالمفصَّل.(حديث حسن: رواه الطبراني في الكبير (8003) (258/8)، (186) (75/22)، (187) (76/22)، وفي مسند الشاميين (2734) (62،63/4)، وأحمد (17023) (107/4)، والطيالسي في مسنده (1012).[(1/136)

i. طوال:

سات لمبی سورتوں کو کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں: البقرۃ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف اور ساتویں میں اختلاف ہے کہ وہ الانفال اور براءت (التوبہ) ہے جس کے درمیان بسملہ کے ذریعے فصل نہیں کیا گیا۔

ii مئون: وہ سورتیں جن کی آیات کی تعداد سو سے زیادہ یا سو کے لگ بھگ ہو۔

iii مثانی: وہ سورتیں جن کی آیات کی تعداد دو سو کے لگ بھگ ہو۔

iv مفصل: سورۃ الحجرات یا سورۃ ق سے آخر قرآن تک کی سب سورتوں کو مفصل کہتے ہیں۔

(دیکھئے مباحث فی علوم القران للشیخ مناع القطان)

مفصل سورتوں کی تین قسمیں ہیں

(1) طوال مفصل (2) وساط مفصل (3) قصار مفصل

طوال مفصل

سورہ ق یا سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ النبأ یا سورۃ البروج تک کی سورتوں پر طوال مفصل کا اطلاق ہوتا ہے۔

وساط مفصل

سورۃ النباء سے سورۃ اللیل تک کی سورتوں پر وساط مفصل کا اطلاق ہوتا ہے۔

قصار مفصل

سورۃ الضحی سے آخر قرآن تک کی سورتوں پر قصار مفصل کا اطلاق ہوتا ہے۔



قرآن صرف علماء کے سمجھنے کے لیے نہیں بلکہ یہ تمام انسانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (سورۃ القمر:17)۔

اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے، تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی روشنی میں اس کا جواب ملاحظہ ہو

قرآن کی آیات چار طرح کی ہیں:

1. وہ آیتیں جو عرب کے لوگ سمجھ سکتے ہیں کیونکہ وہ انکی مادری زبان ہے۔
2. وہ آیتیں جو جاہل بھی سمجھ پاتے ہیں اور انکی جہالت رکاوٹ نہیں بنتی۔
3. وہ آیتیں جو عالم ہی بہتر سمجھ پاتے ہیں۔
4. وہ آیتیں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ (بحوالہ:تفسیر طبری،ج:1،ص:70)

قرآن کریم کے حقوق

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾

یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے ۔ (سورۃ الإسراء؛9)

قرآن کریم ایک خوبصورت نوشتہ ھدایت ہے قرآن کریم اپنے ساتھ وابستگی قائم کرنے والوں کو خوشخبریاں بھی سناتا ہے کہ بہت بڑا اجر تمہیں عطا کیا جائے گا۔ قرآن کریم جب میرے اور آپ کے لیے دستور حیات ہے تو جس طرح ہم زندگی کے ہر زاویے میں ہم اپنے حقوق کے تقاضوں کو پورا کرنا پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان ہونے کے ناتے میرے اور آپ پر قرآن کریم کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں۔

آج کی ہماری اس گفتگو کا محور وہ بنیادی پانچ حقوق ہوں گے جو ایک مسلمان کو پورے کرنے چاہیئں

قرآن کریم کے پانچ حقوق کون سے ہیں

پہلا حق

اس قرآن پر ایمان لایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی کلام ہے، یہ وہ کلام مقدس ہے جو جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر نازل کیا گیا۔

اس پر ایمان لایا جائے کہ جس طرح یہ قرآن نازل ہوا، من وعن آج ہمارے پاس موجود ہے اور اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں

نہ اس میں کوئی اضافہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اس میں کوئی کمی کی جا سکتی ہے کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ ذوالجلال نے خود اٹھائی ہے

ارشاد ربانی ہے:

فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ

پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے۔۔۔ (سورۃ الشوریٰ)

دوسری جگہ اللہ ذوالجلال فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾ (سورۃ النساء)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا (136)

رب تعالیٰ ہمیں گمراہیوں سے بچائے

ایمان لایا جائے کہ اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہیں کی جا سکتی

کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾

جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتانہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے،یہ ہے نازل کردہ حکمتوں والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے (42)(سورۃ فصلت)

خالق اور مالک نے اس کی ذمہ داری اٹھائی ہے،تو ہمارا یہ ایمان ہونا چاہیئے کہ یہ حقیقی کلام ہے اور لاریب کلام ہے اس میں کوئی اضافہ یا کمی نہیں ہوئی۔

قرآن کریم کا دوسرا حق

جو ایک مسلمان کو ادا کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس قرآن کو پڑھا جائے،جس طرح اس قرآن کے پڑھنے کا حق ہے

پڑھنے کا حق کیا ہے؟اس کے تین بنیادی اصول یاد رکھیے

اس قرآن مجید کو خوبصورت انداز سے پڑھیے

"ليس منا من لم يتغن بألقرآن."

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جو شخص قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے،وہ ہم میں سے نہیں ا"۔

تخریج دارالدعوہ: « تفرد بہ أبوداود،(تحفۃ الأشراف:۳۹۰۵،۱۸۶۹۰)،وقد أخرجہ:مسند احمد (۱/ ۱۷۲،۱۷۵،۱۷۹)،سنن الدارمی/ فضائل القرآن ۳۴(۳۵۳۱)(صحیح) «

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ ابْنِ أَبِي نَهِيكٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ". قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: يَسْتَغْنِي، قَالَ أَبُو مُحَمَّد: النَّاسُ يَقُولُونَ: عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي نَهِيكٍ.

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جو شخص خوش الحانی سے قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"ابن عیینہ نے کہا: «لم يتغن» سے مراد «يستغني» ہے۔ابو محمد امام دارمی رحمہ اللہ نے کہا:ابونہیک کو لوگ عبید اللہ بن ابی نہیک کہتے ہیں۔ تخریج الحدیث: «إسنادہ صحیح، [مکتبہ الشاملہ نمبر:3531]

فرمایا: "زينوا القرآن بأصواتكم ،فإن الصوت الحسن يزيد القرآن حسنا"

"قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو،بیشک خوبصورت آواز اس کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔"

سلسلہ احادیث صحیحہ:771



قرآن کریم کو خوبصورت انداز میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ غور کر کے معانی کو سمجھ کر پڑھیے،لذتوں میں اور اضافہ ہو گا،

اور تیسری بات رب تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پڑھیئے،پڑھتے وقت ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کھارہا ہے

اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا جب سوال کیا گیا:

أی الناس أحسن صوتاً للقرآن؟ وأحسن قراءة؟

سب سے پیارا پڑھنے والا قاری کون ہے؟

"إن من احسن الناس صوتا بالقرآن الذی إذا سمعتموہ یقرا حسبتموہ یخشی اللہ."

فرمایا:"لوگوں میں سب سے عمدہ آواز میں قرآن پڑھنے والا وہ ہے کہ جب تم اس کی قراءت سنو تو تمہیں ایسا لگے کہ وہ اللہ سے ڈر تا ہے۔اہ

تخریج دارالدعوہ: «تفرد بہ ابن ماجہ ، (تحفۃ الأشراف : ۲۶۴۲ ، ومصباح الزجاجۃ : ۴۷۱) (صحیح) » (دوسرے طرق سے تقویت پا کر یہ حدیث صحیح ہے ،)

اور سب سے پیاری تلاوت ہوتی ہی وہ ہے جو رب تعالیٰ کو پسند آجائے

جو شرف قبولیت سے نوازی جائے اور وہ وہی ہوتی ہے جو خوبصورت دل سے پڑھی جائے

قرآن مجید کا تیسرا حق

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جائے،رسول اللہ ﷺ کے صحابی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كان الرجلُ منا إذا تعلّم عشرَ آياتٍ لم يجاوزْهنَّ حتى يعرفَ معانيهن والعملَ به

صحابہ کرام کی یہ عادت تھی کہ ان میں جب کوئی شخص دس آیتیں پڑھ لیتا،تو جب تک اِن دس آیات کے معانی کو سمجھ نہ لیتا،گیارویں آیت کی طرف منتقل نہیں ہوا کرتے تھے،اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے سے جو لذتیں نصیب ہوتی ہیں ان لذتوں سے آشنا وہی ہوتا ہے جس کو یہ نصیب ہوتی ہیں،اسی لیے امام طبری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے :

انی لتعجب ممن قرأ القرآن ولم يعلم تأويله كيف يلتذ بتلاوته

مجھے تعجب ہے اس انسان پر جو قرآن کے معانی سے واقف نہیں پھر وہ قرآن سے کیسے لذت حاصل کرتا ہے۔

الإمام زرکشي رحمہ اللہ تعالیٰ کہا کرتے تھے:



ومن لم يكن له علم وفهم وتقوى وتدبر لم يدرك من لذة القرآن العظيم شيئاً

جس کے پاس قرآن کا علم نہ ہو، فہم نہ ہو، تقوی نہ ہو، تدبر اور غور وفکر کی صلاحیت نہ ہو، وہ قرآن کی لذتوں سے آشنا نہیں ہو سکتا۔

ابن تیمیۃ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

من تدبر القرآن طالبا للهدى منه..تبين له طريق الحق. الفتاوى (٣/١٣٧).

جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور غور بھی کرتا ہے، اُس کے ترجے، اُس کے معانی، اُس کے مفاہیم، اُس کے مدعا سے واقفیت حاصل کرتا ہے، اور اُس کی طلب یہ ہے کہ ھدایت مل جائے، رب تعالیٰ اُس کے لیے جنت کے راستے کو ظاہر اور واضح کر دیتا ہے۔

قرآن کریم کا چوتھا حق

یہ ہے کہ اِس قرآن پر عمل کیا جائے، اور حسن بصری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے :

"أمر الناس أن يعملوا بالقرآن فا تخذوا تلاوته عملا"

لوگوں کو حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ قرآن کریم پر عمل کریں، انہوں نے تلاوت کو ہی عمل سمجھ لیا (اور بقیہ اعمال کو ترک کر دیا)

رسول اللہ ﷺ نے اس لیے فرمایا:

أَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالحَجَرِ، فَإِنَّهُ يَأْخُذُ القُرْآنَ، فَيَرْفِضُهُ، وَيَنَامُ عَنِ الصَّلاَةِ المَكْتُوبَةِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس کا سر پتھر سے کچلا جارہا تھا وہ قرآن کا حافظ تھا مگر وہ قرآن سے غافل ہو گیا اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جایا کرتا تھا۔

(صحيح البخاري كتاب التهجد باب عقد الشيطان على قافية الرأس إذالم يصل بالليل حديث رقم1104)

اللہ ذوالجلال ہمیں عمل کرنے والا بنائے

پانچواں حق

اس قرآن کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کی کوشش، تڑپ، شوق اور ذوق ہونا چاہیے

اس لیے اللہ ذوالجلال نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اس بات کو حکم دیا تھا:



يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾ سورة المائدة

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی ، اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (67)

یہ آیت ہمیں ایک سبق دے رہی ہے، ایک مسلمان ہونے کے ناتے ہم سب کی ذمہ داری ہے، کہ ہم لوگوں کو صرف وہی بات بتائیں، تبلیغ، دعوت اِس چیز کی دیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن اُتارا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین قرآن کریم کی وضاحت ہیں

اس لیے دعوت اور تبلیغ اور اسلام کا پرچار اور اسلام کی دعوت جب تک قرآن وسنت کی سرپرستی میں نہ ہو، اس کو دعوت اور تبلیغ کیسے کہا جا سکتا ہے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر یہ شوق رسول اللہ ﷺ نے پیدا کیا، حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا: الا لیبلغ الشاهد منکم الغائب

سن لو! یہ خبر (جو میں بیان کر رہا ہوں) حاضر غائب کو پہنچا دے۔

(صحيح بخاري ،كتاب العلم ،بَابُ لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ رقم الحديث : 105)

بلکہ فرمایا :بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

"میرا پیغام لوگوں کو پہنچاؤ! اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔

(صحیح البخاري كتاب أحاديث الأنبياء باب ماذكر عن بني إسرائيل)

اسی لیے سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے:

لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلَى هَذِهِ وَأَشَارَ إِلَى قَفَاهُ- ثُمَّ ظَنَنْتُ أَنِّي أُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تُجِيزُوا عَلَيَّ لَأَنْفَذْتُهَا.

(صحیح بخاري، كتاب العلم ،باب العلم قبل القول والعمل)

کہ اگر تم اس پر تلوار رکھ دو، اور اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا، اور مجھے گمان ہو کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ایک کلمہ سنا ہے، گردن کٹنے سے پہلے بیان کر سکوں گا تو یقیناً میں اسے بیان کر ہی دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری سنائی:

نضر الله امرا سمع مقالتي فوعاها وحفظها وبلغها



(سنن ترمذی، کتاب العلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى تَبْلِيغِ السَّمَاعِ)

اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور توجہ سے سنے، اسے محفوظ رکھے اور دوسروں تک پہنچائے۔

رب تعالیٰ ہمیں قرآن کریم کے حقوق پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن صاحب قرآن ﷺ کی رفاقت نصیب فرمائے اور جنت الفردوس میں اپنے دیدار کا مستحق بنائے اللھم آمین

صحابہ کرامؓ کا قرآن سے تعلق

یہ حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں قرآن ہی سنایا کرتے، اِسی کی تعلیم دیتے، اِسی تلاوت و تعلیم کے حوالے سے ایک حکیمانہ طرزِ بلاغ کا درس اور اِسی حکمت کے حوالے سے اُن کا تزکیہ فرماتے رہے تھے۔ سورۂ آل عمران (۳) میں نہایت صاف الفاظ ہیں:

’’یقیناً اللہ نے احسان کا معاملہ فرمایا ایمان والوں پر (اور وہ اِس طرح) کہ اُن میں اُن ہی کی نسل سے ایک رسولؑ کو مبعوث فرمایا، (جن کی شان یہ ہے کہ)وہ اُن پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور اُنہیں الکتاب سے حکمت کی تعلیم دے کر اُن کا تزکیہ کرتے ہیں.....‘‘(۱۶۴)۔

اِن حقائق سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن سے صحابہؓ کے تعلق کا کیا عالم تھا اور قرآن سے ہمارے تعلق اور صحابہؓ کے تعلق کے درمیان وہ جوہری فرق کیا تھا، جس کی بنا پر وہ اِنسانیت کا ایک ایسا معزز و محترم گروہ قرار پائے، جسے چشمِ فلک نے کبھی نہیں دیکھا، سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے۔ اور اب صحابہؓ جیسے نفوسِ قدسیہ کو قیامت تک دنیا کبھی نہ دیکھ پائے گی۔ پھر یہ تعلق یک طرفہ بھی نہیں تھا، بلکہ خود قرآن بھی اِن کے اوصافِ حمیدہ کا واضح الفاظ میں قدر دان تھا اور قیامت تک رہے گا، سورۂ الفتح (۴۸) کی یہ آیت اِس حقیقت پر شاہد ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (فتح؛29)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت، آپس میں نرم دل ہیں۔ تُو انہیں رکوع کرتے ہوئے، سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، اللہ کا فضل و رضا چاہتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے ہے۔ یہ ان کی صفت تورات میں (مذکور) ہے اور ان کی صفت انجیل میں (مذکور) ہے۔ (ان کی صفت ایسے ہے) جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی باریک سی کونپل نکالی پھر اسے طاقت دی پھر وہ موٹی ہو گئی پھر اپنے



تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کسانوں کو اچھی لگتی ہے (اللہ نے مسلمانوں کی یہ شان اس لئے بڑھائی) تاکہ ان سے کافروں کے دل جلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں سے بخشش اور بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

اِس آیت میں صحابہؓ کے جو اوصاف گنائے گئے ہیں اور مثال کے ذریعہ جس طرح اِن کی تشریح خود ربِ ذوالجلال نے کی ہے، اُس کی مزید وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ سورۂ آل عمران (۳) میں بھی اُن کی جانفشانیوں کا اعتراف خود رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ-وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ(171)اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ(172)اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ(173)فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ-وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ-وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ(174)

"وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوشیاں منا رہے ہیں اور اس بات پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔ وہ لوگ جو اللہ اور رسول کے بلانے پر زخمی ہونے کے باوجود (فوراً) حاضر ہوگئے ان نیک بندوں اور پرہیزگاروں کے لئے بڑا ثواب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے (ایک لشکر) جمع کرلیا ہے سو ان سے ڈرو تو ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوگیا اور کہنے لگے: ہمیں اللہ کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ پھر یہ اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ واپس لوٹے، انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور انہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

(۱۷۱۔۱۷۴)

سورۂ الفتح (۴۸) میں اللہ نے حضورؐ کے نطق مبارک سے یہ خوشخبری دی کے صحابہؓ سے وہ راضی ہو گیا ہے :

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا(18)

بیشک اللہ ایمان والوں سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے تمہاری بیعت کر رہے تھے تو اللہ کو وہ معلوم تھا جو ان کے دلوں میں تھا تو اس نے ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

Indeed"اللہ راضی ہوا مومنین سے جب وہ آپ ﷺ سے ایک شجر کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ کو پتہ تھا کہ کیا کچھ اُن کے دلوں کے جذبات تھے۔ تو اُس نے (اُن کی تسلی کا سامان) "سکینت" (کی صورت میں) نازل کیا اور اُنہیں بدلہ میں ایک فتحِ قریب عطا کر دی۔" (۱۸)۔

سورۂ التوبہ (۹) میں ہے۔



لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (117)

میں بھی اِن کی حضورؐ سے وفاداریوں کا اعتراف موجود ہے Indeed ": اللہ نے نبیؐ پر، انصار پر اور مہاجرین پر توجہ فرمائی، وہ جنھوں نے ساعتِ عُسرت میں بھی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی) اِتباع کی، اِس (بحران) کے بعد کہ اُن کے ایک فریق (گروپ) کے قلوب پھر جانے کے قریب تھے، پھر (ایسے میں اللہ) اِن کی جانب متوجہ ہوا، بے شک وہ رؤف ور حیم ہے۔" (توبہ:۱۱۷)۔

۶ر سن نبوی میں پیش آنے والا حضرت عمرؓ کے قبولِ اِسلام کا واقعہ بھی سراسر قرآنی اعجازِ تاثیر کا پس منظر رکھتا ہے۔ اُنہوں نے پہلے تو خانہ کعبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۃ الحاقہ (۶۹) کی تلاوت سنی، جس کی آیتیں تھیں:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (40) وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (41) وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (42) تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (43) وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ (44) لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ (45) ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (46) فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (47) وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (48) وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ (49) وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (50) وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ (51) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (حاقه:52)

"بے شک یہ (قرآن)، ضرور ایک فرشتۂ کریم (کے ذریعے لایا ہوا) قولِ (وحی) ہے۔۔۔ نیز (یہ کہ) یہ کسی شاعر (کے منہ سے نکلا ہوا کوئی شاعرانہ) قول بھی نہیں، پھر تم میں سے بہت قلیل لوگ مانیں گے۔ اور یہ کوئی قولِ کاہن بھی نہیں، لیکن تم میں بہت کم لوگ نصیحت قبول کرتے ہو۔ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ (قرآن) تورب العٰلمین کی تنزیل ہے، اور اگر ہمارے (نام) پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض دیگر اقوال (کی آمیزش کے ساتھ کچھ) بنالاتے (اور کہتے کہ یہ قرآن ہے)، تو ہم یقیناً اُنکا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ضرور ہم اُن کی رگِ گردن قطع کر دیتے۔ اور تم میں سے کوئی بھی اُنہیں بچا نہیں پاتا، اور بیشک اس میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت موجود ہے۔ اور بے شک ہمیں اچھی طرح پتہ ہے کہ تم جھٹلانے والے ہو۔ اور بے شک یہ کافروں کے لیے ضرور حسرت (کا معاملہ ہے)، اور یہ (قرآن) ضرور حق الیقین (کا درجہ رکھتا) ہے، پس تم (اپنی کم مائیگی کو تسلیم کرتے ہوئے) اپنے ربِّ عظیم کے نام کی تسبیح بیان کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔" (۵۲)۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن اور بہنوئی حضرت خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہ کی خبر لینے کی غرض سے اُن کے گھر کا رخ کیا، اور وہاں کافی مکالمات کے بعد اُن سے سورۂ طٰہٰ لی اور خود مطالعہ فرمایا۔ محض یہ دو واقعات ایک حق پرست کی زندگی میں۔۔۔ وقتی طور پر نہیں تا حیات۔۔۔ اِنقلاب برپا کرنے کے لیے کافی ثابت ہوئے۔



سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کی وہ تاثیر اب ختم ہو گئی، جس نے حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کو ہلا کے رکھ دیا تھا

درآں حال یہ کہ قبولیتِ دینِ حق ان کا آخری آپشن بن گیا تھا؟۔۔۔ ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ آج بھی ضمیروں کو جھنجوڑنے کی یہ تاثیر صرف قرآن شریف میں ہی باقی ہے۔ الغرض قرآن ہی ایک ایسی طاقت ہے، جس کی اولین پیش کش پر ہی ایک انسان اپنے تمام تر مشرکانہ عقائد سے کنارہ کش ہو سکتا ہے اور اُسے توہمات کی دُنیا سے یکسر آزادی نصیب ہو سکتی ہے، اور وہ دائرہِ ایمان میں چھلانگ لگا سکتا ہے، جس کا تذکرہ اللہ نے اپنی آخری کتاب کی سورۂ البینۃ(۹۸) کی اس آیت میں کیا ہے:

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ (1) رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (2) فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (3) (البینہ: 1۔3)

”اہلِ کتاب کے نافرمان اور مشرکین (اپنی نافرمانی اور اپنے شرک سے اس وقت تک) باز نہیں آنے والے، جب تک کہ اُن کے سامنے اللہ کی واضح آیتیں نہ آجائیں، ایک رسول (پیغام رساں) جو اُن پر پاکیزہ صحیفے کی تلاوت کرے، جس میں پچھلی تمام کتابوں کا نچوڑ موجود ہے۔“

صحابہؓ کے ایمان اور جاں نثاری کا راز صرف اور صرف یہی تھا کہ وہ قرآن شریف کے احکامات کو خالص طور پر اپنی ذات پر لاگو کرنے کا جذبۂ بے پناہ رکھتے تھے۔ جب وہ نطق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صدائے وحی سنتے تو سرتاپا گوش بر آواز ہو جاتے، پھر اِسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں فرماتے، اُن کا یہ جذبۂ فداکاری اُنہیں مضطرب کر دیتا کہ اللہ کے کلام کو قرآن سے بے خبر بندوں تک کس قدر جلد اور کیسے پہنچا دیا جائے!!

صحابہؓ کے فریضۂ بلاغ کو نبھانے کی داستان بھی بڑی ایمان افروز داستان ہے۔ جب صحابہؓ نے خطبہ عرفات میں پیغامِ حدیث ”**بلغوا عنی ولو آیۃ**“۔۔۔

”پہنچادو، میری طرف سے، اگر ایک ہی آیت کیوں نہ سنی ہو۔“ کو سنا تو اُنہیں ایک لمحہ بھی خاموش بیٹھنا گوارا نہیں ہوا۔ جس وقت ”پیغام حکم بلاغ“ نطق رسولؐ سے نشر ہو رہا تھا، تو اِسے سننے والے صحابہ کی تعداد سو پچاس یا ہزار دو ہزار کی تعداد نہیں تھی، بلکہ بلا مبالغہ اِن کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی۔ اللہ کے کلام کو ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچانے کی یا ”بلاغ“ کے حکم رسولؐ کی پابجائی کی اپنی اِس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے نہ جانے دُنیا کے کن کن خطوں میں صحابہؓ کی ہزاروں کی تعداد سارے عالم کے مختلف مقامات کی جانب نکل گئی اور پھر پیچھے مڑ کر کبھی نہیں دیکھا۔ بیس سال کے اندر اندر ہی صحابہؓ قرآن کو لے کر عظیم فراعنہ کے عظیم مصر تک پہنچے۔ پورے براعظم افریقہ براعظم ایشیا میں ایشاء کوچک اور ماوراء النہر تک گئے۔ عظیم فارس کی سمت کوچ کیا، سندھ سے ہوتے ہوئے چین پہنچے، ترکمانستان کا بڑا علاقہ Cover کیا، یورپ کے مختلف خطوں کے دور دراز مقامات



اور یوروپی سواحل تک بھی اِن کی رسائی ہوئی، ادھر ہندوستان کے جنوب میں کیرالا کے علاقے اِن کی آمد سے فیض یاب ہوئے، مغربی سری لنکا، مالدیپ جیسے چھوٹے بڑے جزائر تک قرآن شریف پہنچا دیا۔ کسی کو رپورٹ دینے کے لیے وہ واپس نہیں لوٹے، نہ اِس کی ضرورت ہی محسوس کی، نہ کسی نے اِس کا تقاضہ ہی کیا، بلکہ جہاں جہاں گئے وہیں کے ہو رہے، اور اللہ کی خوشنودی پر اپنی نگاہیں مرکوز رکھیں۔ المختصر، اِس زمانے میں آباد دنیا کے بلامبالغہ اسّی فیصد علاقوں تک صحابہؓ اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے پہنچے۔

تاریخ دانوں کی یہ بڑی بد بختی تھی کہ اُنہوں نے اِن غریب الوطن صحابہؓ اور اِن کی دعوتی مساعی کے سلسلے میں ناقابلِ معافی غفلت کا مظاہرہ کیا اور اِن مبلغ صحابہؓ کی دعوتی سرگرمیوں کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں کیا۔ خوں ریز جنگوں اور زمین کے خطوں میں دُنیاوی جاہ و حشمت کی لڑائیوں اور ملک گیری کی لالچی اقوام کی برپا کردہ خونی محاذ آرائیوں کی باریک سے باریک تفصیل تو ضرور ریکارڈ کی، لیکن قرآنِ کریم کے پیغامِ امن کے اِن ہزاروں سفیروں کی مہاجرت اور دورانِ مہاجرت اِن کی مصروفیات و مقامات کا کوئی ذکر تک نہیں کیا، کجا کہ وہ اِن کی دعوتی فتوحات کا کوئی نوٹس لیتے۔ تاریخ کے اِس باب میں ہمیں کورے اوراق ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کا نقصان ہی نہیں تھا بلکہ ساری اِنسانی نسل اِس نقصان میں برابر کی شریک تھی اور ہے۔

اُدھر ''اصحابِ بلاغ'' صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہے اور کسی تاریخ کا حصہ بننے سے اُنہیں کوئی سروکار بھی نہ تھا۔ وہ اِن تمام چیزوں سے بے نیاز ہو کر اپنا فرضِ منصبی نبھاتے رہے۔ کیوں کہ وہ اِس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ:

۱(۔۔۔وہ کوئی تاریخ مرتب کرنے نہیں جا رہے تھے کہ اُن کے قصیدوں کو بعد کی نسلیں ''اسلامی تاریخ'' کا نام دے کر تفاخرِ بے جا کے مظاہرے کرتی پھریں، جیسا کہ فی زمانہ دیکھنے کو مل رہا ہے، کہ اِسلامی تاریخ کے حوالے سے وہ اپنے آباء کے کارناموں کا سارا کریڈٹ اپنے نام کر لیتے ہیں، لیکن کبھی اپنی زندگی کا ڈھب نہیں بدلتے۔ دراصل صحابہؓ فلسفۂ تاریخِ اِسلام کے اُس نظریۂ تاریخ سے خوب واقف تھے جس کی رُو سے ''اِسلامی تاریخ'' گزشتہ چودہ یا پندرہ صدیوں کی تاریخ کا نام نہیں بلکہ اِس کا آغاز تو اُس وقت سے ہوتا ہے جب اللہ کے سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تھے۔ کیونکہ وہ جس دین کے ساتھ تشریف لائے تھے وہ اِسلام ہی تو تھا۔۔۔! جسے اُن کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے دور میں پیش کیا۔ اور انسان اسے قبول کر کے دائرۂ ایمان میں آتے رہے اور اسلام قبول کرتے رہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک چلنے والی ہر اِسلامی سرگرمی، ''اِسلامی تاریخ'' کا حصہ تھی اور رہے گی۔ اِن حقائق کے باوجود یہی کہنا پڑے گا کہ مسلم تاریخ نگاروں سے بڑی کوتاہی یہ ہوئی کہ اُنہوں نے صحابہؓ کی قرآنی دعوت کی سرگرمیوں کو ریکارڈ کرنے کے معاملے میں پہلو تہی کی۔ ورنہ دعوتی رُخ سے آج مسلمانوں کے حالات وہ نہ ہوتے جو آج دکھائی دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر صحابہؓ کا منشاء کیا تھا کہ انہوں اپنے وطن کو خیرباد کہا اور کارِ ''بلاغ'' کو انجام دینے کے لیے اپنے وطنوں سے نکل پڑے ؟ اور کسی تاریخ کا حصہ بننے کی طرف کبھی اُن کی توجہ نہیں گئی۔

۲(۔۔۔دراصل وہ زندگی کے اصل قرآنی نظریۂ زندگی کے تربیت یافتہ تھے، اور وہ نظریہ، یہ تھا کہ وہ اپنی ذات کو روزِ محشر کی پکڑ سے بچانا چاہتے تھے۔ اور اِسی مقصد کے لیے سرگرداں رہے۔ وہ اپنی آخرت کی خاطر اللہ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانا، خود اپنے ذاتی مفاد میں سمجھتے تھے، کہ کسی طرح ہم خدا کے حضور سرخرو ہو جائیں، چاہے ہم سے اپنا وطن ہی کیوں نہ چھوٹ جائے، چاہے ہمارے حصے میں گمنامی ہی کیوں نہ آتی ہو۔



۳)۔۔۔ پھر اُنہوں نے اپنے مدعو کو دورانِ کارِ ''بلاغ'' کبھی حریف نہیں سمجھا، نہ اِن سے کوئی عداوت کی۔ وہ محض اُن کی نجات کو لے کر فکر مند رہتے کہ اگر اِن تک پیغام نہیں پہنچایا گیا تو کہیں وہ اُس راستے کے راہی نہ بن جائیں جس کی منزل جہنم ہے۔ اِسی تڑپ کو لے کر وہ ساری دنیا میں پہنچے۔

۴)۔۔۔ پھر دنیائے اِنسانیت سے ہمدردی کی یہ بلند سطح اِس لیے بھی تھی کہ وہ علی وجہ البصیرت سمجھتے تھے کہ ''اِسلام کو پھیلانا'' ان کا نصب العین نہیں ہے، جیسا کہ آج کل وسیع پیمانے پر سمجھا جارہا ہے۔ اپنی قوم کی تعداد بڑھانے کا چکر عیسائی راہبوں کو تو راس آسکتا ہے، لیکن قرآنی فکر کے حاملین کے لیے بڑا نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے، بلکہ ہوا ہے۔ جب ہم اِسلام کو پھیلانے کی بات کرتے ہیں تو بلاغ کی راہ میں خواہ مخواہ رکاوٹ بن جاتے ہیں، کیونکہ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہم اپنی قوم کی تعداد میں اِضافے کے چکر چلا رہے ہیں اور ہمارا یہی وہ خطرناک مفاد ہے جو دیگر اقوام میں خوف کی نفسیات Psyche کو پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے اور بنتا جارہا ہے۔ ایسے میں ''دین کو پھیلانے'' کی بات سے ہم اپنے نقصان کے اسباب پیدا کر لیتے ہیں۔ کسی ذہن ودل کو متوجہ کرنے کا وہی طریقہ سود مند ہے جو ''بلاغ'' کے ذیل میں آتا ہے۔ کسی بھی حق پسند قوم یا فرد میں قرآن کی طرف لپکنے کا Potential اگرچہ کہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے، لیکن بہر حال اُس کی مذہبی، جذباتی اور تہذیبی وابستگیوں کی نزاکتیں اُسے کسی اور مذہب کی طرف راغب ہونے سے مسلسل روکتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور مکہ کی کئی اہم شخصیات اِن ہی نزاکتوں کے پیش نظر رُکے رہے تھے اور آج بھی ہمارے کئی کٹر قسم کے غیر مسلم حضرات، خوئے حق پرستی کے باوجود محض اِس لیے رُکے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی مذہبی وابستگی کو چھوڑنا نہیں چاہتے، اور ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم میں کوئی صاحب بلاغ اِن تک پہنچنے والا ہے بھی نہیں۔ کیونکہ، جیسا کہ کہا گیا، اِس صورتحال کا علاج صرف قرآن کی پیش کش میں تھا اور آج بھی غیر مسلموں کے اِس جھجک کا علاج اِس کے سوا کچھ نہیں کہ آخرت میں مغفرت کی فکر اور عذاب کے ڈر کا قرآنی پیغام اِنہیں ہر قسم کی مذہبی نزاکتوں سے اوپر اُٹھا سکتا ہے اور اِس طرح قرآن شریف کا یہ پیغام براہِ راست اُن کے دلوں میں اتر کر رہتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں دعوت اور نصیحت کو بذریعہ قرآن ہی پیش کرنے کے احکامات بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے جاتے رہے ہیں، جیسے سورۂ ق (۵۰) کی آخری آیت میں یہ حکم نازل ہوا:.....فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ۔ ''اے نبیؐ! ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ نافرمان آپ پر کس طرح سے جملے کس رہے ہیں، لیکن آپؐ کو ان پر زور زبردستی نہیں کرنا ہے، آپؐ تو صرف اس قرآن سے نصیحت کئے جانا ہے ہر اس (حق پرست) کو جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔''

مبلغ کے لئے دشواری

آج ایک مبلغ کے لیے ایک دشواری یہ ضرور پیش آتی ہے کہ کس طرح مدعو کو پورا کا پورا قرآن شریف پڑھایا جائے؟ دراصل معاملے پر اِس طرح سوچا جانا نہیں چاہیے، کیونکہ ہم جس کتاب کی بات کر رہے ہیں وہ ساتویں آسمان سے پرے جبریل علیہ السلام کے ذریعے ہم تک لایا گیا ہے جو، اللہ رب ذو الجلال والا کرام کا کلام ہے، نیز یہ کہ یہ بڑے بڑے معجزات کا حامل کلام ہے، جسے ساری دنیا میں پھیلایا جاچکا ہے۔ مذکورہ دشواری کا حل صرف یہی ہے کہ اِسے یوں سمجھا جائے، کہ صحابہ کرامؓ کا قرآن شریف سے جو تعلق اور اپروچ تھا، ویسا ہی اپروچ ہمارا بھی ہو جائے۔ اصل سوال یہ ہے کہ، کیا ہم اپروچ



کے اس صحابیانہ معیار کے کم از کم آس پاس بھی جانے کو تیار ہیں؟ اگر واقعی ہم چاہتے کہ اِس پوزیشن میں آجائیں تو ہمارا رب آج بھی وہ سب کچھ کر سکتا ہے، جو حضرت عمرؓ کے ساتھ پیش آیا۔ اِس کا آغاز اِس طرح ہو سکتا ہے اور ہزاروں لوگوں کا آزمودہ نسخہ اور تجربہ بھی یہی ہے کہ **اگر اِس کی روزانہ کی بنیاد پر کثرت سے تلاوت ہو تو دل میں ہمہ وقت قرآن شریف کا ایک نہ دکھائی دینے والا مرکز ضرور قائم ہو جائے گا۔** یہ پہلو نظروں سے کبھی او جھل نہیں ہونا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی کلام کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کی جس طرح تربیت فرمائی تھی، اِس سے اُن کا یہ یقین، یقین کامل میں بدل گیا تھا کہ پورا قرآن شریف اگر نہ بھی پیش کیا جائے اور اِس کا ایک چھوٹا سا حصہ ہی کیوں نہ پیش کیا جائے، تو اِتنا ہی حصہ، بلکہ ایک آیت بھی اِس قدر قوتِ تاثیر کی حامل ہوتی ہے کہ جس سے کسی بھی اِنسان کے دل کی دنیا زیر وزبر ہو جائے۔ چنانچہ حدیث کی کتب میں کئی روایتیں ملتی ہیں کہ بعض قبیلوں میں صحابہؓ گئے۔ ظاہر ہے ہر صحابیؓ کو پورا قرآن یاد ہونا ضروری نہیں تھا نہ یہ ممکن ہی تھا، چونکہ صحابہؓ کو طرزِ نبویؐ سے کما حقہ' واقفیت تھی کہ قرآن شریف کی چند آیتیں بھی نووارد کے کان میں اتریں گی تو انشاء اللہ اثر کر کے رہیں گی۔

یہ المیہ ہے کہ ہم جیسی ناشکری قوم کے پاس پورا قرآن شریف موجود ہونے کے باوجود ہم کبھی اِس کے بلاغ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیوں کہ ہمارے اطراف ایسے شریفوں کی کمی نہیں جو اِس ضرورت کو محسوس کرنے دیں۔!!! ہم کروڑوں کی تعداد میں ہیں، ہمارے خود ساختہ مبلغین کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے۔ دعوت کے نام پر قدم قدم پر سرگرمیاں ہیں اور اگر کچھ نہیں ہے تو بس یہ کہ کوئی دائرۂ اِسلام میں داخل ہونے کو تیار نہیں، اِسی لیے دنیا کے پانچ سو کروڑ غیر مسلم اقوام میں ایک دو اِدھر اُدھر کی قبولِ اِسلام کی خبریں ہمارے لیے عجوبہ بن جاتی ہیں اور اِس کے مبالغہ آراء چرچے اخباروں کی سرخیاں بن کر ہمارے ذوقِ دعوت کی تسکین کا جھوٹا سامان فراہم کرتے رہتے ہیں۔

کئی لوگ اِس حقیقت کو جہالت کی حد تک نہیں جانتے کہ، کتاب کے ساتھ، کتاب کو ایک پیش کرنے والا بھی کھڑا ہو جائے، جس کے اخلاق و کردار پر مدعو کا بھروسہ ہو، جس کی دیانت داری اور اخلاص قابلِ یقین ہو۔ وہ مدعوئین کے سامنے ان کے رب کی وحی کو اس کے اصل الفاظ میں جستہ جستہ پیش کر تا رہے۔۔۔ ترجمہ نہیں۔۔۔ کیوں کہ ترجمے مدعو کی بک شیلف کی ہی زینت بن کر رہ جاتے ہیں، اور دل میں کبھی نہیں اُترتے۔

کہنے کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہماری حکمت عملی وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی تھی، جو ایک ساتھ چلنے والے

تین قرآنی اصول

۔۔۔ ۱) يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ: "وہ اُن پر ان کے رب کی آیات کی تلاوت کرے"۔۔۔ ۲) وَيُزَكِّيْهِمْ: "اور وہ اُن کا تزکیہ کرے"۔۔۔ ۳) وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: "اور وہ اُنہیں الکتاب اور الحکمہ کی تعلیم دے۔" بلاغ کی ادائیگی میں جب تک یہ تین اُمور نہ ہوں، تب تک "قرآن" کی کاپیاں یا اِس کے ترجمے مدعو کی الماری کی زینت بڑھاتے رہیں گے، اور خدائی پیغام کے دل میں اُترنے کا مرحلہ کبھی نہیں آئے گا۔ ضرورت ہے کہ داعی خود کھڑا ہو اور اپنے مدعو کے سامنے اِس کی تلاوت کرے، خود اِس کی تعلیم دے اور اِسے بلاغ کی حکمت سکھائے اور ساتھ ساتھ اِس کے نفس کا تزکیہ کرتا



جائے۔ یہی طریقہ اِس آیت کا منشاء بھی ہے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بھی رہا۔ اِن ہی معنوں میں صحابہؓ نے بھی بلاغ کی ذمہ داری ادا کی، نہ کہ "دین کو پھیلانے" کا کام کیا، جو آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تفویض کی گئی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے، کہ صحابہؓ اِس حقیقت سے خوب باخبر تھے کہ قرآن شریف میں "دین کو پھیلانے" کا حکم کہیں کسی آیت میں نہیں ملتا۔ اِس کے بجائے جو الفاظ یا فقرے ملتے ہیں وہ یہ ہیں: (سورۂ احقاف میں) بلاغ فھل یہلک الا القوم الفاسقون۔۔۔ (نیز دیگر مقامات پر یہ الفاظ)۔۔۔ ان علیک الا البلاغ۔۔۔ علیک البلاغ وعلینا الحساب۔ صحابہؓ نے جو کچھ کیا وہ صرف اور صرف خود احتسابی سے عبارت تھا۔ اُنہیں احتسابِ کائنات کی فکر سے زیادہ احتسابِ ذات کی فکر تھی جبکہ احتسابِ کائنات کے حوالے سے وہ عبرت حاصل کرتے تھے۔ انہیں اپنے فرائض معلوم رہتے تھے۔ کائنات کا احتساب ان کے خواب وخیال سے پرے کی شئ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دُنیا کی فکر میں اِجتماعیت کے گرفتار لوگ اکثر اپنی ذات کی اِصلاح سے غافل رہ جاتے ہیں:

اپنی اپنی ذات کی اِصلاح سے غافل رہے

لوگ جتنے اجتماعی زندگی کے ساتھ تھے۔۔۔ (عزیز بلگامی)

۵)۔۔۔ پھر صحابہؓ اِس حقیقت کو شدت سے محسوس کرتے اور اِس پر بجا طور پر یقین رکھتے تھے کہ نزولِ قرآن کی اِبتداء ہی میں "اہلِ کتاب" کی جس اصطلاح کو اِن کے سامنے پیش کیا گیا تھا اُس کے دائرے میں صرف یہود و نصاریٰ ہی نہیں آتے، بلکہ وہ خود بھی نزول قرآن کے ساتھ ہی اہلِ کتاب کے زمرے میں شامل ہو چکے ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کے بارے میں قرآن شریف کی پیش کردہ ہر وعید پر وہ کانپ اُٹھتے کہ کہیں اِن وعیدوں کا ہدف ہم تو نہیں؟ چنانچہ وہ ہمیشہ اپنی اصلاح پر نظریں جمائے رکھتے اور تادمِ حیات خوفِ اِلٰہی کے ایمان افروز مظاہرے ان کی ذات میں نمایاں دکھائی دیتے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم عملاً "اہلِ کتاب" اور اُن کی خرابیوں کے نتائج سے خود کو مستثنیٰ قرار دیتے رہتے ہیں۔

منافقین کے بارے میں نازل ہونے والی آیتوں کو پڑھ کر اُن پر خشیت اِلٰہی کا غلبہ ہونا

۶)۔۔۔ منافقین کے بارے میں نازل ہونے والی آیتوں کو پڑھ کر اُن پر خشیت اِلٰہی کا غلبہ اتنا زیادہ ہو جاتا کہ وہ سوچنے لگتے کہ مبادا کہیں وہ گروہِ منافقین میں تو شمار نہیں کیے جا رہے ہیں! اِس مزاجِ تقویٰ کے ساتھ صحابہؓ جب دُنیا میں پھیلے تو دعوتی فتوحات۔۔۔ نہ کہ زمینی فتوحات۔۔۔ سے ایسے نوازے گئے کہ آج بھی انڈونیشیا اور اطراف کے ساحلوں تک اِن کی سرگرمیوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ زمینی فتوحات سے تو انہیں سروکار بھی نہیں تھا، نہ ان کے پھلوں کو وہ کبھی چکھ ہی پائے تھے، اور نہ ہی یہ اِن کی سرگرمیوں کا ہدف تھیں۔

۷(۔۔۔جہاں تک اُن صحابہ کی بات ہے، جو مرکزِ اسلام میں قیام پذیر رہے، تو وہ ازروئے قرآن، اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے ہی مقیم رہے۔ مثلاً اُن کے کندھوں پر اقتدار و حکومت، سیاسی و اِنتظامی اُمور اور قرآنی احکامات و حدود کے نفاذ کی بڑی بھاری ذمہ داری تھی اور اِن ہی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لیے اُن کا مرکز میں قیام ازروئے قرآن ناگزیر تھا۔ جس کا سورۂ نساء(۴) میں ہمیں یہ جواز ملتا ہے: ”اے ایمان (کی دولت سے مالامال ہونے) والے اِنسانو۔۔۔! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولی الامر (یا صاحبینِ اِمور ہیں اِن) کی اِطاعت کرو۔ پھر اگر کسی شئے میں تم کسی تنازعہ کا شکار ہو جاؤ تو، اگر تم اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہو تو اِس (تنازعہ) کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کردو یہی (احسن تاویل کے ساتھ ایک) بہتر (طریقہ کار بھی) ہے۔“(۵۹(

۸(۔۔۔پھر صحابہؓ نے اِسی قرآن سے سمجھا تھا کہ بخشش اور نجات کا دارومدار پیدائش پر نہیں بلکہ چند شرائط پر اِس کا انحصار ہے۔ اگر وہ پورے نہ کیے جائیں تو حشر کے خطرات اُن پر منڈلاتے رہیں گے، جس طرح دوسروں پر منڈلاتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ البقرہ(۲) میں کہا گیا ہے: ”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے (ہوؤں میں شامل ہیں) اور جو یہودی کہلائے جاتے ہیں اور جو نصاریٰ ہوئے ہیں اور صابی ہوئے ہیں، (اِن چار قسم کے گروہوں میں سے) جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا ہے، اور نیک عمل کرتا ہے تو ان کے لیے ان کا اجر۔۔۔ان کے رب کے پاس (محفوظ) ہے، اور اِن پر نہ کوئی خوف ہو گا، اور نہ وہ حزن (وملال سے دوچار) ہوں گے۔“

اللہ پر ایمان۔۔۔یومِ آخرت پر ایمان۔۔۔اور عملِ صالح“۔۔۔یہ تین شرائط ایسی ہیں، جو اللہ کے اجر کا مستحق بناتی ہیں

’اللہ پر ایمان۔۔۔یومِ آخرت پر ایمان۔۔۔اور عملِ صالح“۔۔۔یہ تین شرائط ایسی ہیں، جو اللہ کے اجر کا مستحق بناتی ہیں اور خوف اور حزن سے نجات دلاتی ہیں۔ یہی پیغام لے کر وہ یہودیوں کے پاس بھی گئے، نصاریٰ کے پاس بھی گئے، صابیوں کے پاس بھی پہنچے۔ اور اِس وسیع الظرف پیغام کو پیش کیا اور ہر قوم کے افراد کا دل جیتا۔ جہاں پہنچے، قرآن کے اصل الفاظ کے ساتھ ساتھ خود مدعو کی زبان میں قرآن سمجھایا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مقامی زبانوں میں قرآن کو پہنچانے کی داغ بیل بھی صحابہؓ نے ہی ڈالی۔ ظاہر ہے وہ جہاں بھی پہنچے ہوں گے، وہاں کی زبان عربی نہیں ہو گی، اس لئے مقامی زبانوں کا اُنہوں نے بھرپور استعمال کیا ہو گا، تا کہ بلاغ کا حق ادا ہو جائے اور یہی قرآن شریف کا مطلوب بھی ہے، افسوس کہ آج ہم ایک طرف اپنی اِصلاح سے غافل ہیں، دوسری طرف مدعو اقوام کی دشمنیوں میں مبتلا ہیں، تیسری طرف، شب وروز ایک بے فیض دعوت دئے چلے جا رہے ہیں اور صفر فی صد نتیجے سے ہمیں تکلیف بھی نہیں ہوتی۔

۹(۔۔۔انہیں قرآن شریف ہی کے ذریعہ سے معلوم تھا کہ اللہ رب العزت نے انہیں دعوتی کاموں میں کس کس کو نمونہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً سورہ الصف(۶۱) کی آخری آیت میں ہے: ”اے ایمان والو، اللہ کی طرف انسانیت کو دعوت دو حضرت عیسیٰ اِبنِ مریمؑ کے حواریوں کی طرح، جب حضرت



عیسیٰؑ نے آواز لگائی کہ کون ہے میرا ساتھ دینے والا، اللہ کی طرف انسانیت کو بلانے میں؟ حواری (دفعتاً) پکار اُٹھے تھے کہ "ہم ہیں انصار اللہ"۔ بنی اِسرائیل سے (تعلق رکھنے والا) ایک گروہ تو (دولتِ) ایمان سے سرفراز ہوا، تاہم (اِن ہی کے ایک) گروہ نے کفر (کو ترجیح دینا پسند) کیا، (پھر جب اِن کے درمیان معرکہ برپا ہوا) تو ہم نے، ان کے دشمنوں پر (غلبے کے لیے) صاحبینِ ایمان کی مدد کی اور اِس طرح، وہ (اپنے دشمنوں پر) غالب آ گئے۔" (۱۴)۔

صحابہؓ نے قرآن کی شبنم سے دلوں کی سرزمین کو قابل فصل بنا دیا تھا

انسانوں کی خدمت اور اعلیٰ اخلاق کے اِن مظاہروں کے ساتھ دعوت الی اللہ کے جو اثرات مترتیب ہوتے ہیں، اس کا مشاہدہ چشمِ فلک نے پہلے بھی حضرت عیسیٰؑ کے حوارین کے دَور میں کیا تھا اور یہی دَور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے دور میں بھی پلٹ آیا تھا، اِس لیے کہ صحابہؓ نے قرآن کی شبنم سے دلوں کی سرزمین کو قابل فصل بنا دیا تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ حضرت عمرؓ اور ان کی سیاسی قوت اِسی Ground Work کی بدولت وہاں پہنچی جہاں عام حالات میں اِس کا وہاں تک پہنچنا دشوار ہو سکتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حوارین نے بھی "بلاغ" کے لیے ایسی ہی بے لوث خدمات پیش کیں اور یہی ہمارے سر پر ایستادہ آسمان گواہ ہے کہ صرف چالیس سال کی مدت میں آدھی دنیا حضرت عیسیٰؑ کے دین کو قبول کر چکی تھی اور وہ دین اسلام کے سوا کوئی اور دین نہیں تھا۔ اس کے اثرات آج بھی دکھائی دیتے ہیں کہ زمین پر عیسائیت کا غلبہ ہے اور اس کے ماننے والوں کی کثرت ہے۔ صحابہؓ کے دین میں بھی نہ اقتدار کی وہ چمک دمک تھی نہ وہ جھلک، جو آج کل دیکھنے کو ملتی ہے، نہ ہی وہ کسی فرمائشی پروگرام کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے۔ انتہائی سادہ اور عین فطرت سے تال میل رکھنے والے اصول ان کے پاس تھے۔ کیوں کہ ان کی دعوت دنیاوی مفادات کے حصول کے لئے ہرگز نہیں تھی۔ حوارین اور صحابہؓ جیسا وہ قرآنی کردار ہم میں کہاں سے آئے گا جو ہمارے مدعو کو متاثر کر سکے۔ تصنع، بناوٹ اور تکلفات سے پاک ایک طرف اُن کی سادہ مزاجی تھی، دوسری طرف قرآنی آیات کی پرکاری تھی، تیسری طرف اِس کے مضامین ونصائح پر اِن کا خالص عمل تھا۔ ایک سادہ سی دعوت۔۔۔ تین بنیادی باتوں کی تکمیل کی دعوت۔۔۔ اولاً خالص توحید، ثانیاً ہر چھوٹے بڑے عمل یا گفتگو یا سوچ میں آخرت کی جواب دہی کے احساس کی روح۔۔۔ ثالثاً، عظیم نبیؐ کے عظیم کردار اور سُنّتوں کا اتباع۔ ایک سادہ سا دین، اتنا ہی مختصر تھا جتنا اُنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور جو قرآن شریف کی ایک ایک سطر میں آج بھی پوری صحت وسلامتی کے ساتھ موجود ہے۔ کیا

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی وفاداریوں کا قلادہ اپنے گلے میں باقی رکھنے کے کیا ہم آج قابل بھی رہ گئے ہیں۔



قرآن کریم کے ساتھ ہمارا تعلق

قرآن ”حبل ُاللہ “ ہے!

جب ہم کہتے ہیں کہ قرآن ”حبلُ اللہ “ ہے تو اس کے کیا معنی ہیں؟ ”حَبْل“ کے ایک معنی رسّی کے ہیں اور یہی اصل معنی ہیں. سورۃ اللّھب میں یہ لفظ آیا ہے: حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ﴿۵﴾ یعنی مونج کی بٹی ہوئی رسّی. امام راغبؒ نے اس کی تعبیر کی ہے: ”استعیر للوصل ولکل ما یتوسل بہ الی شیء“ یعنی کسی شے سے جڑنے کے لیے اور جس شے سے جڑا جائے اس کے لیے استعارۃً یہ لفظ استعمال ہوتا ہے. عہد‘ قول و قرار اور میثاق دو فریقوں کو باہم جوڑ دیتا ہے. چنانچہ یہ لفظ عہد کے معنی میں بھی آتا ہے‘ اور قرآن حکیم میں یہ ایسے عہد کے لیے آیا ہے جس سے کسی کو امن مل رہا ہو‘ حفاظت اور امان حاصل ہو رہی ہو. سورۂ آل عمران (آیت ۱۱۲) میں یہود کے بارے میں ارشاد ہوا:

ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ

”یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی‘ سوائے اس کے کہ کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی. یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں‘ ان پر محتاجی اور کم ہمتی مسلط کر دی گئی ہے“.

گویا خود اپنے بل پر‘ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر‘ خود مختاری کی اساس پر اُن کے لیے عزت کا معاملہ اس دنیا میں نہیں ہے. یہ قرآن مجید کی پیشین گوئی ہے اور موجودہ ریاست اسرائیل اس کا واضح ثبوت ہے. امریکہ اگر ایک دن کے لیے بھی اپنی حفاظت ہٹالے تو اسرائیل کا وجود باقی نہیں رہے گا.

قرآن مجید میں اہل ایمان سے فرمایا گیا ہے: وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا (آل عمران:۱۰۳) ”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو سب مل کر“. البتہ ”حبلُ اللہ “ کیا ہے؟ قرآن میں اس کی صراحت نہیں ہے. اور قرآن مجید میں جو بات پوری طرح واضح نہ ہو‘ مجمل ہو‘ اس کی تشریح اور تبیین رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی ہے. ازروئے الفاظِ قرآنی: وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ (النحل:۴۴) ”اور ہم نے (اے نبیؐ) آپ کی طرف ’الذکر‘ نازل کیا‘ تاکہ جو چیز اُن کے لیے اتاری گئی ہے آپ اسے ان پر واضح کریں“. چنانچہ احادیث نبویؐ میں یہ صراحت موجود ہے کہ ”حبلُ اللہ “ قرآن مجید ہے. صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا وَاِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ، اَحَدُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ...

”آگاہ رہو! میں تمہارے مابین دو خزانے چھوڑے جا رہا ہوں‘ اُن میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے‘ وہی حبل ُاللہ ہے“...



قرآن حکیم کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے' جس میں الفاظ آئے ہیں: هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ "یہ (قرآن) ہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے". یہ روایت سنن ترمذی اور سنن دارمی میں موجود ہے. مزید برآں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جو روایت رزین میں آئی ہے اس میں بھی یہی الفاظ ہیں: هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ "یہ (قرآن) ہی اللہ کی مضبوط رسی ہے". سنن دارمی میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ حَبْلُ اللّٰهِ وَالنُّوْرُ الْمُبِيْنُ "یقیناً یہ قرآن حبلُ اللہ اور نورِ مبین ہے."

قرآن کو "رسّی" کس اعتبار سے کہا گیا ہے' اس کے دو پہلو ہیں. ایک تو بندہ اس رسّی کے ذریعے اللہ سے جڑتا ہے. یہ رسی ہمیں اللہ سے جوڑنے والی ہے. "تعلق مع اللہ" اور "تقرب الی اللہ" دونوں تصوف کی اصطلاحیں ہیں. تعلق کے معنی ہیں لٹک جانا. "علق" لٹکی ہوئی شے کو کہتے ہیں. "تعلق مع اللہ" کا مفہوم ہو گا اللہ سے لٹک جانا' یعنی اللہ سے چمٹ جانا' اللہ کے ساتھ جڑ جانا. اسی طرح "تقرب الی اللہ" کا مطلب ہے اللہ سے قریب تر ہونے کی کوشش کرنا. سلوک اور طریقت کا مقصد یہی ہے. تعلق مع اللہ میں اضافے اور تقرب الی اللہ کا مؤثر ترین اور سہل ترین ذریعہ قرآن حکیم ہے .

اس اعتبار سے دو حدیثیں ملاحظہ کیجیے. ایک کے راوی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں. حدیث کے الفاظ ہیں: اَلْقُرْآنُ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ "یہ قرآن اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے". یہی الفاظ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی روایت کیے گئے ہیں. یعنی اگر اللہ سے جڑنا ہے' اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے تو اس قرآن کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو' اس سے تم اللہ سے جڑ جاؤ گے' اللہ کا قرب حاصل کر لو گے.

دوسری معجم کبیر طبرانی کی بڑی پیاری روایت ہے. اس میں اِن الفاظ میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے حجرے سے برآمد ہوئے تو آپؐ نے مسجد کے گوشے میں دیکھا کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن کا مذاکرہ کر رہے تھے' قرآن کو سمجھ اور سمجھا رہے تھے. حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور بڑا پیارا سوال کیا: اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ؟ "کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے؟" صحابہ رضی اللہ عنہ کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا: 'بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!'. یعنی "کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ "ہم اس کے گواہ ہیں! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: فَاَسْتَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ طَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ وَطَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ "پس تم خوشیاں مناؤ' اس لیے کہ یہ قرآن وہ شے ہے جس کا ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے". اِن احادیث مبارکہ سے "حبلُ اللہ" کا یہ تصور واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ جوڑنے والی شے ہے .



جَآءَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ

ابھی ہم نے جس حدیث کا مطالعہ کیا اس میں قرآن حکیم کے لیے "جَآءَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ" کے الفاظ آئے ہیں' کہ یہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ مستدرک حاکم اور مراسیل ابی داؤد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نقل ہوئی ہے: اِنَّكُمۡ لَا تَرۡجِعُوۡنَ اِلَى اللّٰهِ بِشَیۡءٍ اَفۡضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنۡهُ یَعۡنِی الۡقُرۡاٰنَ یعنی تم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود اُسی (اللہ تعالیٰ) سے نکلی ہے' یعنی قرآن مجید۔ درحقیقت قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے' تو اس سے بڑھ کر قریب ہونے کا کوئی اور ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ جب کوئی شخص قرآن پڑھتا ہے تو گویا وہ اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ تبع تابعین کے دَور کی شخصیت ہیں۔ انہوں نے اپنا معمول بنالیا تھا کہ سال میں چھ مہینے سرحدوں پر جہاد میں شریک ہوتے۔ اُس دَور میں دارالاسلام کی سرحدیں بڑھ رہی تھیں اور اس کے لیے جہاد جاری تھا۔ جبکہ چھ مہینے آپؒ گھر پر گزارتے اور اِس عرصے میں لوگوں سے ملنے جلنے سے حتی الامکان گریز کرتے۔ صرف نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آتے' باقی وقت گھر پر ہی رہتے۔ کسی نے کہا کہ عبد اللہ! آپ تنہائی پسند ہو گئے ہیں' تنہائی سے آپ کی طبیعت اکتاتی نہیں؟ انہوں نے فرمایا: "کیا تم اُس شخص کو تنہا سمجھتے ہو جو اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتا ہے؟" لوگ حیران ہوئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جب اس کی وضاحت طلب کی گئی تو فرمایا کہ دیکھو جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو قرآن پڑھتا ہوں یا حدیث پڑھتا ہوں۔ جب قرآن پڑھتا ہوں تو اللہ سے ہم کلام ہوتا ہوں اور جب حدیث پڑھتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتا ہوں۔ تم مجھے تنہا نہ سمجھو

دیوانہ' چمن کی سیر یں نہیں ہیں تنہا

عالم ہے اِن گلوں میں' پھولوں میں بستیاں ہیں!

قرآن شریف پڑھتا جا اور (جنت کے درجات پر) چڑھتا جا

مسند احمد' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبویؐ منقول ہے:

یُقَالُ لِصَاحِبِ الۡقُرۡاٰنِ اقۡرَاۡ وَارۡتَقِ وَرَتِّلۡ كَمَا كُنۡتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنۡیَا فَاِنَّ مَنۡزِلَكَ عِنۡدَ اٰخِرِ اٰیَةٍ تَقۡرَاُهَا

"(قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور (جنت کے درجات پر) چڑھتا جا' اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ پس تیرا مقام وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔"



لیکن واضح رہے کہ صاحب قرآن سے مراد صرف حافظ قرآن یا ہمارے ہاں پائے جانے والے قاری نہیں ہیں' بلکہ وہ حافظ اور قاری مراد ہیں جو قرآن کے علم وحکمت سے بھی واقف ہیں' اس کو پڑھتے بھی ہیں اور اس پر عمل پیرا بھی ہیں. جنت میں اس قرآن کے ذریعے ان کے درجات میں ترقی ہوتی چلی جائے گی اور ان کا آخری مقام وہاں معین ہو گا جہاں ان کا سرمایۂ قرآن ختم ہو گا. تو واقعہ یہ ہے کہ تقرب الی اللہ اور وصل الی اللہ کا موثر ترین ذریعہ قرآن حکیم ہی ہے. میں نے اسی لیے امام راغبؒ کے الفاظ کا حوالہ دیا تھا کہ "حبل" کا لفظ وصل کے لیے استعارۃً استعمال ہوتا ہے اور یہ ہر اُس شے کے لیے استعمال ہو گا جس کے ذریعے کسی شے کے ساتھ جڑا جائے. اس معنی میں حبل اللہ قرآن مجید ہے.

مثال سے وضاحت

اگر پیراشوٹ کی مثال سامنے رکھیں تو جملہ ایمانیات اس قرآن کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح پیراشوٹ کی چھتری کی رسیاں نیچے آکر ایک جگہ جڑ جاتی ہیں. جب پیراشوٹ کھلتا ہے تو اس کی چھتری کس قدر وسیع ہوتی ہے' لیکن اس کی ساری رسیاں ایک جگہ آکر جڑی ہوئی ہوتی ہیں. بالفاظِ دیگر ایمانیات کے جتنے بھی شعبے ہیں وہ سب کے سب قرآن کے ساتھ منسلک ہیں. چنانچہ قرآن پر یہ یقین مطلوب ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے' بلکہ اس کا منبع اور سرچشمہ وہی ہے جو میری روح کا منبع اور سرچشمہ ہے. یہ کلام بھی ذاتِ باری تعالیٰ ہی سے صادر ہوا ہے اور میری روح بھی اللہ ہی کے امرِ کُن کا ظہور ہے. اس انداز سے قرآن پر یقین' اللہ تعالیٰ پر یقین اور قرآن لانے

والے محمد رسول اللہ ﷺ پر یقین مطلوب ہے.

ایک ایمان تو تقلیدی ہے' یعنی غیر شعوری ایمان' کہ ایک یقین کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' چاہے وہ علیٰ وجہ البصیرت نہ ہو' اور وہ بھی بہت بڑی دولت ہے' لیکن اس سے کہیں زیادہ قیمتی ایمان وہ ہے جو علیٰ وجہ البصیرت ہو. ازروئے الفاظ قرآنی:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ(یوسف:۱۰۸)"

(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے' میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر اور جو میرے ساتھ ہیں (وہ بھی)". علیٰ وجہ البصیرت ایمان یعنی شعوری ایمان' اکتسابی ایمان اور حقیقی ایمان کا واحد منبع اور سرچشمہ قرآن حکیم ہے. مولانا ظفر علی خان بہت ہی سادہ الفاظ میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان کر گئے ہیں :ـ

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے

ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں!



عاقل یعنی غور وفکر کرنے والے اور سوچ بچار کرنے والے کے لیے ایمان کا منبع وسرچشمہ صرف قرآنِ حکیم ہے ۔

اہل ایمان کو جوڑنے والی رسّی

قرآن حکیم کے ''حبل اللہ ''ہونے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اہل ایمان کو جوڑنے والی رسّی'ان کو باہم ایک دوسرے سے باندھ دینے والی شے'ان کو بنیانِ مرصوص بنانے والی چیز یہ قرآن ہے۔ اس لیے کہ قرآن حکیم میں جہاں اللہ کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم آیا ہے وہاں اس کے ساتھ ہی باہم متفرق ہونے سے روکا گیا ہے۔ فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ''اور مضبوطی سے تھام لو اللہ کی رسّی کو سب مل جل کر اور تفرقہ مت ڈالو!'' اہل ایمان کو جوڑنے والی اور بنیانِ مرصوص بنانے والی رسی یہی قرآن حکیم ہے۔ اس لیے کہ انسانی اتحاد وہی مستحکم اور پائیدار ہو گا جو فکر و نظر کی ہم آہنگی کے ساتھ ہو۔ بہت سے اتحاد وقتی طور پر وجود میں آ جاتے ہیں۔ جیسے کچھ سیاسی مصلحتیں ہیں تو اتحاد قائم کر لیا'کوئی دنیاوی مفادات ہیں تو ان کی بنا پر اتحاد قائم کر لیا۔ یہ اتحاد حقیقی نہیں ہوتے اور نہ ہی پائیدار اور مستحکم ہوتے ہیں۔ انسان حیوانِ عاقل ہے۔ یہ سوچتا ہے' غور کرتا ہے'اس کے نظریات ہیں'اس کے کچھ اہداف و مقاصد ہیں'کوئی نصب العین ہے۔ نظریات'مقاصد اور نصب العین کا بڑا گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ تو جب تک ان میں ہم آہنگی نہ ہو کوئی اتحاد پائیدار اور مستحکم نہیں ہو گا۔ اس اعتبار سے اللہ کی اس رسّی کو مضبوطی سے تھاموگے تو گویا دو رشتے قائم ہو گئے۔ ایک رشتہ اہل ایمان کا اللہ کے ساتھ اور ایک رشتہ اہل ایمان کا ایک دوسرے کے ساتھ۔ جیسے کُل شریعت کو تعبیر کیا جاتا ہے کہ شریعت نام ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا۔ اللہ کے ساتھ جوڑنے والی سب سے بڑی عبادت نماز ہے اور بندوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے والی شے زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح حبل اللہ ایک طرف اہل ایمان کو اللہ سے جوڑ رہی ہے اور دوسری طرف اہل ایمان کو آپس میں جوڑ رہی ہے۔ یہ انہیں بنیانِ مرصوص اور ''کَجَسَدٍ وَّاحِدٍ'' بنا دینے والی شے ہے۔ یہی وہ بات ہے جسے علامہ اقبال نے انتہائی خوبصورتی سے کہا ہے ؎

از یک آئینی مسلماں زندہ است

پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است

ما ہمہ خاک ودلِ آگاہ اوست

اعتصامش کُن کہ حبل اللہ اوست!



”وحدتِ آئین ہی مسلمان کی زندگی کا اصل راز ہے اور ملتِ اسلامی کے جسدِ ظاہری میں روحِ باطنی کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے. ہم تو سر تاپا خاک ہی خاک ہیں، ہمارا قلبِ زندہ اور ہماری روحِ تابندہ تو اصل میں قرآن ہی ہے. لہٰذا اے مسلمان! تو قرآن کو مضبوطی سے تھام لے کہ 'حبل اللہ' یہی ہے.“

حبل اللہ کے بارے میں مفسرین کے ہاں بہت سے اقوال ملتے ہیں کہ حبل اللہ سے مراد قرآن ہے، کلمہ طیبہ ہے، اسلام ہے. یہ ساری چیزیں اپنی جگہ پر درست ہیں لیکن احادیث نبویؐ کی روشنی میں اس کا مصداقِ کامل قرآن ہی ہے. اور پھر اس کی جس قدر عمدہ تعبیر علامہ اقبال نے کی ہے، یہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی میرے نزدیک بہت عمدہ مقام ہے :

ماہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست

اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست!

نوٹ کیجیے کہ قرآن مجید میں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا کے الفاظ کے بعد فرمایا گیا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران:۱۰۳)

”اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو کہ جب تم باہم دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا تو تم اُس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے“. یہ قرآن مجید ہی ہے جو اہل ایمان کے دلوں کو جوڑتا اور ان کو باہم پیوست کرتا ہے، اور یہ دلی تعلق اور دلی ہم آہنگی ہی ہے جو مسلمانوں کو بنیانِ مرصوص بنانے والی شے ہے.

قرآن مجید سے ہمارا تعلق کس قدر اور کس نوعیت کا ہے

امتِ مسلمہ آج گمراہیوں میں ڈوبی ہوئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جہاں احکامِ الٰہی اور سنتِ رسولؐ کو فراموش کر دیا ہے وہیں قرآن مجید کے حقوق یعنی اس پر ایمان لانا، اس کے احکام کو بلاچوں وچرا قبول کرنا، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام تسلیم کرنا اور اس کا پیغام دوسروں تک پہنچانا سے بھی غفلت برت رہے ہیں۔

قرآن مجید اللہ کی جانب سے انسانوں کے لئے بھیجا ہوا آخری ہدایت نامہ ہے۔ انسانی تاریخ کی ابتداء سے وحیٔ الٰہی کے نزول کا سلسلہ جاری رہا اور ہر دور میں تعلیمات الٰہی کا خلاصہ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو) ہی رہا۔
قرآن کی بھی بنیادی تعلیم یہی ہے۔ گزشتہ انبیاء کی تعلیمات اور حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے ذریعہ ملی ہدایت میں فرق یہ ہے کہ سابق میں علم و

عقیدہ کا محور اُس دور تک اور جس قوم کی طرف نبیؑ مبعوث کئے گئے اس قوم تک محدود تھا۔ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغام سارے عالم کے لئے اور تا بہ قیامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے نہ صرف جامع و مکمل بنایا گیا بلکہ ہر قسم کی تحریف سے بھی محفوظ رکھا گیا۔ دنیا کی کوئی قوم اتنی خوش قسمت نہیں کہ اس کے پاس ایسی کتاب موجود ہو اور کوئی قوم اتنی بدنصیب بھی نہیں کہ جو ایسی عظیم کتاب کی ناقدری کی مرتکب ہو۔ "قرآن مجید کی ناقدری" کا الزام معمولی نہیں جسے نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ دیکھنا ہو گا کہ آخر وہ کیا ناقدری ہے جو امت مسلمہ اس نسخہ کیمیا کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہے۔ اگرچہ یہ کتاب دلوں کی شفاء، تعمیرِ سماج کی بنیاد، قوموں کا افتخار اور جہاں گیری کا مسلمہ و آزمودہ اصول ہے۔

قرآن پاک کا جتنا احترام ہم کرتے ہیں وہ اس کی قدر دانی کا ثبوت ہے

اس الزام پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک کا جتنا احترام ہم کرتے ہیں وہ اس کی قدر دانی کا ثبوت ہے۔ کسی اہم معاملہ میں قسم کھانا ہو تو اس کتاب سے بڑھ کر ہم کسی چیز کو نہیں سمجھتے۔ گھر میں سب سے اونچی اور محفوظ جگہ اس کتاب کے لئے مختص ہوتی ہے وہ بھی ایسی کہ وہاں صاف ستھرے کاغذ اور کپڑے بچھائے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ قرآن مجید کے نسخے غلاف میں لپیٹ کر آنکھوں سے لگا کر چوم کر طاق میں سجائے جاتے ہیں۔ نومولود کا نام رکھنا ہو تو اسی کتاب کو کھول کر صفحہ کے پہلے حرف سے نام رکھتے ہیں۔ کسی کے مرنے پر یہی کتاب تو ہے جو میت کے بازو بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے اور پھر اسی کتاب کا دور کر کر کے ہم اپنے مردوں کو بخشتے ہیں لیکن یہ جواب دینے والوں کو بتانا ہو گا کہ قرآن مجید کی قدر دانی کا کیا یہی مطلب ہے؟ کیا قرآن انہی مقاصد کے لئے نازل ہوا؟ کیا قرآن و حدیث میں کہیں مذکورہ بالا امور کو مقاصدِ نزول کی حیثیت سے پیش کیا گیا؟

قرآن مجید کی قدر دانی کا کیا یہی مطلب ہے؟

جہاں تک احترام کا معاملہ ہے، اس کتاب کا جتنا احترام کیا جائے کم ہے لیکن اصل قابل غور نکتہ اس کے مقصدِ نزول کو سمجھنے کا ہے۔ گویا یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کا ہم پر کیا حق ہے؟ اگر ہم نے اس کے حقوق کو نہ پہچانا تو اتنا سب کرنے کے باوجود ہم پر قرآن مجید کی "ناقدری" کا ہی الزام عائد ہو گا کیونکہ یہ قرآن کے حقوق میں سے نہیں۔ یہ قرآن کے ساتھ ہمارا خود ساختہ سلوک ہے ورنہ اس کی اصل قدر دانی تو یہ ہے کہ اس کا وہ حق ادا کیا جائے جس کا تقاضا خود قرآن مجید ہم سے کرتا ہے۔

قرآن کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٨﴾

پس تم اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور اُس نور پر ایمان لاؤ جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، اور اللہ اُن کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو (التغابن:٨)

ایک اور مقام پر مطالبہ یہ ہے کہ یہ ایمان محض زبانی نہ ہو بلکہ سچے دل سے ہو:



اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

(ایسے لوگ بھی ہیں) جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسے پڑھنے کا حق ہے، وہی لوگ اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اس کا انکار کر رہے ہیں سو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (البقرہ:۱۲۱)

سچے دل سے ایمان لانے کے نتیجہ میں انسان عقیدہ وفکر کی گمراہ کن تاریکی سے نکل کر اس روشنی میں آجاتا ہے جسے اللہ کی توفیق کہتے ہیں اور جو صراط مستقیم اور سبیل الحمید ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾

الف، لام، را (حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں)، یہ (عظیم) کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کے) نور کی جانب لے آئیں (مزید یہ کہ) ان کے رب کے حکم سے اس کی راہ کی طرف (لائیں) جو غلبہ والا سب خوبیوں والا ہے (ابراہیم:۱)

وحی کی حکمت اور مقصدِ نزول بتانے کے بعد کہا گیا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (آل عمران:۱۶۴)

یعنی "اور اس سے قبل وہ (یعنی وحی سے محروم قوم) صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔" گویا یہ قرآن ہی ہے جو لوگوں کو گمراہی سے نکالنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت علیؓ سے مروی ایک طویل حدیث میں نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

عَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ، عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: إِنِّي قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ: أَلَا إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ، فَقُلْتُ: مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: كِتَابُ اللّٰهِ، فِيهِ نَبَأُ مَا كَانَ قَبْلَكُمْ، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، وَهُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ، وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللّٰهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِينُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ، هُوَ الَّذِي لَا تَزِيغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ، وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْأَلْسِنَةُ، وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ، وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ، وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ، هُوَ الَّذِي لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ إِذْ سَمِعَتْهُ، حَتَّى قَالُوا: إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ



فَآمَنَّا بِهِ. [الجن، 72: 1-2]. مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هَدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ.
(رواه الترمذي والدارمي وابن أبي شيبة.)

"حارث اعور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آگاہ رہو! عنقریب ایک فتنہ بپا ہو گا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس سے بچاؤ کا کیا طریقہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی کتاب، اس میں تم سے پہلے اور بعد کی خبریں ہیں، یہ تمہارے درمیان حکم ہے جو فیصلہ کرتی ہے، یہ مذاق نہیں ہے، جس سرکش نے اسے چھوڑا، اللہ تعالیٰ اسے تباہ وبرباد کر دے گا۔ جس نے اس کے سوا کہیں اور ہدایت تلاش کی، اللہ تعالیٰ اسے گمراہ (لوگوں میں شامل) کر دے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، حکمت سے بھرپور اور صراطِ مستقیم ہے، جسے نہ تو خواہشات ٹیڑھا کرتی ہیں اور نہ ہی اس سے زبانیں خلط ملط ہوتی ہیں۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے، بار بار دہرانے سے بھی پرانا نہیں ہوتا، اس کے اَسرار و رموز (کبھی) ختم نہیں ہوتے۔ جنّات نے اسے سن کر بلا توقف کہا: إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ (بیشک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں)۔ جس نے اس کے مطابق بات کی اس نے سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا اسے اَجر و ثواب عطا کیا گیا، جس نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا، جس نے اس کی طرف دعوت دی اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت دی گئی۔" (ترمذی، دارمی، ابن ابی شیبہ)

حقیقت یہ ہے کہ اگر امت مسلمہ میں پائی جانے والی گمراہیوں کے اسباب تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ ایک حدیث ہی کافی ہو گی۔ یعنی امت مسلمہ غیر قرآن سے ہدایت کی متلاشی ہے۔ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس مستند و مسلمہ ہدایت نامہ کو رکھنے کے باوجود دنیا بھر کی کتابیں پڑھ لیتے ہیں لیکن اس قرآن سے فیض یاب ہونے کی انہیں توفیق نہیں ہوتی۔ بیشتر لوگوں نے اس کتاب ہدایت کو کتابِ ایصال ثواب بنا دیا ہے۔ یہ کتاب تو زندوں کیلئے نازل کی گئی لیکن اسے مردوں کیلئے مختص کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ قرآن تمام تر نور کے باوجود لحافوں میں بند ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾

اور ہم نے اُن کو (یعنی نبیِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اُن کے شایانِ شان ہے۔ یہ (کتاب) تو فقط نصیحت اور روشن قرآن ہے o

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾

تاکہ وہ اس شخص کو ڈر سنائیں جو زندہ ہو اور کافروں پر فرمانِ حجت ثابت ہو جائے o (یٰسین: ۷۰-۶۹)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ایک حدیث کا خلاصہ ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:



عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه قَالَ: بَعَثَ عَلِيٌّ رضی الله عنه وَهُوَ بِالْيَمَنِ إِلَى النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم بِذُهَيْبَةٍ فِي تُرْبَتِهَا فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الْحَنْظَلِيِّ، ثُمَّ أَحَدِ بَنِي مُجَاشِعٍ وَبَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ الْفَزَارِيِّ وَبَيْنَ عَلْقَمَةَ بْنِ عُلاَثَةَ الْعَامِرِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي كِلاَبٍ وَبَيْنَ زَيْدِ الْخَيْلِ الطَّائِيِّ، ثُمَّ أَحَدِ بَنِي نَبْهَانَ فَتَغَيَّظَتْ قُرَيْشٌ وَالْأَنْصَارُ. فَقَالُوْا: يُعْطِيْهِ صَنَادِيْدَ أَهْلِ نَجْدٍ وَيَدَعُنَا. قَالَ: إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ فَأَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ نَاتِئُ الْجَبِيْنِ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ، مَحْلُوقُ الرَّأْسِ. فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اِتَّقِ اللهَ. فَقَالَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم: فَمَنْ يُطِيْعُ اللهَ إِذَا عَصَيْتُهُ. فَيَأْمَنُنِي عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ، وَلاَ تَأْمَنُوْنِي؟ فَسَأَلَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ قَتْلَهُ أُرَاهُ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ فَمَنَعَهُ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم. (وَفِي رِوَايَةِ أَبِي نُعَيْمٍ: فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اِتَّقِ اللهَ وَاعْدِلْ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: يَأْمَنُنِي أَهْلُ السَّمَاءِ وَلاَ تَأْمَنُوْنِي؟ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: أَضْرِبُ رَقَبَتَهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَذَهَبَ فَوَجَدَهُ يُصَلِّي، فَجَاءَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم. فَقَالَ: وَجَدْتُهُ يُصَلِّي. فَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَضْرِبُ رَقَبَتَهُ؟) فَلَمَّا وَلَّى، قَالَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم: إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمًا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الإِسْلاَمِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُوْنَ أَهْلَ الإِسْلاَمِ وَيَدْعُوْنَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ، لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ. (متفق علیه. وهذا لفظ البخاری.)

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے مٹی میں ملا ہوا تھوڑا سا سونا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اَقرع بن حابس حنظلی جو بنو مجاشع کا ایک فرد تھا اور عیینہ بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری جو بنی کلاب سے تھا، اور زید الخیل طائی جو بنی نبہان سے تھا؛ ان چاروں کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ اس پر قریش اور اَنصار کو ناراضگی ہوئی اور انہوں نے کہا کہ اہلِ نجد کے سرداروں کو مال دیتے ہیں اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تو ان کی تالیفِ قلب کے لئے کرتا ہوں۔ اسی اثناء میں ایک شخص آیا جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں، پیشانی ابھری ہوئی، داڑھی گھنی، گال پھولے ہوئے اور سر منڈا ہوا تھا، اور اس نے کہا: اے محمد! اللہ سے ڈرو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اِطاعت کرنے والا کون ہے اگر میں اس کی نافرمانی کرتا ہوں حالانکہ اس نے مجھے زمین والوں پر امین بنایا ہے اور تم مجھے امین نہیں مانتے؟ تو صحابہ میں سے ایک شخص نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی، میرے خیال میں وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع فرما دیا۔ (اور ابو نعیم کی روایت میں ہے: اس شخص نے کہا: اے محمد! اللہ سے ڈرو اور عدل کرو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آسمان والوں کے ہاں میں امانت دار ہوں اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس کی گردن کاٹ دوں؟ فرمایا: ہاں۔ سو وہ گئے تو اسے نماز پڑھتے ہوئے پایا، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں نے اسے نماز پڑھتے پایا (اس لئے قتل نہیں کیا)۔ تو کسی دوسرے صحابی نے عرض کیا: میں اس کی گردن کاٹ دوں؟) جب وہ چلا گیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نسل سے ایسی قوم پیدا ہوگی کہ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، وہ بت پرستوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ اگر میں انہیں پاؤں تو قومِ عاد کی طرح ضرور انہیں قتل کر دوں۔



یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں رسول اللہ نے خبر دار کیا ہے ایسے زمانے سے جبکہ لوگ قرآن پڑھ رہے ہوں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یعنی دل تک نہیں پہنچے گا محض زبان و حلق کی مشق ہو گی۔ تلفظ کی ادائیگی میں تو کوئی فرق نہ ہو گا لیکن نہ اس کے مفہوم سے آشنا ہوں گے، نہ اس کی کیفیات کو محسوس کریں گے، نہ اس کے احکام کو جانیں گے اور نہ اس پر عمل کی رغبت رکھتے ہوں گے۔ حلق سے نیچے نہ اترنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس پاک کلام کی دل تک رسائی نہیں ہو گی۔ لازمی بات ہے کہ شرک و نفاق سے لے کر اخلاقی بیماریوں تک تمام گناہوں اور نافرمانیوں کا گھر دل ہوتا ہے اور اگر قرآن کی تاثیر حلق سے نیچے اتر کر دل تک نہ پہنچے تو اس کا پڑھنا پڑھانا کیسے باعث فیض و حصولِ پاکیزگی ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید پر ایمان لانے کا ایک تقاضہ

قرآن مجید پر ایمان لانے کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اس کے احکام کو بلاچوں وچرا قبول کر لیا جائے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے جی چرانا اور تاویلات کے ذریعہ بچ نکلنے کی کوشش یا عملی انحراف کرنے کو منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ﴿۶۱﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف آجاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیں o (النساء:٦١)

قرآن پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام تسلیم کیا جائے۔ اگر حلال و حرام کو جاننے کا معیار قرآن مجید کو نہ مانا گیا تو ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

اس کتاب کے نزول کے جو مقاصد بتائے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ انسانوں کے درمیان پائے جانے والے تنازعات حل کئے جائیں چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ﴿۱۰۵﴾

(اے رسولِ گرامی!) بیشک ہم نے آپ کی طرف حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس (حق) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے، اور آپ (کبھی) بددیانت لوگوں کی طرفداری میں بحث کرنے والے نہ بنیں۔

گویا اس کتاب پر ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کے فیصلوں کو تسلیم کیا جائے اور اپنے تنازعات کی یکسوئی کے لئے اسے حَکَم (جج) بنایا جائے۔

سنجیدگی سے غور کیجئے کہ قرآن مجید سے ہمارا تعلق کس قدر اور کس نوعیت کا ہے۔ اسے فراموش کر دیا ہے یا محض تلاوت پر اکتفا ہے۔ اسے سمجھ تو لیتے ہیں لیکن اپنی مرضی کے مطابق یا پھر ٹھیک معنوں کو پالینے کے باوجود عمل سے محروم ہیں۔



ترک قرآن اور کتاب حکمت کی ناقدری کی وضاحت اس آیت سے ہوتی ہے

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾

اور رسولِ (اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عرض کریں گے: اے رب! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو بالکل ہی چھوڑ رکھا تھاo

(بروز قیامت) رسول اکرم ﷺ (حق تعالیٰ سے شکایت کے طور پر) کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔" (الفرقان:۳۰)

اس آیت میں لفظ "مہجورا" استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ "نظر انداز" کیا گیا ہے۔ "مہجورا" کا لفظ 'ہجر' سے مشتق ہے۔ ہجر کے معنیٰ ہیں ترک کرنا، چھوڑنا، قطع تعلق کرنا، رخ پھیر لینا وغیرہ۔ اسی سے ہجرت بنا ہے یعنی کسی چیز یا مقام کو چھوڑ کر دوسری چیز یا دوسرا مقام اختیار کرنا۔ مذکورہ بالا آیت میں ترک قرآن کی جو شکایت نبی کریم ﷺ کی زبانی سامنے آئی اگرچہ اس سے مراد کفار ہیں کہ قرآن کا انکار کرنے والی قوم تو وہی ہے لیکن بعض روایات کی بناء پر مفسرین و علماء نے ایسے مسلمانوں کو بھی اس آیت کے ذریعہ تنبیہ کی ہے جو قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن نہ اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں، نہ اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: "اس (قرآن) کا نہ پڑھنا بھی چھوڑ دینا ہے، اس کا نہ سمجھنا بھی چھوڑ دینا ہے اور اس پر عمل نہ کرنا بھی اسے چھوڑ دینا ہے۔"

تفسیر قرطبی میں ہے؛ حضرت انسؓ سے مروی ہے نبی کریم نے ارشاد فرمایا:

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ" : من تعلم القرآن وعلق مصحفه لم يتعاهده ولم ينظر فيه جاء يوم القيمة متعلقاً به يقول: يارب العلمين إن عبدك هذا اتخذني مهجوراً. فاقض بيني وبينه. ذكره الثعلبي." (قرطبی) " جس شخص نے قرآن پڑھا، مگر پھر اس کو بند کرکے گھر میں معلق کر دیا، نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی، نہ اس کے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا، اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں"۔

" جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کرکے معلق کر دیا، اس کی تلاوت کی پابندی نہیں کی، اس کے احکام پر غور نہیں کیا تو بروز قیامت قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے



معاملہ کا فیصلہ فرما دیجئے۔" ثعلبی کی روایت میں قرآن کی شکایت 'ان عبدك هذا اتخذني مهجوراً' کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور یہاں بھی لفظ "مہجورا" استعمال ہوا ہے۔

لفظ "مہجورا" اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ عربی زبان میں "ہاجرات" بُری یا فحش باتوں کو کہتے ہیں کیونکہ یہ وہ باتیں ہوتی ہیں جنہیں ترک کر دیا جانا چاہئے۔

"مہجورا" ایسے جانور کو کہتے ہیں جس کے گلے میں رسی ڈال کر اس کا دوسرا سرا پیر سے باندھ دیا گیا ہو، اس طرح جانور چلنے پھرنے کے قابل ہونے کے باوجود مکمل طور سے آزاد نہیں ہوتا۔ وہ چلتا پھرتا ہے لیکن اتنا ہی جتنا اس کے گلے کی رسی اجازت دے۔

قرآن مجید کو "مہجورا" بنا دینے کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے قرآن مجید کو اپنے خود ساختہ تصورات، روایات اور خواہشات کی رسی سے اس طرح جکڑ دیا جائے کہ اس کے اصل معنٰی و مفہوم اور پیام قاری کی خواہش کا تابع ہو جائے۔ گویا آیات کا وہ مطلب اخذ کیا جائے جو بیان کرنے والے کی مراد ہو، اگرچہ صاف اور واضح طور پر قرآنی آیات کا استدلال کچھ اور ہی کیوں نہ ہو۔ اگر قرآن مجید کو مہجور بنا کر رکھ دینے کا یہ مفہوم لیا جائے تو شاید اسی بات کو شاعر نے اس انداز میں کہا ہے:

ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

قرآن کا ایک حق اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا' اس کی تعلیم کو عام کرنا بھی ہے لیکن اس کا اطلاق تو اس وقت ہو گا جب ہم مذکورہ ناقدری کو ترک کرتے ہوئے اس کی تلاوت کو حرز جان بنائیں۔ ان حقوق کی ادائی ہی اصل قدر دانی ہے۔ یہی قدر دانی ہے جس سے قرآن دنیا میں ہمارے لئے رہنما اور آخرت میں نور و ذریعۂ شفاعت بن سکتا ہے۔ وماتوفیقی الا باللہ

(انقلاب دہلی)

بلاشبہ یہ قرآن آپ اور آپ کی قوم کے لئے پیامِ نصیحت ہے، عنقریب تم سے پوچھا جائے گا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿٤٤﴾ ... سورۃ الزخرف

"بلاشبہ یہ قرآن آپ اور آپ کی قوم کے لئے پیامِ نصیحت ہے، عنقریب تم سے پوچھا جائے گا۔"

لَقَدۡ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكُمۡ كِتَٰبٗا فِيهِ ذِكۡرُكُمۡۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ ﴿١٠﴾ ...سورۃ الانبیاء

"ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ہی تذکرہ ہے، پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟"

اپنے عظیم متکلم عزوجل کی طرح یہ قرآنِ مجید حجت قائم کرنے میں بہت پختہ اور لوگوں کی پیروی سے مستغنی ہے۔ یہ کتاب اس اُمت کی عظمت کا نشان ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُمتِ اسلامیہ کو یہ عظیم کتاب نازل فرما کر عزت وناموری بخشی ہے، فرمانِ نبویؐ ہے:

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم: «إِن الله يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ». رَوَاهُ مُسلم

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ، اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو رفعت عطا فرماتا ہے اور کچھ لوگوں کو پستی کا شکار کر دیتا ہے۔“ رواہ مسلم۔ [مشکوۃ المصابیح / کتاب الصوم / حدیث: 2115]

ملتِ اسلامیہ کا فرض ہے کہ کھوئی عظمتوں کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اس کتابِ عظیم سے اپنے تعلق کو مضبوط بنائے۔

اہم نکات

کتاب اللہ پر ایمان لانا: اس کی تصدیق کرنا اور اللہ کی سچی کتاب ہونے کا پختہ اعتقاد رکھنا۔

اس کلامِ مقدس کی فضیلت کو جاننا: جیسا کہ فرمانِ نبویؐ ہے:

(حدیث قدسی) أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّرْجُمَانِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْهَمْدَانِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ شَغَلَهُ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عَنْ مَسْأَلَتِي وَذِكْرِي، أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ ثَوَابِ السَّائِلِينَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ، كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ." (سنن دارمی: 3388)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کو قرآن پاک کی تلاوت نے مجھ سے سوال کرنے اور میری یاد سے مشغول رکھا میں نے اس کو سوال کرنے والوں سے اچھا اجر وثواب دیا، اور اللہ کے کلام کی بزرگی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی بزرگی وعظمت اپنی مخلوق پر ہے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت سے اپنے دلوں کو سیراب کرنا: جیسا کہ قرآنِ کریم میں مؤمنوں کی صفات میں یہ بیان ہوا ہے:



إِنَّ ٱلَّذِينَ يَتۡلُونَ كِتَٰبَ ٱللَّهِ وَأَقَامُوا ٱلصَّلَوٰةَ...﴿٢٩﴾... سورہ فاطر

"وہ لوگ جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور نماز کو قائم کرتے ہیں"...

ٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ يَتۡلُونَهُۥ حَقَّ تِلَاوَتِهِۦٓ أُوْلَٰٓئِكَ يُؤۡمِنُونَ بِهِۦۗ...﴿١٢١﴾... سورہ البقرۃ

"وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا کی ہے، وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہی لوگ اس پر (حقیقی) ایمان لانے والے ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے

(عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِنْ كِتابِ اللهِ فَلَهُ حَسَنَةٌ، والحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِها، لا أقولُ: ألم حَرْفٌ، ولكِنْ: أَلِفٌ حَرْفٌ، ولامٌ حَرْفٌ، ومِيمٌ حَرْفٌ». [صحيح]-[رواه الترمذي])

"جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف تلاوت کیا، اس کے لیے اس کے بدلے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس گنا تک بڑھادی جاتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ 'الف' ایک حرف، 'ل' ایک حرف اور 'م' ایک حرف ہے۔"

اس کتاب میں غور وفکر کرنا: قرآنِ کریم کو نازل کرنے کا مقصد اس میں فکر وتدبر کرنا ہے۔ اسے الماریوں میں سجانے اور عمارتوں کی زینت بڑھانے کے لئے نازل نہیں کیا گیا، لہٰذا اعوام وخواص کا یہ فرض ہے کہ اس میں غور وفکر کو اپنی زندگی کا معمول بنائیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے:

كِتَٰبٌ أَنزَلۡنَٰهُ إِلَيۡكَ مُبَٰرَكٞ لِّيَدَّبَّرُوٓاْ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُواْ ٱلۡأَلۡبَٰبِ﴿٢٩﴾... سورۃ ص

"ہم نے آپؐ پر یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس میں غور وفکر سے کام لیں اور عقل وشعور والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔"

نزولِ قرآن کا ہدف محض تلاوت نہیں بلکہ تلاوت کے ذریعے اس میں تدبر وتفکر کرنا ہے۔

قرآنِ کریم کے فرامین پر عمل بجالانا: قرآنِ کریم کی تلاوت کا مطلب اللہ سے ہم کلام ہونا ہے۔ اور اللہ کے ہم سے کلام کرنے کا مقصد ہمیں رہنمائی اور ہدایت دینا ہے۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم عمل واعتقاد اور توحید کی کتاب ہے جس پر عمل کرنا سنتِ مطہرہ کی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ تعلیم وتعلّم کے ہر میدان میں ہمیں کتاب وسنت سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔ قرآن صحیفۂ ہدایت ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

إِنَّ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانَ يَهۡدِي لِلَّتِي هِيَ أَقۡوَمُ...﴿٩﴾... سورۃ الاسراء

"بے شک یہ قرآنِ اس راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔"

قرآن ہمیں عبادات، معاملات، فضائل واخلاق، غرض ہر معاملے میں رہنمائی دیتا ہے۔ قرآن خواہشاتِ نفسانی کا خاتمہ کرتا اور ہدایاتِ ربانی سے دلوں کو معمور کرتا ہے۔

قرآنِ کریم میں بیان کردہ اخلاقِ حسنہ کو اختیار کرنا: جیسا کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا کہ

حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابَنُوسَ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْنَا: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، مَا كَانَ خُلُقُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ، تَقْرَؤُونَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَتِ: اقْرَأْ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [المؤمنون: 1]، قَالَ يَزِيدُ: فَقَرَأْتُ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [المؤمنون: 1] إِلَى ﴿لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ [المؤمنون: 5]، قَالَتْ: هَكَذَا كَانَ خُلُقُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الادب المفرد: 309)

یزید بن بابنوس سے روایت ہے کہ ہم ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ام المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: آپ کا اخلاق قرآن تھا۔ تم نے سورت مومنون پڑھی ہے؟ پھر فرمایا: پڑھو! ”یقیناً مومن فلاح پا گئے....“ یزید کہتے ہیں میں نے پڑھا: مومن فلاح پا گئے.... اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے ہیں“ تک۔ انہوں نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کے حلال کردہ اُمور کو حلال جانتے، حرام کردہ باتوں سے اجتناب کرتے، قرآنِ کریم کے صریح احکامات کی پیروی بجالاتے اور مشتبہ اَحکام پر ایمان رکھتے اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا حق ادا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی بھر معمول یہ تھا کہ کسی بھی معاملے کا فیصلہ قرآنِ کریم کی ہدایت یا اللہ کی طرف سے احادیث کی صورت میں ملنے والی وحی پر موقوف ٹھہراتے۔

قرآنِ کریم کو حَکَم اور فیصل ماننا: مسلمانوں کو چاہئے کہ قرآنِ کریم کے ساتھ ہی اپنے ہر مسئلے اور تنازعے کا فیصلہ کریں، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾...

(سورہ النساء)

"آپ کے ربّ کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں بن سکتے جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کن حیثیت نہ دے دیں، پھر آپؐ کے فیصلوں پر ان کے دلوں میں معمولی سی خلش بھی محسوس نہ کریں اور دل و جان سے اس کو تسلیم کر لیں۔"



قرآنِ کریم سے جملہ نوعیت کے امراض کی شفاحاصل کرنا: کیونکہ قرآنِ کریم کا ایک وصف 'شفا' بھی ہے جس میں بدنی، ذہنی اور عقلی ہر قسم کے اَمراض کی شفاشامل ہے۔ چنانچہ ہر قسم کی کوتاہیوں کی تلافی کے لئے قرآنِ کریم سے رہنمائی حاصل کرنا ازبس ضروری ہے۔ قرآن کریم معنوی اور مادّی ہر قسم کی شفاکا منبع ومرکز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّٰلِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾...سورۃ الاسراء

"ہم نے قرآن کو مؤمنوں کے لئے شفااور رحمت بنا کر نازل فرمایا ہے۔ اور ظالموں کو نقصان وخسارہ میں اضافہ کے سوا اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

ہمارا یہ دِلی اعتقاد ہونا چاہئے کہ زمان ومکان کے تغیرات اور بدلتے تقاضوں میں قرآنِ کریم ہی وہ واحد کتابِ ہدایت ہے جو ہمارے باہمی اختلافات کے حل میں کسوٹی بن سکتا ہے، جیسا کہ فرمانِ نبویؐ ہے:

وَعَنْ مَالِكِ بنِ أنسٍ مُرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ". رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأ

مالک بن انس رحمہ اللہ مرسل روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" :میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، پس جب تک تم ان دونوں پر عمل کرتے رہوگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے،)یعنی (اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔ "موطاء میں یہ روایت ہے۔ (مشکوۃ المصابیح / کِتَاب الْإِيمَانِ / حدیث:186)

ہمیں چاہئے کہ قرآنِ کریم کو اپنی قوم کی تعلیم وتربیت کا مرکز ومحور بنائیں اور اس کی تعلیم کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کریں۔ اپنی اولاد، معاشرہ اور ملتِ اسلامیہ کی اصلاح کے لئے قرآنِ کریم کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عام کریں۔ تعصبات، گروہ بندی اور اختلافات کے خاتمہ کا ایک ہی طریقہ ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ قرآنِ کریم کا مسلمانوں کو تو یہ حکم ہے:

وَلَا تَنَٰزَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا...﴿٤٦﴾...سورۃ الانفال

"اور آپس میں تنازعہ نہ کرو، تم پھسل جاؤ گے، تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو۔"

قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کو معاشرے میں مؤثر مقام دیا جانا چاہیئے

کیونکہ قرآن میں ہی وہ قوت ہے جس کے ذریعے ہم ہر دور کے ہمہ نوعیت چیلنجوں سے بخوبی عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ دوسرے مذاہب وادیان کی کتب کے مقابلہ میں ان کے پاس ایسا دینی ورثہ موجود ہے جو لفظاً ومعنیً تحریف وتبدل سے پاک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۹﴾ ... سورۃ الحجر

اے اُمتِ قرآن! قرآن کی طرف لوٹ آؤ، زندگی کے ہر مسئلے میں قرآن کی ہدایت کو لازم پکڑو۔ قرآن کی خدمت ہر مسلمان کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔

مسلمان کی مثال

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ رِيحُهَا مُرٌّ وَطَعْمُهَا مُرٌّ ". قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ أَيْضًا. (سنن ترمذی:2865)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے سنگترے کی سی ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور ذائقہ ومزہ بھی اچھا ہے، اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا اس کھجور کی سی ہے جس میں کوئی خوشبو نہیں ہے اور مزہ میٹھا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے خوشبودار پودے کی ہے جس کی بو، مہک تو اچھی ہے مزہ کڑوا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا ہے اندرائن (حنظل) (ایک کڑوا پھل) کی طرح ہے جس کی بو بھی اچھی نہیں اور مزہ بھی اچھا نہیں“

فضائل قرآن پر چالیس احادیث مبارکہ

1. عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

وفی روایة: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرآنَ وَعَلَّمَهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، 4/1919، الرقم: 4739-4740)

”حضرت عثمان (بن عفان) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو (خود) قرآن حکیم سیکھے اور (دوسروں کو بھی) سکھائے۔“ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔



ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو (خود) قرآن سیکھے اور (دوسروں کو بھی) سکھائے۔" اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

2. عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب التفسير، باب سورة عبس، 4/1882، الرقم: 4653، ومسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل الماهر في القرآن والذي يتتعتع فيه، 1/549، الرقم: 798).

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کا ماہر معزز و محترم فرشتوں اور معظم و مکرّم انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہو گا اور وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہو لیکن اس میں اٹکتا ہو اور (پڑھنا) اُس پر (کند ذہن یا موٹی زبان ہونے کی وجہ سے) مشکل ہو اُس کے لیے بھی دوگنا اجر ہے۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے، مذکورہ الفاظ امام مسلم کے ہیں۔

3. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللہُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ فَقَالَ: لَيْتَنِي أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ. وَرَجُلٌ آتَاهُ اللہُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَيْتَنِي أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، 4/1919، الرقم: 4738، ومسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل من يقوم بالقرآن، 1/558، الرقم: 815).

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسد (رشک) تو بس دو آدمیوں سے ہی کرنا جائز ہے۔ پہلا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن (پڑھنا و سمجھنا) سکھایا تو وہ رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت (اور اس میں غور و فکر) کرتا ہے۔ اس کا پڑوسی اسے قرآن پڑھتے ہوئے سنتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ کاش مجھے بھی اس کی مثل قرآن عطا کیا جاتا تو میں بھی اسی طرح عمل کرتا جس طرح یہ کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال بخشا ہے اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرتا ہے۔ دوسرا شخص اسے دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش مجھے بھی اتنا مال ملتا جتنا اسے ملا ہے تو میں بھی اسی طرح صرف کرتا جس طرح یہ کرتا ہے۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

4. عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللہِ رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟ فَإِذَا أُشِيْرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، وَقَالَ: أَنَا شَهِيْدٌ عَلَى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، 1/450، الرقم: 1278، والترمذي في السنن، كتاب الجنائز، باب ماجاء في ترك الصلاة على الشهيد، 3/354، الرقم: 1036.)



”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداءِ اُحد (کی تدفین کے وقت ان) میں سے دو، دو صحابہ کرام کو ایک کپڑے (یعنی کفن) میں جمع فرماتے اور دریافت فرماتے کہ ان میں سے قرآن مجید کسے زیادہ یاد ہے؟ جب اُن دونوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو اُسے قبر میں پہلے اُتارتے اور فرماتے: میں قیامت کے دن اِن سب پر گواہ ہوں گا۔“

اس حدیث کو امام بخاری، ترمذی، ابو داود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

5. عَنْ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْحَاكِمُ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ).

(أخرجه مالك في الموطأ، كتاب القدر، باب النهي عن القول بالقدر، 2/899، الرقم: 1594، والحاكم في المستدرك (عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ)، 1/172، الرقم: 319، وابن عبد البر في التمهيد، 24/331، الرقم: 128، وأيضًا في جامع بيان العلم وفضله، 2/24، 110).

”امام مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ان تک یہ روایت پہنچی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر انہیں تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یعنی اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت“.

اس حدیث کو امام مالک، حاکم اور ابن عبد البر نے روایت کیا ہے۔

6. عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَوْمًا فِيْنَا خَطِيْبًا. بِمَاءٍ يُدْعٰى خُمًّا (بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ) فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، وَوَعَظَ وَذَكَّرَ. ثُمَّ قَالَ: أَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ أَوَّلُهُمَا: كِتَابُ اللهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ. فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ. ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي... الحديث. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالدَّارِمِيُّ وَأَحْمَدُ.

وفي رواية له زاد: كِتَابُ اللهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ. مَنِ اسْتَمْسَكَ بِهِ وَأَخَذَ بِهِ، كَانَ عَلَى الْهُدٰى. وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَابْنُ خُزَيْمَةَ).

وفي رواية: أَنَّهُ قَالَ: أَلَا وَإِنِّي تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ أَحَدُهُمَا: كِتَابُ اللهِ هُوَ حَبْلُ اللهِ، مَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الْهُدٰى. وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلٰى ضَلَالَةٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالنَّسَائِيُّ.

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، 4/1873، الرقم: 2408، والنسائي في السنن الكبرى، 5/51، الرقم: 8175، وأحمد بن حنبل في المسند، 4/366، الرقم: 19285، والدارمي في السنن، 2/524، الرقم: 3316، وابن خزيمة في الصحيح، 4/62، الرقم: 2357).

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خطبہ دینے کے لیے (مکہ و مدینہ) کے درمیان اس تالاب پر کھڑے ہوئے جسے خُم کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: میں تم میں دو عظیم چیزیں



چھوڑ کر جارہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ (کے احکامات پر عمل کرنے پر) ابھارا اور اس کی طرف ترغیب دلائی اور پھر فرمایا: دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں۔"

اس حدیث کو امام مسلم، دارمی اور احمد نے روایت کیا ہے۔

"ان ہی سے مروی ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: (یہ) اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے جس نے اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لیا اور اس کے احکامات پر عمل کیا وہ ہدایت یافتہ ہو گا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہ ہو گیا. اس حدیث کو امام مسلم اور ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

"ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سنو! میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، ایک اللہ ل کی کتاب ہے، جو اللہ کی رسی ہے جو اس کی اتباع کرے گا وہ ہدایت یافتہ ہو گا اور جو اس کو ترک کر دے گا وہ گمراہی پر ہو گا۔"

اس حدیث کو امام مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

7. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيئٌ مِنَ الْقُرْآنِ، كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَأَحْمَدُ. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ، وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب: (18)، 5/177، الرقم: 2913، والدارمي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، 2/521، الرقم: 3306، وأحمد بن حنبل في المسند، 1/223، الرقم: 1947، والحاكم في المستدرك، 1/741، الرقم: 2037، والبيهقي في شعب الإيمان، 2/328، الرقم: 1943).

"حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جس کے دل میں قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔"

اِس حدیث کو امام ترمذی، دارمی اور احمد نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور حاکم نے بھی اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔

8. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيْمٌ حَرْفٌ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَزَّارُ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.



(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فيمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الأجر، 6/175، الرقم: 2910، والبزار في المسند، 7/192، الرقم: 2761، وابن أبي شيبة في المصنف، 6/118، الرقم: 29933).

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا، اس کے لیے اس کے بدلہ میں ایک نیکی ہے اور یہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آلم ؔ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (گویا صرف آلم ؔ پڑھنے سے تیس نیکیاں مل جاتی ہیں)“.

اس حدیث کو امام ترمذی، بزار اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

9. عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: يَقُوْلُ الرَّبُّ: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ وَذِكْرِي عَنْ مَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيَ السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللهِ عَلَى خَلْقِهِ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ أَحْمَدَ. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب (25)، 5/184، الرقم: 2926، والدارمي في السنن، 2/533، الرقم: 3356، وعبد الله بن أحمد في السنة، 1/149، الرقم: 128).

”حضرت ابو سعید (خُدری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ ربّ العزت فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر اتنا مشغول کر دے کہ وہ مجھ سے کچھ مانگ بھی نہ سکے۔ تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرما دیتا ہوں اور تمام کلاموں پر اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآن حکیم) کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی (فضیلت) اپنی مخلوق پر ہے۔“

اس حدیث کو امام ترمذی، دارمی، عبد اللہ بن احمد نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

10. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب: (18)، 5/177، الرقم: 2914، وأبو داود في السنن، كتاب الصلاة، باب استحباب الترتيل في القراءة، 2/73، الرقم: 1464، وابن ماجه (عن أبي سعيد الخدري) في السنن، كتاب الأدب، باب ثواب القرآن، 2/1242، الرقم: 3780، وأحمد بن حنبل في المسند، 2/192، الرقم: 6799، وابن حبان في الصحيح، 3/43، الرقم: 766، وابن أبي شيبة في المصنف، 6/131، الرقم: 3056).



”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (روزِ قیامت) قرآن مجید پڑھنے والے سے کہا جائے گا: قرآن مجید پڑھتا جا اور جنت میں منزل بہ منزل اُوپر چڑھتا جا اور یوں ترتیل سے پڑھ، جیسے تو دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا، تیرا ٹھکانا جنت میں وہاں پر ہو گا جہاں تو آخری آیت تلاوت کرے گا۔“

اس حدیث کو امام ترمذی، ابو داود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

11. عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم: مَا أَذِنَ اللهُ لِعَبْدٍ فِي شَيءٍ أَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يُصَلِّيهِمَا وَإِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلَى رَأْسِ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِي صَلَاتِهِ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ إِلَى اللهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ يَعْنِي الْقُرْآنَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب: (17)، 5/ 176، الرقم: 2911، وأحمد بن حنبل في المسند، 5/ 268، الرقم: 22360، والطبراني في المعجم الكبير، 8/ 151، الرقم: 7657).

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بندے کو دو رکعتوں سے، جنہیں وہ ادا کرتا ہے، زیادہ فضیلت والی کسی چیز کا حکم نہیں دیا. بندہ جب تک نماز میں رہتا ہے، نیکی اُس کے سر پر سایہ فگن رہتی ہے اور بندے کسی عمل سے اتنا قربِ الٰہی نہیں پا سکتے جتنا قرب کلام الٰہی یعنی قرآن مجید (کی تلاوت) سے پا سکتے ہیں۔“

اِس حدیث کو امام ترمذی، احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

12. عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم: إِنَّكُمْ لَنْ تَرْجِعُوا إِلَى اللهِ بِأَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْهُ يَعْنِي الْقُرْآنَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب: (17)، 5/ 177، الرقم: 2912).

”حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیشک تم قرآن مجید سے افضل کوئی شے لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹو گے۔“ اِس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

13. عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ الْجُهَنِيِّ رضی الله عنه عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَأَحْمَدُ وَأَبُوْ يَعْلَى. وَقَالَ الْحَاكِمُ: صَحِيحُ الإِسْنَادِ).

(أخرجه أبو داود في السنن، كتاب الصلاة، باب في ثواب قراءة القرآن، 2/ 70، الرقم: 1453، وأحمد بن حنبل في المسند، 3/ 440، وأبو يعلى في المسند، 3/ 65، الرقم: 1493، والحاكم في المستدرك، 1/ 756، الرقم: 2085).

”حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل بھی کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اس دنیا میں لوگوں کے گھروں میں چمکنے والے سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہو گی. تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے خود اس پر عمل کیا؟ (یعنی اس کے ماں باپ کو تو تاج پہنایا جائے گا اور اس کا اپنا مقام تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے)“.

اس حدیث کو امام ابو داود، احمد اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ اور امام حاکم نے فرمایا: صحیح الاسناد ہے۔

14. عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم: مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ، وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ، وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ حِبَّانَ. وفی روایة لِلدَّيْلِمِيِّ: مَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُتَفَكِّرِيْنَ.

(أخرجه أبو داود في السنن، كتاب الصلاة، باب تحزيب القرآن، 2/57، الرقم: 1398، وابن حبان في الصحيح، 6/310، الرقم: 2572، والديلمي في مسند الفردوس، 3/492، الرقم: 5528).

”حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اُنہوں نے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دس آیات (کی تلاوت) کے ساتھ قیام کیا وہ غافل بندوں میں نہیں لکھا جائے گا. اور جس شخص نے سو آیات (کی تلاوت) کے ساتھ قیام کیا وہ اطاعت گزار بندوں میں لکھا جائے گا، اور جس شخص نے ہزار آیات (کی تلاوت) کے ساتھ قیام کیا وہ (بے حد و حساب) ثواب پانے والوں میں لکھا جائے گا۔“

اِس حدیث کو امام ابو داود اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

اور دیلمی کی روایت میں ہے: ”جس شخص نے ہزار آیات (کی تلاوت) کے ساتھ قیام کیا وہ (اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں) غور و فکر کرنے والا لکھا گیا۔“

15. عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم: إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ. قَالُوْا: مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَهْلُ الْقُرْآنِ، هُمْ أَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهُ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالنَّسَائِيُّ وَأَحْمَدُ.

أخرجه ابن ماجه في السنن، المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه، 1/78، الرقم: 215، والنسائي في السنن الكبرى، 5/17، الرقم: 8031، وأحمد بن حنبل في المسند، 3/127، الرقم: 12301، والحاكم في المستدرك، 1/743، الرقم: 2046، وقال الحاكم: وقد روى هذا حديث من ثلاثه أوجه عن أنس رضي الله عنه هذا أمثلها.

”حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سے کچھ اہل اللہ ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام ث نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون (خوش نصیب) ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن والے، وہی اللہ والے اور اُس کے خواص ہیں۔“



اِس حدیث کو امام ابن ماجہ، نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے۔

16. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنهما أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. يَقُوْلُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ، مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ. وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ. قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ.

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْحَاكِمُ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالْبَيْهَقِيُّ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ. وَقَالَ الْمُنْذِرِيُّ وَالْهَيْثَمِيُّ: وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ.

أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، 2/174، الرقم: 6626، والحاكم في المستدرك، 1/740، الرقم: 2036، وابن المبارك في الزهد، 1/114، الرقم: 385، والبيهقي في شعب الإيمان، 2/346، الرقم: 1994، والمنذري في الترغيب والترهيب، 2/50، 230، الرقم: 1455، 2205، والهيثمي في مجمع الزوائد، 3/181.

’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزِ قیامت روزہ اور قرآن دونوں بندہ کے لیے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے ربّ! میں نے اس شخص کو دن کے وقت کھانے (پینے) اور (دوسری) نفسانی خواہشات سے روکے رکھا سو تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما. اور قرآن کہے گا: اے میرے ربّ! میں نے اس شخص کو رات کے وقت جگائے رکھا سو اس کے متعلق میری شفاعت کو قبول فرما. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی‘‘.

اس حدیث کو امام احمد، حاکم، ابن مبارک اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔ امام منذری اور ہیثمی نے بھی کہا: اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔

17. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنهما، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم أَنَّهُ قَالَ: اَلْقُرْآنُ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ.

رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ.

أخرجه الدارمي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب فضل كلام الله على سائر الكلام، 2/533، الرقم: 3358، والديلمي في مسند الفردوس، 3/230، الرقم: 4679.

"حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کو آسمانوں، زمین اور ان کے اندر موجود ہر ایک شے سے زیادہ پیارا ہے۔"

اِس حدیث کو امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

وفی روایة: عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ: مَنْ أَحَبَّ الْقُرْآنَ فَلْيُبْشِرْ.

رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ. وفی روایة لابْنِ أَبِي شَيْبَةَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيُبْشِرْ.

أخرجه الدارمي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، 2/525، الرقم: 3323.3324، وابن أبي شيبة في المصنف، 6/133، الرقم: 30080.

"ایک روایت میں حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جو قرآن سے محبت کرتا ہے۔"

اِسے امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ سے مروی روایت کے الفاظ ہیں: ''خوشخبری ہو اُس شخص کے لیے جس نے قرآن پڑھا۔''

18. عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللهِ فَأَقْبِلُوْا مِنْ مَأْدُبَتِهِ(1) مَا اسْتَطَعْتُمْ. إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ حَبْلُ اللهِ، وَالنُّوْرُ الْمُبِيْنُ، وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ عِصْمَةٌ لِمَنْ تَمَسَّكَ بِهِ، وَنَجَاةٌ لِمَنِ اتَّبَعَهُ، لَا يَزِيْغُ(2) فَيُسْتَعْتَبُ(3) وَلَا يَعْوَجُّ(4) فَيُقَوَّمُ، وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ، وَلَا يَخْلَقُ مِنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ. اتْلُوْهُ فَإِنَّ اللهَ يَأْجُرُكُمْ عَلٰى تِلَاوَتِهِ كُلَّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ، أَمَا إِنِّي لَا أَقُوْلُ: الٓمٓ حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ وَلَامٌ وَمِيْمٌ.

رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَالْحَاكِمُ وَاللَّفْظُ لَهُ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ.

(1) المأدبة: الطعام يدعی إليه الناس، يقصد منافع القرآن وفوائده العظيمة. (النهاية)

(2) الزيغ: البعد عن الحق، والميل عن الاستقامة. (النهاية)

(3) يستعتب: يتوب ويطلب رضا الله ل ومغفرته. (النهاية)

(4) الاعوجاج: الميل والانحراف والزيغ. (النهاية)

أخرجه الحاكم في المستدرك، كتاب فضائل القرآن، باب أخبار في فضائل القرآن جملة، 1/ 741، الرقم: 2040، والدارمي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، 2/ 523، الرقم: 3315، وابن أبي شيبة في المصنف، 6/ 125، الرقم: 30008، وعبد الرزاق في المصنف، 3/ 375، الرقم: 6017، والطبراني في المعجم الكبير، 9/ 130، الرقم: 8646، والبيهقي في السنن الصغرى، 1/ 541، الرقم: 983، وأيضًا في شعب الإيمان، 2/ 342، الرقم: 1985، والمنذري في الترغيب والترهيب، 2/ 231، الرقم: 2208.



”حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیشک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دستر خوان (عطیہ ونعمت) ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس کے دستر خوان میں سے حاصل کر لو. یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی رسی، چمکتا دمکتا نور اور (ہر روگ وپریشانی کا) نفع بخش علاج ہے۔ جو اس پر عمل کرے اس کے لیے (باعثِ) حفاظت اور جو اس کی پیروی کرے اس کے لیے (باعثِ) نجات ہے۔ یہ جھکتا نہیں کہ اس کو کھڑا کرنا پڑے۔ ٹیڑھا نہیں ہوتا کہ اسے سیدھا کرنا پڑے۔ اس کے عجائب (رموز واسرار، نکات وحِکم) کبھی ختم نہ ہوں گے اور بار بار کثرت سے پڑھتے رہنے سے بھی پرانا نہیں ہوتا (یعنی اس سے دل نہیں بھرتا) اس کی تلاوت کیا کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت پر تمہیں ہر حرف کے عوض دس نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے۔ یاد رکھو! میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف (ایک حرف ہے)، لام (ایک حرف ہے) اور میم (ایک حرف ہے گویا صرف الٓمٓ پڑھنے سے ہی تیس نیکیاں مل جاتی ہیں)“.

اس حدیث کو امام دارمی، ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق اور حاکم نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز حاکم نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

19. عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رضی الله عنه أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ وَهُوَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتِهِ وَهُوَ حَسَنُ الصَّوْتِ، فَجَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم، فَقَالَ: بَيْنَا أَقْرَأُ إِذْ غَشِيَنِي شَيْءٌ كَالسَّحَابِ وَالْمَرْأَةُ فِي الْبَيْتِ وَالْفَرَسُ فِي الدَّارِ فَتَخَوَّفْتُ أَنْ تَسْقُطَ الْمَرْأَةُ، وَتَنْفَلِتَ الْفَرَسُ فَانْصَرَفْتُ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: اقْرَأْ يَا أُسَيْدُ، فَإِنَّمَا هُوَ مَلَكٌ اسْتَمَعَ الْقُرْآنَ.

رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَالْبَزَّارُ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَالطَّبَرَانِيُّ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ.

أخرجه الحاكم في المستدرك، كتاب فضائل القرآن، 1/739، الرقم: 2033.2034، وأيضًا، 3/326، الرقم: 5259، والبزار في المسند، 8/178، الرقم: 3209، وعبد الرزاق في المصنف، 2/486، الرقم: 4182، والطبراني في المعجم الكبير، 1/207، الرقم: 563.



”حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر قرآن پڑھا کرتے تھے اور وہ بہت خوبصورت آواز والے تھے سو وہ (اسید) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: (یا رسول اللہ!) جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو بادلوں کی طرح کوئی چیز مجھے گھیر لیتی ہے اور میرے گھر میں میری بیوی ہے اور ایک گھوڑا ہے تو میں ڈر جاتا ہوں کہ میری بیوی (خوف سے) گر نہ پڑے اور گھوڑا (ڈر کر) بھاگ نہ جائے لھٰذا میں جلدی سے (تلاوت سے) ہٹ جاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں فرمایا: اے اُسید! تم اِسے پڑھتے رہا کرو، بیشک یہ ایک فرشتہ ہے جو قرآن کو (بہت شوق سے) سنتا ہے۔“

اِس حدیث کو امام حاکم، بزار، عبد الرزاق اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔

20. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله عليه وآله وسلم: فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ الرَّحْمٰنِ عَلٰى سَائِرِ خَلْقِهِ (رَوَاهُ أَبُوْ يَعْلٰى وَالْبَيْهَقِيُّ).

(أخرجه أبو يعلى في المعجم، 1/240، الرقم: 294، والبيهقي في شعب الإيمان، 2/404، الرقم: 2208).

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسے ہی ہے جیسے (خود اس) رحمن کی فضیلت اُس کی تمام مخلوقات پر ہے۔“

اِس حدیث کو امام ابو یعلی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

21. عَنِ الْحَسَنِ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله عليه وآله وسلم: لَا فَاقَةَ لِعَبْدٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَلَا غِنٰى لَهُ بَعْدَهُ. رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْقُضَاعِيُّ.

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف، كتاب فضائل القرآن، باب في فضل من قرأ القرآن، 6/120، الرقم: 29954، والقضاعي في مسند الشهاب، 2/46، الرقم: 855).

”حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُس شخص کو (کبھی) فاقہ نہیں ہو گا جو قرآن مجید پڑھتا ہے اور اُس (قرآن مجید) کے بعد اُس کے لیے (اُس سے بڑی) کوئی غنا (دولتمندی) نہیں ہے۔“

اِس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ اور قضاعی نے روایت کیا ہے۔

وفي رواية: عَنْ سَلَامٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي مُطِيْعٍ قَالَ: كَانَ قَتَادَةُ رضی الله عنه يَقُوْلُ: أُعْمُرُوْا بِهِ قُلُوْبَكُمْ وَاعْمُرُوْا بِهِ بُيُوْتَكُمْ قَالَ: أُرَاهُ يَعْنِي الْقُرْآنَ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ.

(أخرجه الدارمي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب في تعاهد القرآن، 2/530، الرقم: 3342).



’’حضرت سلام ابن ابی مطیع بیان کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے: قرآن کے ذریعے اپنے دلوں اور گھروں کو آباد کیا کرو‘‘.

اِسے امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

22. عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله عليه وآله وسلم: عَدَدُ دَرَجِ الْجَنَّةِ عَلٰی عَدَدِ آيِ الْقُرْآنِ، فَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ فَلَيْسَ فَوْقَهُ دَرَجَةٌ. رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ.

(أخرجه ابن أبي شيبة موقوفًا في المصنف، كتاب فضائل القرآن، باب في فضل من قرأ القرآن، 6/120، الرقم: 29952، والبيهقي في شعب الإيمان، 2/347، الرقم: 1998، والديلمي في مسند الفردوس، 3/58، الرقم: 4158، والمنذري في الترغيب والترهيب، 2/228، الرقم: 2199).

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت کے درجات قرآن کی آیات کی تعداد کے برابر ہیں۔ سو جب قرآن والوں میں سے کوئی جنت میں داخل ہو گا تو اُس کے اوپر کسی اور کا درجہ نہیں ہو گا۔‘‘

اِس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

23. عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه، أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی الله عليه وآله وسلم أَتَوْا عَلٰی حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ، فَلَمْ يَقْرُوْهُمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَالِكَ إِذْ لُدِغَ سَيِّدُ أُولٰئِكَ، فَقَالُوْا: هَلْ مَعَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ رَاقٍ؟ فَقَالُوْا: إِنَّكُمْ لَمْ تَقْرُوْنَا وَلَا نَفْعَلُ حَتّٰی تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلًا، فَجَعَلُوْا لَهُمْ قَطِيْعًا مِنَ الشَّاءِ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَيَجْمَعُ بُزَاقَهُ وَيَتْفِلُ فَبَرَأَ فَأَتَوْا بِالشَّاءِ، فَقَالُوْا: لَا نَأْخُذُهُ حَتّٰی نَسْأَلَ النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم فَسَأَلُوْهُ، فَضَحِكَ، وَقَالَ: وَمَا أَدْرَاكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، خُذُوْهَا وَاضْرِبُوْا لِي بِسَهْمٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الطب، باب الرقي بفاتحة الكتاب، 5/2166، الرقم: 5404، ومسلم في الصحيح، كتاب السلام، باب جواز أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن والأذكار، 4/1727، الرقم: 2201).

’’حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ حضرات قبائل عرب میں سے ایک قبیلے میں گئے تو اُنہوں نے اُن کی ضیافت نہ کی. اِسی اثنا میں اُن کے سردار کو کسی موذی جانور نے کاٹ کھایا تو وہ (ان کے پاس آکر) کہنے لگے: کیا آپ کے پاس کوئی دوا یا دم کرنے والا ہے؟ اُنہوں نے کہا: چونکہ تم نے ہماری ضیافت نہیں کی لہٰذا ہم اُس وقت تک کچھ نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے ساتھ کچھ (معاوضہ) مقرر نہ کر لو. سو اُنہوں نے (بدلے میں) کچھ بکریاں دینا منظور کیا چنانچہ (اُن میں سے ایک نے) سورہِ فاتحہ پڑھی اور تکلیف والی جگہ پر تھوک دیا. اُس کی تکلیف دور ہو گئی وہ بکریاں لے کر آئے تو اُن صحابہ نے کہا: ہم اُس وقت تک نہیں لیں گے جب تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس کے متعلق پوچھ نہ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ (سورہِ فاتحہ) دم کرنے کی چیز ہے؟ خیر بکریاں لے لو اور اُن میں میرا حصہ بھی رکھو‘‘.



یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

24. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَأَحْمَدُ. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ).

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب صلاة النافلة في بيته وجوازها في المسجد، 1 / 539، الرقم: 780، والترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل سورة البقرة وآية الكرسي، 5 / 157، الرقم: 2877، والنسائي في السنن الكبرى، 5 / 13، الرقم: 8015، وأحمد بن حنبل في المسند، 2 / 388، الرقم: 9030).

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، بے شک شیطان اُس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہِ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔“

اِس حدیث کو امام مسلم، ترمذی، نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

25. عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رضی الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم يَقُوْلُ: اقْرَئُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهِ. اقْرَئُوا الزَّهْرَاوَيْنِ: الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ، فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا. اقْرَئُوا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا تَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالدَّارِمِيُّ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَأَحْمَدُ).

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، 1 / 553، الرقم: 804، والدارمي (عن بريدة) في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب في فضل سورة البقرة وآل عمران، 2 / 543، الرقم: 3391، وعبد الرزاق في المصنف، 3 / 365، الرقم: 5991، وأحمد بن حنبل في المسند، 5 / 249، الرقم: 22200).

”حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید پڑھا کرو کیوں کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا، اور دو روشن سورتیں ”سورہِ بقرہ اور سورہِ آل عمران“ پڑھا کرو کیوں کہ وہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جس طرح دو بادل ہوں یا دو سائبان ہوں یا اُڑتے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ ہوں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کی وکالت کریں گی۔ سورہِ بقرہ پڑھا کرو، اس کا پڑھنا برکت ہے اور نہ پڑھنا حسرت ہے، جادوگر اس (کی برکات) کے حصول کی استطاعت نہیں رکھتے۔“

اِس حدیث کو امام مسلم، دارمی، عبد الرزاق اور احمد نے روایت کیا ہے۔

26. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ، وَفِيْهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ، هِيَ آيَةُ الْكُرْسِيِّ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ.

وفی روایة: سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ فِيْهَا آيَةٌ سَيِّدُ آيِ الْقُرْآنِ، لَا يُقْرَأُ فِي بَيْتٍ وَفِيْهِ شَيْطَانٌ إِلَّا خَرَجَ مِنْهُ: آيَةُ الْكُرْسِيِّ.



رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَقَالَ: صَحِيْحُ الإِسْنَادِ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل سورة البقرة وآية الكرسي، 5/ 145، الرقم: 2878، وعبد الرزاق في المصنف، 3/ 376، الرقم: 6019، والحاكم في المستدرك، 1/ 748، الرقم: 2058، 2059، والحميدي في المسند، 2/ 437، الرقم: 994).

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کی ایک بلندی ہے اور بے شک قرآن کی بلندی سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت (یعنی) آیت الکرسی، تمام قرآنی آیات کی سردار ہے۔''

اِس حدیث کو امام ترمذی اور عبد الرزاق نے روایت کیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے: ''بے شک قرآن کی بلندی سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت تمام قرآنی آیات کی سردار ہے۔ جس گھر میں بھی یہ آیت پڑھی جائے شیطان اُس گھر سے نکل جاتا ہے۔ وہ آیت الکرسی ہے۔''

اِس حدیث امام حاکم نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

27. عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِيِّ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: الْآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَهُمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب فضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة، 4/ 1914، الرقم: 4722، ومسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة، 1/ 554، الرقم: 806).

''حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سورہِ البقرہ کی آخری دو آیتیں جو بھی رات کو پڑھ لے تو وہ اُسے کفایت کریں گی۔'' یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

28. عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: إِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفَي عَامٍ أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا يُقْرَآنِ فِي دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا شَيْطَانٌ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: صَحِيْحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في آخر سورة البقرة، 5/ 147، الرقم: 2882، والدارمي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب فضل أوّل سورة البقرة وآية الكرسي، 2/ 542، الرقم: 3387، والنسائي في السنن الكبرى، 6/ 240، الرقم: 10802، وابن حبان في الصحيح، 3/ 61، الرقم: 782، والحاكم في المستدرك، 1/ 750، الرقم: 2065، والبزار في المسند، 8/ 236، الرقم: 3296، والطبراني في المعجم الكبير، 7/ 285، الرقم: 7146).



”حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی جس میں سے دو آیتیں اُتاریں یہی آیتیں سورہ بقرہ کا آخر ہیں جس گھر میں یہ آیات تین دن پڑھی جائیں، شیطان اس کے قریب نہیں آتا۔“

اِس حدیث کو امام ترمذی، نسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ حاکم نے فرمایا: امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔

29. عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ رضی الله عنه، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله عليه وآله وسلم قَالَ: إِنَّ اللهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِآيَتَيْنِ أُعْطِيْتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَائَكُمْ، فَإِنَّهُمَا صَلَاةٌ وَقُرْآنٌ وَدُعَاءٌ.

رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالْحَاكِمُ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: صَحِيْحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ.

(أخرجه الدارمي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب فضل أوّل سورة البقرة وآية الكرسي، 2/542، الرقم: 3390، وأبو داود في المراسيل/120، الرقم: 91، والحاكم في المستدرك، 1/750، الرقم: 2066، والبيهقي في شعب الإيمان، 2/461، الرقم: 2403).

”حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کا اختتام دو ایسی آیتوں کے ذریعے کیا ہے جو اُس نے مجھے اپنے عرش کے نیچے رکھے ہوئے خزانے سے دی ہیں، تم اُنہیں خود بھی سیکھو اور اپنی عورتوں کو بھی سکھاؤ، یہ دونوں نماز بھی ہیں، قرآن بھی اور دعا بھی“۔

اِس حدیث کو امام دارمی، ابو داود اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔

30. عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی الله عنه قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ، وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ، فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ، فَجَعَلَتْ تَدْنُوْ، وَتَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم فَذَكَرَ ذَالِكَ لَهُ، فَقَالَ: تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب فضائل القرآن، باب فضل سورة الكهف، 4/1914، الرقم: 4724، ومسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب نزول السكينة لقراءة القرآن، 1/547، الرقم: 795).

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ کہف پڑھ رہا تھا اور اُس کے پاس ہی دو رسیوں کے ساتھ ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا، پس اُس آدمی کے اوپر بادل چھا گیا اور وہ اُس کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتا گیا، یہاں تک کہ اُس کا گھوڑا بدکنے لگا. جب صبح کے وقت وہ



حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس واقعہ کا ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ سکینہ (یعنی فرشتہ) ہے جس کا تلاوتِ قرآن کے باعث نزول ہوا۔‘‘

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

31. عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ. وفي رواية: مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل سورة الكهف وآية الكرسي، 1/ 555556، الرقم: 809، وأبو داود في السنن، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، 4/ 117، الرقم: 4323، والنسائي في السنن الكبرى، 5/ 15، الرقم: 8025).

’’حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہِ کہف کی پہلی دس آیات یاد کرلے گا وہ دجال (کے شر) سے محفوظ رہے گا۔‘‘ ایک روایت میں ہے: ’’سورہِ کہف کے آخر سے (دس آیات)‘‘.

اِس حدیث کو امام مسلم، ابو داود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

32. عَنِ الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قَالَ: اسْمُ اللهِ الْأَعْظَمُ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ فِي سُوَرٍ ثَلَاثٍ: الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ وَطٰهٰ.

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالطَّبَرَانِيُّ.

قاسم بن عبد الرحمن الدمشقي (م 112ه) وثقة.

(أخرجه ابن ماجه في السنن، كتاب الدعائ، باب اسم الله الأعظم، 2/ 1267، الرقم: 3856، والطبراني في المعجم الأوسط، 8/ 192، الرقم: 8371.)

’’حضرت قاسم رضی اللہ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس کے ذریعے اگر دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ اِن تین سورتوں میں ہے۔ سورہِ البقرہ، سورہِ آل عمران اور سورہِ طٰہ.‘‘ اِس حدیث کو امام ابن ماجہ اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

33. عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰسٓ، وَمَنْ قَرَأَ يٰسٓ كَتَبَ اللهُ لَهُ بِقِرَائَتِهَا قِرَائَةَ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء في فضل يس، 5/ 149150، الرقم: 2887، والدارمي في السنن، 2/ 548، الرقم: 3416، وعبد الرزاق في المصنف، 3/ 372، الرقم: 6009).



”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کا دل سورہِ یٰس ہے، جس نے سورہِ یٰس پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس مرتبہ (مکمل) قرآن پڑھنے کا ثواب لکھے گا۔“

اِس حدیث کو امام ترمذی، دارمی اور عبد الرزاق نے روایت کیا ہے۔

وفی روایة: عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم: اقْرَأُوْا يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ.

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالنَّسَائِيُّ وَأَحْمَدُ.

(أخرجه أبو داود في السنن، كتاب الجنائز، باب القراءة عند الميت، 3/ 191، الرقم: 3121، وابن ماجه في السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في ما يقال عند المريض إذا حضر، 1/ 466، الرقم: 1448، والنسائي في السنن الكبرى، 6/ 265، الرقم: 10913، وأحمد بن حنبل في المسند، 5/ 27، الرقم: 20329).

”حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے وفات پانے والوں کے پاس ”سورہِ یٰس“ پڑھا کرو“۔

اِس حدیث کو امام ابو داود، ابن ماجہ، نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے۔

34. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِي لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهُ.
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَأَبُوْ يَعْلٰى.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل حٰم الدخان، 5/ 163، الرقم: 2889، والدارمي (عن عبد الله بن عيسى) في السنن، 2/ 550، الرقم: 3421، وأبو يعلى في المسند، 11/ 93، الرقم: 6224، والمنذري في الترغيب والترهيب، 1/ 298، الرقم: 1099).

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کی رات سورۃ حم الدخان کی تلاوت کی اُسے بخش دیا جاتا ہے۔“

اِس حدیث کو امام ترمذی، دارمی اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔

35. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: إِنَّ سُوْرَةً مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُوْنَ آيَةً، شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهُ، وَهِيَ سُوْرَةُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل سورة الملك، 5/ 151، الرقم: 2891، وأبو داود في السنن، كتاب شهر رمضان، باب في عدد الآي، 2/ 57، الرقم: 1400، وابن ماجه في السنن، كتاب الأدب، باب ثواب القرآن، 2/ 1244، الرقم: 786، وأحمد بن حنبل في المسند، 2/ 299، الرقم: 7962، والحاكم في المستدرك، 1/ 753، الرقم: 2075).



”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید میں ایک ایسی سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں۔ اُس نے ایک (پڑھنے والے) آدمی کی سفارش کی اور وہ بخش دیا گیا اور یہ سورۃ الملک- تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔“

اِس حدیث کو امام ترمذی، ابو داود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ امام حاکم نے بھی اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

36. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه، قَالَ: مَنْ قَرَأَ {تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ} كُلَّ لَيْلَةٍ، مَنَعَهُ اللهُ بِهَا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَ كُنَّا فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم نُسَمِّيْهَا الْمَانِعَةَ، وَإِنَّهَا فِي كِتَابِ اللهِ سُوْرَةٌ، مَنْ قَرَأَ بِهَا فِي كُلِّ لَيْلَةٍ، فَقَدْ أَكْثَرَ وَأَطَابَ.

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ.

(أخرجه النسائي في السنن الكبرى، كتاب عمل اليوم والليلة، الفضل في قراءة تبارك الذي بيده الملك، 6/179، الرقم: 10547، والطبراني في المعجم الأوسط، 6/212، الرقم: 6216).

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ہر رات سورۃ {تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ} پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اُس سے عذابِ قبر کو روک دے گا. ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اُسے (عذابِ قبر کو) روکنے والی کہا کرتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایسی سورت ہے کہ جس نے ہر رات اِس کی تلاوت کی اُس نے بہت زیادہ اور اچھا عمل کیا۔“

اِسے امام نسائی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

37. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: إِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْآنِ، وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْآنِ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ وَالطَّبَرَانِيُّ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في إذا زلزلت، 5/166، الرقم: 2894، والحاكم في المستدرك، 1/754، الرقم: 2078، والطبراني في المعجم الكبير، 12/405، الرقم: 13493).

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سورۂ زلزال، نصف قرآن، سورۂ اخلاص تہائی قرآن اور سورۂ کافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔“

اِس حدیث کو امام ترمذی، حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔



38. عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم فَذَكَرَ ذَالِكَ لَهُ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ.

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَمَالِكٌ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب فضائل القرآن، باب فضل قل هو الله أحد، 4/1915، الرقم: 4726، وأبو داود في السنن، كتاب الصلاة، باب في سورة الصمد، 2/72، الرقم: 1461، والنسائي في السنن، كتاب الافتتاح، باب الفضل في قراءة قل هو الله أحد، 2/171، الرقم: 995، ومالك في الموطأ، كتاب القرآن، باب ماجاء في قراءة قل هو الله أحد وتبارك الذي بيده الملك، 1/208، الرقم: 485).

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو {قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ} کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اور یہ کہ وہ بار بار اُسے دہراتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ماجرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گویا کہ وہ اِسے معمولی سمجھ رہا تھا. تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہِ قدرت میں میری جان ہے! یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔“

اِس حدیث کو امام بخاری، ابو داود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

39. عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، قَالُوْا: وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: {قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ} تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ.

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَأَحْمَدُ وَأَبُوْ يَعْلَى.

وفي رواية قال: إِنَّ اللهَ جَزَّأَ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ فَجَعَلَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ جُزْءًا مِنْ أَجْزَاءِ الْقُرْآنِ.

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة قل هو الله، 1/556، الرقم: 811، والنسائي في السنن الكبرى، 6/172، 176، الرقم: 10511، 10537، والدارمي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب في فضل قل هو الله أحد، 2/552، الرقم: 3431، وأحمد بن حنبل في المسند، 6/447، الرقم: 27562، وابن حبان في الصحيح، 6/314، الرقم: 2576، وأبو يعلى (عن أبي سعيد) في المسند، 2/295، الرقم: 1018).

”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص ہر رات تہائی قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) تہائی قرآن مجید کیسے پڑھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سورہ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَد تہائی قرآن مجید کے برابر ہے۔“

اِس حدیث کو امام مسلم، نسائی، دارمی، احمد اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔



”ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین حصے کیے اور سورہِ قُل ھُوَ اللہ اَحَد اُن میں سے ایک حصہ ہے۔“

وفی روایة قال: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَتَى مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في سورة الإخلاص، 5/ 154155، الرقم: 2898، والدارمي في السنن، 2/ 553، الرقم: 3438).

”ایک روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص روزانہ دو سو مرتبہ سورہِ اخلاص پڑھے اُس سے پچاس سال کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں سوائے اِس کے کہ اُس پر قرض ہو“.

اِس حدیث کو امام ترمذی اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

40. عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَنْفُثُ عَلَى نَفْسِهِ فِي الْمَرَضِ الَّذِي مَاتَ فِيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ، فَلَمَّا ثَقُلَ كُنْتُ أَنْفُثُ عَلَيْهِ بِهِنَّ وَأَمْسَحُ بِيَدِ نَفْسِهِ لِبَرَكَتِهَا. فَسَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ: كَيْفَ يَنْفُثُ؟ قَالَ: كَانَ يَنْفُثُ عَلَى يَدَيْهِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الطب، باب الرقي بالقرآن والمعوذات، 5/ 2165، الرقم: 5403، ومسلم في الصحيح، كتاب السلام، باب رقية المريض، 4/ 1723، الرقم: 2192).

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس مرض میں جس کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرتے تھے، جب تکلیف زیادہ ہوگئی تو میں یہی سورتیں پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دم کیا کرتی تھی اور بابرکت ہونے کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (اپنا) دستِ اقدس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جسم مبارک) پر پھیرا کرتی تھی. میں (معمر) نے (ابن شہاب) زہری سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دم کس طرح کیا کرتے تھے؟ فرمایا: سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے پھر اُنہیں اپنے چہرے پر پھیر لیا کرتے۔“

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

41. وفی روایة: عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا مَرِضَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهِ نَفَثَ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ، فَلَمَّا مَرِضَ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيْهِ. جَعَلْتُ أَنْفُثُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُهُ بِيَدِ نَفْسِهِ لِأَنَّهَا كَانَتْ أَعْظَمَ بَرَكَةً مِنْ يَدِي. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات، 4/ 1916، الرقم: 4728، ومسلم في الصحيح، كتاب السلام، باب رقية المريض بالمعوذات والنفث، 4/ 1723، الرقم: 2192).



”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم {قُلْ أَعُوْذُبِرَبِّ الْفَلَقِ} اور {قُلْ أَعُوْذُبِرَبِّ النَّاسِ} پڑھ کر اُس پر دم کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرضِ وصال میں مبتلا تھے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دم کرتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو آپ (کے جسدِ اقدس) پر پھیرتی، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میرے ہاتھ سے زیادہ بابرکت تھے۔“ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

(من فضائل القرآن ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

تَاثِيْرُ الْقُرْآنِ

قرآن مجید کی تاثیر

اگر قرآن مجید پہاڑ جیسی عظیم مخلوق پر نازل کیا جاتا تو وہ بھی خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

{ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَه خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط} (21:59)

”اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔“ (سورہ حشر، آیت نمبر 21)

قرآنی آیات سن کر بعض حق پسند غیر مسلموں کی آنکھوں میں بھی آنسو بہہ نکلتے ہیں۔

{ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ، } (83:5)

اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو اس کے رسول کی طرف نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں اور وہ پکار اٹھتے ہیں ”اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔“ (سورہ المائدہ، آیت نمبر 83)

قرآنی آیات سن کر اہل ایمان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔

{وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ، الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ،}
(22:34-35)



"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم !بشارت دے دو جو عاجزی اختیار کرنے والے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں جو مصیبت ان پر آتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔" (سورہ حج، آیت نمبر 34-35)

قرآن مجید کے اثر سے پڑھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے والوں کے دل نرم پڑ جاتے ہیں۔

{اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ ق تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ ج ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُہُمۡ وَ قُلُوۡبُہُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ یَہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ط وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ,} (23:39)

"اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا ہے۔ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کے سارے مضامین ایک جیسے ہیں (جن میں کوئی تضاد نہیں) اور بار بار دہرائے گئے ہیں اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں (اسے پڑھتے ہوئے) ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس قرآن مجید کے ذریعے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔" (سورہ الزمر، آیت نمبر 23)

قرآنی آیات سن کر اہل ایمان کے ایمان میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

{اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ,} (2:8)

"مومن وہ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر کانپ اٹھتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔" (سورہ الانفال، آیت نمبر 2)

اہل علم قرآن مجید سن کر روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

قرآن مجید اپنے سننے والوں کے خشوع وخضوع میں اضافہ کرتا ہے۔

{قُلۡ اٰمِنُوۡا بِہٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ط اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِہٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ,وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ,وَ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَ یَزِیۡدُہُمۡ خُشُوۡعًا ,} (17:107-109)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان سے کہہ دو تم اسے مانو یا نہ مانو جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے انہیں جب یہ سنایا جاتا ہے تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں "پاک ہے ہمارا رب اس کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا" اور وہ منہ کے بل روتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اسے سن کر ان کا خشوع وخضوع اور بڑھ جاتا ہے۔" (سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 107 تا 109)



قرآن مجید کی بعض سورتوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ! قَدْ شِبْتَ قَالَ ((شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ، وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ)) (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ[1] (صحیح)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو بوڑھے ہوگئے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، سورہ نباء اور سورہ تکویر نے بوڑھا کر دیا ہے۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

سورہ نجم کی تلاوت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا تو مسلمانوں کے علاوہ مشرکین مکہ بھی عالم بے خودی میں سجدہ میں گر گئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[2]

[1] ابواب التفسیر القرآن، باب سورۃ الواقعۃ، رقم الحدیث 3297.

[2] کتاب التفسیر، سورۃ النجم باب فاسجدوا للّٰہ واعبدوا، رقم الحدیث 4862 .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کی تلاوت کے بعد سجدہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سارے مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاکرات کرنے آیا لیکن سورہ فصلت کی آیات سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ کچھ کہے سنے بغیر ہی واپس پلٹ گیا اور سرداران قریش سے کہا "واللہ! قرآن شاعری ہے نہ کہانت۔"

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اَنَّ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَكَانَ سَيِّدًا حَلِيْمًا قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ جَالِسٌ فِيْ نَادِىْ قُرَيْشٍ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم جَالِسٌ وَحْدَهٗ فِي الْمَسْجِدِ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ! اَلَا اَقُوْمُ اِلٰى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَاُكَلِّمُهٗ وَاَعْرِضُ عَلَيْهِ اُمُوْرًا لَعَلَّهٗ يَقْبِلُ بَعْضُهَا فَنُعْطِيْهِ اِيَّاهَا وَيَكُفُّ عَنَّا وَذٰلِكَ حِيْنَ اَسْلَمَ حَمْزَةُ رضی اللہ عنہ وَرَاَوْا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَزِيْدُوْنَ وَيَكْثِرُوْنَ فَقَالُوْا بَلٰى: يَا اَبَا الْوَلِيْدِ! فَقُمْ اِلَيْهِ وَكَلِّمْهُ فَقَامَ عُتْبَةُ حَتّٰى جَلَسَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: يَا ابْنَ اَخِيْ اِنَّكَ مِنَّا حَيْثُ قَدْ عَلِمْتَ مِنَ الشَّطْرِ فِي الْعَشِيْرَةِ وَالْمَكَانِ فِي النَّسَبِ وَاِنَّكَ قَدْ اَتَيْتَ قَوْمَكَ بِاَمْرٍ عَظِيْمٍ فَرَّقْتَ جَمَاعَتَهُمْ وَسَفَهْتَ بِهٖ اَحْلَامَهُمْ وَعِبْتَ بِهٖ اٰلِهَتَهُمْ وَدِيْنَهُمْ ، وَكَفَرْتَ بِهٖ مِنْ مَّضٰى مِنْ اٰبَاءِهِمْ فَاسْمَعْ مِنِّيْ حَتّٰى اَعْرِضَ عَلَيْكَ اُمُوْرًا تَنْظُرُ فِيْهَا لَعَلَّكَ تَقْبِلُ مِنْهَا بَعْضُهَا قَالَ: فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((يَا اَبَا الْوَلِيْدِ!



اَسْمَعُ)) قَالَ: يَابْنَ اِخِيْ اِنْ كُنْتَ اِنَّمَا تُرِيْدُ بِمَا جِئْتَ بِهٖ مِنْ هٰذَا الْاَمْرِ مَالاً، جَمَعْنَا لَكَ مِنْ اَمْوَالِنَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَكْثَرُنَا مَالاً وَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ بِهٖ شَرَفًا، سَوَّدْنَاكَ عَلَيْنَا حَتّٰى لاَ نَقْطَعُ اَمْرًا دُوْنَكَ، وَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ بِهٖ مَلِكًا مَلَّكْنَاكَ عَلَيْنَا، وَاِنْ كَانَ هٰذَا الَّذِيْ يَاتِيْكَ رِئْيًا تَرَاهُ لاَ تَسْتَطِيْعُ رَدَّهٗ عَنْ نَفْسِكَ، طَلَبْنَا لَكَ الطِّبَ وَبَذَلْنَا فِيْهِ اَمْوَالَنَا حَتّٰى نَبْرَئَكَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ رُبَمَا غَلَبَ التَّابِعُ عَلَى الرَّجُلِ حَتّٰى يَتَدَاوٰى مِنْهُ اَوْ كَمَا قَالَ لَهٗ حَتّٰى اِذَا فَرَغَ عُتْبَةُ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: ((اَفَرَغْتَ يَا اَبَا الْوَلِيْدَ؟)) قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: ((اِسْمَعْ مِنِّيْ))، قَالَ: اَفْعَلُ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم {حٰمٓ، تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، كِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ،} فَمَضٰى

رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقْرَاُهَا فَلَمَّا سَمِعَ بِهَا عُتْبَةُ اَنْصَتَ لَهَا وَاَلْقٰى بِيَدَيْهِ خَلْفَهٗ اَوْ خَلْفَ ظَهْرِهٖ مُعْتَمِدًا عَلَيْهَا لِيَسْمَعَ مِنْهُ، حَتّٰى اِنْتَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِلَى السَّجْدَةِ فَسَجَدَهَا ثُمَّ قَالَ: ((سَمِعْتَ يَا اَبَا الْوَلِيْدِ؟)) قَالَ: سَمِعْتُ قَالَ((فَاَنْتَ وَذَاكَ)) ثُمَّ قَامَ عُتْبَةُ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ نَّحْلِفُ بِاللّٰهِ لَقَدْ جَاءَ كُمْ اَبُو الْوَلِيْدَ بِغَيْرِ الْوَجْهِ الَّذِيْ ذَهَبَ بِهٖ فَلَمَّا جَلَسُوْا اِلَيْهِ قَالُوْا: مَا وَرَاءَكَ يَا اَبَا الْوَلِيْدِ؟ قَالَ: وَرَائِيْ اَنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ سَمِعْتُ قَوْلاً مَا سَمِعْتُ مِثْلَهٗ قَطُّ، وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِالشِّعْرِ وَلاَ الْكَهَانَةِ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اَطِيْعُوْنِيْ وَاجْعَلُوْهَا بِيْ خَلُّوْا بَيْنَ هٰذَا الرَّجُلِ وَبَيْنَ مَا هُوَ فِيْهِ وَاعْتَزِلُوْهُ فَوَاللّٰهِ! لَيَكُوْنَنَّ لِقَوْلِهِ الَّذِيْ سَمِعْتُ نَبَا، فَاِنْ تُصِبْهُ الْعَرَبُ فَقَدْ كَفَيْتُمُوْهُ بِغَيْرِكُمْ وَاِنْ يَظْهَرَ عَلَى الْعَرَبِ فَمُلْكُهٗ مُلْكُكُمْ وَعِزُّهٗ عِزُّكُمْ وَكُنْتُمْ اَسْعَدَ النَّاسِ بِهٖ قَالُوْا سَحَرَكَ وَاللّٰهِ يَا اَبَا الْوَلِيْدِ بِلِسَانِهٖ قَالَ: هٰذَا رَاْيِيْ لَكُمْ فَاصْنَعُوْا مَا بَدَا لَكُمْ۔ ذَكَرَهُ ابْنُ كَثِيْرٌ[1]

حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں عتبہ بن ربیعہ اپنی قوم کا حلیم الطبع سردار تھا ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں اکیلے تشریف فرما تھے اور عتبہ قریش کی مجالس میں موجود تھا کہنے لگا''حضرات! کیوں نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر میں بات چیت کروں اوران کے سامنے بعض باتیں رکھوں ہوسکتاہے وہ کوئی بات قبول کرلیں جو کچھ وہ قبول کرلیں گے اس پر ان سے سودے بازی کر کے ہم انہیں اپنے ہاں(دعوت سے) روک دیں گے یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لاچکے تھے اور مشرکین کو اندازہ ہوچکا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی دن بدن بڑھتے جارہے ہیں، حاضرین مجلس نے کہا''ابوولید! کیوں نہیں! ضرور جاکر بات کرو چنانچہ عتبہ اٹھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا''اے میرے بھتیجے! ہمارے درمیان تمہیں جو مقام اور مرتبہ حاصل ہے اور جو بلند پایہ نسب ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے اب تم اپنی قوم کے پاس بہت نازک معاملہ لے آئے ہو جس نے قوم کا اتحاد پارہ پارہ کردیا ہے قوم کے بزرگوں کو تم نے احمق قرار دے دیا ہے ان کے معبودوں اور ان کے دین میں عیب نکالنے شروع کردیئے ہیں ان کے گزرے ہوئے آباؤاجداد کو کافر بنانا شروع کردیا ہے میری بات سنو! میں تمہارے سامنے کچھ باتیں رکھتا ہوں ان پر غور وفکر کرو، ممکن ہے ان میں سے کوئی بات تمہیں پسند آجائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''ابوولید! بات کرو، میں سنتا ہوں عتبہ نے کہا'' بھتیجے! یہ دعوت جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تمہارا

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزء الثالث رقم الصفحۃ 69-70.



مقصد مالدار بننا ہے تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار بن جاؤ اگر تم اس دعوت کے ذریعے عزوشرف حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں تمہارے بغیر ہم کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کریں گے، اگر تم بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشادہ بنا لیتے ہیں اور اگر یہ جن بھوت جو تمہارے پاس آتا ہے جسے تم دیکھتے ہو اور اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتے اس کا اثر ہے تو ہم اس کا علاج کرا دیتے ہیں اور اس کے لئے اتنا مال خرچ کریں گے کہ تم بالکل تندرست ہو جاؤ گے۔ (یاد رکھو) کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن بھوت آدمی پر سوار ہو جاتا ہے اور اس کا علاج کروانا پڑتا ہے عتبہ اور بھی باتیں کرتا رہا جب باتیں ختم کر چکا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اچھا، اب ذرا میری بات بھی سن لو! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ فصلت (حم السجدہ) کی تلاوت شروع کی {حٰمٓ، تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ، }(41:1-3)(ترجمہ)"حٰم، یہ قرآن مجید رحمان ورحیم ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں یہ عربی زبان میں قرآن ان لوگوں کی ہدایت کے لئے ہے جو علم رکھتے ہیں...رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورہ فصلت کی آیات تلاوت فرمارہے تھے عتبہ چپ چاپ اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے ٹیک کر سنتا رہا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی آیت پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور فرمایا" ابوولید! میری بات تم نے سن لی؟" عتبہ نے کہا" ہاں! سن لی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اب تم جانو اور تمہارا کام" عتبہ اٹھا اور اہل مجلس کے پاس آیا مشرکین نے عتبہ کو دیکھ کر آپس میں کہا" ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابوولید ہمارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں ارہا جو لے کر گیا تھا۔" جب عتبہ آکر بیٹھ گیا تو لوگوں نے پوچھا" اے ابوولید! اُدھر کی خبر سناؤ" عتبہ نے کہا" اُدھر کی خبر یہ ہے کہ واللہ! میں نے ایسا کلام سنا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا واللہ! وہ کلام نہ شاعری ہے نہ کہانت، میری مانو تو اس آدمی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اسے کچھ نہ کہو، واللہ! اس کلام کے ذریعے کوئی زبردست معرکہ برپا ہو گا اگر اسے عربوں نے مار ڈالا تو تمہارا مقصد بدنامی مول لئے بغیر حاصل ہو جائے گا اور اگر یہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہو گی اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی اور تمہارے لئے اس کا وجود زیادہ باعث سعادت ہو گا۔" مشرکین نے کہا" ابوولید! واللہ تم پر بھی اس کی زبان کا جادو چل گیا ہے۔" عتبہ نے کہا" یہ میری رائے ہے اب تم جو چاہو کرو۔" یہ واقعہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بیان کیا ہے۔

قرآن مجید کی حلاوت اور شیرینی شہد اور گھی جیسی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلاً اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّيْ اَرٰى اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ ظُلَّةً تَنْطُفُ السَّمْنَ وَالْعَسَلَ فَاَرَى النَّاسَ يَتَكَفَّفُوْنَ مِنْهَا بِاَيْدِيْهِمْ فَالْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ! بِاَبِيْ اَنْتَ وَاللّٰهِ ! لَتَدَعَنِّيْ فَلَاَعْبُرَنَّهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَعْبُرْهَا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ اَمَّا الظُّلَّةُ فَظُلَّةُ الْاِسْلاَمِ وَاَمَّا الَّذِيْ يَنْطُفُ مِنَ السَّمْنِ وَالْعَسَلِ فَالْقُرْاٰنُ حَلاَوَتُهٗ وَلِيْنُهٗ وَاَمَّا يَتَكَفَّفُ النَّاسُ مِنْ ذٰلِكَ فَالْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْمُسْتَقِلُّ ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ [1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ بادل سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور لوگ اس سے اپنے ہاتھوں کے لپ میں لے رہے ہیں کوئی کم لیتا ہے اور کوئی زیادہ!" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان واللہ! مجھے اس خواب کی تعبیر بیان کرنے کی اجازت دیجئے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اچھا! بتاؤ۔" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا "بادل تو اسلام ہے اور بادل سے ٹپکنے والے گھی اور شہد سے مراد قرآن مجید کی حلاوت اور شیرینی ہے اور کم یا زیادہ حاصل کرنے سے مراد قرآن مجید کم یا زیادہ یاد کرنا ہے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو مشرکین مکہ کی عورتیں اور بچے سننے کے لئے ہجوم کر لیتے۔

وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر 282 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

[1] کتاب الرؤیا، باب فی تاویل الرؤیا، رقم الحدیث 5928.

فَضْلُ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ

قرآن مجید کے فضائل

قرآن مجید کے نزول کی رات (لیلۃ القدر) میں عبادت کا ثواب ہزار ماہ (یا 83 سال) کی عبادت کے ثواب سے زیادہ ہے۔

{إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ، وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ، لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ، } (197:1-3)

"بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے۔"

(سورہ القدر، آیت نمبر 1 تا 3)

مسئلہ 18: قرآن مجید کی تعلیم، تدریس، تبلیغ اور اس پر عمل جہاد کبیر ہے۔

{فَلَا تُطِعِ ٱلْكَٰفِرِينَ وَجَٰهِدْهُم بِهِۦ جِهَادًا كَبِيرًا ، } (52:25)

"(اے محمد) کافروں کی باتیں نہ مان اور اس قرآن کے ساتھ ان کے خلاف جہاد کر بڑا جہاد۔" (سورہ الفرقان، آیت نمبر 52)



اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت قرآن مجید ہے۔

{وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ} (231:2)

''اور یاد کرو اس نعمت کو جو اس نے تم کو عطا کی اور اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اس نے کتاب (یعنی قرآن) اور حکمت (یعنی حدیث) سے جو کچھ نازل کیا ہے اسے یاد رکھو۔'' (سورہ البقرہ، آیت نمبر 231)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ لا وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ. قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ. (10:57-58)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے وعظ (اور نصیحت یعنی قرآن مجید) آگیا۔ اس میں دلوں کی بیماری کے لئے شفا ہے اور جو اس پر ایمان لے آئیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اے نبی کہو، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہے کہ اس نے قرآن نازل فرمایا اس پر لوگوں کو خوشی منانی چاہئے قرآن مجید ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ اکٹھا کر رہے ہیں۔'' (سورہ یونس، آیت نمبر 57-58)

قرآن مجید کی آیات یا الفاظ میں ردوبدل قیامت تک ممکن نہیں۔

{اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.} (9:15)

''بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (سورہ الحجرات، آیت نمبر 9)

قرآن مجید کی سبع طوال سورتیں تورات کے برابر ہیں۔

قرآن مجید کی مئین سورتیں زبور کے برابر ہیں۔

قرآن مجید کی سورہ فاتحہ انجیل کے برابر ہے۔

قرآن مجید کی مفصل سورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائیں۔

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ((اُعْطِيْتُ مَكَانَ التَّوْرَاةِ السَّبْعَ الطِّوَالَ وَمَكَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئِيْنَ وَمَكَانَ الْاِنْجِيْلِ الْمَثَانِيْ وَفُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ)) رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَالطَّبْرَانِيُّ[1] (حسن)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"تورات کی جگہ مجھے سبع طوال سورتیں دی گئی ہیں،زبور کی جگہ مئین سورتیں دی گئی ہیں اور انجیل کی جگہ سورہ فاتحہ دی گئی ہے اور مفصل سورتیں (زائد دے کر) مجھے فضیلت عطا کی گئی ہے۔"اسے طحاوی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

وضاحت:1۔ سبع طوال سے مراددرج ذیل سات سورتیں ہیں:1.سورہ بقرہ۔2.سورہ آل عمران۔3.سورہ النساء،۔4.سورہ المائدہ۔5.سورہ الانعام ۔6.سورہ الاعراف۔7.سورہ الانفال

2 ۔مئین سے مراد وہ سورتیں ہیں جن کی آیات کی تعداد سو سے دو سو تک ہے۔ان میں سورہ یونس سے لے کر سورہ شعراء تک سورتیں شامل ہیں۔

3۔مثانی وہ سورتیں ہیں جن کی آیات کی تعداد سو سے کم ہے۔ان میں سورہ النمل سے لے کر سورہ الحجرات تک کی سورتیں شامل ہیں۔

4۔مفصل سورتوں میں سورہ قٓ سے لے کر سورہ الناس تک کی تمام سورتیں شامل ہیں،مفصل سورتیں،آیات کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہوں مضامین کے اعتبار سے مکمل ہیں،لہٰذا انہیں مفصل کہا گیا ہے۔

5۔مفصل سورتوں کو مزید درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:(الف)طوال مفصل:سورہ قٓ سے لے کر سورہ البروج تک(ب)اوساط مفصل: سورہ الطارق سے سورہ البینۃ تک۔(ج)قصار مفصل:سورہ الزلزال سے سورہ الناس تک۔

قیامت کے روز قرآن مجید اہل قرآن کی بخشش کے لئے سفارش کرے گا۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ:سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ((إِقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهٗ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهٖ))رَوَاهُ مُسْلِمٌ [2]

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے"قرآن پڑھا کرو،وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئے گا۔"اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

[1] سلسلہ احادیث الصحیحۃ،للالبانی،الجزء الثالث،رقم الحدیث1480.

[2]کتاب فضائل القرآن،باب فضل قرآۃ القرآن وسورہ البقرۃ،رقم الحدیث1874 .

قرآن مجید قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا اوراپنے پیروکاروں کو جنت میں لے کر جائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ وَمَا حِلٌّ مُّصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهُ اَمَامَهُ قَادَهُ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ سَاقَهُ اِلَى النَّارِ)) رَوَاهُ ابْنُ حَبَّانَ [1] (حسن)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”(قیامت کے روز) قرآن مجید سفارش کرے گا اوراس کی سفارش قبول کی جائے گی (پڑھنے والوں کے حق میں) جھگڑا کرے گا اور اپنی بات منوائے گا جس نے قرآن مجید کو اپنا پیشوا اور رہبر بنایا اسے جنت کی طرف لے جائے گا اور جس نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اسے جہنم میں لے جائے گا۔“ اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

قیامت کے روز قرآن مجید ان لوگوں کے حق میں گواہی دے گا جو اس پر عمل کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ نِ الْاَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ [2]

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”(قیامت کے روز) قرآن مجید تیرے حق میں گواہی دے گا یا تیرے خلاف گواہی دے گا۔“ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کا علم تمام علوم کا مجموعہ ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيُثَوِّرِ الْقُرْآنَ فَاِنَّ فِيْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ . رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ [3] (صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جو شخص علم حاصل کرنا چاہے اسے قرآن میں غور وفکر کرنا

[1] ابن حبان، جلد 1، ص 331.

[2] کتاب الطہارۃ باب فضل الوضوء، رقم الحدیث 534 .

[3] مجمع الزوائد، کتاب التفسیر، باب سورۃ الواقعۃ، رقم الحدیث 11667 .

چاہیئے اس لئے کہ قرآن مجید میں پہلے اور پچھلے تمام علوم موجود ہیں۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کفار اور مشرکین کے لئے بھی رحمت اور مغفرت کا پیغام ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ اُنَاسًا مِنْ اَهْلِ الشِّرْكِ كَانُوْا قَدْ قَتَلُوْا وَاَكْثَرُوْا وَزَنَوْا وَاَكْثَرُوْا فَاَتَوْا مُحَمَّدًا فَقَالُوْا: اِنَّ الَّذِيْ تَقُوْلُ وَتَدْعُوْا اِلَيْهِ لَحَسَنٌ لَوْ تُخْبِرُنَا اَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً فَنَزَلَ {وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ



الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلاَّ بِالْحَقِّ وَلاَ یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا. یُّضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا. اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ ط وَّ کَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا} (68:25-70) وَنَزَلَ {قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لاَ تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ} (53:39) . رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ [1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے بہت سے قتل کئے اور کثرت زنا کے مرتکب بھی ہوئے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں اور جس کی دعوت دیتے ہیں وہ تو بہت اچھی ہے، آپ ہمیں آگاہ فرمائیں کہ جو گناہ ہم نے (زمانہ جاہلیت میں) کئے ہیں وہ اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے ؟“ اس پر (سورہ فرقان کی) یہ آیت نازل ہوئی {وَالَّذِیْنَ لاَیَدْعُوْنَ...} ترجمہ ”اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے اور جس نے یہ کام کئے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا مگر جو شخص توبہ کرلے، ایمان لاکر عمل صالح کرنے لگے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ بڑا بخشنہار اور رحم فرمانے والا ہے۔“ (آیت نمبر 70-68) اور (سورہ الزمر کی) یہ آیت نازل ہوئی ”کہو، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرمادیتا ہے وہ بڑا بخشنہار اور رحم فرمانے والا ہے۔“ (آیت نمبر 53) اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب التفسیر، باب قولہ {یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم ...} رقم الحدیث 4810.

قرآن مجید کی پیروی کرنے والے ہمیشہ راہ راست پر رہیں گے۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اَلاَ وَاِنِّیْ تَارِكٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَحَدُھُمَا کِتٰبُ اللّٰہِ ھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ مَنِ اتَّبَعَہٗ کَانَ عَلَی الْھُدٰی وَمَنْ تَرَکَہٗ کَانَ عَلَی الضَّلاَلَۃِ)) رَوَاہُ مُسْلِمٌ [1]

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”آگاہ رہو میں تمہارے درمیان دو اہم چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے جو کہ اللہ کی رسی ہے جو اس کی پیروی کرے گا ہدایت پر رہے گا اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہ ہو گا۔“ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَھُمَا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ)) رَوَاہُ الْحَاکِمُ [2] (صحیح)



حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر ان پر عمل کروگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔" اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کو دنیا میں غلبہ اور عروج حاصل ہوگا۔

عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: اَمَا اِنَّ نَبِيَّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ قَالَ {اِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ} رَوَاهُ مُسْلِمٌ [3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آگاہ رہو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ بعض لوگوں کو غلبہ اور عروج عطا فرماتے ہیں اور بعض لوگوں کو ذلیل اور رسوا کرتے ہیں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا ہلاک ہوگا نہ گمراہ ہوگا۔

[1] کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی ابن ابی طالب، رقم الحدیث 6225.

[2] صحیح جامع الصغیر، للالبانی، الجزء الثالث، رقم الحدیث 2937 .

[3] کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقوم بالقرآن رقم الحدیث 1897 .

عَنْ جُبَيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا۔ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ [1] (صحیح)

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یقینا اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں۔ اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا، اسے تھامنے کے بعد کبھی ہلاک ہوگے نہ گمراہ ہوگے۔" اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید ابدی معجزہ ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ((مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ اِلَّا اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ اُوْتِيْتُ وَحْيًا اَوْحَاهُ اللهُ اِلَيَّ فَارْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرُهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام انبیاء کو ایسے معجزات دیئے گئے جنہیں دیکھ کر (اس زمانہ کے) لوگ ایمان لائے لیکن مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ قرآن ہے جو بذریعہ وحی دیا گیا (جس سے قیامت تک لوگ متاثر ہوتے رہیں گے لہٰذا) مجھی امید ہے کہ قیامت کے روز مجھ پر ایمان لانے والے تعداد میں سب سے زیادہ ہوں گے۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔



[1] صحیح الجامع الصغیر،للالبانی،الجزء الاول،رقم الحدیث 34.

[2] کتاب فضائل القرآن،باب کیف نزل الوحی .

فَضْلُ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ

تلاوت قرآن مجید کی فضیلت

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں انہیں درج ذیل پانچ فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

1 اس تجارت میں انہیں خسارہ نہیں ہوتا۔

2 وعدے کے مطابق انہیں پورا پورا اجر وثواب دیا جاتا ہے۔

3 اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے اجر وثواب میں اضافہ بھی فرماتے ہیں۔

4 ان کے گناہ بھی معاف کئے جاتے ہیں۔

5 ان کے دیگر نیک اعمال کی قدر کی جاتی ہے۔

{إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ . لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ} (35:29-30)

"جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کوئی خسارہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو بھرپور اجر عطا فرمائے گا، اپنے فضل سے ان کے اجر میں اضافہ بھی فرمائے گا، بے شک وہ بڑا بخشنہار اور قدر فرمانے والا ہے۔" (سورہ فاطر، آیت نمبر 29 تا 30)

قرآن مجید کی تلاوت سے سکون قلب اور سکینت حاصل ہوتی ہے۔

{أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ} (28:13)

”آگاہ رہو، اطمینان قلب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ملتا ہے۔“(سورہ الرعد، آیت نمبر 28)

عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُو وَتَدْنُو وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ ((تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ [1]

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک آدمی سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا اور اس کے پاس ایک گھوڑا دو رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ دوران تلاوت ایک بادل سا آیا اور اس نے گھوڑے کو ڈھانپ لیا اور وہ بادل آہستہ آہستہ اس کے قریب آنے لگا۔ گھوڑا اسے دیکھ کر بدکنے لگا جب صبح ہوئی تو وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ سکینت ہے جو تلاوت قرآن کی وجہ سے نازل ہوتی ہے۔“ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت دلوں کو سرور اور آنکھوں کو نور بخشتی ہے، مصائب وآلام، رنج وغم نیز بیماریوں اور پریشانیوں کو دور کرتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حَزَنٌ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجِلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ، إِلَّا أَذْهَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هَمَّهُ وَحُزْنَهُ أَبْدَلَهُ مَكَانَ حُزْنِهِ فَرَحًا)) قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! يَنْبَغِيْ لَنَا أَنْ نَتَعَلَّمَ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ؟ قَالَ ((أَجَلْ يَنْبَغِيْ لِمَنْ سَمِعَهُنَّ أَنْ يَتَعَلَّمَهُنَّ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ [2] (صحیح)

[1] کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ الکہف، رقم الحدیث 5011.

[2] مجمع الزوائد، تحقیق عبداللہ محمد الدرویش، کتاب الاذکار، باب مایقول اذا اصاب ہم . (17129 /10)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب بھی کسی آدمی کو دکھ اور غم پہنچے اور وہ یہ دعا مانگے ”یا اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور بندی کا بیٹا، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا ہر حکم مجھ پر نافذ ہونے والا ہے، میرے معاملہ میں تیرا ہر فیصلہ عدل پر مبنی ہے میں تجھ سے تیرے اس نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے خود اپنے لئے پسند فرمایا ہے یا اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب کے خزانے میں محفوظ فرما رکھا ہے کہ قرآن کو میرے دل کی بہار، سینے کا نور اور میرے دکھوں اور غموں کو دور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔“ (جب کوئی آدمی یہ دعا مانگے) تو اللہ عزوجل اس کا دکھ اور غم دور کر دیتے ہیں اور اس کے غم کو خوشی اور مسرت سے بدل دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم یہ دعا یاد کر لیں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”کیوں نہیں ہر سننے والے کو چاہئے کہ اسے یاد کر لے۔“ اسے احمد نے روایت کیا ہے۔



قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو ایک ایک حرف پڑھنے پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((مَنْ قَرَءَ حَرْفًا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ بِہٖ حَسَنَۃٌ وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا لاَ اَقُوْلُ: آلٓمٓ حَرْفٌ وَلٰکِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلاَمٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ)) رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ[1] (صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہے آلٓمٓ سے مراد ایک حرف نہیں بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔“ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا اور اس پر عمل کرنے والا سب سے بہتر مومن ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَثَلُ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَالْاُتْرُجَّۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ وَرِیْحُھَا طَیِّبٌ وَالَّذِیْ لاَ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَالتَّمْرَۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ وَلاَ رِیْحَ لَھَا

[1] ابواب فضائل القرآن باب ماجاء فی من قرء حرفا من القرآن 3/2327.

وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الرَّیْحَانَۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَطَعْمُھَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ لاَ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَۃِ طَعْمُھَا مُرٌّ وَلاَ رِیْحَ لَھَا ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ[1]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے مومن کی مثال میٹھے لیموں کی سی ہے اس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی ہے قرآن مجید کی تلاوت نہ کرنے والے مومن کی مثال کھجور کی سی ہے اس کا ذائقہ تو اچھا ہے لیکن خوشبو نہیں ہے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے گنہگار آدمی کی مثال ریحان کی سی ہے جس کی خوشبو اچھی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت نہ کرنے والے گنہگار کی مثال اندرائن (کڑوے پھل کا نام) کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی کڑوا ہے اور خوشبو بھی نہیں ہے۔“ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید پر عمل کرنے والا مومن قابل رشک ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ ((لاَ حَسَدَ اِلاَّ عَلَی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْکِتَابَ وَقَامَ بِہٖ آنَاءَ اللَّیْلِ وَرَجُلٌ اَعْطَاہُ اللّٰہُ مَالاً فَھُوَ یَتَصَدَّقُ بِہٖ آنَاءَ اللَّیْلِ وَآنَاءَ النَّھَارِ)) ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ[2]



حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے،وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو اور وہ راتوں کو بھی اس کی تلاوت کرتا اور اس پر عمل کرتا ہو اور وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ دن رات اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

بکثرت تلاوت کرنے والے پر رشک کرنے والا مومن بھی قابل رشک ہے۔

قاری قرآن پر رشک کرنا بھی قابل اجر وثواب ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ

[1]کتاب فضائل القرآن باب فضل القرآن علی سائر الکلام،رقم الحدیث 5020.

[2]کتاب فضائل القرآن،باب اغتباط صاحب القرآن رقم الحدیث 5025 .

الْقُرْآنَ فَهُوَ یَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّیْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ فَقَالَ: لَیْتَنِیْ اُوْتِیْتُ مِثْلَ مَا اُوْتِیَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا یَعْمَلُ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَهُوَ یُهْلِکُهُ فِی الْحَقِّ فَقَالَ رَجُلٌ لَیْتَنِیْ اُوْتِیْتُ مِثْلَ مَا اُوْتِیَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا یَعْمَلُ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے،وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا اور وہ اسے دن رات پڑھتا ہے اور اس کا پڑوسی سن کر کہتا ہے کاش! مجھے بھی قرآن مجید اسی طرح سکھایا گیا ہوتا جس طرح اسے سکھایا گیا ہے تو میں بھی ایسے ہی قرآن مجید کی تلاوت کرتا (وہ پڑوسی قابل رشک ہے) ؛ اسی طرح وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے راہ حق میں لٹاتا رہتا ہے اور اس کا ہمسایہ اسے دیکھ کر کہتا ہے کاش! میں بھی اسی طرح مال دیا گیا ہوتا جس طرح یہ دیا گیا ہے اور میں بھی اسی طرح راہ حق میں لٹاتا جس طرح یہ لٹا رہا ہے۔"(وہ ہمسایہ بھی قابل رشک ہے) اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

بسہولت قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا قیامت کے روز قرآن مجید لکھنے والے معزز فرشتوں کے ساتھ ہو گا۔

اٹک اٹک کر مشقت سے پڑھنے والے کو تلاوت کا دوہرا ثواب ملتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْکِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَ عَلَیْهِ شَاقٌّ لَهُ اَجْرَانِ) (رَوَاهُ مُسْلِمٌ[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قرآن مجید کی تلاوت میں مہارت رکھنے والا شخص لکھنے والے عزت دار فرشتوں کے ساتھ ہے اور وہ شخص جو تلاوت کرنے میں اٹکتا ہے اور تلاوت کرنے میں دقت محسوس کرتا ہے اس کے لئے دو اجر ہیں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔



وضاحت:1. قرآن کے ماہر سے مراد حافظ قرآن ہے۔واللہ اعلم بالصواب !

2 . مذکورہ حدیث میں اٹک اٹک کر پڑھنے والے کی ماہر قرآن سے فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ دوہرے اجر سے مراد عام آدمی کے ثواب سے دگنا ثواب مراد ہے۔واللہ اعلم بالصواب !

[1]کتاب فضائل القرآن باب اغتباط صاحب القرآن،رقم الحدیث5026.

[2]کتاب فضائل القرآن باب فضل الماہر بالقرآن،رقم الحدیث1862 .

قرآن مجید کی تلاوت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے چھوڑی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ مَرَّ بِسُوْقِ الْمَدِیْنَةِ فَوَقَفَ عَلَیْهَا فَقَالَ: یَا اَهْلَ السُّوْقِ مَا اَعْجَزَكُمْ ! قَالُوْا وَمَا ذَاكَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ؟ قَالَ ذَاكَ مِیْرَاثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یُقْسَمُ وَاَنْتُمْ هَاهُنَا اَلاَ تَذْهَبُوْنَ فَتَاْخُذُوْنَ نَصِیْبَكُمْ مِنْهُ قَالُوْا : وَاَیْنَ هُوَ قَالَ : فِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجُوْا سِرَاعًا وَوَقَفَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ لَهُمْ ، حَتّٰی رَجَعُوْا فَقَالَ لَهُمْ : مَا لَكُمْ ؟ فَقَالُوْا : یَا اَبَا هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَدْ اَتَیْنَا الْمَسْجِدَ فَدَخَلْنَا فِیْهِ فَلَمْ نَرَ فِیْهِ شَیْئًا یُقْسَمُ ! فَقَالَ لَهُمْ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ : وَمَا رَاَیْتُمْ فِی الْمَسْجِدِ اَحَدًا ؟ قَالُوْا : بَلٰی رَاَیْنَا قَوْمًا یُصَلُّوْنَ وَقَوْمًا یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ وَقَوْمًا یَتَذَاكَرُوْنَ الْحَلاَلَ وَالْحَرَامَ فَقَالَ لَهُمْ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ وَیْحَكُمْ فَذَاكَ مِیْرَاثُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ[1] (حسن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدینہ کے بازار سے گزرے تو ٹھہر گئے اور لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا"اے بازار والو! تمہیں کس چیز نے روک رکھا ہے؟"لوگوں نے عرض کیا"کیا بات ہے اے ابوہریرہ؟"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا"وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم یہاں بیٹھے ہو وہاں کیوں نہیں جاتے اور اپنا حصہ وصول کیوں نہیں کرتے؟"لوگوں نے پوچھا"میراث کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا"مسجد میں۔"لوگ جلدی سے دوڑ کر مسجد کی طرف گئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہیں کھڑے رہے حتی کہ لوگ مسجد سے پلٹ کر واپس آگئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا"کیا ہوا تم واپس کیوں اگئے؟"لوگوں نے جواب دیا"ہم مسجد میں گئے اور وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتی نہیں دیکھی (لہٰذا ہم واپس آگئے)حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا"مسجد میں تم نے کسی کو نہیں دیکھا؟"لوگوں نے عرض کیا"کیوں نہیں!ہم نے بعض لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا ہے کچھ لوگ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور بعض لوگ حلال،حرام کے مسئلے بیان کر رہے تھے۔"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا"افسوس!تمہارے حال پر،یہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔"اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

[1]الترغیب والترہیب لمحی الدین الدیب الجزء الاول رقم الحدیث 138.

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں درج ذیل چار نعمتوں سے نوازتے ہیں۔

1 ان پر سکینت نازل کی جاتی ہے۔

2 اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرماتے ہیں۔

3 فرشتے ان کے گرد وپیش آکر احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔

4 اللہ تعالیٰ ان کا ذکرِ خیر'فخریہ طور پر فرشتوں کے سامنے کرتے ہیں۔

وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر 94 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

تلاوت قرآن قاری کے لئے آسمان پر راحت اور زمین پر ذکرِ خیر کا باعث بنتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اُوْصِیْكَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ رَاْسُ كُلِّ شَیْئٍ وَعَلَیْكَ بِالْجِهَادِ فَاِنَّہٗ رَهْبَانِیَّةُ الْاِسْلاَمِ وَعَلَیْكَ بِذِكْرِ اللّٰہِ وَتِلاَوَةِ الْقُرْآنِ فَاِنَّہٗ رَوْحُكَ فِی السَّمَاءِ وَذِكْرُكَ فِی الْاَرْضِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ[1] (حسن)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"میں تجھے تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہوں وہ ہر چیز کی بنیاد ہے اور جہاد کرنا اسلام کی رہبانیت ہے۔اللہ کا ذکر اور تلاوت قرآن کرتا رہ کیونکہ وہ تیرے لئے آسمان پر راحت اور زمین پر ذکر خیر کا باعث ہے۔"اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا کرتی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَلْیَقْرَاْ فِی الْمُصْحَفِ۔ رَوَاهُ اَبُوْ نَعِیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ[2] (حسن)

[1]سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی الجزء الثانی رقم الحدیث 555.

[2]سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی الجزء الخامس رقم الحدیث 2342 .

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنا چاہے اسے قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہئے۔" اسے ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت کی تلاوت دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت سے زیادہ قیمتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اَیُحِبُّ اَحَدُ کُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰی اَهْلِهٖ اَنْ یَجِدَ فِیْهِ ثَلاَثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ؟)) قُلْنَا: نَعَمْ قَالَ: ((فَثَلاَثُ آیَاتٍ یَقْرَءُ بِهِنَّ اَحَدُ کُمْ فِیْ صَلاَتِهٖ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلاَثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ)) ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ جب اپنے گھر واپس جائے تو تین موٹی موٹی خوب صحت مند اونٹنیاں پائے؟" ہم نے عرض کیا "ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" قرآن مجید کی تین آیتوں کی اپنی نماز میں تلاوت کرنا ان تین اونٹنیوں سے بھی بہتر ہے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

نماز تہجد میں قرآن مجید کی دس آیات پڑھنے کا اجر وثواب دنیا و مافیہا کی ہر نعمت سے زیادہ ہے۔

عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ رضی اللہ عنہ وَتَمِیْمِ الدَّارِیِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ قَرَءَ عَشْرَ آیَاتٍ فِیْ لَیْلَةٍ کُتِبَ لَهٗ قِنْطَارٌ مِنَ الْاَجْرِ وَالْقِنْطَارُ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا فَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ یَقُوْلُ رَبُّكَ عَزَّوَجَلَّ اِقْرَءْ وَارْقَ بِکُلِّ آیَةٍ دَرَجَةً حَتّٰی یَنْتَهِیَ اٰخِرَ اٰیَةٍ مَعَهٗ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لِلْعَبْدِ اِقْبِضْ فَیَقُوْلُ الْعَبْدُ بِیَدِهٖ یَارَبِّ اَنْتَ اَعْلَمُ یَقُوْلُ بِهٰذِهٖ الْخُلْدِ وَبِهٰذِهِ النَّعِیْمِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ [2] (حسن)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"جس آدمی نے رات (کے قیام) میں دس آیات تلاوت کیں اس کے لئے اجر کا ڈھیر ہے اور یہ ڈھیر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور پھر جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ عزوجل فرمائیں گے " قرآن مجید اور ہر آیت کے بدلے میں ایک درجہ چڑھتا جا حتیٰ کہ آخری آیت مکمل کرلے۔" اللہ عزوجل بندے سے فرمائیں گے "اپنا ہاتھ (میری نعمت) پکڑنے کے لئے کھول۔" بندہ ہاتھ کھول کر عرض کرے گا" اے میرے رب! (اب اپنی عطا اور فضل کے بارے میں) تو ہی بہتر

جانتا ہے۔" اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے "اچھا! ایک ہاتھ میں ہیشگی کی نعمت پکڑ لو اور دوسرے ہاتھ میں باقی ساری نعمتیں۔" اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب الصلاۃ، صلوۃ المسافرین، باب فضل القراءۃ القرآن فی صلاتہ، رقم الحدیث 1872.

[2] الترغیب والترہیب للالبانی الجزء الاول رقم الحدیث 634 .

رات کو سو آیات پڑھنے والے کو پوری رات قیام کا ثواب ملتا ہے۔

عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَءَ بِمِائَةِ آيَةٍ فِيْ لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهٗ قُنُوْتُ لَيْلَةٍ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ [1] (حسن)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے رات کو سو آیات پڑھیں اس کے لئے ساری رات کے قیام کا ثواب لکھا جاتا ہے۔" اسے دارمی نے روایت کیا ہے۔

روزانہ دس آیات تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں غافلوں میں شمار نہیں ہوتا۔

روزانہ سو آیات تلاوت کرنے والا فرماں برداروں میں شمار ہوتا ہے۔

روزانہ ہزار آیات تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کا خزانہ پانے والوں میں شمار ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ، وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ، وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ)) . رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ [2] (صحیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے (روزانہ) دس آیات کا اہتمام کیا وہ غافلوں میں سے نہیں لکھا جائے گا، جس نے (روزانہ) سو آیات پڑھنے کا اہتمام کیا اسے فرمانبرداروں میں لکھا جائے گا اور جس نے (روزانہ) ہزار آیات پڑھنے کا اہتمام کیا اس کا نام خزانہ پانے والوں میں لکھا جائے گا۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی الجزء الثانی رقم الحدیث 644.

[2] کتاب الصلاۃ، ابواب قراءۃ القرآن و تحزیبہ باب تحزیب القرآن . (1/1246)

قرآن مجید کی تلاوت اور تفہیم قبر میں منکر، نکیر کے سوال و جواب میں کامیابی کا باعث بنتی ہے۔



عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ. فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ قَالَ فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. فَيَقُوْلَانِ: وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَآمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ[1] (صحیح)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"قبر میں (مومن آدمی کے پاس) دو فرشتے آتے ہیں وہ اسے بٹھا دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں "تیرا رب کون ہے؟" وہ کہتا ہے "میرا رب اللہ ہے۔" پھر وہ پوچھتے ہیں "تیرا دین کون سا ہے؟" وہ کہتا ہے "میرا دین اسلام ہے۔" پھر وہ پوچھتے ہیں "تمہارے درمیان جو شخص (نبی بناکر) بھیجا گیا اس کے بارے میں تمہارا صلی اللہ علیہ وسلم کیا خیال ہے؟" وہ جواب دیتا ہے "وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔" فرشتے پوچھتے ہیں "تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" وہ آدمی کہتا ہے "میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت قبر میں میت کو عذاب سے محفوظ رکھتی ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((يُؤْتَى الرَّجُلُ فِيْ قَبْرِهٖ فَإِذَا أُتِيَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ دَفَعَتْهُ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ وَإِذَا أُتِيَ مِنْ قِبَلِ يَدَيْهِ دَفَعَتْهُ الصَّدَقَةُ وَإِذَا أُتِيَ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ دَفَعَتْهُ مَشْيُهٗ إِلَى الْمَسَاجِدِ)) رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ[2] (حسن)

[1] کتاب السنۃ، باب فی المسئلۃ فی القبر وعذاب القبر، رقم الحدیث. (3/3979)

[2] کتاب الجنۃ وصفتہ، باب عرض مقعد علی المیت من الجنۃ والنار علیہ و ....

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"" آدمی جب قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو فرشتہ سر کی طرف سے عذاب دینے کے لئے آتا ہے تو تلاوت قرآن اسے دور کر دیتی ہے جب فرشتہ سامنے سے آتا ہے تو صدقہ خیرات اسے دور کر دیتے ہیں اور جب پاؤں کی طرف سے فرشتہ آتا ہے تو مسجد کی طرف چل کر جانا اسے دور کر دیتا ہے۔" اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کرنے والے کی جنت میں تاج پوشی کی جائے گی۔

وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر 133 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔



آدَابُ تِلاَوَةِ الْقُرآنِ الْمَجِيْدِ

تلاوت قرآن مجید کے آداب

قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا واجب ہے۔

{فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ} (98:16)

''اور قرآن پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔''(سورۃ النحل، آیت 98)

قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر آرام اور سکون سے پڑھنا چاہیے۔

{وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً ،} (4:73)

''اور قرآن مجید خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔''(سورہ مزمل، آیت نمبر 4)

دوران تلاوت آنسو بہانا مستحب ہے۔

{وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ،} (109:17)

''(اور علم والے جب یہ قرآن سنتے ہیں تو) منہ کے بل روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں اور اس سے ان کے خشوع میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے۔''
(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 109)

دوران تلاوت ایک ہی آیت بار بار دہرانا جائز ہے۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِاٰيَةٍ حَتّٰى اَصْبَحَ يُرَدِّدُهَا وَالْاٰيَةُ {اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ} ۔رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ[1] (حسن)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل میں ایک ہی آیت کو صبح تک دہراتے رہے وہ آیت یہ ہے {اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ} ترجمہ: ''یا اللہ! اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں معاف فرمادے تو تو یقیناً زبردست حکمت والا ہے۔''(سورہ مائدہ، آیت نمبر 118) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب إقامة الصلوٰت، باب ماجاء في القراءة في صلاة الليل، رقم الحديث 1/1110.



قرآن مجید کو اچھی آواز سے پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ : ((مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْآنِ)) ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے نبی کا خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنا سنتا ہے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَیِّنُوْا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ)) ۔ رَوَاهُ النِّسَائِیُّ [2] (صحیح)

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی آواز سے قرآن مجید (کی تلاوت کو) خوب صورت بناؤ۔" اسے نسائی نے روایت کیا ہے۔

سواری پر تلاوت کرنا جائز ہے۔

تکلف کے بغیر قدرتی لہجے میں تلاوت کرنی چاہیے۔

جو شخص دوران تلاوت ترجیع (آواز میں لرزش پیدا کرنا) کر سکے اسے ترجیع کے ساتھ تلاوت کرنی چاہیے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَقْرَأُ وَهُوَ عَلٰی نَاقَتِهٖ اَوْ جَمَلِهٖ وَهِیَ تَسِیْرُ بِهٖ وَهُوَ یَقْرَأُ سُوْرَةِ الْفَتْحِ اَوْ مِنْ سُوْرَةِ الْفَتْحِ قِرَأَةً لَیِّنَةً یَقْرَأُ وَهُوَ یُرَجِّعُ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ [3]

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اونٹنی یا اپنے اونٹ پر سواری کے دوران سورہ الفتح یا سورہ الفتح میں سے کچھ پڑھتے ہوئے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرمی کے ساتھ قراءت کر رہے تھے اور آواز کو دہرا رہے تھے۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب فضائل القرآن باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، رقم الحدیث 1845.

[2] کتاب الافتتاح، باب تزیین القرآن 1/971 .

[3] کتاب فضائل القرآن باب الترجیع، رقم الحدیث 5047 .

آہستہ آہستہ یا دل میں قرآن مجید پڑھنا اونچی آواز میں قرآن پڑھنے سے بہتر ہے۔



عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ)) ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ[1] (صحیح)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے اونچی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا ایسا ہے جیسے علانیہ خرچ کرنے والا اور آہستہ قرآن پڑھنے والا ایسا ہے جیسے خفیہ خرچ کرنے والا۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

مسجد میں بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت اتنی آواز سے کرنی چاہئے جس سے دوسرے لوگوں کو خلل نہ پڑے۔

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلاَ إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلاَ يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلاَ يَرْفَعَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فِي الْقِرَاءَةِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ[2] (صحیح)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خبر دار رہو! تم میں سے ہر ایک (تلاوت کے ذریعے) اپنے رب کے حضور فریاد کرتا ہے لہٰذا تم میں سے کوئی دوسرے کو تکلیف نہ دے اور قراءت میں اپنی آواز دوسرے کی آواز سے اونچی نہ کرے۔" اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

دوران تلاوت قاری پر خشیت اور رقت طاری رہنی چاہئے۔

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ صَوْتًا بِالْقُرْآنِ الَّذِيْ إِذَا سَمِعْتُمُوْهُ يَقْرَأُ حَسِبْتُمُوْهُ يَخْشَى اللّٰهَ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ[3] (صحیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن مجید کی تلاوت اچھی آواز میں پڑھنے والا شخص وہ ہے جسے تم سنو تو ایسے لگے جیسے وہ اللہ سے ڈر رہا ہے۔" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

[1] ابواب فضائل القرآن باب من قرأ القرآن فليسأل اللّٰہ به، باب رقم 20، رقم الحدیث 3/2331.

[2] صحیح الجامع الصغیر، للالبانی، الجزء الثانی، رقم الحدیث 2636 .

[3] کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب فی حسن القنوت بالقرآن . (1/1101)

دوران تلاوت خوف کی آیت پر اللہ تعالی سے پناہ مانگنا، رحمت کی آیت پر اللہ تعالی سے رحمت کا سوال کرنا اور تسبیح والی آیات پر اللہ تعالی کی پاکیزگی بیان کرنا مستحب ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ إِذَا مَرَّ بِآيَةِ خَوْفٍ تَعَوَّذَ وَإِذَا مَرَّ بِآيَةِ رَحْمَةٍ سَأَلَ وَإِذَا مَرَّ فِيْهَا تَنْزِيْهُ اللّٰهِ سَبَّحَ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ[1] (صحیح)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دوران تلاوت) جب خوف کی آیت سے گزرتے تو (اَعُوْذُ بِاللّٰہ کہہ کر) اللہ سے پناہ طلب کرتے جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کی آیت سے گزرتے تو (اَسْئَلُ اللّٰہَ کہہ کر) اللہ کی رحمت کا سوال کرتے اور جب اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی والی آیت سے گزرتے تو (سُبْحَانَ اللّٰہِ کہہ کر) اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان فرماتے۔" اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: مسلم شریف کی حدیث میں مذکورہ عمل دوران نماز بھی ثابت ہے۔

"شد" اور "مد" والے حروف کو لمبا کر کے پڑھنا چاہئے۔

عَنْ قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ عَنْ اَنَسٌ رضی اللہ عنہ کَیْفَ کَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ؟ فَقَالَ کَانَتْ مَدًّا ثُمَّ قَرَءَ {بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ} یَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَیَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَیَمُدُّ بِالرَّحِیْمِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[2]

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھینچ کر تلاوت کرتے تھے پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا جس میں بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھا، رحمن اور رحیم کو کھینچ کر پڑھا۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

دوران تلاوت جمائی آئے تو تلاوت روک کر اپنے ہاتھ سے منہ بند کر کے جمائی لینا چاہئے۔ جمائی ختم ہونے کے بعد پھر تلاوت کرنی چاہئے۔

عَنْ اَبِيْ سَعِیْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا تَثَاوَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِكْ

[1] صحیح جامع الصغیر، للالبانی، الجزء الرابع، رقم الحدیث 4658.

[2] کتاب فضائل القرآن باب مد القراۃ، رقم الحدیث 5045 .

بِیَدِهٖ عَلٰی فِیْهِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ[1]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنا چاہئے کیوں کہ اس وقت شیطان اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم عام ہے جس میں تلاوت قرآن بھی شامل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب !

دوران تلاوت چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا، یا چھینک لینے والے کے لئے یرحمک اللہ کہنا، یا سلام کہنے والے کو جواب دینا جائز ہے۔

عَنْ رِفَاعَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ عَمِّ اَبِیْهِ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْهِ مُبَارَکًا عَلَیْهِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی فَلَمَّا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنْصَرَفَ فَقَالَ ((مَنِ الْمُتَکَلِّمُ فِي الصَّلاَةِ)) فَلَمْ یَتَکَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِیَةَ ((مَنِ الْمُتَکَلِّمُ فِي الصَّلاَةِ)) فَلَمْ یَتَکَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ ((



مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ؟)) فَقَالَ رِفَاعَةُ رضی اللہ عنہ أَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((كَيْفَ قُلْتَ؟)) قَالَ قُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَثَلَاثُوْنَ مَلَكًا أَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ[2] (حسن)

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی دوران نماز مجھے چھینک آئی تو میں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى (ترجمہ: "حمد اللہ کے لئے ہے بہت زیادہ حمد، پاکیزہ حمد جس کے اندر برکت ہے اتنی حمد جسے ہمارا رب پسند فرمائے اور جس سے وہ راضی ہو جائے") پڑھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی اور لوگوں کی طرف منہ پھیرا تو پوچھا "دوران نماز کس نے بات کی تھی؟" کسی نے جواب نہ دیا دوسری بار پھر پوچھا پھر کسی نے جواب نہیں دیا۔ تیسری بار پوچھا تو حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "میں نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "کیا کہا تھا؟" رفاعہ رضی اللہ عنہ نے پھر وہی کلمات دہرائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تیس سے زائد فرشتے تیزی سے آگے بڑھے کہ کون یہ کلمات آسمان پر لے جاتا ہے۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب الزہد باب تشمیت العاطس وکراہۃ التثاؤب، رقم الحدیث 7492.

[2] ابواب الصلاۃ باب ماجاء فی الرجل یعطس فی الصلاۃ، رقم الحدیث 1/ 331 .

چلتے پھرتے یا دورانِ سفر قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے۔

وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر 64 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن مجید کی تلاوت اس وقت تک کرنی چاہئے جب تک شوق اور رغبت رہے۔

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوْبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ)) ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[1]

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن مجید کی تلاوت اس وقت تک کرو جب تک تمہارے دل اس میں لگے رہیں جب دل اکتا جائے تو چھوڑ دو۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تین دن سے کم مدت میں قرآن مجید ختم کرنا درست نہیں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلاَثٍ)) ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ[2] (صحیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"جس نے قرآن مجید کو تین دن سے کم میں ختم کیا اس نے قرآن کو نہیں سمجھا۔"اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

چالیس دنوں میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا مستحب ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهٗ ((اِقْرَأْ الْقُرْآنَ فِيْ اَرْبَعِيْنَ)) ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ[3] (صحیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"قرآن مجید چالیس دنوں میں پڑھو۔"اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

[1]کتاب فضائل القرآن باب اقرواالقرآن ماائتلفت قلوبکم، رقم الحدیث 5060.

[2]ابواب القراءت باب فی کم اقرأ القرآن، باب رقم 4، رقم الحدیث . (3/3129)

[3]ابواب القراءات، باب ماجاء ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف . (3/2349)

پاک آدمی وضو کے بغیر قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهِيَ خَالَتُهُ فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَهْلُهٗ فِيْ طُوْلِهَا فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ اَوْ قَبْلَهٗ بِقَلِيْلٍ اَوْ بَعْدَهٗ بِقَلِيْلٍ اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَرَءَ الْعَشْرَ الْاٰيَاتِ الْخَوَاتِيْمَ مِنْ سُوْرَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ اِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزاری حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بستر کی چوڑائی کی سمت لیٹا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ رضی اللہ عنہا بستر کی لمبائی کی سمت میں سوئے کم و بیش آدھی رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے آنکھیں ملنے لگے پھر سورہ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں پھر اٹھے اور پانی کے معلق مشکیزہ کے پاس تشریف لائے اچھی طرح وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے



ہو گئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں بھی اٹھا اور وہی کچھ کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔"(یعنی بیدار ہو کر سورہ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت کیں وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا) اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

حائضہ خاتون دستانے پہن کر یا کپڑے سے قرآن مجید پکڑ سکتی ہے۔

كَانَ اَبُوْ وَائِلٍ رضی اللہ عنہ يُرْسِلُ خَادِمَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ اِلَى اَبِي رَزِيْنٍ لِتَأْتِيَهٗ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهٗ بِعِلاَقَتِهٖ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[2]

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ حائضہ خادمہ کو ابورزین رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن مجید لانے کے لئے بھیجتے اور وہ قرآن مجید کا نیفہ پکڑ کر لا دیتیں تھیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب الوضوء باب قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ، رقم الحدیث 183.

[2] کتاب الحیض باب قرأۃ الرجل فی حجر امراتہ وہی حائض .

حالت جنابت میں قرآن مجید پڑھنا یا پڑھانا منع ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے لئے کوئی وقت ممنوع نہیں ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ عَلَى كُلِّ حَالٍ مَا لَمْ يَكُنْ جُنُبًا ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ[1] (صحیح)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت کے علاوہ ہر حال میں ہمیں قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کو گانوں کے انداز میں پڑھنا منع ہے۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ سِتًّا اِمَارَةَ السُّفَهَاءِ وَسَفَكَ الدَّمِ وَبَيْعَ الْحُكْمِ وَقَطِيْعَةَ الرَّحِمِ وَنَشْوَةً يَتَّخِذُوْنَ الْقُرْآنَ مَزَامِيْرَ وَكَثْرَتِ الشُّرَطِ)) ۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ[2] (صحیح)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہارے بارے میں چھ باتوں سے ڈرتا ہوں، بیوقوفوں کی حکومت سے، خون ریزی سے، حکم کی بیع سے، قطع رحمی سے، نوجوانوں کا قرآن مجید کو گانے کے انداز میں پڑھنے سے اور، پولیس کی کثرت سے۔" اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: حکم کی بیع سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کی خرید و فروخت ہے اور پولیس کی کثرت سے مراد آمرانہ اور استبدادی حکومتیں ہیں۔

فَضْلُ تَعَلُّمِ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ

قرآن مجید سیکھنے کی فضیلت

قرآن مجید کا علم سیکھنے والا شخص دوسرے تمام علوم سیکھنے والے لوگوں سے افضل ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: قرآن مجید سیکھنے سے مراد اس کے تمام علوم ہیں۔ قراءت، تجوید، ترجمہ، تفسیر اور تحفیظ وغیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب !

قرآن مجید کا علم سیکھنے کے لئے جو شخص گھر سے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص علم دین سیکھنے کے لئے سفر کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب فضائل القرآن باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ، رقم الحدیث 5027.

[2] کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، رقم الحدیث 6853.



قرآن مجید سیکھنے والے کو اللہ تعالیٰ درج ذیل چار نعمتوں سے نوازتے ہیں۔

1 ان پر سکینت نازل کی جاتی ہے۔

2 ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ فگن ہوتی ہے۔

3 فرشتے ان کے گرد وپیش احتراماً کھڑے رہتے ہیں۔

4 اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فخریہ طور پر فرشتوں کے سامنے کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُوْنَہٗ بَیْنَهُمْ اِلاَّ نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّكِیْنَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلاَئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ وَمَنْ بَطَّأَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا”جب کچھ لوگ اللہ کے گھر (مسجد) میں جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان کے پاس کرتے ہیں جو اس کے پاس ہیں (یعنی فرشتے) اور (یاد رکھو!) جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا اس کا نسب اس کو آگے نہیں کر سکے گا۔“اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کا علم حاصل کرنے والوں سے فرشتے محبت کرتے ہیں۔

عَنْ صَفْوَانَ بِنْ عَسَّالٍ الْمُرَادِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ مُتَّكِیءٌ عَلٰی بُرْدٍ لَہٗ اَحْمَرَ فَقُلْتُ لَہٗ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم : اِنِّیْ جِئْتُ اَطْلُبُ الْعِلْمَ فَقَالَ: ((مَرْحَبًا بِطَالِبِ الْعِلْمِ اِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ لَتَحُفُّہٗ الْمَلاَئِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا ثُمَّ یَرْكَبُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰی یَبْلُغُوْا السَّمَاءَ الدُّنْیَا مِنْ مَحَبَّتِهِمْ لِمَا یَطْلُبُ)) ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِیُّ [2] **(حسن)**

حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک سرخ تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے میں نے عرض کیا”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔“آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا”مبارک ہو طالب علم کو، طالب علم کو فرشتے اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں پھر وہ ایک دوسرے پر سوار ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں فرشتے طالب علم سے محبت اس لئے کرتے ہیں کہ جو علم، طالب علم حاصل کرتا ہے فرشتے اس علم سے محبت کرتے ہیں۔“اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب الذکر والدعاء باب فضل اجتماع علی تلاوۃ القرآن، رقم الحدیث 6853.

[2] الترغیب والترہیب لمحی الدین الدیب الجزء الاول رقم الحدیث 108 .

قرآن مجید سیکھنے کے لئے مسجد (یا مدرسہ) جانے والے کو ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ لاَ یُرِیْدُ اِلاَّ اَنْ یَّتَعَلَّمَ خَیْرًا اَوْ یُعَلِّمَہُ کَانَ لَہُ کَاَجْرِ حَاجٍّ تَامًّا حَجَّتُہُ)) ۔ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ[1] (صحیح)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص صرف اس لئے مسجد گیا تا کہ نیکی سیکھے یا نیکی سکھائے اس کے لئے ایک مکمل حج کا ثواب ہے۔“ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی دس آیات سیکھنا دنیا کے ہر نفع بخش سودے سے زیادہ نفع بخش ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلاً اَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِشْتَرَیْتُ مَقْسِمَ بَنِیْ فُلاَنٍ فَرَبَحْتُ فِیْہِ کَذَا وَ کَذَا قَالَ: ((اَلاَ اُنَبِّئُکَ بِمَا ھُوَ اَکْثَرُ رِبْحًا ؟)) قَالَ وَھَلْ یُوْجَدُ ؟ قَالَ: ((رَجُلٌ تَعَلَّمَ عَشْرَ آیَاتٍ)) فَذَھَبَ الرَّجُلُ فَتَعَلَّمَ عَشْرَ آیَاتٍ فَاَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَخْبَرَہٗ ۔ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ[2] (صحیح)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے فلاں قبیلے سے سودا خریدا ہے اور اس میں مجھے اتنا زیادہ فائدہ ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”کیا میں تجھے اس سے زیادہ نفع بخش سودا نہ بتاؤں؟“ آدمی نے عرض کیا ”کیا ایسا سودا بھی ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جو شخص قرآن مجید کی دس آیات سیکھتا ہے وہ اس سے زیادہ نفع پاتا ہے۔“ وہ آدمی گیا اور قرآن مجید کی دس آیات سیکھیں اور واپس آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

[1] الترغیب والترہیب لمحی الدین الدیب الجزء الاول رقم الحدیث 145.

[2] مجمع الزوائد تحقیق عبد اللہ محمد الدرویش کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ الواقعہ رقم الحدیث 11165 .

قرآن مجید کا علم سیکھنے والے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کا علم سیکھنے کی وصیت فرمائی ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((سَیَاْتِیْکُمْ اَقْوَامٌ یَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْھُمْ فَقُوْلُوْا لَھُمْ مَرْحَبًا مَرْحَبًا بِوَصِیَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاقْنُوْھُمْ)) ۔ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ[1] (حسن)



حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"تمہارے پاس لوگ علم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے جب انہیں دیکھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کرنے کی مبارک دینا اور انہیں تلقین کرنا (یعنی علم سکھانا)۔"اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید سیکھنے والوں کی وجہ سے ہی دنیا میں خیر وبرکت ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ یَقُوْلُ ((اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ، مَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلاَّ ذِكْرَ اللّٰهِ، وَمَا وَالاَهُ، اَوْ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ [2] (حسن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور جس سے وہ محبت کرے یا علم سیکھنے والے یا عالم کے۔"اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کا علم حاصل کرنا دوسری تمام عبادات سے افضل ہے۔

عَنْ حُذَیْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَضْلُ الْعِلْمِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ فَضْلِ الْعِبَادَةِ وَخَیْرُ دِیْنِكُمُ الْوَرَعُ۔ رَوَاهُ الْبَزَّارُ [3] (صحیح)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"مجھے علم کی کثرت، عبادت کی کثرت سے زیادہ عزیز ہے اور تم میں سے بہتر دین اس کا ہے جس میں پرہیز گاری ہے۔ اسے بزار نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب السنۃ باب الوصاۃ بطلبۃ العلم، رقم الحدیث .(1/201)

[2] صحیح سنن ابن ماجہ للالبانی ابواب الزہد باب مثل الدنیا . (2/3320)

[3] صحیح الجامع الصغیر، للالبانی، الجزء الرابع، رقم الحدیث 4090 .

قرآن مجید کا علم سیکھنے والوں کے لئے فرشتے اپنے پر پھیلاتے ہیں۔

قرآن مجید کا علم سیکھنے والوں کے لئے زمین وآسمان کی ہر چیز استغفار کرتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ دَرْدَاءٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ ((مَنْ سَلَكَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلاَئِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ یَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ حَتّٰی الْحِیْتَانِ فِی الْمَاءِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ [1] (صحیح)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص علم کی خاطر سفر طے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے فرشتے طالب علم سے خوش ہو کر اپنے پر (اس کے قدموں کے نیچے) بچھاتے ہیں۔ طالب علم کے لئے زمین وآسمان کی ہر چیز حتی کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کا علم سیکھنے کے لئے گھر سے نکلنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔

وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر 111 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن مجید کا علم سیکھنے والے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔

وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر 110 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن مجید کا علم حاصل کرنے والا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے اپنا حصہ پاتا ہے۔

وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر 46 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

[1] کتاب السنۃ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث. (1/182)



فَضْلُ تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ

قرآن مجید سکھانے کی فضیلت

قرآن مجید کا علم سکھانے والا شخص دیگر تمام علوم سکھانے والوں سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

قرآن پاک کا علم سکھانے والے انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔

عَنْ اَبِيْ دَرْدَاءٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: اِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ. اِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ[2] (صحیح)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی چاند کو ستاروں پر، علماء، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، انبیاء علیہم السلام دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ علم کی وراثت چھوڑتے ہیں پس جس نے (جتنا) علم حاصل کیا اس نے اتنا ہی انبیاء علیہم السلام کی وراثت سے زیادہ حصہ پایا۔" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب فضائل القرآن باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ، رقم الحدیث 5027.

[2] کتاب السنۃ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث . (1/182)

قرآن مجید سکھانے والے کو اللہ تعالیٰ درج ذیل چار نعمتوں سے نوازتے ہیں۔

1 ان پر سکینت نازل کی جاتی ہے۔

2 اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرماتے ہیں۔

3 فرشتے ان کے گرد و پیش احتراماً کھڑے رہتے ہیں۔

4 اللہ تعالیٰ ان کا ذکرِ خیر فخریہ طور پر فرشتوں کے سامنے کرتے ہیں۔



وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر 94 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن مجید کا علم سکھانے والے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اِنَّ لِلّٰہِ اَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ)) قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم! مَنْ هُمْ؟ قَالَ ((هُمْ اَهْلُ الْقُرْآنِ اَهْلُ اللّٰہِ وَخَاصَّتُهٗ)) . رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ[1] (صحیح)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگوں میں سے کچھ لوگ اللہ والے ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''وہ ہیں قرآن والے، اللہ والے اور اس کے چنے ہوئے بندے۔'' اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کا علم سکھانے والوں کا درجہ مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: ((مَنْ جَاءَ مَسْجِدِيْ هٰذَا لَمْ يَاْتِهٖ اِلاَّ لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهٗ اَوْ يُعَلِّمُهٗ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰہِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلٰى مَتَاعِ غَيْرِهٖ)) . رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ[2] (صحیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے ''جو شخص بھلائی سیکھنے یا سکھانے کی غرض سے میری اس مسجد میں آئے اس کا درجہ مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے اور جو شخص اس کے علاوہ کسی دوسرے (دنیاوی) مقصد کے لئے آئے اس کی مثال اس شخص کی ہے جس کی نظر دوسرے کے مال پر ہو۔'' اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب السنۃ باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ، رقم الحدیث. (1/178)

[2] کتاب السنۃ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث . (1/186)

قرآن سکھانے والے پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

قرآن سکھانے والوں کے لئے فرشتے اور زمین و آسمان کی دیگر تمام مخلوقات حتّٰی کہ چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلاَنِ اَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْآخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ: ((فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ)) ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اِنَّ اللّٰہَ وَمَلاَئِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ)) . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ[1] (صحیح)



حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے ایک عالم اور دوسرا عابد تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی مجھے تم میں سے کسی عام آدمی پر حاصل ہے۔" پھر ارشاد فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والوں پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں نیز زمین و آسمان کی ساری مخلوق حتّٰی کہ اپنی بلوں میں چیونٹیاں اور (پانی میں) مچھلیاں تک ان کے لئے رحمت کی دعا کرتی ہیں۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی دو آیات کسی کو سکھادینا دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت سے زیادہ قیمتی ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ ((اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنْ يَّغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ اِلٰى بُطْحَانَ اَوْ اِلَى الْعَقِيْقِ فَيَاتِيْ مِنْهُ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِيْ غَيْرِ اِثْمٍ وَلاَ قَطْعِ رَحِمٍ ؟)) فَقُلْنَا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نُحِبُّ ذٰلِكَ قَالَ : ((اَفَلاَ يَغْدُوْ اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمُ اَوْ يَقْرَاُ اٰيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ (عَزَّوَجَلَّ) خَيْرٌ لَّهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَثَلاَثٌ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ ثَلاَثٍ وَاَرْبَعٌ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ اَرْبَعٍ وَمِنْ اَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْاِبِلِ)) . رَوَاهُ مُسْلِمٌ [2]

[1] ابواب العلم باب فی فضل الفقہ علی العبادۃ.

[2] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القرآن باب فضل قراۃ القرآن فی الصلاۃ وتعلمہ، رقم الحدیث 1873 .

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم لوگ صفہ میں بیٹھے تھے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا "تم میں سے کون شخص یہ چاہتا ہے کہ روزانہ صبح بطحان یا عقیق (مدینہ منورہ کے دو بازاروں کا نام ہے) جائے اور وہاں سے اونچے کوہان والی دو اونٹنیاں (بلا قیمت) بغیر گناہ اور قطع رحمی کے لے آئے؟" ہم نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو ہم سب چاہتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تو پھر مسجد میں جاؤ اور کسی کو قرآن مجید کی دو آیتیں سکھادو یا خود پڑھ لو تو وہ دو اونٹنیوں سے بہتر ہوں گی تین آیات تین اونٹنیوں سے، چار آیات چار اونٹنیوں سے اسی طرح جتنی آیات ہوں گی اتنی اونٹنیوں سے بہتر ہوں گی۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کا علم سکھانے والے اساتذہ کو ان کے شاگردوں کے نیک اعمال کا ثواب بھی ملتا ہے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهُ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهِ لاَ يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الْعَامِلِ)) . رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ [1] (حسن)

حضرت سہل بن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے کسی کو علم سکھایا اس کے لئے بھی اتنا ہی اجر ہے جتنا عمل کرنے والے کے لئے ہے اور عمل کرنے والے کے اجر سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔



قرآن مجید کا علم سکھانے والے کے اجر وثواب کا سلسلہ اس کے مرنے کی بعد بھی اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اس کے شاگرد علم پھیلاتے رہیں اور اس پر عمل کرتے رہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ وَمُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَیْتًا لِابْنِ السَّبِیْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَیَاتِهٖ

[1] کتاب السنۃ باب ثواب معلم الناس الخیر، رقم الحدیث. (1/196)

(یَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ))۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ [1] (حسن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال اور اس کی نیکیوں میں سے جو چیزیں اسے نفع پہنچاتی ہیں وہ یہ ہیں، علم، جو اس نے دوسروں کو سکھایا اور پھیلایا، نیک اولاد، جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑی، قرآن کے علم کا کسی کو وارث بنایا، مسجد تعمیر کی، مسافروں کے لئے قیام گاہ تعمیر کی، ہر (کنواں یا نلکا وغیرہ) جاری کی اور، صدقہ جو اپنے مال سے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں نکالا۔ یہ تمام چیزیں انسان کے مرنے کے بعد اسے فائدہ پہنچاتی ہیں۔" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْ لَهٗ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب انسان مرتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے ف صدقہ جاریہ ق علم، جس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں اور ک نیک اولاد جو (اپنے والدین کے لئے) دعا کرے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

اپنی اولاد کو قرآن مجید سکھانے والے والدین کو قیامت کے روز دو ایسے قیمتی لباس پہنائے جائیں گے جن کے سامنے دنیا و مافیہا کی ساری دولت ہیچ ہو گی۔

وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر 132، 133 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

[1] کتاب السنۃ باب ثواب معلم الناس الخیر، رقم الحدیث. (1/198)

[2] کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ.



فَضْلُ حِفْظِ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ

قرآن مجید یاد کرنے کی فضیلت

جس شخص کو جتنا زیادہ قرآن یاد ہو گا جنت میں اس کے درجات اتنے ہی زیادہ بلند ہوں گے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((يُقَالُ۔۔۔يَعْنِيْ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ۔۔۔اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا)) ۔رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ[1] (حسن)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"(قیامت کے روز) صاحب قرآن سے کہا جائے گا قرآن مجید پڑھ اور (درجات) چڑھتا جا اور اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا تیرا درجہ وہاں ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہو گی۔"اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

قرآن مجید زبانی یاد کرنے والے کی جنت میں تاج پوشی کی جائے گی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں جنت کی بادشاہت کا پروانہ اور بائیں ہاتھ میں ہمیشگی کا پروانہ عطا کیا جائے گا۔

زبانی قرآن مجید یاد کرنے والا قیامت کے روز معزز فرشتوں کی صف میں ہو گا۔

[1] ابواب فضائل القرآن باب ماجاء فیمن قرأ من القرآن مالہ من الاجر 3/2329.

اَلْاَمْرُ بِتَعَهُّدِ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ لِمَنْ حَفِظَهٗ

زبانی یاد شدہ قرآن مجید کی حفاظت کرنے کا حکم

زبانی یاد شدہ قرآن مجید کو مسلسل یاد رکھنے کا اہتمام کرنا واجب ہے۔

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى بْنِ عُقْبَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ تَعَاهَدُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتًا مِنَ الْإِبِلِ فِيْ عُقُلِهَا ۔رَوَاهُ مُسْلِمٌ[1]



حضرت ابو موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قرآن کی حفاظت کرو اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ اونٹ کی نسبت قرآن اپنے بندھن سے جلدی بھاگتا ہے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بِنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ کَمَثَلِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَۃِ اِنْ عَاھَدَ عَلَیْھَا اَمْسَکَھَا ، وَاِنْ اَطْلَقَھَا ذَھَبَتْ)) ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ [2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قرآن یاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے پاؤں سے باندھا ہوا اونٹ اگر اس کے مالک نے اس کی نگرانی کی تو موجود رہا، نہ کی تو بس نکل گیا۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: اونٹ کا اگلا پاؤں اس کے زانو سے باندھ دیا جاتا ہے تاکہ وہ چل نہ سکے، لیکن اونٹ کوشش کر کے تین پاؤں سے بھی چل پڑتا ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت کے لئے دن رات قرآن مجید پڑھتے رہنا چاہئے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم ((وَاِذَا قَامَ صَاحِبُ الْقُرْآنِ فَقَرَاَہٗ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَاِذَا لَمْ یَقُمْ بِہٖ نَسِیَہٗ)) ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ [3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"جب قرآن یاد کرنے والا کمر کس لے اور دن رات اسے پڑھتا رہے تو اسے یاد رہتا ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو بھول جاتا ہے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اگر کوئی شخص آیت بھول جائے تو اسے یوں کہنا چاہئے "میں فلاں آیت بھلا دیا گیا۔"

[1] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القرآن باب الامر بتعہد القرآن، رقم الحدیث 1844.

[2] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القرآن باب الامر بتعہد القرآن، رقم الحدیث 1839 .

[3] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القرآن باب الامر بتعہد القرآن، رقم الحدیث 1840 .

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ ((بِئْسَمَا لِلرَّجُلِ اَنْ یَّقُوْلَ نَسِیْتُ سُوْرَۃَ کَیْتَ وَ کَیْتَ اَوْ نَسِیْتُ آیَۃَ کَیْتَ وَ کَیْتَ بَلْ ھُوَ نُسِّیَ ۔)) رَوَاہُ مُسْلِمٌ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی آدمی کے لئے یوں کہنا بہت برا ہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا بلکہ یوں کہنا چاہئے میں فلاں ایت بھلا دیا گیا۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔



عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَسْتَمِعُ قِرَاءَةَ رَجُلٍ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ ((رَحِمَهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي آيَةً كُنْتُ أُنْسِيتُهَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک آدمی کی تلاوت سن رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اُس پر رحم فرمائے! اس نے مجھے ایک آیت یاد دلادی جو میں بھلا دیا گیا تھا۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: اگر یوں کہا جائے "میں نے آیت بھلادی۔" تو اس سے قرآن مجید سے غفلت اور لاپرواہی ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ایسا کہنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

غفلت کی وجہ سے قرآن مجید یاد کر کے بھلا دینے کی سزا۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الرُّؤْيَا قَالَ ((أَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفِضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلاَةِ الْمَكْتُوبَةِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ [3]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ خواب کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص قرآن یاد کر کے بھلا دیتا ہے اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جاتا ہے اس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القرآن باب الامر بتعہد القرآن، رقم الحدیث 1843.

[2] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القرآن باب الامر بتعہد القرآن، رقم الحدیث 1838 .

[3] کتاب الجمعۃ، ابواب التہجد، باب عقد الشیطان علی قافیۃ الراس، رقم الحدیث 1143 .



فَضْلُ اِسْتِمَاعِ الْقُرْآنِ وَ اَسْمَاعِهٖ

قرآن مجید سننے اور سنانے کی فضیلت

توجہ اور خاموشی سے قرآن مجید کی تلاوت سننے والے پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتے ہیں۔

{وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ} (204:7)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''(سورہ الاعراف، آیت نمبر 204)

قرآن مجید کی تلاوت سننے کے لئے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔

{اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۔} (78:17)

''فجر کی نماز میں قرآن سننے کے لئے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔''(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 78)

عَنْ اُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَاُ مِنَ اللَّيْلِ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهٗ مَرْبُوْطٌ عِنْدَهٗ اِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ فَقَرَاَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ وَسَكَنَتِ الْفَرَسُ ثُمَّ قَرَءَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهٗ يَحْيٰى قَرِيْبًا مِنْهَا فَاَشْفَقَ اِنْ تُصِيْبَهٗ فَلَمَّا اجْتَرَّهٗ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَى السَّمَآءِ حَتّٰى مَا يَرَاهَا فَلَمَّا اَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: ((اِقْرَاْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ)) قَالَ فَاَشْفَقْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ تَطَاَ يَحْيٰى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيْبًا فَرَفَعْتُ رَاْسِىْ فَانْصَرَفْتُ اِلَيْهِ فَرَفَعْتُ رَاْسِىْ اِلَى السَّمَآءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيْهَا اَمْثَالُ الْمَصَابِيْحِ فَخَرَجَتْ حَتّٰى لَا اَرَاهَا ، قَالَ: ((وَتَدْرِىْ مَا ذَاكَ ؟)) قَالَ لَا قَالَ: ((تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَاْتَ لَاَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ اِلَيْهَا لَا تَتَوَارٰى مِنْهُمْ)) ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[1]

[1] کتاب فضائل القرآن باب نزول السکینۃ والملائکۃ عند قراءۃ القرآن، رقم الحدیث 5018.

حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ رات کے وقت سورہ البقرہ کی تلاوت کر رہے تھے ان کا گھوڑا پاس بندھا ہوا تھا اچانک گھوڑا بدکنے لگا حضرت اُسید رضی اللہ عنہ رک گئے تو گھوڑا بھی رک گیا حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو گھوڑا پھر بدکنے لگا حضرت اُسید رضی اللہ عنہ رک گئے تو گھوڑا بھی رک گیا دوبارہ تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنے لگا حضرت اُسید رضی اللہ عنہ کا بیٹا یحیٰی گھوڑے کے قریب ہی تھا انہیں خدشہ ہوا کہ کہیں اسے نقصان نہ پہنچائے چنانچہ اسے اپنے پاس بٹھالیا حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو ایک سائبان نظر آیا حضرت اُسید رضی اللہ عنہ اسے مسلسل دیکھتے رہے حتی کہ وہ غائب ہو گیا صبح ہوئی تو حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا آپ



صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"اے حضیر کے بیٹے! قرآن پڑھتے رہا کرو، اے حُضیر کے بیٹے! قرآن پڑھتے رہا کرو۔"(یہ تمہاری سعادت کی بات ہے جو پیش آئی ہے)حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو ڈر گیا تھا کہ کہیں گھوڑا یحیٰی کو کچل ہی نہ دے وہ گھوڑے کے بالکل قریب ہی بیٹھا ہوا تھا چنانچہ میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف توجہ کی (اور اسے اپنے پاس کر لیا) پھر میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو مجھے سائبان نظر آیا جس میں چراغوں جیسی کوئی چیز روشن تھی میں (گھر سے) باہر نکلا (تاکہ اچھی طرح اسے دیکھ سکوں) لیکن وہ غائب ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"کیا تو جانتا ہے وہ کیا تھا؟"حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا"نہیں!"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"یہ فرشتے تھے جو تمہاری (اچھی) آواز سن کر قریب آگئے تھے اگر تو قرآن پڑھتا رہتا تو صبح کے وقت لوگ بھی ان فرشتوں کو دیکھ لیتے اور وہ لوگوں کی نظروں سے غائب نہ ہوتے۔"اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید پڑھیں اور وہ سنیں۔

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لِاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رضی اللہ عنہ ((اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَءَ عَلَیْكَ { لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا } قَالَ: وَسَمَّانِیْ لَكَ؟ قَالَ: ((نَعَمْ)) قَالَ: فَبَکٰی۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ (1)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا"اللہ تعالیٰ نے

[1] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القرآن، باب قراۃ القرآن علی اہل الفضل علی المفضول، رقم الحدیث 1865.

مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورہ البینہ تلاوت کروں۔"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا"کیا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرا نام لیا ہے؟"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"ہاں!"ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (یہ سن کر خوشی سے) رونے لگے۔اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: یاد رہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تمام قراء کرام رحمہم اللہ کے استاد تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کے لئے انہیں ہی امام مقرر فرمایا تھا۔

دوسروں سے قرآن مجید سننا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے۔ جیسے اوپر گذر چکا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت اچھی قراءت کرنے والے صحابہ سے قرآن مجید سنتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

وضاحت گزر چکی ہے۔



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی خوش الحان تلاوت کا ذکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو دونوں کھڑے ہو کر حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی تلاوت سنتے رہے۔

وضاحت گذر چکی ہے۔

ایک صحابی کی تلاوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غور سے سن رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بھولی ہوئی آیت یاد آگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا فرمائی۔

وضاحت: اوپر بیان کی گئی ہے

فَضْلُ الْوَالِدَيْنِ لِتَعْلِيْمِ وَلَدِهَا

اپنی اولاد کو قرآن مجید کی تعلیم دلوانے کی فضیلت

اپنی اولاد کو قرآن مجید کی تعلیم دلوانے والے والدین کو قیامت کے روز دو ایسے قیمتی لباس پہنائے جائیں گے جن کے سامنے دنیاومافیہا کی ساری دولت ہیچ ہو گی۔

قرآن مجید زبانی یاد کرنے والے کی جنت میں تاجپوشی کی جائے گی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں جنت کی بادشاہت کا پروانہ اور بائیں ہاتھ میں جنت میں ہمیشہ رہنے کا پروانہ عطا کیا جائے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَجِیْئُ الْقُرْآنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ: هَلْ تَعْرِفُنِیْ ؟ اَنَا الَّذِیْ کُنْتُ اُسْهِرُ لَیْلَكَ وَاُظْمِیُٔ هَوَاجِرَكَ وَاِنَّ کُلَّ تَاجِرٍ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَتِہٖ وَاَنَا لَكَ الْیَوْمَ مِنْ وَرَاءِ کُلِّ تَاجِرٍ فَیُعْطٰی الْمُلْكَ بِیَمِیْنِہٖ وَالْخُلْدَ بِشِمَالِہٖ وَیُوْضَعُ عَلٰی رَاْسِہٖ تَاجُ الْوَقَارِ وَیُکْسٰی وَالِدَاهُ حُلَّتَیْنِ لَا تَقُوْمُ لَهُمُ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا فَیَقُوْلَانِ: یَارَبِّ! اَنّٰی لَنَا هٰذَا ؟ فَیُقَالُ بِتَعْلِیْمِ وَلَدِ کُمَا الْقُرْآنَ... وَاِنَّ صَاحِبَ الْقُرْآنِ یُقَالُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ: اِقْرَاْ وَارْقَ فِی الدَّرَجَاتِ وَرَتِّلْ کَمَا کُنْتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنْیَا فَاِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آیَتٍ مَعَكَ۔ رَوَاهُ الطِّبْرَانِیُّ[1] (صحیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قیامت کے روز قرآن مجید ایک تھکے ماندے آدمی کی شکل میں اپنے پڑھنے والے کے پاس آئے گا اور پوچھے گا ”مجھے پہچانتے ہو؟“ میں ہی وہ ہوں جس نے تجھے راتوں کو جگایا اور تجھے گرمی میں پیاسا رکھا بے شک ہر



تجارت کرنے والا اپنی تجارت کا ثمر حاصل کرنا چاہتا ہے آج میں دوسرے (نیکی کے) تاجروں کو چھوڑ کر تیرے پاس آیا ہوں۔" چنانچہ (قرآن کی سفارش پر) پڑھنے والے کو دائیں ہاتھ میں بادشاہی دی جائے گی اور بائیں ہاتھ میں ہیشگی کا پروانہ عطا کیا جائے گا۔ اس کے سر پر وقار اور عزت کا تاج رکھا جائے گا اور اس کے والدین کو دو قیمتی لباس پہنائے جائیں گے جس کے مقابلے میں دنیا ومافیہا کی ساری دولت ہیچ ہو گی قاری کے والدین عرض کریں گے "اے رب! ہماری یہ عزت افزائی کس عمل کے بدلے میں ہوئی ہے؟" انہیں جواب دیا جائے گا "اپنے بیٹے کو قرآن مجید پڑھانے کے بدلے میں۔" خود قاری سے قیامت کے دن کہا جائے گا "قرآن مجید جس طرح دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا اسی طرح پڑھ اور جنت کے درجات چڑھتا جا تیرا آخری درجہ وہی ہو گا جہاں تیری آخری آیت ختم ہو گی۔" اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی الجزء السادس القسم الثانی رقم الحدیث 2829.

عَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: ((تَعَلَّمُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلاَ يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ)) قَالَ ثُمَّ مَكَثَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ ((تَعَلَّمُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا الزَّهْرَوَانِ يُظِلاَّنِ صَاحِبَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ غَيَايَتَانِ أَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ وَإِنَّ الْقُرْآنَ يَلْقَى صَاحِبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يَنْشَقُّ عَنْهُ قَبْرُهُ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ فَيَقُوْلُ لَهُ: هَلْ تَعْرِفُنِي؟ فَيَقُوْلُ: مَا أَعْرِفُكَ؟ فَيَقُوْلُ أَنَا صَاحِبُكَ الْقُرْآنُ الَّذِيْ أَظْمَأْتُكَ فِي الْهَوَاجِرِ وَأَسْهَرْتُ لَيْلَكَ، وَإِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَتِهِ وَإِنَّكَ الْيَوْمَ مِنْ وَرَاءِ كُلِّ تِجَارَةٍ فَيُعْطَى الْمُلْكَ بِيَمِيْنِهِ وَالْخُلْدَ بِشِمَالِهِ وَيُوْضَعُ عَلَى رَاسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ وَيُكْسٰى وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لاَ يُقَوَّمُ لَهُمَا أَهْلُ الدُّنْيَا فَيَقُوْلاَنِ بِمَ كُسِيْنَا هَذَا؟ فَيُقَالُ بِأَخْذِ وَلَدِ كُمَا الْقُرْآنَ ثُمَّ يُقَالُ اِقْرَأْ وَاصْعَدْ فِيْ دَرَجَةِ الْجَنَّةِ وَغُرَفِهَا فَهُوَ فِيْ صُعُوْدٍ مَا دَامَ يَقْرَأُ هَذًّا كَانَ أَوْ تَرْتِيْلاً.)) رَوَاهُ أَحْمَدُ[1] (صحیح)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے "سورہ بقرہ سیکھو اسے سیکھنا باعث برکت ہے اور چھوڑنا باعث حسرت ہے جادوگر اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمحہ بھر خاموش رہے پھر فرمایا "سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران سیکھو قیامت کی روز یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں پر چمکتا ہوا سایہ کر رہی ہوں گی جیسے دونوں بادل یا چھتری ہوں یا پھر جیسے قطار باندھے پرندوں کی ٹولیاں ہوں قیامت کے روز جب قاری کی قبر شق ہو گی تو قرآن مجید اس سے نحیف ونزار آدمی کی شکل میں ملاقات کرے گا اور پوچھے گا "کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟" قاری جواب دے گا "میں تجھے نہیں پہچانتا۔" قرآن کہے گا "میں تیرا ساتھی۔۔۔ قرآن۔۔۔ ہوں جس نے گرمی میں تجھے پیاسا رکھا راتوں کو جگایا۔ بے شک ہر تاجر نفع حاصل کرنے کے لئے تجارت کرتا ہے اور آج تو ہر دوسری تجارت سے بے نیاز ہے چنانچہ اس کے داہنے ہاتھ میں بادشاہی اور بائیں ہاتھ میں ہیشگی کا پروانہ دیا جائے گا اور اس کے سر پر عزت اور وقار کا تاج رکھا جائے گا اور اس کے والدین کو دو قیمتی لباس پہنائے جائیں گے جن کے سامنے دنیا کی ساری دولت حقیر ہو گی۔ قاری کے والدین عرض کریں گے "یہ لباس ہمیں کس عمل کی وجہ سے پہنایا گیا ہے؟" انہیں بتایا جائے گا "تمہارے بیٹے کے قرآن سیکھنے کی وجہ سے۔" پھر قاری سے کہا جائے گا "قرآن مجید پڑھ اور جنت



کے بلند وبالا درجات چڑھتا جا۔" چنانچہ جب تک قاری تلاوت کرتا رہے گا درجات چڑھتا جائے گا خواہ تیز پڑھے یا آہستہ۔" اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

[1] مجمع الزوائد تحقیق عبداللہ محمد الدرویش کتاب التفسیر باب فی فضل القرآن رقم الحدیث 11633.

فَضَائِلُ بَعْضِ السُّوَرِ الْقُرْاٰنِيَّةِ

بعض قرآنی سورتوں کے فضائل

سورہ فاتحہ کی فضیلت

سورہ فاتحہ جیسی فضیلت رکھنے والی سورہ امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئی۔

سورہ فاتحہ کا دوسرا نام قرآن عظیم ہے۔

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ، وَلاَ فِي الْاِنْجِيْلِ، وَلاَ فِي الزَّبُوْرِ، وَلاَ فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا، وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُعْطِيْتُهٗ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ[1] (صحیح)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، سورہ فاتحہ جیسی سورت نہ توراۃ میں نازل کی گئی، نہ انجیل میں، نہ زبور میں، یہ سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور یہی قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

[1] ابواب فضائل القران، باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الکتاب رقم الحدیث. (3/2311)

سورہ فاتحہ سارے قرآن مجید کا نچوڑ ہے۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُعَلّٰى رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[1]

حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ام القرآن (یعنی سورۃ فاتحہ) ہی سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: قرآن مجید میں تین مضامین کو بار بار مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اولاً توحید، ثانیاً رسالت، ثالثاً آخرت... یہ تینوں مضامین سورہ فاتحہ میں موجود ہیں، لہٰذا اسے ام القرآن (قرآن کی اصل) کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب !

سورہ فاتحہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جو کچھ طلب کیا جائے اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

سورہ فاتحہ ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ ((قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: قَسَمْتُ الصَّلاَةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِیْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ. فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ {اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ} قَالَ اللّٰهُ: حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ. وَإِذَا قَالَ {اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ} قَالَ اللّٰهُ: اَثْنٰى عَلَیَّ عَبْدِیْ. فَإِذَا قَالَ {مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ} قَالَ: مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَیَّ عَبْدِیْ. فَإِذَا قَالَ {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ} قَالَ: هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ. فَإِذَا قَالَ {اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ} قَالَ: هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر دی ہے، لہٰذا میرا بندہ جو سوال کرے گا، اسے ملے گا۔ جب بندہ کہتا ہے {اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ} تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "میرے بندے نے میری تعریف کی۔" جب بندہ کہتا ہے {اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ} تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "میرے بندے نے میری ثناء کی۔" اور ایک مرتبہ یوں فرماتا ہے "بندے نے اپنے کام میرے سپرد کر دیئے۔" اور جب بندہ کہتا ہے {مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ} تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔" اور جب بندہ کہتا ہے {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ} تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان معاملہ ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا اسے ملے گا۔" جب بندہ کہتا ہے {اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ} تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "اس بندے کی یہ دعا بھی قبول ہوئی اور اس کے علاوہ جس چیز کا سوال کرے گا وہ بھی اسے دوں گا۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحۃ الکتاب رقم الحدیث 5006.

[2] کتاب الصلاۃ، باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ رقم الحدیث 878 .

تمام جسمانی عوارض کے لئے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا شفا کا باعث ہے۔ ان شاء اللہ !



عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا فِيْ مَسِيْرٍ لَنَا فَنَزَلْنَا ،فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ فَقَالَتْ :اِنَّ سَيِّدَ الْحَيِّ سَلِيْمٌ وَاِنَّ نَفَرَنَا غَيْبٌ فَهَلْ مِنْكُمْ رَاقٍ؟ فَقَامَ مَعَهَا رَجُلٌ مَا كُنَّا نَأْبُنُهُ بِرُقْيَةٍ فَرَقَاهُ فَبَرَاءَ فَاَمَرَلَهُ بِثَلاَثِيْنَ شَاةً ،وَسَقَانَا لَبَنًا ،فَلَمَّا رَجَعَ قُلْنَا لَهُ أَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً اَوْ كُنْتَ تَرْقِيْ؟ قَالَ :لاَ ،مَا رَقَيْتُ اِلاَّ بِاُمِّ الْكِتَابِ ،قُلْنَا :لاَ تُحْدِثُوْا شَيْئًا حَتّٰى نَأْتِيَ اَوْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ ،فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ ذَكَرْنَاهُ لِلنَّبِيِّ فَقَالَ ((وَمَا كَانَ يُدْرِيْهِ اَنَّهَا رُقْيَةٌ ،اَقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ بِسَهْمٍ))رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے دوران سفر ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا تو ایک لڑکی آئی اور کہنے لگی ”اس قبیلے کے سردار کو بچھونے کاٹا ہے اور ہمارے (علاج جاننے والے) لوگ غائب ہیں، کیا تمہارے درمیان کوئی دم کرنے والا ہے؟“ ایک آدمی اس کے ساتھ چل دیا حالانکہ ہم نے کبھی نہیں سنا تھا کہ وہ دم کرتا ہے، لیکن اس نے دم کیا اور سردار ٹھیک ہوگیا۔ سردار نے دم کرنے والے کو تیس بکریاں دینے کا حکم دیا ساتھ دودھ بھی پلایا۔ جب دم کرنے والا پلٹ کر واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا ”کیا تو اچھی طرح دم کرنا جانتا ہے“ یا یوں کہا ”کیا تو دم کرتا ہے؟“ اس نے کہا ”نہیں! میں نے تو بس سورہ فاتحہ پڑھی اور پھونک ماردی۔“ بکریوں کے بارے میں ہم نے طے کیا کہ ان کے بارے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کریں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لیں۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تجھے کیسے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ سے دم کیا جاتا ہے؟ ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کرلو اور میرا حصہ بھی رکھنا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: دار قطنی کی روایت میں ہے کہ صحابی نے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ واللہ اعلم بالصواب!

[1] کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحۃ الکتاب رقم الحدیث 5007.

جادو، جنون، مرگی اور سایہ جیسی بیماریوں میں صبح وشام تین مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا شفا بخش ہے۔

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ عَمِّهِ اَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ فَاَتَوْهُ فَقَالُوْا :اِنَّكَ جِئْتَ مِنْ عِنْدِ هٰذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ فَارْقِ لَنَا هٰذَا الرَّجُلَ فَاَتَوْهُ بِرَجُلٍ مَعْتُوْهٍ فِي الْقُيُوْدِ فَرَقَاهُ بِاُمِّ الْقُرْآنِ ثَلاَثَةَ اَيَّامٍ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً وَكُلَّمَا خَتَمَهَا جَمَعَ بُزَاقَهُ ثُمَّ تَفَلَ فَكَاَنَّمَا اُنْشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَأَعْطَوْهُ شَيْئًا فَاَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَهُ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ؐ كُلْ ،فَلَعَمْرِيْ لَمَنْ اَكَلَ بِرُقْيَةٍ بَاطِلٍ لَقَدْ اَكَلْتَ بِرُقْيَةٍ حَقٍّ .رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ[1] (صحیح)

حضرت خارجہ بن صلت رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ (دوران سفر) وہ ایک قوم سے گزرے تو وہ لوگ ان کے پاس آئے اور کہا ”تم اس آدمی (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے خیر وبرکت لے کر آئے ہو، لہٰذا ہمارے آدمی کو دم کردو۔“ پھر وہ ایک آدمی کو لائے جو دیوانہ تھا اور رسیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ صحابی نے تین دن صبح وشام سورہ فاتحہ پڑھ کر اسے دم کیا۔ صحابی جب سورہ فاتحہ پڑھ لیتے تو معمولی سی تھوک منہ میں جمع کرکے اس پر پھونک ماردیتے۔ تین دن کے بعد وہ آدمی ہشاش بشاش ہوگیا، جیسے قید سے آزاد ہوگیا ہو۔ ان لوگوں نے صحابی کو اس کا کچھ معاوضہ دیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور ساری بات بتائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”کھالو، میری عمر

جس کے اختیار میں ہے اس کی قسم! بعض لوگ جھوٹے دم کر کے معاوضہ لیتے ہیں تم نے تو سچا دم کر کے معاوضہ لیا ہے۔" اسے ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔

سورہ فاتحہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نور ہے۔

وضاحت: حدیث پاک میں گذر گئی ہے

[1] کتاب البیوع، باب فی کسب الاطباء رقم الحدیث. (2/2918)

فَضْلُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ

سورہ بقرہ کی فضیلت

جس گھر میں سورہ بقرہ کی تلاوت ہوتی رہے اس گھر میں شیطان جن داخل نہیں ہو سکتا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((لاَ تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ ، وَاِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ تُقْرَأُ فِیْهِ الْبَقَرَةُ لاَ یَدْخُلُهُ الشَّیْطَانُ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ[1] (صحیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے اس گھر میں شیطان داخل نہیں ہو سکتا۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

سورہ بقرہ کی تلاوت اور سماعت جادو کا بہترین علاج ہے۔

کوئی جادوگر سورہ بقرہ پر غالب نہیں آسکتا۔

سورہ بقرہ کی تلاوت کرنے سے گھر میں خیر وبرکت رہتی ہے۔

سورہ بقرہ کی تلاوت ترک کرنے سے گھر خیر وبرکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

قیامت کے روز سورہ بقرہ اپنے پڑھنے والوں کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گی۔



عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ ((اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ، فَاِنَّہٗ یَأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شَفِیْعًا لِاَصْحَابِہٖ، اِقْرَءُوا الزَّھْرَاوَیْنِ: اَلْبَقَرَۃَ وَسُوْرَۃَ آلِ عِمْرَانَ، فَاِنَّھُمَا تَأْتِیَانِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کَأَنَّھُمَا غَمَامَتَانِ، اَوْ کَأَنَّھُمَا غَیَایَتَانِ، اَوْ کَاَنَّھُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَافَّ، تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِھِمَا اِقْرَءُوْا سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ، فَاِنَّ اَخْذَھَا بَرَکَۃٌ، وَتَرْکَھَا حَسْرَۃٌ وَلاَ تَسْتَطِیْعُھَا الْبَطَلَۃُ)) رَوَاہُ مُسْلِمٌ [2]

[1] کتاب فضائل القرآن باب ماجاء فی سورۃ البقرۃ و آیۃ الکرسی.

[2] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل قرآن، باب فضل قراۃ القرآن و سورۃ البقرۃ رقم الحدیث 1874 .

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے "قرآن پڑھا کرو وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارش کرے گا (خصوصاً) دو روشن سورتوں کی تلاوت کرو، سورہ البقرۃ اور سورہ آل عمران قیامت کے روز اس طرح قطار میں ائیں گی جیسے دو بادل ہیں یا دو سائبان ہیں یا جیسے قطار میں اڑتے پرندوں کی دو ٹولیاں ہیں، پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی سورہ بقرہ (ضرور) پڑھا کرو اس کا پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا چھوڑنا باعث حسرت ہے اور جادوگر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

سورہ بقرہ قرآن مجید کی چوٹی ہے۔

جس گھر میں سورہ بقرہ کی تلاوت کی جائے، شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ سَنَامًا وَسَنَامَ الْقُرْآنِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ وَاِنَّ الشَّیْطَانَ اِذَا سَمِعَ سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ خَرَجَ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَأُ فِیْہِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ)) رَوَاہُ الْحَاکِمُ [1] (حسن)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن مجید کی چوٹی (فضیلت اور عظمت کے اعتبار سے) سورہ بقرہ ہے جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے، شیطان سنتے ہی اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کی فضیلت "قرآنی آیات کی فضیلت" کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

فَضْلُ سُوْرَۃِ آلِ عِمْرَانَ

سورہ آل عمران کی فضیلت

قیامت کے روز سورہ البقرۃ اور سورہ آل عمران، قرآن مجید کی قیادت کرتی ہوئی آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کریں گی۔

[1] سلسلہ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی، الجزء الثانی، رقم الحدیث 588.

عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْكِلَابِيِّ رضی اللہ عنہ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ ((يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلِهِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ، تَقْدُمُهُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَآلُ عِمْرَانَ)) وَضَرَبَ لَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلَاثَةَ أَمْثَالٍ، مَا نَسِيتُهُنَّ بَعْدُ، قَالَ: ((كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ، بَيْنَهُمَا شَرْقٌ، أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ [1]

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے "قیامت کے روز قرآن مجید لایا جائے گا اور جو لوگ قرآن پر عمل کرتے تھے وہ بھی لائے جائیں گے۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران آگے آگے ہوں گی۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کی تین مثالیں دیں، جنہیں میں آج تک نہیں بھولا فوہ دونوں سورتیں بادل کے دو ٹکڑوں کی طرح ہوں گی یا ق دو کالے رنگ کی چھتریاں ہوں گی جن میں روشنی چمک رہی ہو گی یا ک دو قطاریں پرندوں کی ہوں گی اور وہ اپنے صاحب کی طرف سے جھگڑا کریں گی۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

فَضْلُ سُوْرَةِ هُوْدٍ

سورہ ہود کی فضیلت

سورہ ہود، سورہ الواقعہ، سورہ المرسلات، سورہ النباء اور سورہ التکویر میں بیان کئے گئے واقعات فکرِ آخرت پیدا کرتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ! قَدْ شِبْتَ قَالَ ((شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ [2] (صحیح)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، سورہ نباء اور سورہ تکویر نے بوڑھا کر دیا ہے۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القرآن، باب فضل قراۃ القرآن وسورۃ البقرۃ، رقم الحدیث 1876.

[2] ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الواقعۃ.

فَضْلُ سُوْرَةِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ

سورہ بنی اسرائیل کی فضیلت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات سونے سے قبل سورہ بنی اسرائیل اور سورہ الزمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ: کَانَ النَّبِیُّ لَا یَنَامُ عَلٰی فِرَاشِہٖ حَتّٰی یَقْرَأَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَ الزُّمَرَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ [1] (حسن)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورہ بنی اسرائیل اور سورہ الزمر تلاوت نہیں فرمالیا کرتے تھے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

فَضْلُ سُوْرَةِ الْکَهْفِ

سورہ کہف کی فضیلت

سورہ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کرنے والا شخص فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آیَاتٍ مِنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْکَهْفِ، عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ)) رَوَاہُ مُسْلِمٌ [2]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے سورہ کہف کی پہلی دس آیات یاد کرلیں وہ فتنہ دجال سے بچالیا گیا۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: یاد رہے اصحاب کہف نے اپنے زمانہ کے ظالم اور جابر بادشاہ کے مظالم سے تنگ آکر ایک غار میں پناہ لی تھی۔ سورہ کہف کی آیت نمبر 9 میں اصحاب کہف کا ذکر ہے اور آیت نمبر 10 میں غار میں پناہ لیتے وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو دعا مانگی تھی، اس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ظالم بادشاہ کے ظلم سے انہیں پناہ دی۔ دجال بہت بڑا فتنہ ہو گا۔ اصحاب کہف کی مانگی ہوئی دعا دجال کے فتنہ سے لوگوں کو محفوظ رکھے گی۔ بعض اہل علم نے کسی بھی ظالم اور جابر بادشاہ کے ظلم اور جبر سے بچنے کے لئے اس کا پڑھنا مفید قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

[1] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القران باب ماجاء فی من قرأ حرفاً من القرآن۔

[2] کتاب صلاۃ المسافرین، ابواب فضائل القران، باب فضل سورۃ الکہف وآیۃ الکرسی رقم الحدیث۔ (3/2332)

سورہ کہف کی آخری دس آیات تلاوت کرنے والا فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَءَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ كَمَا اُنْزِلَتْ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ مَّقَامِهٖ اِلٰى مَكَّةَ وَمَنْ قَرَءَ عَشَرَ اٰيَاتٍ مِنْ اٰخِرِهَا ثُمَّ خَرَجَ الدَّجَّالُ لَمْ يَضُرَّهٗ۔ رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُّ[1] (صحیح)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس نے سورہ کہف اس طرح پڑھی جس طرح نازل ہوئی ہے تو وہ اس کے لئے قیامت کے روز نور ہوگی۔ مکہ سے لے کر اس کی جائے قیام تک، اور جس نے سورہ کہف کی آخری دس آیات پڑھیں، فتنہ دجال اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔" اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: مسلم کی روایت میں پہلی دس آیات کا ذکر ہے جس کا مطلب ہے کہ پہلی اور آخری دس آیات میں سے جونسی آیات پڑھ لی جائیں وہ فتنہ دجال سے حفاظت کا باعث بنیں گی۔ انشاء اللہ! واللہ اعلم بالصواب!

جمعہ کے روز سورہ کہف کی تلاوت کرنے والے کے لئے دو جمعوں کے درمیان ایک نور روشن کیا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((مَنْ قَرَءَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اَضَاءَ لَهٗ مِنَ النُّوْرِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ)) رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ[2] (صحیح)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس نے جمعہ کے روز سورہ کہف کی تلاوت کی اس کے لئے اللہ تعالیٰ دو جمعوں کے درمیان ایک نور روشن فرمادیتا ہے۔" اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

"نور" سے مراد راہنمائی بھی ہوسکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باقاعدگی سے ہر جمعہ سورہ کہف پڑھنے والے کو دین اور دنیا کے تمام معاملات میں اگر کوئی مشکل یا پریشانی پیش آئے تو اللہ تعالیٰ سیدھی راہ کی طرف اس کی راہنمائی فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی الجزء السادس القسم الاول رقم الحدیث 2651.

[2] صحیح الجامع الصغیر، للالبانی، الجزء الخامس، رقم الحدیث 6346 .



اَلْقُرآنُ شِفَــاءٌ

قرآن مجید شفاء ہے

قرآن مجید کی بکثرت تلاوت اور سماعت نفاق، حسد، بغض، لالچ، بخل، شکوک وشبہات اور وساوس جیسی بیماریوں سے شفا بخشتی ہے۔

{يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ، } **(57:10)**

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آچکی ہے جس میں دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاہے اور وہ نصیحت اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت بھی ہے۔“(سورہ یونس، آیت نمبر 57)

{وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا، } **(82:17)**

”ہم قرآن میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے مگر ظالموں کے لئے خسارے کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔“(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 82)

{قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ} **(44:41)**

”(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) کہو! یہ قرآن اہل ایمان کے لئے ہدایت اور شفاہے۔“(سورہ حٰم السجدہ، آیت نمبر 44)

قرآن مجید کی بکثرت تلاوت اور سماعت، دل کی پریشانی، اضطراب، خوف، گھبراہٹ اور بے چینی جیسی بیماریوں کا شافی علاج ہے۔

{اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ، } **(28:13)**

”خبر دار رہو! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔“(سورہ الرعد، آیت نمبر 28)

معوذتین کا دم جادو کا اثر زائل کرنے کے لئے بہت ہی موثر علاج ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُوْدِ يَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَكَانَ يَامَنُهُ فَعَقَدَ لَهُ عُقَدًا فَوَضَعَهُ فِيْ بِئْرِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاشْتَكٰى لِذٰلِكَ اَيَّامًا وَفِيْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا سِتَّةَ اَشْهُرٍ، فَاَتَاهُ مَلَكَانِ يَعُوْدَانِهِ فَقَعَدَ اَحَدُهُمَا عِنْدَ رَاْسِهِ وَالْاٰخَرُ عِنْدَ رِجْلَيْهِ فَقَالَ اَحَدُهُمَا اَتَدْرِيْ مَا وَجَعُهُ؟ قَالَ فُلَانُ الَّذِيْ كَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ عَقَدَ لَهُ عُقَدًا فَاَلْقَاهُ فِيْ بِئْرِ فُلَانِ الْاَنْصَارِيِّ فَلَوْ اَرْسَلَ اِلَيْهِ رَجُلًا وَاَخَذَ مِنْهُ الْعُقَدَ لَوَجَدَ الْمَاءَ قَدِ اصْفَرَّ فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَنَزَلَ عَلَيْهِ الْمُعَوَّذَتَيْنِ وَقَالَ: اِنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ سَحَرَكَ وَالسِّحْرُ فِيْ بِئْرِ فُلَانٍ قَالَ: فَبَعَثَ رَجُلًا وَفِيْ طَرِيْقٍ اُخْرٰى فَبَعَثَ عَلِيًّا رضی اللہ



عنه فَوَجَدَ الْمَاءَ قَدِ اصْفَرَّ فَأَخَذَ الْعُقَدَ فَجَاءَ بِهَا فَأَمَرَهُ أَنْ يَحِلَّ الْعُقَدَ وَيَقْرَأَ آيَةً فَحَلَّهَا فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَيَحِلُّ فَجَعَلَ كُلَّمَا حَلَّ عُقْدَةً وَجَدَ لِذَلِكَ خِفَّةً فَبَرَأَ وَفِي الطَّرِيقِ الْأُخْرَى فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عُقَالٍ وَكَانَ الرَّجُلُ بَعْدُ ذَلِكَ يَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ شَيْئًا مِنْهُ وَلَمْ يُعَاقِبْهُ قَطُّ حَتَّى مَاتَ۔ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ[1] (صحیح)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا جاتا تھا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت اعتماد تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (دھاگوں میں) گرہیں لگائیں (یعنی جادو کیا) اور اسے ایک انصاری کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف رہنے لگی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں چھ ماہ کی مدت کا ذکر ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عیادت کے لئے دو فرشتے (آدمی کی شکل میں) حاضر ہوئے ان میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے پاس، ایک فرشتے نے دوسرے سے پوچھا ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا تکلیف ہے؟'' دوسرے نے جواب دیا ''فلاں شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا جاتا تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گرہیں باندھ کر جادو کیا ہے اور فلاں انصاری کے کنوئیں میں (اشیاء) ڈالی ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی آدمی کو بھیجیں جو گرہ شدہ دھاگے وہاں سے نکالے تو (جادو کے اثر سے) وہ اس کنوئیں کا پانی زرد پائے گا (اس کے بعد) حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معوذتین پڑھنے کی ہدایت کی اور بتایا کہ یہودیوں میں سے ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا ہے جو فلاں کنوئیں میں ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی بھیجا اور ایک روایت میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کنوئیں کا پانی زرد ہو چکا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ گرہ شدہ دھاگے لے کر آئے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرہ کھولنے اور معوذتین کی آیات پڑھنے کی ہدایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آیات پڑھتے جاتے اور گرہ کھولتے جاتے حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل شفایاب ہو گئے دوسری روایت میں ہے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم باندھے گئے تھے اور (معوذتین پڑھنے کے بعد) آزاد ہو گئے ہیں اس واقعہ کے بعد وہ شخص (جادو کرنے والا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا جاتا رہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا نہ ہی اس کی موت تک اس سے بدلہ لیا۔'' اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی الجزء السادس القسم الاول رقم الحدیث 2761.

برے خواب کے شر سے بچنے کے لئے تعوذ کی آیت پڑھنی چاہئے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللهِ وَالرُّؤْيَا السُّوْءُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَمَنْ رَأَى رُؤْيَا فَكَرِهَ مِنْهَا شَيْئًا فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ لَا تَضُرُّهُ وَلَا يُخْبِرْ بِهَا أَحَدًا فَإِنْ رَأَى رُؤْيَا حَسَنَةً فَلْيُبْشِرْ وَلَا يُخْبِرْ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ[1]



حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے جو شخص ایسا خواب دیکھے جس میں وہ کوئی بری چیز محسوس کرے تو (جاگنے کے بعد) تین بار بائیں جانب تھوکے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے تو برا خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اسے چاہئے کہ برا خواب کسی کو نہ بتائے اور اگر کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو اسے خوش ہونا چاہئے اور اپنے خیر خواہ کے علاوہ کسی کو نہیں بتانا چاہئے۔"(تا کہ کوئی حسد نہ کرے) اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: 1. قرآن مجید میں تعوذ کی آیت درج ذیل ہے۔رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيَاطِيْنِ، وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ، "اے میرے رب! میں شیطان کی اکساہٹ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور اس بات سے بھی تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔2. مذکورہ آیت کے علاوہ اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ لینا بھی درست ہے۔

[1] کتاب الرؤیا، باب فی کون الرؤیا من اللہ......، رقم الحدیث 5902.

اَلْقُرْآنُ وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو رونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے ہنڈیا کے ابلنے کی آواز آتی۔

عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّيْ وَفِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ [1](صحیح)

حضرت مطرف اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے رونے کے سبب ہنڈیا کے ابلنے جیسی آواز آرہی تھی۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

دوران ہجرت سراقہ بن جعشم کے تعاقب کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ... حَتّٰى اَتَيْتُ فَرَسِيْ فَرَكِبْتُهَا فَرَفَعْتُهَا تُقَرِّبُ بِيْ حَتّٰى دَنَوْتُ مِنْهُمْ فَعَثَرَتْ بِيْ فَرَسِيْ فَخَرَرْتُ عَنْهَا فَقُمْتُ فَاَهْوَيْتُ يَدِيْ اِلٰى كِنَانَتِيْ فَاسْتَخْرَجْتُ مِنْهَا الْاَزْلَامَ فَاسْتَقْسَمْتُ بِهَا اَضُرُّهُمْ اَمْ لَا؟ فَخَرَجَ الَّذِيْ



آ كُرَةُ فَرَكِبْتُ فَرَسِي وَعَصَيْتُ الْأَزْلَامَ تُقَرِّبُ بِي حَتّٰى إِذَا سَمِعْتُ قِرَاءَةَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ لَا يَلْتَفِتُ وَأَبُوْبَكْرٍ رضی الله عنه يُكْثِرُ الْإِلْتِفَاتَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (دوران ہجرت سراقہ بن جعشم اپنے تعاقب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے) میں نے گھوڑا لیا اس پر سوار ہوا اور سرپٹ دوڑانے لگا حتی کہ میں ان کے (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ) کے قریب پہنچ گیا اچانک میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں گر پڑا، میں کھڑا ہوا اور ترکش کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے تیر لیا اور فال نکالی کہ میں ان لوگوں کو نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نہیں؟ فال میری مرضی کے برعکس تھی لہذا میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اور فال کی خلاف ورزی کرنے لگا پھر میں ان کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (تلاوت میں مشغول تھے اور) ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے البتہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار (بے چینی سے) ادھر ادھر دیکھتے تھے۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب الصلاۃ باب البکاء فی الصلاۃ. (1/799)

[2] کتاب المناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ، رقم الحدیث 3906 .

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں ہر سال قرآن مجید جبریل امین علیہ السلام کو سنایا کرتے تھے، سال وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو قرآن مجید سنایا۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْقُرْآنُ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ وَكَانَ يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرَةَ أَيَّامٍ فَاعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ يَوْمًا فِي الْعَامِ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر سال (رمضان میں) ایک بار قرآن پڑھا جاتا۔ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوبار قرآن مجید ختم کیا گیا۔ اسی طرح ہر سال آپ دس دن کا اعتکاف فرماتے لیکن جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس سال بیس یوم کا اعتکاف فرمایا۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

[1] مشکوۃ المصابیح، للالبانی، الجزء الاول، رقم الحدیث 2099.

قیام اللیل کے دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ مائدہ کی ایک ہی آیت بار بار تلاوت فرماتے رہے حتی کہ فجر ہو گئی۔



عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَامَ النَّبِیُّ حَتّٰی اِذَا اَصْبَحَ بِاٰیَةٍ وَالْاٰیَةُ {اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ} (118:5) ۔ رَوَاهُ النِّسَائِیُّ[1] (حسن)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل کے لئے کھڑے ہوئے اور ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی وہ آیت یہ تھی {اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمِ} (118:5) ترجمہ: "اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں معاف فرمادے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔" (سورہ مائدہ، آیت 118) اسے نسائی نے روایت کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بہنے لگے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ لِیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم ((اِقْرَأْ عَلَیَّ)) قُلْتُ: اَقْرَأُ عَلَیْكَ وَعَلَیْكَ اُنْزِلَ؟ قَالَ ((فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَیْرِیْ فَقَرَأْتُ عَلَیْهِ سُوْرَةَ النِّسَاءِ حَتّٰی بَلَغْتُ {فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا} (41:4) قَالَ: اَمْسِكْ)) فَاِذَا عَیْنَاهُ تَذْرِفَانِ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا "مجھے قرآن سناؤ۔" میں نے عرض کیا "کیا میں آپ کو سناؤں ، حالانکہ آپ پر تو نازل ہوا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں دوسروں سے قرآن مجید سننا پسند کرتا ہوں۔" میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ نساء پڑھنی شروع کی۔ جب میں اس آیت پر پہنچا {فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا} (41:4) ترجمہ: "کیا حال ہو گا اس وقت جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اس امت پر گواہی دینے کے لئے آپ کو لائیں گے۔" (سورہ نساء، آیت 41) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عبداللہ! بس کرو۔" اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب الافتتاح، باب ترديد الآیۃ 1/996.

[2] کتاب التفسیر، باب فکیف اذا جئنا من کل امۃ...، رقم الحدیث 4582 .

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن میں سب سے زیادہ خوش الحان تھے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَرَأَ فِی الْعِشَاءِ بِالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ فَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ[1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز میں سورہ تین پڑھتے ہوئے سنا ہے میں نے ایسا خوش الحان کسی کو نہیں پایا۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل میں لمبی قراءت فرماتے حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سوج جاتے۔



عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰی حَتّٰی انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ اَتَكَلَّفُ هٰذَا وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ {اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا} رَوَاهُ مُسْلِمٌ [1]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی (جس میں اتنا طویل قیام فرمایا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سوج گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے سارے گناہ معاف فرمادیئے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب الصلاۃ، باب القراۃ فی العشاء، رقم الحدیث 1039.

قیام اللیل کی ایک ہی رکعت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ بقرہ، سورہ نساء اور سورۃ آل عمران کی تلاوت فرمائی۔

عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ فَفَتَحَ الْبَقَرَةَ فَقُلْتُ يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ ثُمَّ مَضٰى فَقُلْتُ يُصَلِّيْ بِهَا فِيْ رَكْعَةٍ فَمَضٰى فَقُلْتُ يَرْكَعُ بِهَا ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ فَقَرَأَهَا ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ فَقَرَأَهَا ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ [2]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کی میں نے خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو آیات کے بعد رکوع کریں گے لیکن آپ مسلسل صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے گئے میں نے سوچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری سورت دو رکعتوں میں پڑھیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے گئے میں نے سوچا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورت مکمل کر کے رکوع کریں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نساء شروع کر دی اور اسے مکمل کیا اور پھر سورہ آل عمران شروع کر دی اور اسے بھی مکمل کیا۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

قیام اللیل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل قراءت اور صحابی کی تھکاوٹ۔

عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَطَالَ حَتّٰی هَمَمْتُ بِاَمْرٍ سُوْءٍ قَالَ : قِيْلَ وَمَا هَمَمْتَ بِهٖ قَالَ هَمَمْتُ اَنْ اَجْلِسَ وَاَدَعَهٗ ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ [3]

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے (ایک رات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز شروع کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی لمبی قراءت فرمائی کہ میں نے ایک بری حرکت کرنے کا ارادہ کیا حضرت ابووائل نے پوچھا" عبداللہ رضی اللہ عنہ ! کس بات کا ارادہ کیا؟" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا" میں نے ارادہ کیا کہ میں بیٹھ جاؤں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دوں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔



[1]کتاب صفات المنافقین واحکامہم باب اکثار الاعمال والاجتہاد فی العبادۃ،رقم الحدیث7125.

[2]کتاب صلاۃ المسافرین باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل،رقم الحدیث1814 .

[3]کتاب صلاۃ المسافرین باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل،رقم الحدیث1815 .

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کو کم عمر ہونے کے باوجود محض اس لئے طائف کا گورنر بنایا کہ انہیں وفد کے باقی ارکان میں سے سب سے زیادہ قرآن مجید یاد تھا۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِیْ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ اِسْتَعْمَلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَا اَصْغَرُ السِّتَّةِ الَّذِیْنَ وَفَدُوْا عَلَیْہِ مِنْ ثَقِیْفٍ وَذٰلِكَ اَنِّیْ کُنْتُ قَرَأْتُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الْقُرْآنَ یَنْفَلِتُ مِنِّیْ فَوَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی صَدْرِیْ وَقَالَ یَا شَیْطَانُ ! اُخْرُجْ مِنْ صَدْرِ عُثْمَانَ فَمَا نَسِیْتُ شَیْئًا اُرِیْدُ حِفْظَہٗ ۔ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ[1] (صحیح)

حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (طائف کا) گورنر مقرر فرمایا حالانکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والے ثقیف کے چھ افراد میں سے سب سے چھوٹا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے سورہ البقرہ آتی تھی میں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے قرآن بھول جاتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اے شیطان! عثمان کے دل سے نکل جا۔" اس کے بعد جب بھی میں نے کوئی چیز یاد کرنا چاہی کبھی نہیں بھولی۔" اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔

[1]سلسلہ احادیث الصحیحۃ،للالبانی،الجزء السادس،رقم الحدیث2918.

قرآن حکیم اور اسے پڑھنے، سمجھنے والوں کے فضائل

1 .عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ. رواہ البخاری.

وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْهُ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ أَفْضَلَکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرآنَ وَعَلَّمَهُ. رواہ البخاری.

"حضرت عثمان (بن عفان) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن حکیم سیکھے اور سکھائے۔

"اور ایک روایت میں ان ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"



2. عَنْ سَعْدٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: خِيَارُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرآنَ وَعَلَّمَهُ. قَالَ: وَأَخَذَ بِيَدِي فَأَقْعَدَنِي مَقْعَدِي هَذَا أُقْرِئُ. رواه ابن ماجة وأحمد والدارمي وابن أبي شيبة.

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن مجید سیکھیں اور سکھائیں۔ عاصم کہتے ہیں: مصعب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اس (اعلیٰ) مقام پر بٹھایا کہ میں (اسے) قرآن پڑھاؤں۔"

3. عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ.

وَفِي رِوَايَةٍ: وَالَّذِي يَقْرَأُ وَهُوَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ لَهُ أَجْرَانِ. متفق علیه وهذا لفظ مسلم.

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کا ماہر معزز و محترم فرشتوں اور معظم و مکرّم انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوگا اور وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہو لیکن اس میں اٹکتا ہو اور (پڑھنا) اس پر (کند ذہن یا موٹی زبان ہونے کی وجہ سے) مشکل ہو اس کے لئے بھی دوگنا اجر ہے۔

"ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے حالانکہ یہ پڑھنا اس کے لئے سخت مشکل ہو، اس کے لئے دو اجر ہیں۔"

4. عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْأُتْرُجَّةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ، وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ.

وَفِي رِوَايَةٍ: بَدَلَ الْمُنَافِقِ الْفَاجِرِ. متفق علیه وهذا لفظ مسلم.

"حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو بندۂ مومن قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے اس کی مثال مالٹا کی طرح (عرب کے ایک) لذیذ پھل کی سی ہے جس کی خوشبو بھی اچھی اور مزہ بھی خوب اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ اور وہ بندۂ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال خشک کھجور کی سی ہے جس میں خوشبو تو نہیں ہوتی البتہ ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔ اور وہ منافق جو قرآن مجید پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ (گلاب کے پھول) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو اچھی اور ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتا حنظلہ (تمہ) کی سی ہے کہ اس میں خوشبو بالکل نہیں ہوتی اور ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔

”ایک اور روایت میں منافق کی بجائے فاجر (یعنی بدکار) کے الفاظ ہیں۔“

5. عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْأُتْرُجَّةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْهُ شَيْءٌ أَصَابَكَ مِنْ رِيحِهِ، وَمَثَلُ جَلِيسِ السُّوءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْكِيرِ إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْ سَوَادِهِ أَصَابَكَ مِنْ دُخَانِهِ. رواه أبو داود وأحمد، وأبو يعلی مختصرا.

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ مومن بندہ جو تلاوتِ قرآن کرتا ہے اس کی مثال مالٹا کی طرح (عرب کے ایک) لذیذ پھل کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی خوش کن اور مزہ بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور وہ مومن بندہ جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال سوکھی کھجور (چھوہارہ) کی طرح ہے جس میں خوشبو تو نہیں ہوتی لیکن ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔ اور فاجر (بدکار) جو قرآنِ پاک پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ (گلاب کے پھول) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو اچھی اور ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک کی تلاوت نہ کرنے والے فاجر کی مثال حنظلہ (تمہ) کی سی ہے کہ اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے اور خوشبو بالکل نہیں ہوتی۔ اور نیک صالح شخص کے پاس بیٹھنے والے کی مثال خوشبو فروش (عطار) کے پاس بیٹھنے والے کی سی ہے کہ تجھے اس سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کی خوشبو تو تجھے ضرور پہنچے گی۔ اور برے آدمی کے پاس بیٹھنے والے کی مثال بھٹی والے (لوہار) کے پاس بیٹھنے والے کی طرح ہے کہ اگر اس کی کالک تجھے نہ بھی پہنچے تو کم از کم اس کا دھواں تو تیرے ناک میں ضرور داخل ہو گا۔“

6. عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم يَقُولُ: اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ. رواه مسلم.

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قرآن مجید پڑھا کرو، یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفاعت کرنے والا بن کر آئے گا۔“

7. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ، فَقَالَ: لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ. وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ. متفق علیه. وهذا لفظ البخاري.

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسد (رشک) تو بس دو آدمیوں سے ہی کرنا جائز ہے: پہلا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن (پڑھنا و سمجھنا) سکھایا تو وہ رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کرتا ہے اس کا پڑوسی اسے قرآن

پڑھتے ہوئے سنتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ کاش! مجھے بھی اس کی مثل قرآن عطا کیا جاتا تو میں بھی اسی طرح عمل کرتا جس طرح یہ کرتا ہے؛ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال بخشا ہے اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرتا ہے۔ دوسرا شخص اسے دیکھ کر کہتا ہے: کاش! مجھے بھی اتنا مال ملتا جتنا اسے ملا ہے تو میں بھی اسی طرح عمل کرتا جس طرح یہ کرتا ہے۔"

8. عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَقُولُ: أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟ فَإِذَا أُشِيْرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، وَقَالَ: أَنَا شَهِيْدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رواه البخاري والترمذي وغيرهم.

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداء اُحد میں سے دو، دو صحابہ کرام کو ایک کپڑے (کفن) میں جمع فرماتے اور پوچھتے کہ ان میں سے قرآن کسے زیادہ یاد ہے؟ جب ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو اسے قبر میں آگے کر دیتے اور فرماتے: میں قیامت کے دن ان سب پر گواہ ہوں گا۔"

9. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنهما يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُوْلُ: الم، حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيْمٌ حَرْفٌ. رواه الترمذي والبزار وابن أبي شيبة والطبراني.

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا، اس کے لئے اس کے بدلہ میں ایک نیکی ہے اور یہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (گویا صرف الم پڑھنے سے تیس نیکیاں مل جاتی ہیں)۔"

10. عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: يَقُولُ الرَّبُّ عز وجل: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ وَذِكْرِي عَنْ مَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللهِ عَلَى خَلْقِهِ. رواه الترمذي والدارمي والبيهقي. وقال أبو عيسى: هذا حديث حسن.

"حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ رب العزت فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر اتنا مشغول کر دے کہ وہ مجھ سے کچھ مانگ بھی نہ سکے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرما دیتا ہوں۔ اور تمام کلاموں پر اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآن حکیم) کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر (فضیلت ہے)۔"



11. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْئٌ مِنَ الْقُرْآنِ، كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ. رواه الترمذي والدارمي وأحمد. وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح، وقال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد.

''حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جس کے دل میں قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔''

12. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا. رواه الترمذي وأبو داود. وقال: هذا حديث حسن صحيح.

''حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید پڑھنے والے سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور جنت میں منزل بہ منزل اوپر چڑھتا جا، اور یوں ترتیل سے پڑھ جیسے تو دنیا میں ترتیل کیا کرتا تھا، تیرا ٹھکانا جنت میں وہاں پر ہو گا جہاں تو آخری آیت تلاوت کرے گا۔''

13. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: يَجِيئُ صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَقُولُ (الْقُرْآنُ): يَا رَبِّ! حَلِّهِ فَيُلْبَسُ تَاجَ الْكَرَامَةِ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا رَبِّ! زِدْهُ، فَيُلْبَسُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا رَبِّ! ارْضَ عَنْهُ، فَيَرْضَى عَنْهُ، فَيُقَالُ لَهُ: اقْرَأْ وَارْقَ، وَتُزَادُ بِكُلِّ آيَةٍ حَسَنَةً. رواه الترمذي والحاكم والبيهقي. وقال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وقال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بروزِ قیامت صاحبِ قرآن (قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا) آئے گا تو قرآن کہے گا: اے رب! اسے زیور پہنا، تو صاحبِ قرآن کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا۔ قرآن پھر کہے گا: اے میرے رب! اسے اور بھی (اصلی لباس) پہنا، تو اسے عزت و بزرگی کا لباس پہنا دیا جائے گا۔ پھر قرآن کہے گا: اے میرے مولیٰ! اب اس سے راضی ہو جا (اس کی تمام خطائیں معاف کر دے)، تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے زینے) چڑھتا جا۔ اور ہر آیت کے بدلے میں اس کی نیکی بڑھتی جائے گی۔''

14. عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا، لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا. رواه أبو داود وأحمد والحاكم وأبو يعلى. وقال الحاكم: صحيح الإسناد.



”حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل بھی کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اس دنیا میں لوگوں کے گھروں میں چمکنے والے سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہوگی۔ تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے خود اس پر عمل کیا؟ (یعنی اس کے ماں باپ کو تو تاج پہنایا جائے گا اور اس کا اپنا مقام تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے)۔“

15. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه يَقُولُ: اقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ نِعْمَ الشَّفِيعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. إِنَّهُ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا رَبِّ! حَلِّهِ حِلْيَةَ الْكَرَامَةِ. فَيُحَلَّى حِلْيَةَ الْكَرَامَةِ. يَا رَبِّ! اكْسِهِ كِسْوَةَ الْكَرَامَةِ. فَيُكْسَى كِسْوَةَ الْكَرَامَةِ. يَا رَبِّ! أَلْبِسْهُ تَاجَ الْكَرَامَةِ. يَا رَبِّ! ارْضَ عَنْهُ فَلَيْسَ بَعْدَ رِضَاءِكَ شَيئٌ. رواه الدارمي والقضاعي والديلمي.

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (اے لوگو!) قرآن پڑھو۔ بیشک قیامت کے روز نہایت ہی اچھا شفاعت کرنے والا ہے۔ قیامت کے روز یہ عرض گزار ہوگا: اے میرے رب! اس شخص (صاحبِ قرآن) کو عزت والا زیور پہنا؛ پس اسے عزت والا زیور پہنایا جائے گا۔ اے میرے رب! اسے عزت والا لباس پہنا؛ تو اسے عزت والا لباس پہنایا جائے گا۔ اے میرے رب! اسے عزت والا تاج پہنا؛ اے رب! اس سے راضی ہو جا۔ بیشک تیری رضا کے بعد کوئی چیز نہیں بچتی (جس کا مطالبہ کیا جائے)۔“

16. عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ: مَنْ أَحَبَّ الْقُرْآنَ فَلْيُبْشِرْ. رواه الدارمي وابن منصور.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيُبْشِرْ. رواه ابن أبي شيبة.

”حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جو قرآن سے محبت کرتا ہے۔

”اور آپ ہی سے مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں: خوشخبری ہو اس شخص کے لئے جس نے قرآن پڑھا۔“

17. عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه كَانَ يَقُولُ: إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللهِ، فَمَنْ دَخَلَ فِيهِ فَهُوَ آمِنٌ. رواه الدارمي وابن المبارك.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ: هَذَا الْقُرْآنُ مَأْدُبَةُ اللهِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَعَلَّمَ مِنْهُ شَيْئًا فَلْيَفْعَلْ. رواه الطبراني بأسانيد، ورجال هذا الطريق رجال الصحيح.

”حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ بیشک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دستر خوان ہے، پس جو اس دستر خوان میں شامل ہو گیا اسے امن نصیب ہو گیا۔“

”اور ایک دوسری روایت میں آپ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: یہ قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کا دستر خوان ہے پس تم میں سے جو شخص اس سے سیکھنے کی استطاعت رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اس سے ضرور سیکھے۔“



18 .عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی الله عنه قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ، وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوطٌ بِشَطَنَيْنِ، فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ، فَجَعَلَتْ تَدْنُو، وَتَدْنُو وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ. متفق عليه، وهذا لفظ البخاري.

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے پاس ہی دو رسیوں کے ساتھ ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ پس اس آدمی کے اوپر بادل چھا گیا اور وہ اس کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس کا گھوڑا بدکنے لگا۔ جب صبح کے وقت وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ سکینہ (اطمینانِ قلب) ہے جس کا (تمہارے دل پر) تلاوتِ قرآن کے باعث نزول ہوا۔“

19 .عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم: مَا أَذِنَ اللهُ لِعَبْدٍ فِي شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يُصَلِّيهِمَا وَإِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلَى رَأْسِ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِي صَلَاتِهِ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ إِلَى اللهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ يَعْنِي الْقُرْآنَ. رواه الترمذي وأحمد والطبراني.

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی کوئی چیز اتنے غور (و محبت) سے نہیں سنتا جتنے غور سے اس کی دو رکعت نماز سنتا ہے۔ بندہ جب تک نماز میں رہتا ہے نیکی اس بندے کے سر پر سایہ فگن رہتی ہے؛ اور بندے کسی عمل سے اتنا قربِ الٰہی نہیں پا سکتے جتنا قرب کلامِ الٰہی یعنی قرآن کے ذریعہ سے پا سکتے ہیں۔“

20 .عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه أَنَّ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ رضی الله عنه بَيْنَمَا هُوَ لَيْلَةً يَقْرَأُ فِي مِرْبَدِهِ إِذْ جَالَتْ فَرَسُهُ، فَقَرَأَ ثُمَّ جَالَتْ أُخْرَى، فَقَرَأَ ثُمَّ جَالَتْ أَيْضًا. قَالَ أُسَيْدٌ: فَخَشِيتُ أَنْ تَطَأَ يَحْيَى (وَكَانَ ابْنُهُ) فَقُمْتُ إِلَيْهَا، فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فَوقَ رَأْسِي فِيهَا أَمْثَالُ السُّرُجِ عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ حَتَّى مَا أَرَاهَا. قَالَ: فَغَدَوْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! بَيْنَمَا أَنَا الْبَارِحَةَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ أَقْرَأُ فِي مِرْبَدِي إِذْ جَالَتْ فَرَسِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: اقْرَأْ ابْنَ حُضَيْرٍ. قَالَ: فَقَرَأْتُ، ثُمَّ جَالَتْ أَيْضًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: اقْرَأْ ابْنَ حُضَيْرٍ. قَالَ: فَقَرَأْتُ، ثُمَّ جَالَتْ أَيْضًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: اقْرَأْ ابْنَ حُضَيْرٍ. قَالَ: فَانْصَرَفْتُ وَكَانَ يَحْيَى قَرِيبًا مِنْهَا، خَشِيتُ أَنْ تَطَأَهُ فَرَأَيْتُ مِثْلَ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ السُّرُجِ عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ حَتَّى مَا أَرَاهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ كَانَتْ تَسْتَمِعُ لَكَ، وَلَو قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَرَاهَا النَّاسُ مَا تَسْتَتِرُ مِنْهُمْ. متفق عليه، وهذا لفظ مسلم.



ورواه الحاكم بنحوه باختصار وقال فيه: فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ. قَالَ: مُدَلَّاةٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَاللهِ! مَا اسْتَطَعْتُ أَنْ أَمْضِيَ. قَالَ: فَقَالَ: تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ نَزَلَتْ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ مَضَيْتَ لَرَأَيْتَ الْعَجَائِبَ. وقال الحاكم: صحيح على شرط مسلم.

’’حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک رات کھجوروں کے کھلیان میں قرآن پاک پڑھ رہے تھے کہ اچانک ان کا گھوڑا (جو ایک جانب بندھا ہوا تھا) کودنے لگا۔ (وہ تلاوت سے رک گئے تو گھوڑا بھی رک گیا) وہ پھر پڑھنے لگے تو گھوڑا پھر کودنے لگا۔ اسی طرح انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر کودنے لگا۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ڈر ہوا کہیں یہ یحییٰ (ان کے بیٹے تھے جو ایک جانب گھوڑے کے پاس ہی سو رہے تھے) کو کچل نہ دے۔ میں اٹھ کر گھوڑے کے پاس گیا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر ایک سائبان سا ہے جس میں بہت سے چراغ جل رہے ہیں، (میرے دیکھتے ہی دیکھتے) وہ فضا میں اوپر کو بلند ہو گیا یہاں تک کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ فرمایا: میں نے صبح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آج آدھی رات کے وقت میں اپنے کھجوروں کے کھلیان میں تلاوت کر رہا تھا کہ اچانک میرا گھوڑا بدکنے لگا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن حضیر! تم پڑھتے رہتے۔ عرض کیا: میں نے پڑھا تو گھوڑا کودنے لگا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن حضیر! تمہیں پڑھتے رہنا چاہئے تھا۔ انہوں نے عرض کیا: میں نے پڑھا تو گھوڑا پھر کودنے لگا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حضیر کے بیٹے! تم پھر بھی پڑھتے رہتے، (تمہیں تلاوت قرآن موقوف نہ کرنی چاہئے تھی)۔ عرض کرنے لگے: میں نے تلاوت موقوف کر دی کیونکہ یحییٰ گھوڑے کے قریب سو رہا تھا، مجھے خوف ہوا کہ کہیں گھوڑا اسے کچل نہ دے۔ پھر میں نے ایک سائبان سا دیکھا جس میں چراغ سے روشن تھے۔ وہ فضا میں بلند ہو گیا یہاں تک کہ پھر مجھے نظر نہ آیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ملائکہ تھے جو تمہاری تلاوت سننے آئے تھے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح کے وقت لوگ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ان میں سے کوئی فرشتہ پوشیدہ نہ رہتا۔

’’امام حاکم نے بھی اسی طرح مختصراً روایت کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ’’میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو اچانک چراغوں کی طرح کوئی چیز دیکھی جو کہ آسمانوں اور زمین کے درمیان لٹک رہے تھے۔ پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! (اس کے بعد) مجھ میں (تلاوت) جاری رکھنے کی طاقت نہ رہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ملائکہ تھے جو قراتِ قرآن (سننے) کے لئے نازل ہوئے تھے، پس اگر تم تلاوت جاری رکھتے تو بہت سے (روحانی انوار و عجائبات) کا مشاہدہ کرتے۔‘‘

21. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّي رَأَيْتُ فِي هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فِيمَا يَرَى النَّائِمُ كَأَنِّي أُصَلِّي خَلْفَ شَجَرَةٍ، فَرَأَيْتُ كَأَنِّي قَرَأْتُ سَجْدَةً، فَرَأَيْتُ الشَّجَرَةَ كَأَنَّهَا تَسْجُدُ لِسُجُودِي فَسَمِعْتُهَا وَهِيَ سَاجِدَةٌ، وَهِيَ تَقُولُ: اللّٰهُمَّ! اكْتُبْ لِي عِنْدَكَ أَجْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا وَاقْبَلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَرَأَ السَّجْدَةَ، فَسَمِعْتُهُ، وَهُوَ



سَاجِدٌ يَقُولُ مِثْلَ مَا قَالَ الرَّجُلُ عَنْ كَلَامِ الشَّجَرَةِ. رواه الترمذي وابن ماجة وابن خزيمة وابن حبان واللفظ له. وقال أبو عيسى: هذا حديث حسن، وقال الحاكم: هذا حديث صحيح.

”حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت بیان کی کہ ایک آدمی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! آج رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں نے دیکھا گویا میں نے نماز میں سجدہ والی آیت پڑھی (اور سجدہ کیا)، پھر دیکھا کہ وہ درخت بھی میرے سجدے کی وجہ سے سجدہ میں پڑا ہے۔ میں نے سنا کہ درخت سجدے میں پڑے پڑے کہہ رہا ہے: اے میرے پروردگار! اس سجدہ کی برکت سے میرے لئے اپنے پاس اجر لکھ دے، اسے میرے لئے اپنے پاس خزانہ بنا دے، مجھ سے گناہ دور فرما دے اور اسے میری طرف سے ایسے قبول فرما جیسے تو نے اپنے (مکرم) بندے حضرت داؤد علیہ السلام سے قبول فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیتِ سجدہ تلاوت فرمائی، پھر میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالتِ سجدہ میں وہی الفاظ ادا فرما رہے تھے جو اس آدمی نے درخت کے کلام سے نقل کئے تھے (یعنی درخت کی دعا)۔“

22. عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم: إِنَّكُمْ لَنْ تَرْجِعُوا إِلَى اللهِ بِأَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْهُ يَعْنِي الْقُرْآنَ. رواه الترمذي.

”حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیشک تم قرآن سے بڑھ کر افضل کسی اور چیز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف ہرگز نہیں لوٹو گے۔“

23. عَنْ بُرَيْدَةَ رضي الله عنه، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: وَإِنَّ الْقُرْآنَ يَلْقَى صَاحِبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ، فَيَقُولُ لَهُ: هَلْ تَعْرِفُنِي؟ فَيَقُولُ: مَا أَعْرِفُكَ، فَيَقُولُ: أَنَا صَاحِبُكَ الْقُرْآنُ الَّذِي أَظْمَأْتُكَ فِي الْهَوَاجِرِ وأَسْهَرْتُ لَيْلَكَ، وَإِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَتِهِ وَإِنَّكَ الْيَومَ مِنْ وَرَاءِ كُلِّ تِجَارَةٍ، فَيُعْطَى الْمُلْكَ بِيَمِينِهِ وَالْخُلْدَ بِشِمَالِهِ وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ وَيُكْسَى وَالِدَيْهِ حُلَّتَانِ لَا يُقَوَّمُ لَهُمَا الدُّنْيَا، فَيَقُولَانِ: بِمَ كُسِينَا هَذَا؟ وَيُقَالُ لَهُمَا: بِأَخْذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ. ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: اقْرَأْ وَاصْعَدْ فِي دَرَجِ الْجَنَّةِ وَغُرَفِهَا، فَهُوَ فِي صُعُودٍ مَا دَامَ يَقْرَأُ هَذًّا كَانَ أَوْ تَرْتِيلًا. رواه ابن ماجة طرفا منه، وأحمد والدارمي، واللفظ له.

”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے روز قرآن، قرآن پڑھنے والے کو اس وقت ملے گا جب اس کی قبر پھٹے گی (اور وہ قبر سے باہر نکلے گا) ایسے شخص کی شکل میں جس کا رنگ کمزوری اور خوف کی وجہ سے تبدیل ہو چکا ہو، اور کہے گا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ تو وہ شخص کہے گا: میں تجھے نہیں پہچانتا، پس قرآن کہے گا: میں تمہارا دوست قرآن ہوں، وہ دوست جس نے دوپہر کے وقت شدید گرمی کے دنوں میں اپنے چشموں سے سیراب کیا اور تیری راتوں کو جگائے رکھا اور بے شک ہر تاجر اپنے کاروبار کے پیچھے بھاگتا ہے اور بے شک تو بھی آج اپنے اس کاروبار کے پیچھے بھاگے گا (جو تجھے نفع دے)۔



پس اس شخص کو اس کے دائیں ہاتھ میں بادشاہت اور بائیں ہاتھ میں ہمیشہ کی زندگی (یعنی پروانہء جنت) تھما دیا جائے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج سجایا جائے گا اور اس کے والدین کو دو قیمتی لباس پہنائے جائیں گے جن کی قیمت پوری دنیا سے بھی نہیں لگائی جا سکتی۔ پس وہ دونوں کہیں گے: ہمیں کس وجہ سے یہ قیمتی جوڑے پہنائے گئے؟ تو ان سے کہا جائے گا: تمہارے بیٹے کے (دنیا میں) قرآن سیکھنے کی وجہ سے۔ پھر اس صاحب قرآن کو کہا جائے گا کہ جنت کے کمروں اور سیڑھیوں پر اس قرآن کو پڑھتا جا۔ پس وہ اس وقت تک ان (سیڑھیوں) پر چڑھتا رہے گا جب تک وہ قرآن کو پڑھتا رہے گا خواہ اس کا پڑھنا جلدی کے ساتھ ہو یا ٹھہر ٹھہر کر۔"

24. عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرآنِ إِذَا دَخَلَ الْجَنَّةَ: اقْرَأْ وَاصْعَدْ. فَيَقْرَأُ وَيَصْعَدُ بِكُلِّ آيَةٍ دَرَجَةً حَتَّى يَقْرَأَ آخِرَ شَيْءٍ مَعَهُ. رواه ابن ماجة وأحمد وأبو يعلى.

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے لیے (قیامت کے دن) حکم ہو گا جب وہ جنت میں داخل ہو گا کہ قرآن پڑھ اور اوپر چڑھتا چلا جا۔ وہ قرآن مجید پڑھتا چلا جائے گا اور ہر آیت کے بدلے ایک درجہ ترقی کرتا چلا جائے گا یہاں تک کہ جہاں اس کی آخری آیت ہو گی اتنا ہی اس کا (جنت میں بلند) درجہ ہو گا۔"

25. عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيْهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. رواه أبو داود والبخاري في الأدب، وابن أبي شيبة والبزار.

"حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ایک حصہ ہے، اور قرآن مجید کے عالم کی جو اس میں تجاوز کرتا ہو نہ اس (کی تعلیمات) سے پیچھے ہٹتا ہو (اس کی تعظیم کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حصہ ہے)، اور اسی طرح عدل کرنے والے حکمران کی تعظیم کرنا (بھی تعظیم اِلٰہی کا ایک حصہ ہے)۔"

26. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: مَنْ حَافَظَ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ، وَمَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ مِائَةَ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ. رواه ابن خزيمة والحاكم واللفظ له والبيهقي. وقال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين.

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان (پانچ وقت کی) فرض نمازوں کی حفاظت کرے وہ غافلین میں نہیں لکھا جائے گا، اور جس نے رات کو ایک سو آیات تلاوت کی وہ (اللہ تعالیٰ کے) فرمانبردار بندوں میں لکھا جائے گا۔"



27 . عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی الله عنهما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ، وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ، وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ. رواه أبو داود وابن حبان.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ: مَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُتَفَكِّرِيْنَ. رواه الديلمي.

"حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دس آیات (کی تلاوت) کے ساتھ قیام کیا وہ غافل بندوں میں نہیں لکھا جائے گا۔ اور جس شخص نے سو آیات (کی تلاوت) کے ساتھ قیام کیا وہ اطاعت گزار بندوں میں لکھا جائے گا، اور جس شخص نے ہزار آیات (کی تلاوت) کے ساتھ قیام کیا وہ (بے حد و حساب) ثواب پانے والوں میں لکھا جائے گا۔"

"اور انہی سے مروی ایک روایت میں ہے کہ "جس شخص نے ہزار آیات (کی تلاوت) کے ساتھ قیام کیا وہ (اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں) غور و فکر کرنے والا لکھا گیا۔"

28 . عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: إِنَّ ِللهِ أَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ. قَالُوْا: مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: أَهْلُ الْقُرْآنِ، هُمْ أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ. رواه النسائي في السنن الكبرى وإسناده صحيح.

"حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سے کچھ اللہ والے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون (خوش نصیب) ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھنے والے، وہی اللہ والے اور اس کے خواص ہیں۔"

29 . عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی الله عنه، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَوْصِنِي؟ قَالَ: أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ الْأَمْرِ كُلِّهِ. قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! زِدْنِي. قَالَ: عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللهِ، فَإِنَّهُ نُوْرٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ، وَذُخْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ..... الحديث. رواه ابن حبان والطبراني والبيهقي.

"حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ ہی سارے معاملے کی اصل ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کچھ مزید وصیت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اے ابو ذر!) تلاوتِ قرآن ضرور کیا کرو کہ یہ زمین میں تمہارے لئے نور اور آسمانوں میں تمہارے لئے (نیکیوں کا) ذخیرہ ہو گا۔"

30. عَنْ سَلاَمٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي مُطِيعٍ، قَالَ: كَانَ قَتَادَةُ رضی الله عنه يَقُولُ: أُعْمُرُوْا بِهِ قُلُوْبَكُمْ وَاعْمُرُوْا بِهِ بُيُوتَكُمْ، قَالَ: أُرَاهُ يَعْنِي الْقُرْآنَ. رواه الدارمي.

''حضرت سلام ابن ابی مطیع بیان کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے: قرآن کے ذریعے اپنے دلوں اور گھروں کو آباد کیا کرو۔''

31. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی الله عنهما: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَقَدِ اسْتَدْرَجَ النُّبُوَّةَ بَيْنَ جَنْبَيْهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُوحَى إِلَيْهِ لَا يَنْبَغِي لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ أَنْ يَجِدَّ مَعَ جِدٍّ، وَلَا يَجْهَلَ مَعَ جَهْلٍ وَفِي جَوْفِهِ كَلَامُ اللهِ تَعَالَى. رواه الحاكم والبيهقي، وقال الحاكم: صحيح الإسناد.

''حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پڑھا، اس نے اپنے دونوں پہلوؤں (یعنی سینے میں ظاہراً عملاً) نبوت رکھ لیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کی طرف وحی نازل نہیں ہوتی۔ صاحب قرآن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی جھگڑنے والے سے جھگڑے، اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ جاہل کے ساتھ جاہلوں کی سی بات کرے حالانکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔''

32. عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللهِ فَأَقْبِلُوا مَأْدُبَتَهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، إِنَّ هذا الْقُرْآنَ حَبْلُ اللهِ، وَالنُّورُ الْمُبِينُ، وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ عِصْمَةٌ لِمَنْ تَمَسَّكَ بِهِ، وَنَجَاةٌ لِمَنِ اتَّبَعَهُ لَا يَزِيغُ فَيُسْتَعْتَبُ وَلَا يَعْوَجُّ فَيُقَوَّمَ، وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ، وَلَا يَخْلَقُ مِنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ اتْلُوهُ فَإِنَّ اللهَ يَأْجُرُكُمْ عَلَى تِلَاوَتِهِ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ، أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ: الم حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيمٌ حَرْفٌ. رواه الحاكم والدارمي وابن أبي شيبة وعبد الرزاق والطبراني والبيهقي.

''حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیشک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دستر خوان (عطیہ و نعمت) ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس کی دعوت قبول کرو۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی رسی، چمکتا دمکتا نور اور (ہر روگ و پریشانی کا) نفع بخش علاج ہے۔ جو اس پر عمل کرے اس کے لئے (باعثِ) حفاظت اور جو اس کی پیروی کرے اس کے لئے (باعثِ) نجات ہے۔ یہ جھکتا نہیں کہ اس کو کھڑا کرنا پڑے، ٹیڑھا نہیں ہوتا کہ سیدھا کرنا پڑے۔ اس کے عجائب (رموز و اَسرار، نکات و حکم) کبھی ختم نہ ہوں گے اور بار بار کثرت سے پڑھتے رہنے سے بھی پرانا نہیں ہوتا (یعنی اس سے دل نہیں بھرتا)۔ اس کی تلاوت کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت پر تمہیں ہر حرف کے عوض دس نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے۔ یاد رکھو! میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، اور میم ایک حرف ہے (گویا صرف الم پڑھنے سے ہی تیس نیکیاں مل جاتی ہیں)۔''



33. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلی الله علیه وآله وسلم كُتِبَتْ عِنْدَهُ سُورَةُ النَّجْمِ، فَلَمَّا بَلَغَ السَّجْدَةَ سَجَدَ وَسَجَدْنَا مَعَهُ وَسَجَدَتِ الدَّوَاةُ وَالْقَلَمُ. رواه البزار بإسناد جيد كما قال المنذري، والطبراني عن عائشة رضی الله عنها مختصرًا.

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سورۃ النجم لکھی جارہی تھی، جب آپ آیتِ سجدہ تک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ فرمایا۔ ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا اور دوات اور قلم بھی سجدے میں گر گئے (جس سے اس سورہ کی کتابت کی جارہی تھی)۔“

34. عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نَوفَلٍ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: مَا أَذِنَ اللهُ لِعَبْدٍ فِي شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ، وَالْبِرُّ يَتَنَاثَرُ فَوْقَ رَأْسِ الْعَبْدِ مَا كَانَ فِي صَلَاةٍ، وَمَا عَبْدٌ إِلَى اللهِ عز وجل بِأَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْهُ. يَعْنِي الْقُرْآنَ. رواه الطبراني.

”اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبیر بن نوفل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کو دو رکعت یا زیادہ رکعات والی نماز میں اتنا غور سے سنتا ہے جتنا کہ کسی اور چیز میں نہیں سنتا، اور نیکی انسان کے سر پر اس وقت تک سایہ فگن رہتی ہے جب تک وہ اپنی نماز میں ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن سے بڑھ کر افضل نہیں۔“

35. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنهما: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. يَقُولُ: الصِّيَامُ أَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ. وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ. قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ. رواه أحمد والحاكم وابن المبارك. وقال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم.

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز روزہ اور قرآن دونوں بندہ کے لیے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس شخص کو دن کے وقت کھانے (پینے) اور (دوسری) نفسانی خواہشات سے روکے رکھا، پس تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس شخص کو رات کے وقت جگائے رکھا پس اس کے متعلق میری شفاعت کو قبول فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔“

36. عَنْ حَفْصِ بْنِ غَيَاثٍ الْحَنَفِيِّ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه كَانَ يَقُولُ: إِنَّ الْبَيْتَ لَيَتَّسِعُ عَلَى أَهْلِهِ وَتَحْضُرُهُ الْمَلَائِكَةُ وَتَهْجُرُهُ الشَّيَاطِيْنُ وَيَكْثُرُ خَيْرُهُ أَنْ يُقْرَأَ فِيهِ الْقُرْآنُ، وَإِنَّ الْبَيْتَ لَيَضِيقُ عَلَى أَهْلِهِ وَتَهْجُرُهُ الْمَلَائِكَةُ وَتَحْضُرُهُ الشَّيَاطِيْنُ وَيَقِلُّ خَيْرُهُ أَنْ لَا يُقْرَأَ فِيهِ الْقُرْآنُ. رواه الدارمي والديلمي.



”حضرت حفص بن غیاث حنفی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: بے شک گھر میں قرآن کے پڑھے جانے سے وہ گھر اپنے اہل کے لئے کشادہ ہو جاتا ہے اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور شیاطین اس کو چھوڑ جاتے ہیں اور اس کی خیر (وبرکت) بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور بیشک وہ گھر جس میں قرآن نہیں پڑھا جاتا وہ اپنے اہل کے لیے تنگ ہو جاتا ہے اور فرشتے اس کو چھوڑ جاتے ہیں اور اس میں شیاطین حاضر ہوتے ہیں اور اس گھر میں خیر (وبرکت) کم ہو جاتی ہے۔“

37. عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنه قَالَ: إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللّٰهِ فَخُذُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ شَيْئًا أَصْغَرَ مِنْ بَيْتٍ لَيْسَ فِيْهِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ شَيْئٌ، وَإِنَّ الْقَلْبَ الَّذِي لَيْسَ فِيْهِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ شَيْئٌ خَرِبٌ كَخَرَابِ الْبَيْتِ الَّذِي لَا سَاكِنَ لَهُ.
رواه الدارمي وعبد الرزاق والطبراني بأسانيد، ورجال هذه الطريق رجال الصحيح.

”حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بے شک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دستر خوان ہے۔ سو تم جتنی استطاعت رکھتے ہو اس میں سے لو۔ بیشک میں اس گھر سے بڑھ کر جس میں کتاب اللہ میں سے کوئی شے بھی نہ ہو کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جو خیر سے خالی ہو۔ اور بے شک وہ دل جس میں کتاب اللہ میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے وہ ویران ہے بالکل اس ویران گھر کی طرح جس میں کوئی رہنے والا ہی نہیں ہے۔“

38. عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنهما، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله عليه وآله وسلم أَنَّهُ قَالَ: اَلْقُرْآنُ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ. رواه الدارمي والديلمي.

”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کو آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب سے زیادہ پیارا ہے۔“

39. عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رضی الله عنه: أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ وَهُوَ عَلَى ظَهْرِ بَيْتِهِ وَهُوَ حَسَنُ الصَّوْتِ، فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله عليه وآله وسلم، فَقَالَ: بَيْنَا اَقْرَأُ إِذْ غَشِيَنِي شَيْئٌ كَالسَّحَابِ وَالْمَرْأَةُ فِي الْبَيْتِ وَالْفَرَسُ فِي الدَّارِ، فَتَخَوَّفْتُ أَنْ تَسْقُطَ الْمَرْأَةُ وَتَنْفَلِتُ الْفَرَسُ فَانْصَرَفْتُ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله عليه وآله وسلم: اقْرَأْ يَا أُسَيْدُ! فَإِنَّمَا هُوَ مَلَكٌ اسْتَمَعَ الْقُرْآنَ.
رواه الحاكم والبزار وعبد الرزاق والطبراني. وقال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد.

”حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر قرآن پڑھا کرتے تھے، اور وہ بہت خوبصورت آواز والے تھے۔ پس وہ (اسید) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: (یا رسول اللہ!) جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو بادلوں کی طرح کوئی چیز مجھے گھیر لیتی ہے، اور میرے گھر میں میری بیوی ہے اور ایک گھوڑا ہے۔ پس میں ڈر جاتا ہوں کہ میری بیوی (خوف سے) گر نہ پڑے اور گھوڑا (ڈر کر) بھاگ نہ جائے، لہٰذا میں جلدی سے (تلاوت سے) ہٹ جاتا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا: اے اسید! تم اسے پڑھتے رہا کرو، بیشک یہ ایک فرشتہ ہے جو قرآن کو (بہت شوق سے) سنتا ہے۔“



40. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ الرَّحْمَنِ عَلَى سَائِرِ خَلْقِهِ. رواه أبو يعلى والبيهقي.

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن پاک کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسے ہی ہے جیسے رحمان (اللہ تعالیٰ) کی فضیلت اس کی تمام مخلوقات پر ہے۔“

41. عَنِ الْحَسَنِ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: لَا فَاقَةَ لِعَبْدٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَلَا غِنًى لَهُ بَعْدَهُ. رواه ابن أبي شيبة والقضاعي.

”حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو (کبھی) فاقہ نہیں ہو گا جو قرآن پڑھتا ہے اور اس (قرآن) کے بعد اس کے لیے (اس سے بڑی) کوئی غنا نہیں ہے۔“

42. عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: عَدَدُ دَرَجِ الْجَنَّةِ عَلَى عَدَدِ آيِ الْقُرْآنِ، فَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ فَلَيْسَ فَوْقَهُ دَرَجَةٌ. رواه ابن أبي شيبة والبيهقي واللفظ له والديلمي.

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت کے درجات قرآن کی آیات کی تعداد کے برابر ہیں۔ پس جب اہل قرآن میں سے کوئی جنت میں داخل ہو گا تو اس کے اوپر کسی اور کا درجہ نہیں ہو گا۔“

43. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ: إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ، مَنِ اتَّبَعَهُ قَادَهُ إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَهُ أَوْ أَعْرَضَ عَنْهُ زُجَّ فِي قَفَاهُ إِلَى النَّارِ. رواه البزار هذا موقوفا على ابن مسعود، رواه مرفوعا من حديث جابر، وإسناده المرفوع جيد كما قال المنذري والهيثمي.

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن شفاعت کرنے والا ہے، اور اس کی شفاعت مقبول ہے۔ جو اس کی اتباع کرتا ہے یہ اسے سیدھا جنت میں لے جاتا ہے اور جو اس کو چھوڑ دیتا ہے یا اس سے نظریں پھیر لیتا ہے تو یہ اسے اپنی ہتھیلیوں پر اٹھا کر (دوزخ کی) آگ میں پھینک دیتا ہے۔“

44. عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: ثَلَاثَةٌ لَا يَهُولُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ، وَلَا يَنَالُهُمُ الْحِسَابُ، هُمْ عَلَى كَثِيبٍ مِنْ مِسْكٍ حَتَّى يُفْرَغَ مِنْ حِسَابِ الْخَلَائِقِ: رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ، فَأَمَّ بِهِ قَوْمًا،



وَهُمْ رَاضُوْنَ بِهِ، وَدَاعٍ يَدْعُو إِلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ، وَعَبْدٌ أَحْسَنَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَوَالِيهِ. رواه الطبراني في الأوسط والصغير بإسناد لا بأس به والبيهقي.

''حضرت (عبد اللہ) بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص ہیں جنہیں (قیامت کی) بڑی گھبراہٹ بھی خوف زدہ نہ کرسکے گی اور نہ انہیں حساب دینے میں دشواری ہوگی، وہ مخلوق کے حساب و کتاب سے فارغ ہونے تک مُشک کے ٹیلوں پر آرام کرتے رہیں گے: پہلا وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قرآن پڑھا اور کسی قوم کی امامت کی جبکہ مقتدی لوگ اس سے خوش ہوں۔ دوسرا وہ آدمی جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر لوگوں کو پانچ وقت کی نمازوں کی دعوت دیتا ہو اور تیسرا وہ غلام ہے جو اپنے پروردگار کے معاملات بھی درست رکھے (عبادت کرتا رہے) اور اپنے آقا کے کام بھی خوش اسلوبی سے انجام دے۔''

45. عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ: إِنَّ أَصْغَرَ الْبُيُوتِ بَيْتٌ لَيْسَ فِيهِ مِنْ كِتَابِ شَيْءٌ، فَاقْرَءُوْا الْقُرْآنَ فَإِنَّكُمْ تُؤْجَرُوْنَ عَلَيْهِ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ، أَمَا إِنِّي لَا أَقُوْلُ: الم، وَلَكِنِّي أَلِفٌ وَلَامٌ وَمِيْمٌ. رواه الطبراني والحاكم موقوفا واللفظ له، وقال: رفعه بعضهم نحوه. وهذا حديث صحيح الإسناد.

''حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: گھروں میں سب سے حقیر گھر وہ ہے جس میں اللہ کی کتاب (قرآن پاک) میں سے کچھ بھی نہیں پڑھا جاتا، سو تم قرآن پاک پڑھا کرو۔ بیشک تمہیں اس کے ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیوں کا اجر دیا جاتا ہے جبکہ میں یہ نہیں کہتا: الم ایک حرف ہے، بلکہ ''الف'' ایک حرف ہے، ''لام'' ایک حرف ہے اور ''میم'' ایک حرف ہے (یعنی صرف الم پڑھنے سے تیس نیکیوں کا ثواب مل جاتا ہے)۔''

46. عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: الْآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَهُمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ. متفق علیه.

''حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات (کی تاریکی) میں پڑھیں تو وہ اسے (قبر کی تاریکی میں) کفایت کریں گی۔''

47. عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم: اقْرَءُوْا يٰس عَلَى مَوْتَاكُمْ. رواه أبو داود وابن ماجة.

''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مُردوں کے پاس ''سورۃ یٰس'' پڑھا کرو۔''



48 .عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بَعَثَ رَجُلًا عَلَى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهِ فِي صَلَاتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ. فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. فَقَالَ: سَلُوْهُ لِأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ، فَسَأَلُوْهُ. فَقَالَ: لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَ بِهَا. فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَخْبِرُوْهُ أَنَّ اللهَ يُحِبُّهُ. متفق علیه.

وفی روایۃ للبخاری: قَالَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ.

”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو فوجی دستے کا امیر بنا کر بھیجا اور جب وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو اسے سورہء اخلاص پر ختم کرتے۔ جب وہ واپس ہوئے تو لوگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ پس انہوں نے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اس میں خدائے رحمان کی صفت ہے، اس لئے میں اس سورت کو پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔

”اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیری یہی محبت تجھے جنت میں لے جائے گی۔“

49 .عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: أَمَرَنِي رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ أَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ. رواہ الترمذی وأبوداود والنسائی واللفظ لھما. وقال أبو عیسی: ھذا حدیث حسن صحیح.

”حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا: ہر نماز کے بعد معوذات (سورہ فلق اور سورہ ناس) پڑھا کرو۔“

قرآنِ کریم اس رب تبارک وتعالیٰ کا بے مثل کلام ہے جو اکیلا معبود، تنہا خالق اور ساری کائنات کا حقیقی مالک ہے، اللہ ارشاد فرماتا ہے (مفہوم) اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہہ ہو اس میں (قرآن) جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں بیشک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو تو ہر گز شک والوں میں نہ ہو۔ اور ہر گز ان میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں کہ تو خسارے والوں میں ہو جائے گا (پ ۱۱، یونس: ۹۵، ۹۴)۔

اس نے اپنا یہ کلام رسولوں کے سردار، حبیب بے مثال محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، تاکہ اس کے ذریعے آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور دینِ حق کی پیروی کرنے کی طرف بلائیں، اور شرک وکفرونافرمانی کے انجام سے ڈرائیں، لوگوں کو کفر وشرک اور گناہوں کے تاریک راستوں سے نکال کر ایمان واسلام کے روشن اور مستقیم راستے کی طرف ہدایت دیں، اور ان کے لئے دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کی راہیں آسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔ (مفہوم)۔



تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی، اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ لوگوں کی مصلحتوں کو قائم رکھنے والی نہایت معتدل کتاب، تاکہ اللہ کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور اچھے اعمال کرنے والے مومنوں کو خوشخبری دے کہ ان کے لیے اچھا ثواب ہے۔ (پ ۱۵، الکہف: ۱،۲)۔

قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توریت زبور انجیل، ان کے علاوہ بھی بہت سے صحیفے اور کتابیں نازل فرمائے لیکن وہ کتابیں جیسی اللہ تعالیٰ نے نازل کی تھیں ویسی پوری دنیا میں کہیں موجود نہیں، کیونکہ ان کے متبعین نے ان کو **تسھیل بالعمل**، عام وخاص سے مال ودولت کے نذرانے حاصل کرنے کی غرض سے بدل ڈالا جس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے (مفہوم)۔

بیشک وہ لوگ جو اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے ذلیل قیمت لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان سے نہ کلام فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (پ ۲، البقرہ ۱۷۴)۔

قرآن پاک واحد ایسی کتاب جیسی اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئی آج تک ویسی ہی ہے، حالانکہ کفار ومشرکین ودشمنان اسلام وقرآن نے اس میں بہت ردوبدل کرنے اور مٹانے کی ناکام کوششیں کی جتنی انہوں نے اس کو مٹانے، بدلنے کی کوششیں کی، وہ اتنا ہی تیز رفتاری کے ساتھ اپنی نورانیت وحقانیت سے لوگوں کے تاریک دلوں کو شرک وکفر کی غلاظت وخباثت سے پاک وصاف کرکے منور وروشن کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا، اپنا قائل وگرویدہ بناتا گیا۔

آخر اس کی کیا وجہ تھی کہ منکر لوگوں نے اس کو مٹانے کی ناکام کوششیں کیں، کرتے ہیں، کرتے رہیں گے لیکن اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر پائے اس کا سبب یہی ہے کہ اس کی حفاظت وصیانت رب عالم کر رہا ہے جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ ارشاد باری ہے (مفہوم) بیشک ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (پ ۱۴ الحجر: ۹)۔

قرآنِ مجید کے نازل ہونے کی ابتداء رمضان کے بابرکت ورحمت مہینے میں ہوئی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رمضان کا یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتوں پر مشتمل ہے۔ (پ ۲، البقرہ: ۱۸۵)۔



قرآن کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں لانے کا شرف روحُ الامین حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام کو حاصل ہوا۔

قرآنِ مجید کو دنیا کی فصیح ترین زبان یعنی عربی زبان میں نازل کیا گیا تا کہ لوگ اسے سمجھ سکیں اور عرب کے باشندگان اور کفارِ قریش کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم اس کلام کو سن کر کیا کریں گے جسے ہم سمجھ ہی نہیں سکتے۔

قرآن مجید کو تورات وانجیل کی طرح ایک ہی مرتبہ نہیں اتارا گیا بلکہ حالات وواقعات کے حساب سے تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً ۲۳ سال کے عرصے میں اسے نازل کیا گیا تا کہ اس کے احکام پر عمل کرنا مسلمانوں پر بھاری نہ پڑے اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے قلب اطہر کو مضبوطی حاصل ہو، اور تمام عالم انسایت کی رہنمائی کرے۔

قرآن کی لفظی تعریف۔ لفظ قرآن قرآن مجید میں ساٹھ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ یہ خالص عربی لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل نام ہی قرآن ہے (تفسیر مصباحین: ج۱، ص ۳۳)۔

قرآن وحدیث میں فرق۔ قرآن وحدیث دونوں ہی وحی الٰہی ہیں۔ دونوں کی اطاعت لازم وضروری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ قرآن کی عبارت اور مضمون خدا کی طرف سے ہے۔ گویا جس طرح حضرت جبریل نے آکر سنایا اسی طرح بلا کسی فرق کے حضور علیہ السلام نے بیان فرما دیا۔ حدیث یہ ہے کہ مضمون رب کی طرف سے ہوتا ہے اور الفاظ حضور علیہ السلام کے اپنے ہوتے ہیں اب اس مضمون کا آنا رب کی طرف سے بطور الہام ہوتا ہے یا فرشتہ ہی لے کر آتا ہے لیکن اس کی ادا حضور علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کا ماننا اس پر عمل کرنا لازم وضروری ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج 1، ص ۸ تا ۷)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو جو عظمت وشان عطا فرمائی وہ کسی اور کلام کو حاصل نہیں نا ہی کسی اور کتاب کو ہو سکتی ہے۔ قرآنی آیات سے اس کی عظمت وشان کو بیان کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے لوگو بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا۔ (۔پ ٦۔ النساء: ۱۷۵)۔



اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی اس کلام کو اپنی طرف سے نہیں بنا سکتا،اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اللہ کے نازل کئے بغیر کوئی اسے اپنی طرف سے بنالے،ہاں یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے،یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔(پ ۱۱،یونس:۳۷)۔

تمام جن واِنس مل کر اور ایک دوسرے کی مدد کرکے بھی قرآنِ عظیم جیسا کلام نہیں لاسکتے،اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔تم فرمادو:اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔(پ 15،بنی اسرائیل ۸۸)یہ کلام سیدھا اور مستقیم ہے،اس میں کسی قسم کی کوئی کَجی،ٹیڑھا پن نہیں ہے بلکہ نہایت مُعتدل اور مَصالحِ عِباد پر مشتمل کتاب ہے۔

یہ انتہائی اثر آفرین کتاب ہے جسے سن کر خوف وخَشیّت کے پیکر لوگوں کے دل دہل جاتے ہیں اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں،اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،(مفہوم)اللہ نے سب سے اچھی کتاب اتاری کہ ساری ایک جیسی ہے،بار بار دہرائی جاتی ہے۔اس سے ان لوگوں کے بدن پر بال کھڑے ہوتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل اللہ کی یاد کی طرف نرم پڑ جاتے ہیں۔یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔(پ۲۳الزمر:۲۳)۔

الغرض یہ بڑی برکت والی کتاب ہے اس لئے سب مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کی پیروی کریں اور پرہیز گار بن جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:اور یہ(قرآن)وہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے،بڑی برکت والا ہے تو تم اس کی پیروی کرو اور پرہیز گار بنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔اور یہ(قرآن)وہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے،بڑی برکت والا ہے تو تم اس کی پیروی کرو اور پرہیز گار بنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(پ ۸،انعام:۱۵۵)۔

ان کے علاوہ بھی خدائے تعالیٰ نے اکثر جگھوں پر قرآن کی رفعت شان کا تذکرہ کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے لئے ھدایت،نور اور شفا بنایا ہے،اس میں انسان کو حق و باطل کے مابین تمیز کرنے کا طریقہ عطا کیا،اس میں انسان کو غور وفکر اور تدبر کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگ اپنے زندگی کو کامیاب بناسکے اور دارین میں فلاح وخیر حاصل کر سکیں۔قرآن اپنے ماننے والوں کی زندگی کے ہر مرحلہ وشعبہ میں رہنمائی کرتا ہے چاہے وہ ان کی زندگی کے کسی گوشے سے تعلق رکھتے ہوں،ان کے روزمرہ کی پیش آمدہ مشکلوں پریشانیوں اور دیگر مسائل کا حل عطا کرتا ہے۔جو مومنین قرآن کی تلاوت کرنے کے شائق ہیں قرآن میں انکی تعریف وتوصیف بیان کی گئی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے(مفہوم)بیشک وہ لوگ جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز تباہ نہیں ہوگی۔تاکہ اللہ انہیں ان کے ثواب بھرپور دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ عطا کرے بیشک وہ بخشنے والا،قدر فرمانے والا ہے۔(پ ۲۲،الفاطر:۲۹،۳۰)۔



اس کی تلاوت کرنے کے شائقین کی تعریف وتوصیف کیوں نہ بیان کی جائے کیونکہ اس کا پڑھنا عبادت پڑھانا عبادت، دیکھنا عبادت چھونا عبادت، سمجھنا عبادت سمجھانا عبادت، سننا عبادت سنانا عبادت، غور وفکر کرنا عبادت ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ اسکی تلاوت دلوں سے نجاست وغلاظت معصیت کو صاف کرکے دلوں کو پاک کرتا ہے اور ان کی تاریکی کو دور کرکے ان کو پرنور کرتا ہے اسکی تلاوت سے دلوں کو سکون ملتا ہے اور آنکھوں کو ضیاء ملتی ہے اور زبان کو لطافت و تلذذ، اور اس کی تلاوت سے قیل وقال میں حلاوت وشیرینی اور طبیعت میں لطف وبشاشت پیدا ہوتی ہے۔اس کی تلاوت عقل وخرد میں کثرت واضافہ کا سبب بنتا ہے یہ سب تالی قرآن کے لئے فوائد ہیں اور اس سے بھی کہیں زیادہ، جس کو اس ناقص کا قلم بیان نہیں کر سکتا۔

درس قرآن نہ اگر ہم نے بھولایا ہوتا

تو یہ زمانہ نہ زمانے کو دیکھایا ہوتا

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر

ہم خوار ہوئے ہیں تارک قرآں ہوکر

توہم عہد کرتے ہیں کہ اپنے گھروں کو قرآن کی تلاوت سے شادو آباد رکھیں گے اور گھر کے ہر چھوٹے، بڑے کو قرآن کی تعلیم کی ترغیب دیں گے۔

اللہ تعالی ہمیں قرآن کی تلاوت اور اس کا ادب واحترام، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قرآن کی تعلیم کو گھر عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور فیضان قرآن سے تمام مومنین مومنات کو مستفیض فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامی الکریم صَلی اللہ تعالی علیہ وسلم

(مولانا محمد دانش رضا منظری

استاذ: جامعہ احسن البرکات فتح پور یوپی)

اعجازِ قرآن۔ایک مختصر جائزہ

علوم قرآن کے تمام مباحث پر قرن اول سے اب تک ہر پہلو اور ہر زاویہ سے بحث کی جاتی رہی ہے لیکن پھر بھی ان کا حق ادا نہ ہو سکا اور اب بھی وہ تشنہ معلوم ہوتے ہیں۔دوسرے مباحث کی طرح ”اعجاز قرآن“ کا موضوع بھی ابتدا ہی سے زیر بحث رہا ہے۔اگرچہ ابتدائی صدیوں میں متکلمین کے کلامی مباحث یا مفسرین کی تفسیروں کے ضمن میں اس کا تذکرہ ہوتا تھا، لیکن بہت جلد اس موضوع پر مستقل تالیفات وجود میں آنے لگیں۔چنانچہ کوئی صدی ایسی نہیں ملتی جس میں اعجاز قرآن کے موضوع پر پائے جانے والے علمی سرمایہ میں اضافہ نہ ہوا ہو۔



اعجاز قرآن کے مسئلہ کو شروع شروع میں مستقل بحث و تحقیق کا موضوع نہیں بنایا گیا، بلکہ اسے دیگر ان مسائل کے ساتھ شامل رکھا گیا جن میں اس زمانے میں زبردست کلامی بحثیں ہوتی تھیں اور ان کے سلسلہ میں اسلامی فرقوں کے درمیان باہم اختلاف تھا، خاص طور پر ان مسائل کے ساتھ جو نبوت اور معجزہ سے متعلق تھے۔ تیسری صدی ہجری میں اسلامی معاشرہ میں اعجاز قرآن کے بارے میں مختلف اقوال تھے جن کی وجہ سے اسلامی فرقوں میں کشمکش کی نازک صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ ہر فرقہ کے لوگ اعجاز قرآن کے بارے میں اپنی رائے کا اثبات اور اپنے مخالفین کی آواز کا ابطال کرتے تھے۔ اس قسم کی کتابوں میں ابن قتیبہ کی "تاویل مشکل القرآن" ابوالحسن اشعری کی "مقالات الاسلامیین" جاحظ کی "حجج النبوۃ" اور ابوالحسین خیاط کی "الانتصار" قابل ذکر ہیں۔ ہر صدی میں "اعجاز قرآن" پر لکھی جانے والی تالیفات کے مصنفین نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اعجاز قرآن پر جو کچھ لکھ رہے ہیں، وہ حرفِ آخر ہے، لیکن اگلی صدی نے ان کے اس دعویٰ پر خط نسخ کھینچ دیا۔

معجزہ

معجزہ کی حقیقت پر بات کرتے ہوئے علامہ جلال الدین السیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ رقمطراز ہیں کہ

"اعلم أنّ المعجزة أمر خارق للعادة، مقرون بالتحدی، سالم من المعارضة"۔ ١

ترجمہ "معجزہ ایسے خارق عادت امر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تحدی بھی کی گئی ہو اور وہ معارضہ سے سالم رہے۔"

جہاں تک معجزہ کی اقسام کا تعلق ہے حضرات علماء نے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ حسی معجزہ

۲۔ عقلی معجزہ

قوم بنی اسرائیل کے اکثر معجزات کا تعلق حسی معجزات سے تھا جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ قوم بڑی کند ذہن اور کم فہم تھی جبکہ امت محمدیہ کے زیادہ تر معجزات عقلی ہیں جس کا سبب اس امت کے افراد کی ذکاوت اور ان کے عقل کا کمال ہے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ شریعت محمدیہ چونکہ آخری اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اس لحاظ سے بھی اس کو عقلی معجزہ دیا گیا تاکہ اہل بصیرت اسے ہر وقت اور ہر زمانہ میں دیکھیں۔ ٢

اس ضمن میں ایک قول یہ بھی ہے کہ گزشتہ زمانہ کے واضح معجزات حسی اور آنکھوں سے نظر آنے والے تھے مثلاً صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور قرآن کا معجزہ عقل وادراک کے ذریعہ سے مشاہدہ میں آتا ہے۔ اس لیے اس کے متبع لوگ بکثرت ہوں گے کیونکہ آنکھوں سے دکھائی دینے والی چیز اپنے دیکھنے والے کے فنا ہوتے ہی خود بھی فنا ہو جاتی ہے، مگر جو چیز عقل کی آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے، وہ باقی رہنے والی شے ہے۔ اس کو ہر ایک شخص یکے بعد دیگرے دائمی طور پر دیکھتا رہے گا۔ ٣

قرآن کریم، ایک مسحور کن کلام

قرآن کریم کے اعجاز بیان کے سامنے اہل عرب نے آغاز بعثت ہی سے سپر ڈال دی۔ جونہی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے اس کی تلاوت کی، ان کو اس کے اعجاز بیان کا اندازہ ہو گیا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ کوئی بھی عربی، جو عربی زبان کی حس اور اس کا اصلی ذوق رکھتا ہے یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے اہل عرب کو اس کلام الٰہی کے سننے سے روکنا چاہا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ بلاشبہ یہی تھی کہ ان کو یقین تھا کہ کوئی بھی عربی ,اس قرآن اور انسانی کلام میں تمیز کرنے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ یعنی انہیں غلطی لگ ہی نہیں سکتی فوراً پہچان جائیں گے کہ یہ انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

کبھی کبھی اس کی کچھ آیتیں کسی ایسے شخص کے گوش گزار ہو جاتیں جو اسلام کا شدید دشمن ہوتا، لیکن انہیں سنتے ہی اعجاز قرآن کے سامنے سپر ڈال دیتا، جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کا اسلام لانے کا واقعہ ہے۔[۴] اسی طرح روایتوں میں آتا ہے کہ جبیر بن مطعم بن عدی ایک مشترک کا فدیہ ادا کرنے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ سورۃ الطور کی تلاوت فرما رہے تھے۔[۵] جب اس آیت پر پہنچے:

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ، مَا لَهُ مِن دَافِعٍ (الطور/۷،۸)

ترجمہ: ''تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں''

تو ان پر کپکپی طاری ہو گئی اور فوراً اسلام قبول کر لیا اور کہنے لگے، مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں مجھ پر عذاب نہ آ پڑے۔

پھر یہی نہیں کہ یہ شعلہ بیان خطیب اور آتش نوا شاعر قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکے بلکہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس کلام کی حیرت انگیز تاثیر کا کھل کر اعتراف کیا۔ امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ نے قرآن کریم کے بارے میں ولید بن مغیرہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

واللہ ان لقولہ الذی یقول حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وانہ لمثمر اعلاہ مغدق اسفلہ وانہ لیعلو وما یعلیٰ

''خدا کی قسم، جو یہ کلام بولتے ہیں اس میں بلا کی شیرینی اور رونق ہے۔ یہ کلام غالب ہی رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا''۔

یہ ولید بن مغیرہ ابو جہل کا بھتیجا تھا۔ ابو جہل کو جب یہ پتہ چلا کہ میرا بھتیجا اس کلام سے متاثر ہو رہا ہے تو وہ اسے تنبیہ کرنے کے لیے اس کے پاس آیا۔ اس پر ولید نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! تم میں کوئی شخص شعر کے حسن کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں، خدا کی قسم! محمد ﷺ جو کہتے ہیں، شعر کو اس کے ساتھ کوئی مناسبت اور مشابہت نہیں ہے۔[۶]

اعجاز قرآن کے ادراک میں تمام اہل عرب برابر تھے

کیاان لوگوں پر قرآن کا اعجاز واضح ہو گیا تھا؟ جس سے ان کی بصیرتیں روشن ہو گئیں اور وہ قرآن کی چند آیات سن کر ہی رسول اکرم صلی اللہ علی وسلم کے معجزہ پر ایمان لے آئے جبکہ دوسرے لوگوں پر قرآن کا اعجاز واضح نہ ہو سکا اور وہ عرصہ تک دشمنی اور تکذیب میں لگے رہے؟

قاضی ابو بکر باقلانی اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان وجوہ میں سے جن کی وجہ سے لوگ اسلام قبول کرنے سے باز رہے اور عرصہ تک شرک وتکذیب کی روش پر قائم رہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زمانہ بعثت میں فصاحت کے معاملہ میں اہل عرب میں تفاوت پایا جاتا تھا۔ انہوں نے سورۃ توبہ کی آیت ذکر کی ہے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ (التوبہ/٦)

"اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تا کہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دیدو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ یہ اس لیے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے"

اور اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آیت سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ اہل عرب میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کا محض کلام الٰہی سن لینا ان پر حجت تھا۔

باقلانی نے اس پر درج ذیل اعتراض بھی ذکر کیا ہے:

"اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ عہد نبویؐ میں تمام فصحاء قرآن سننے کے معاملہ میں ایک درجے پر تھے تو اسے یہ جواب دیا جائے گا کہ اس سے یہ ہر گز لازم نہیں آئے گا۔ اس لیے کہ انہیں اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے والی اور بھی بہت سی چیزیں تھیں مثلاً یہ کہ وہ شکوک وشبہات میں مبتلا تھے۔ ان میں بعض خالق کی ذات میں شک کرتے تھے۔ بعض کو توحید میں شک تھا بعض نبوت میں مشکوک تھے۔ ۷"

پھر ان کے شکوک وشبہات کے وجوہ مختلف تھے کچھ لوگ ایسے تھے جن کے شبہات کم تھے اور انہوں نے قرآن میں اتنا غور کیا جتنا غور کرنے کا حق تھا اور انکار کی روش اختیار نہیں کی چنانچہ وہ مشرف باسلام ہو گئے اور کچھ لوگ ایسے تھے جن کے شبہات زیادہ تھے اور انہوں نے قرآن کریم میں غور کرنے سے اعراض کیا۔ یا یہ کہ وہ بلاغت کے اعلیٰ مرتبہ پر نہیں تھے، اسی لیے انہیں غور وفکر کرنے میں عرصہ لگ گیا اور انہیں یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کیا دوسرے ویسا کلام لانے سے عاجز، ہیں اس لیے ان کا معاملہ موقوف رہا۔ اگر وہ فصاحت میں ایک ہی مرتبہ پر ہوتے اور اسلام قبول کرنے سے بار رکھنے والے اسباب یکساں ہوتے تو بیک وقت سب کے سب مشرف باسلام ہو جاتے۔ ۸



ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمن بنت الشاطی اس کے جواب میں کہتی ہیں کہ جو شخص عربی زبان جانتا ہو لیکن فصاحت کے اس درجے پر نہ ہو جو اسالیب کلام اور زبان جاننے کے وجوہ کی معرفت کے لیے ضروری ہے، وہ عجمی کے برابر ہے کیونکہ جس طرح عربی نہ جاننے والا اعجاز قرآن کا ادراک نہیں کر سکتا، اسی طرح وہ بھی اس سے ناواقف رہتا ہے۔ اس معاملہ میں ایک عرب اہل زبان جو زبان کے اس مرتبے پر نہ ہو اور غیر اہل زبان دونوں برابر ہیں۔ 9

اس کلام میں ضعف اور زیادتی ہے، اس لیے کہ زمانہ بعثت میں اہل عرب تمام کے تمام فصحاء تھے، اگرچہ ان میں بلاغت اور اظہار کی قدرت کے مراتب میں تفاوت تھا اور اس میدان میں بلیغ خطباء اور ماہر شعراء کو امتیاز حاصل تھا۔ ایسا بھی نہ تھا کہ وہ اچھے اور برے قول اور اعلیٰ اور ادنیٰ کلام میں فرق نہ کرسکتے، مگر ان میں تنقیدی حس موجود تھی جسے خالص لغوی سلیقہ نے مزید جلا بخشی تھی۔ 10

ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمن بنت الشاطی فرماتی ہیں کہ اعجاز قرآن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر فرد قرآن جیسا کلام پیش کرنے کی قدرت کا گمان کرنے لگے، پھر ویسا کرنے سے عاجز ہو جائے اور نہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک فرد کے بجائے تمام ماہرین فصاحت سے رجوع کیا جائے اور وہ اس کا مثل لانے سے عاجز رہیں۔ لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ تمام اہل عرب فصحاء تھے۔ 11

اعلیٰ حضرتؒ نے کیا خوب کہا

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فُصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

بڑے بڑے زبان دان فصیح وبلیغ جن پر خطابت وشاعری بھی ناز کرتی تھی۔ میرے آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں ایسا لگتا ہے کہ منہ میں زبان ہے ہی نہیں بلکہ یوں لگتا ہے کہ جسم میں جان ہی نہیں ہے

اور آپ کا کلام سن کر ہزار دشمنی کے باوجود ان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے **واللہ سمعت قول الکھنة وقول الشعراء فما سمعت مثل ھولاء الکلمات**۔ (مسلم شریف)

اس طرح کا کلام نہ کوئی شاعر کر سکتا ہے نہ کاہن بلکہ یہ رب کے رسول ﷺ کی شان ہی ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا۔ **انا افصح العرب بعثت بجوامع الکلم** ۔ میں سب سے فصیح وبلیغ عربی ہوں اور جامع کلمات دیکر بھیجا گیا ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور ! ﷺ میں عرب کے تمام شہروں میں پھرا ہوں مگر آپ جیسا فصیح وبلیغ کوئی نہ دیکھا فرمایا ایسا کیوں نہ ہو ادبنی ربی میرا رب نے مجھے سکھایا ہے (خصائص س ۶۳ ج ۱، زرقانی علی المواھب ص ۱۰۱ ج ۴)

ایک روایت میں ہے ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔ میرے رب نے مجھے بڑے حسین انداز میں ادب (کلام وبیان سکھایا۔

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں وعظ فرماتے تو ہماری آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتیں وجلت منھا القلوب (ترمذی) دل دہل جاتے۔

بخاری شریف میں ہے صاح المسلمون صیحہ مسلمانوں کی چیخیں بلند ہوتیں۔



قرآن کریم کا چیلنج

اب ذرا زمانہ جاہلیت کے اہل عرب کا تصور کیجیے۔ خطابت اور شاعری ان کے معاشرے کی روح رواں تھی۔ عربی شعر وادب کا فطری ذوق ان کے بچے بچے میں سمایا ہوا تھا۔ فصاحت وبلاغت ان کی رگوں میں خون حیات بن کر دوڑتی تھی۔ ان کی مجلسوں کی رونق، ان کے میلوں کی رنگینی، ان کے فخر وناز کا سرمایہ اور ان کی نشرو اشاعت کا ذریعہ سب کچھ شعر وادب تھا اور انہیں اس پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے سوا تمام قوموں کو "عجم" یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔ ایسے ماحول میں ایک اُمّی (جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک کلام پیش کیا اور اعلان فرمایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً (الاسراء/٨٨)

"اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن جیسا (کلام) پیش کرنا چاہیں تو اس جیسا پیش نہیں کر سکیں گے، خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کیوں نہ کریں"۔

یہ اعلان کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ دعویٰ اس ذات پاکؐ کی طرف سے تھا جس نے کبھی وقت کے مشہور ادباء اور شعراء سے کوئی علم حاصل نہ کیا تھا۔ کبھی مشاعرے کی محفلوں میں کوئی ایک شعر بھی نہیں پڑھا تھا اور کبھی کاہنوں کی صحبت بھی نہ اٹھائی تھی۔ خود شعر کہنا تو درکنار آپؐ کو دوسرے شعراء کے اشعار تک یاد نہیں تھے۔ پھر یہی وہ ذات تھی جسے میدان فصاحت کے یہ سورما ایک نئے دین کا بانی کہا کرتے تھے۔ اگر یہ اعلان سچا ثابت ہو جائے تو ان کے آبائی دین کی ساری عمارت منہ کے بل گر پڑتی۔ اس لیے یہ اعلان تو در حقیقت ان کی ادبی صلاحیتوں کو ایک زبردست چیلنج تھا۔ ۱۲

سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا کہ

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُواْ شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُواْ النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (البقرۃ/۲۳، ۲۴)

"اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے یہ ہماری ہے یا نہیں تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنالاؤ۔ اپنے سارے ہم نواؤں کو بلالو۔ ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو۔ اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً کبھی نہیں کرسکتے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر، جو مہیا کی گئی ہے منکرین حق کے لیے"۔

اس طرح اس آیت مبارکہ کے ذریعے چیلنج ختم کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں مکی عہد میں ۸۶ سورتیں نازل ہوئیں لیکن اہل عرب قرآن جیسی ایک سورت بھی لانے سے عاجز وبے بس رہے۔

ڈاکٹر عائشہ کہتی ہے کہ بعض متکلمین کا یہ خیال ہرگز درست نہیں۔۔۔ جیسا کہ قاضی عبد الجبار نے نقل کیا ہے۔۔۔ کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کے ذریعے انہیں اس وقت چیلنج کیا جب آپ ﷺ کو قوت وشوکت حاصل ہو گئی تھی، آپ ﷺ کی دعوت پھیل گئی تھی، آپ ﷺ کے اصحاب کثیر



تعداد میں ہو گئے تھے اور آپ ﷺ نے ان سے جنگ بھی چھیڑ دی تھی، اس لیے اہل عرب خوف کی وجہ سے ان کا مثل نہ لا سکے۔ کیوں کہ سورۃ بقرہ کی آیت کے علاوہ بھی چیلنج کی تمام آیات ہجرت سے قبل ہی نازل ہوئی تھیں جب مکہ میں ظلم وزیادتی، اذیت وتعذیب اور فتنہ اپنے بام عروج پر تھا۔[۱۳]

ولید بن مغیرہ کا واقعہ حضرت ابن عباسؓ نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب موسم حج آیا تو اس نے قریش کو جمع کر کے کہا کہ موسم حج میں عرب کے مختلف قبائل یہاں آئیں گے۔ اس لیے محمد ﷺ کے بارے میں کوئی ایسی بات طے کر لو کہ پھر باہم کوئی اختلاف نہ ہو۔ قریش نے کہا کہ ہم لوگوں سے یہ کہیں گے کہ محمد ﷺ کاہن ہیں۔ ولید نے کہا: خدا کی قسم! ان کا کلام کاہنوں جیسا نہیں ہے۔ قریش نے کہا کہ پھر ہم انہیں مجنون کہیں گے، ولید بولا کہ ان میں جنون کا شائبہ تک نہیں۔ قریش کہنے لگے کہ پھر ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہیں۔ ولید نے کہا کہ شعر کی تمام اصناف سے میں واقف ہوں۔ یہ کلام شعر ہرگز نہیں ہے۔ قریش نے کہا کہ پھر ہم انہیں جادوگر کہہ دیں۔ ولید نے پہلے اس کا بھی انکار کیا مگر عاجز آکر اسی پر فیصلہ ہوا۔[۱۴]

البتہ چند مسخروں نے قرآن کریم کے مقابلے میں کچھ مضحکہ خیز جملے بنائے تھے وہ تاریخ کے صفحات میں آج تک محفوظ ہیں اور اہل عرب ہمیشہ ان کی ہنسی اڑاتے آئے ہیں۔ مثلاً کسی نے "سورۃ القارعہ" اور "سورۃ الفیل" کے انداز پر یہ جملے کہے تھے کہ: الفیل ما الفیل وما ادراك ما الفیل له مشفر طویل وذنب اثیل وما ذاك من خلق من ربنا القلیل۔۔۔ یا کسی نے قرآن کے مقابلے پر یہ جملے بنائے تھے: الم تر ا الی ربك کیف فعل بالحبلی اخرج منها نسمة تسعی بین شر اسیف وحشی۔۔۔ پھر نزول قرآن کے کافی عرصے کے بعد عربی کے مشہور ادیب اور انشاء پرداز عبداللہ بن المقفع (المتوفی ۱۴۲ھ) نے قرآن کریم کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا لیکن اسی دوران کسی بچے کو یہ آیت پڑھتے سنا کہ: وَقِيۡلَ يٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِىۡ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقۡلِعِىۡ وَغِيۡضَ الۡمَآءُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ (ہود/۴۴) تو پکار اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا معارضہ ناممکن ہے اور یہ ہرگز انسانی کلام نہیں۔[۱۵]

اعجاز قرآن کے مختلف وجوہ

زمانہ قدیم سے مسلم علماء سلف میں اعجاز کی بحث ہوتی رہی ہے اور اعجاز کے وجوہ میں ان کے مختلف مسالک اور متعدد اقوال رہے ہیں۔ انہوں نے وجوہ اعجاز کے بارے میں کچھ بھی کہا ہو۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کا بلاغی اعجاز کبھی جدل واختلاف کا موضوع نہیں بنا۔ اسلامی فرقوں میں اس کے بارے میں اگر کچھ اختلاف رہا ہے تو محض یہ کہ صرف بلاغت ہی قرآن کا وجہ اعجاز ہے یا اس کے ساتھ ساتھ دوسرے وجوہ بھی ہیں۔ بظاہر ان کے کلامی مجادلہ کے شور میں اختلاف کا شبہ ہوتا ہے لیکن اگر ان کے موقف میں بنظر غائر دیکھا جائے تو آخر کار کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔[۱۶]



علامہ الرمانی کہتے ہیں کہ اعجاز قرآن کے وجوہ ان امور سے ظاہر ہوتے ہیں کہ باوجود بکثرت ودواعی اور سخت حاجت ہونے اور تمام لوگوں کے مقابلہ پر تحدی کیے جانے کے اس کا معارضہ کسی سے نہ بن آیا۔ ١٧ جبکہ علامہ زرکشیؒ نے وجوہ کی ایک وجہ وہ رعب بیان کیا ہے جو کہ اس کے سننے سے سامعین کے قلوب میں پیدا ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ سننے والے قرآن کے مقرہوں یا منکر۔ ١٨ اس بات میں تو کسی کو شک نہیں کہ اعجاز قرآن کی بہت سی وجہیں ہیں۔ یہاں چند وجوہ کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی بلاغت اور فصاحت

قرآن حکیم بلاغت کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا ہوا ہے جس کی مثال انسانی کلام میں قطعی نہیں ملتی۔ ان کے کلام کی بلاغت اس معیار تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر کلام کیا جارہا ہے اس کے مناسب معنی کے بیان کے لیے بہترین الفاظ اسی طرح منتخب کیے جائیں کہ مدعا کے بیان کرنے میں اور اس پر دلالت کرنے میں نہ کم ہوں نہ زیادہ ہوں۔ لہٰذا قرآن کریم بلاغت کے اس بلند معیار پر پورا اترتا ہے۔

علامہ جلال الدین السیوطیؒ کہتے تھے کہ قرآن کریم کی بلاغت اور اُس کے آئندہ معاملات میں پیشین گوئیاں اور اس کا معمول کو توڑ دینا اور پھر اس کا ہر ایک معجزہ پر قیاس ہونا، یہ باتیں بھی اُس کے اعجاز کی مثبت ہیں۔ اور معمول کلام توڑنا اس بات کا نام ہے کہ نزول قرآن سے قبل اور اس کے عہد میں معمول اور عادات کے مطابق کلام کی کئی نوعیں رائج تھیں۔ مثلاً شعر، سجع، خطبے، رسائل اور منشور کلام جس کے ذریعہ سے لوگ معمولی بات چیت کیا کرتے ہیں اور جو روزمرہ کی بول چال ہے مگر قرآن نے ان سب طریقوں سے جدا اور خارج از عادت ایک نیا منفرد طریقہ پیش کیا جس کا درجہ حسن میں ہر ایک پر فائق ہے۔ ١٩

قرآن کریم کے جملوں میں وہ شوکت، سلاست اور شیرینی ہے کہ اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ یہاں صرف ایک مثال پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

قاتل سے قصاص لینا اہل عرب میں بڑی قابل تعریف بات تھی اور اس کے فوائد ظاہر کرنے کے لیے عربی میں کئی مقولے مشہور تھے۔ مثلاً: القتل احیاء للجمیع (قتل اجتماعی زندگی ہے) اور القتل الفی للقتل (قتل سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے) اور اکثروا القتل لیقل القتل (قتل زیادہ کرو تاکہ قتل کم ہو جائے)۔

ان جملوں کو اتنی مقبولیت حاصل تھی کہ یہ زبان زدعام تھے اور فصیح سمجھے جاتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی اسی مفہوم کو ادا فرمایا لیکن کس شان سے؟

ارشاد ہے: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ (البقرۃ/١٧٩)

"اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے"۔

اس جملے کے اختصار، جامعیت، سلاست، شوکت اور معنویت کو جس پہلو سے دیکھیے بلاغت کا معجز شاہکار معلوم ہوتا ہے اور پہلے کے تمام جملے اس کے آگے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔ ٢٠



اسلوب کا اعجاز

زمانہ بعثت میں جب مشرکین اہل عرب قرآن کے مثل ایک سورت بھی نہ لا سکے تو اس پر چیلنج کی بحث ختم کر دی گئی۔ تاکہ اعجاز کا مسئلہ پے در پے نسلوں کے سامنے رہے اور یہ سوال ہمیشہ ان کے پیش نظر رہے کہ آخر اہل عرب قرآن کے مثل ایک سورۃ بھی لانے سے کیوں قاصر وعاجز رہے۔

قرآن کریم کے اعجاز کا سب سے زیادہ روشن مظاہرہ اس کے اسلوب میں ہوتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کا مشاہدہ ہر کس وناکس کر سکتا ہے۔ اس کے اسلوب کی چند اہم معجزانہ اور خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن کریم ایک ایسی نثر پر مشتمل ہے جس میں شعر کے قواعد وضوابط ملحوظ نہ ہونے کے باوجود ایک ایسا لذیذ اور شیریں آہنگ پایا جاتا ہے جو شعر سے کہیں زیادہ حلاوت اور لطافت کا حامل ہے۔ ۲۱

۲۔ علماء بلاغت نے اسلوب کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ ۱۔ خطابی ۲۔ ادبی ۳۔ علمی

ان تینوں قسموں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ خصوصیات جدا اور ان تینوں کو ایک ہی عبارت میں جمع نہیں کیا جا سکتا مگر قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ وہ ان تینوں اسالیب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

۳۔ اگر ایک ہی بات کو بار بار دہرایا جائے تو کہنے والا ادب وانشاء میں خواہ کتنا بلند پایہ مقام رکھتا ہو ایک مرحلے پر پہنچ کر سننے والے اکتا جاتے ہیں، لیکن قرآن کریم کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں ایک ہی بات بعض اوقات بیسیوں مرتبہ کہی گئی ہے۔ ایک ہی واقعہ بار بار مذکور ہوا ہے لیکن ہر مرتبہ نیا کیف، نئی تاثیر محسوس ہوتی ہے۔ ۲۲

غیب کی خبروں سے اعجاز کا پہلو

قرآن کے اعجاز کی وجوہ میں سے تیسری بڑی وجہ غیب کی خبروں کے بارے میں پیش گوئیاں ہیں۔ یہاں پر صرف چند پیش گوئیاں بیان کی جارہی ہیں۔

قرآن کریم آنے والے واقعات کی ان پیش گوئیوں پر مشتمل ہے جو بالآخر سو فیصد درست ثابت ہوئیں۔

1۔ (الٓمٓ۔ غُلِبَتِ الرُّومُ۔ فِيْٓ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ۔ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ (الروم/۱۔۳)

”ا۔ل۔م۔ رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے“۔

2۔ (لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُونَ (الفتح/۲۷)

"اگر اللہ نے چاہا تو تم مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگئے۔ اس طرح کہ تم میں بعض نے اپنے سر منڈوائے ہوئے ہوں گے، بعض نے بال چھوٹے کرائے ہوئے ہوں گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا"۔

3۔ (سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ (الفتح/۱۶)

"عنقریب تمہیں ایک ایسی قوم کی طرف بلایا جائے گا جو سخت قوت والی ہے"۔

اس میں جو خبر دی گئی ہے وہ بعینہ اسی طرح واقع ہوئی۔ اس لیے کہ سخت قوت والی قوم کا مصداق راجح قول کے مطابق بنو حنیفہ مسلیمۃ الکذب کا قبیلہ ہے اور بلانے والے صدیق اکبرؓ ہیں۔

4۔ (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ، وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (النصر/۱،۲)

"جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور آپؐ لوگوں کو دیکھ لیں کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں"۔

یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے، کیونکہ صحیح قول کے مطابق یہ سورت فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اِذَا استقبال کو مقتضی ہے۔ گزرے ہوئے واقعہ کے لیے اِذَا جَآءَ مستعمل نہیں ہوتا اور نہ اِذَا وَقَعَ کہا جاتا ہے۔ سو مکہ فتح ہوگیا اور لوگ جوق در جوق گروہ در گروہ اہل مکہ اور طائف کے رہنے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں داخل اسلام ہوئے۔

5۔ (قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ (آل عمران/۱۲)

"آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے"۔

ٹھیک اسی طرح واقع ہوا جس طرح خبر دی گئی اور کفار مغلوب ہوگئے۔ ۲۳

اعجازِ قرآن اور اہل بلاغت

مفسرین اور خاص طور پر ان میں سے اہل بلاغت نے آیات قرآنی کی تفسیر کے سیاق میں بلاغت کے جن پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجاز بیان پر اس اجماع نے اعجاز کی بحث کو خاص طور پر بلاغی میدان میں منتقل کر دیا۔ بلاغی اعجاز کے سلسلہ میں ابتدائی کوششیں ظاہر ہوئیں اور عبدالقاہر جرجانی کو اس بات میں شہرت حاصل ہوئی کہ وہ نظم میں اعجاز کے قائل ہیں۔ اسی طرح ابو بکر باقلانی اس حیثیت سے مشہور ہوئے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کی بلاغت میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔



اگر ہم بلاغی اعجاز کے سلسلہ میں ان ابتدائی مصنفین کے اسلوب اور طریقہ بحث پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے جن کی کتابیں ہم تک نہیں پہنچ سکی ہیں تو کم از کم ان لوگوں کے اسالیب میں تو ضرور غور کر سکتے ہیں جن کی کتابیں ہم تک پہنچتی ہیں اور جو ہمارے لیے نقوش راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چند کا مختصراً تعارف یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ خطابی ؒ

سب سے پہلے خطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے چوتھی صدی ہجری میں اپنے رسالہ "بیان اعجاز القرآن" میں نظم کے ذریعے اعجاز کے فکر کی تشریح کی۔ اسی طرح بلاغت کے پہلو سے اعجاز کی وضاحت کی جس کے ان سے پہلے اکثر علماء اہل نظر قائل تھے، اگرچہ ان کی فکر اس سلسلہ میں ایک قسم کی تقلید اور غلبہ ظن پر مبنی تھی۔

خطابی نے اس کتاب میں ان لوگوں کے شبہات کا بھی جواب دیا جنہوں نے بعض قرآنی آیات کی بلاغت پر اعتراض کیا اور مدعیان نبوت کے ان اقوال کا رد کیا ہے جنہیں "معارضات قرآن" کہا جاتا ہے۔ اس کتاب کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ خطابی نے قرآن کریم کے ایسے الفاظ میں دلالت کے لحاظ سے باریک فرق کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے بارے میں ہماری ڈکشنریوں اور تفسیر کی کتابوں میں کیا جاتا ہے۔ ۲۴

۲۔ رمانی ؒ

علی بن عیسیٰ الرمانی نے، جو چوتھی صدی ہجری کے ہیں، اپنے رسالہ "النکت فی اعجاز القرآن" میں بلاغت قرآن کو موضوع بنایا ہے۔ شروع میں انہوں نے اعجاز قرآن کے سلسلہ میں سات وجوہ بیان کیے ہیں پھر بلاغت کے پہلو سے اعجاز پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ۲۵

۳۔ قاضی عبدالجبار ؒ

قاضی عبدالجبار معتزلی کی کتاب "المغنی" کا جو حصہ "اعجاز قرآن" کے لیے خاص ہے اس میں قرآن کی فصاحت، بحث و نظر کا موضوع رہی ہے۔ ۲۶

۴۔ باقلانی ؒ

چوتھی صدی کے اواخر میں باقلانی ظاہر ہوئے۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب "اعجاز القرآن" پیش کی جو اعجاز پر خالص قرآنی مطالعہ نہیں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اور جیسا کہ اس کے مقدمہ میں بھی باقلانی وعدہ کرتے ہیں بلکہ وہ کلامی اور مذہبی مجادلہ اور شعر و نثر کے بے شمار طویل نصوص کی ادبی تنقید سے زیادہ قریب ہے۔

باقلانی کی کتاب کا مطالعہ کرنے والے کے لیے دشوار ترین امر یہ ہے کہ کلامی مجادلہ اور شعر و نثر کے طویل نصوص کے اس طومار سے نظم قرآن کے بلاغی اعجاز کے سلسلہ میں باقلانی کی کوئی واضح فکر حاصل کر سکے۔

۵۔ جرجانی ؒ

پانچویں صدی ہجری میں عبد القاہر جرجانی نے اپنے رسالہ "الشافیہ" میں اعجاز کی بحث میں متکلمین اور مذہبیین کے اختلافات کا جائزہ لیا اور ان تمام لوگوں کے شبہات کا استقصاء کیا جنہوں نے اعجاز کو اس کے بلاغی پہلو سے پھیر دیا ہے خاص طور پر وہ لوگ جو "صرفہ" کے قائل ہیں۔ ۲۷

عبد القاہر کے نزدیک نظم میں اس بلاغی اعجاز کو وہ شخص نہیں سمجھ سکتا جو سمجھنے کے آلہ سے محروم ہو اور وہ ہے علم بلاغت وفصاحت، انہوں نے اپنی کتاب "دلائل الاعجاز" میں اس علم کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جرجانی نے اپنی کتاب "دلائل الاعجاز" کی ابتدائی فصلوں میں اپنے مسلک کا اثبات کرتے ہوئے کہا ہے کہ فصاحت وبلاغت میں اصل اعتبار نظم کا ہے نہ کہ الفاظ کا اس لیے کہ الفاظ معانی کے خادم ہوتے ہیں چونکہ ان کا خیال ہے کہ نظم قرآن کا اعجاز اسی وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب فصاحت کے اسرار کا ادراک حاصل ہو۔ ۲۸

حوالہ جات

محمد حسنین

١۔ السیوطیؒ، جلال الدین، علامہ، الاتقان فی علوم القرآن، بیروت: دارالمعرفہ، ١٣١٧ھ، جلد ٢، ص ٢٢٨

٢۔ ایضاً

٣۔ ایضاً، ٢/ ٢٢٩۔٢٢٨

٤۔ ابن ہشام، جمال الدین عبداللہ بن یوسف، السیرۃ النبویۃ، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ١٣٩٨ھ، جلد ١، ص ٣٦٩۔٣٧٠

٥۔ ایضاً، ٢/ ٢٣٥

* مزید وضاحت کیلئے دیکھیں، اعجاز القرآن از باقلانی، ص ٣٨

٦۔ السیوطیؒ، جلال الدین، علامہ، الخصائص الکبریٰ، بیروت: دار صادر، جلد ١، ص ١١٣

٧۔ البلاقانیؒ، ابو بکر قاضی، اعجاز القرآن، مصر: دارالمعارف، ١١١٩ھ، ص ٤٠

٨۔ ایضاً، ص ١٧١

٩۔ الشاطیؒ، عائشہ عبد الرحمن، ڈاکٹر، قرآن کریم کا اعجاز بیان، مترجم (محمد رضی الاسلام ندوی)، لاہور: دارالکتاب، جولائی ٢٠٠٤ء، ص ٤٨

١٠۔ الشاطیؒ، عائشہ عبد الرحمن، ڈاکٹر، قرآن کریم کا اعجاز بیان، ص ٤٨



۱۱ ایضاً، ص۴۹

۱۲ عثمانی، محمد تقی، مولانا، علوم القرآن اور اصول تفسیر، کراچی: مکتبہ دار العلوم، ۱۴۲۳ھ، ص ۲۵۰۔۲۴۹

۱۳ الشاطئؒ، عائشہ عبد الرحمن، ڈاکٹر، قرآن کریم کا اعجاز بیان، ص ۸۱

۱۴ السیوطیؒ، جلال الدین، علامہ، الخصائص الکبریٰ، جلد ۱، ص ۱۱۳

۱۵ عثمانی، محمد تقی، مولانا، علوم القرآن اور اصول تفسیر، ص ۲۵۴۔۲۵۳

۱۶ الشاطئؒ، عائشہ عبد الرحمن، ڈاکٹر، قرآن کریم کا اعجاز بیان، ص ۹۸

۱۷ السیوطیؒ، جلال الدین، علامہ، الاتقان فی علوم القرآن، جلد ۲، ص ۲۳۰

۱۸ الزرکشیؒ، بدر الدین، امام، البرہان فی علوم القرآن، بیروت: دار المرفۃ، ۱۴۱۷ھ، جلد ۱، ص ۱۴۲

۱۹ السیوطیؒ، جلال الدین، علامہ، الاتقان فی علوم القرآن، جلد ۲، ص ۲۳۵

۲۰ عثمانی، محمد تقی، مولانا، علوم القرآن اور اصول تفسیر، ص ۲۵۹

۲۱ یہ پوری بحث حضرت شاہ ولی اللہ محدث علی دہلویؒ کی کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول تفسیر'' میں دیکھیں۔

۲۲ عثمانی، محمد تقی، مولانا، علوم القرآن اور اصول تفسیر، ص ۲۶۴۔۲۶۳

۲۳ کیرانویؒ، رحمت اللہ، مولانا، اظہار الحق، بیروت: منشورات المکتبۃ المعریۃ، جلد ۲، ص، ۹۹۔۹۸

۲۴ الشاطئؒ، عائشہ عبد الرحمن، ڈاکٹر، قرآن کریم کا اعجاز بیان، ص ۱۲۴۔۱۲۰

۲۵ الشاطئؒ، عائشہ عبد الرحمن، ڈاکٹر، قرآن کریم کا اعجاز بیان، ص ۱۲۵

۲۶ ایضاً، ص ۱۳۰

۲۷ ایضاً، ص ۱۴۷۔۱۳۴

۲۸ ایضاً



قرآنِ کریم معجزہ ہے جو آخری نبی محمد عربی ﷺ پر جستہ جستہ ۲۳ سالوں میں نازل ہوا، معجزہ کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ انسانی بس اور قدرت سے باہر ہو، لہٰذا قرآن کی مثیل و نظیر بھی انسانی قدرت وطاقت سے ماوراء ہے۔

نیز یہ ایسا معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک کی خلقت کو اپنے لانے والے کی صداقت کا یقین کراتا رہے گا، نتیجتاً لوگ حلقۂ اسلام سے روز افزوں وابستہ ہوتے رہیں گے، رسول اللہ... نے ایک حدیث میں اسی حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔

ما من الانبیاء نبی الا أعطی ما مثلہ آمن علیہ البشر ،وانما کان الذی أوتیت وحیًا أوحاہ اللہ الی، وأرجو أن أکون أکثرھم تابعًا یوم القیامۃ(۱)

ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا جس کا مشاہدہ کر کے انسانیت ایمان لاتی رہی، مجھے اللہ پاک نے ایسا معجزہ وحی کی شکل میں دیا ہے (اس میں غور وفکر کر کے قیامت تک لوگ ایمان لاتے رہیں گے) مجھے امید ہے کہ روزِ قیامت میرے متبعین زیادہ ہوں گے۔

لیکن دین کے باغی اور فطرتِ انسانی سے منہ موڑنے والوں نے تکذیب کو اپنا وطیرہ بنایااور اس معجزئہ قرآن سے متعلق مختلف قیاس آرائیاں کرنے لگے، تو قرآن نے مرحلہ وار تین قسطوں میں ان سے چیلنج کیااور مطالبہ کیا کہ اگر اس کلام الٰہی کی حقانیت میں تمہیں شک ہے تو اس جیسا قرآن، نہیں تو دس سورتیں، یا پھر ایک چھوٹی یا بڑی سورت ہی بنالاؤ، ہم تمہاری بکواسوں کو تسلیم کر لیں گے، لیکن بلند وبانگ ڈینگیں ہانکنے والے ششدر رہ گئے، انھوں نے اپنی غیرت نیلام کر دی، بہو بیٹیاں دشمنوں کے حوالے کر دیں، گردنیں کٹوائیں، حملے بھی کیے اور حملے کا جواب بھی دیا، سب کچھ گوارہ لیکن یہ نہ ہو سکا کہ صرف ایک آیت ہی بناڈالتے، روز روز کا جھگڑا منٹوں اور سکنڈوں میں مٹ جاتا، قرآن اپنے نزول سے لے کر ہنوز چیلنج کر رہا ہے لیکن کوئی اس کا معارضہ ومقابلہ کرنے والا آج تک پیدا نہ ہو سکا جو اپنے مقابلے سے اس کی اعتباریت میں فرق پیدا کر سکے۔

بہر حال قرآن معجزہ ہے جس کا مقابلہ محال ہے، لیکن وجہ اعجاز کیا ہے، صاحب مناہل العرفان کل چوبیس وجوہ: بعض وجوہِ صحیحہ اور بعض وجوہِ معلومہ ذکر کرتے ہیں (۲)

لیکن اکثر اہل علم حضرات کی رائے ہے کہ قرآن پاک اپنی فصاحت وبلاغت یا بزبان دیگر ''حسن بیان'' میں معجزہ ہے، علامہ خطابی فرماتے ہیں:

ذھب الأکثرون من علماء النظر الی أن وجہ الاعجاز فیہ من جھۃ البلاغۃ(۳)

اکثر اہل فکر ودانش علماء کی رائے ہے کہ وجہ اعجاز بلاغت کی جہت سے ہے

قریب قریب یہی بات اکثر علماء کے کلام میں پائی جاتی ہے، نیز منطقی لحاظ سے قرینِ قیاس بھی ہے، کیوں کہ یہ کلام جن عربوں میں نازل ہوا وہ ہر علم وفن سے بے بہرہ تھے لیکن فصاحت وبلاغت میں اوج کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ گویا کہ شعر وشاعری، زبان وادب، اور تعبیر وبیان ان کے گھر کی لونڈی ہیں۔ اس لیے ان سے کچھ عذر نہ ہو سکا کہ ہم تو اس فن کو جانتے ہی نہیں، جاننے والوں کو چیلنج کرو، احمد حسن الزیات رقم طراز ہیں:



من قائل أنه الفصاحة الرائعة المذهب الواضح والأسلوب الموثق ونحن الی هذا الرأی أمیل، فأن القوم الذین تحدوا به لم یکونوا فلاسفة ولا فقهاء حتی یکون عجزهم عن الاتیان بمثله معجزة. انما کانوا بلغاء مصادع وخطباء مصاقع وشعراء فحولاً، وفی القرآن من دقة التشبیه والتمثیل وبلاغة الاجمال والتفصیل وروعة الأسلوب وقوة الحجاج ما یعجز طوق البشر ویرمی المعارضین بالسُّکات والحَصَر .(۴)

بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اس قرآن میں شاندار فصاحت، واضح فکر و نظریہ اور مستحکم اسلوب پائے جاتے ہیں میری یہی رائے ہے کیوں کہ جس قوم کو للکارا گیا وہ نہ تو منطقیانہ موشگافیوں سے واقف تھے نہ ہی فہم و فراست کے حامل کہ ان کا اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہنا معجزہ ہوتا، ہاں وہ میدان بلاغت کے ہیرو، بلند پایہ مقرر، اور قادرالکلام شاعر تھے، نیز قرآن میں دقیق تشبیہ و تمثیل، ایجاز واطناب، حسین اسلوب اور قوت استدلال نے انسانی قوت کو درماندہ کر دیا اور مخالفین پر سکتہ وسناٹا طاری کر دیا)۔

اعجازِ بیانی کا امتیاز

بہر حال ایک طبقہ اس پر مصر ہے کہ قرآن کا اعجاز فصاحت وبلاغت کی وجہ سے ہے لیکن علماء کے مختلف اقوال سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ قرآن کی ہر جہت معجزہ ہے، اس لیے کہ اس کے مخاطبین جہاں عرب کے فصحاء وبلغاء ہیں اسی طرح رہتی دنیا تک کی اقوام ہیں، ان میں یہود و نصاریٰ جیسے دینی پیشوائی کے دعوے دار بھی ہیں اور فلاسفۂ یونان سے لے کر ہندوستان کے ہندو جوگ بھی، یہی وجہ ہے کہ آج اتنی صدیاں گزر گئیں، زمانے نے نہ جانے کتنے پلٹن کھائے، انقلابات کے کیسے کیسے دور آئے اور گزر گئے، سائنس وٹکنالوجی نے کتنی ترقیاں کیں لیکن آج تک کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہو سکا جو قرآن کی کسی جہتِ اعجاز کو بے اعتبار کر سکا ہو۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ قرآنِ کریم کا بلیغانہ وفصیحانہ اسلوب ایسا اعجاز سدابہار ہے جس میں کوئی آسمانی کتاب تک شریک وسہیم نہیں، بیانی اعجاز کی یہ جہت اتنی نمایاں ہے کہ جو بھی سنا خواہ وہ عربی زبان وبیان میں پہچان رکھتا ہو یا عربی کی الف با سے بھی واقف نہ ہو لیکن اس کا جذب اندرون پکار اٹھتا ہے۔

واللہ انہ یقولہ الذی یقول حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ۔۔۔وانہ لیعلو وما یعلی (۵)

خدا کی قسم جو یہ کلام بولتے ہیں اس میں بلا کی شیرینی اور رونق ہے، اور یہ کلام غالب ہی رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا ہے



اعجازِ بیانی کا معجزانہ امتیاز

اعجاز کی معرفت کے لیے کوئی معیار قائم کرنا تقریباً محال ہے، ہر چند کہ بعض علماء نے کوشش کی ہے کہ کوئی منضبط قاعدہ وضابطہ کے تحت اعجازِ بیانی کو داخل کر دیا جائے، ان میں غالباً سب سے پہلا نام علامہ خطابی کا ہے جن کی پیروی کرتے ہوئے مختلف مفسرین نے بھی اختیار کیا ہے، علامہ خطابی کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ:

بلغاء وفصحاء کے کلام تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) اعلیٰ درجے کا فصیح وبلیغ (۲) معمولی فصیح وبلیغ (۳) بالکل سادہ وسلیس۔ قرآن پاک کا امتیاز ہے کہ ہر ایک سے اپنے مخاطب کی رعایت کرتے ہوئے وافر حصہ لیتا ہے جو قرآن ہی کا حق ہے۔ (٦)

لیکن علامہ خطابی اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہیں یہ کہنا مشکل ہے، کیوں کہ کسی قدر قاعدہ وضابطہ کو متعین کر لیں لیکن آخری فیصلہ تو ذوق ووجدان ہی کو کرنا پڑتا ہے یہ تو اس خوشبو کی مانند ہے جو پھول کی پنکھڑیوں میں پنہاں ہوتی ہے، جس کو محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس لیے اس کے اعجاز کی شہادت کیلئے یہی کافی ہے کہ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی کوئی چیلنج قبول نہ کر سکا، بلکہ اپنی درماندگی کا اعتراف ہر صاحب ذوق کو خواہ دبے لفظوں میں ہی سہی کرنا پڑا۔

تاہم ایسے اصول وضوابط کا جائزہ لینا ضروری ہے جن کی رعایت کرنے سے کلام کی شان نرالی ہوتی ہے اور ''تاثیر'' میں چار چاند لگ جاتا ہے۔ دراصل کلام کا موٴثر ہونا ہی بیان کی غرض وغایت ہے، نیز کلام کا موٴثر ہونا چند وجوہ کی بنا پر ہوتا ہے، اس لحاظ سے قرآن کے اعجازِ بیانی کو چار خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) مفردات کا اعجاز (۲) جملوں اور ترکیبوں کا اعجاز (۳) اسلوب کا اعجاز (۴) نظم وربط بین الآیات کا اعجاز۔

مفردات کا اعجاز

مفردات کے لحاظ سے اگر قرآن پر غور کیا جائے تو اس کا ہر لفظ اپنی جگہ اتنا فصیح معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جگہ دوسرے کلمے کو خواہ اسی معنی ومفہوم کا ہو نہیں رکھ سکتے ہیں، اس کے بر خلاف زبان دانی کے دعوے کرنے والوں کے کلام میں مختلف خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً متنبی عربی زبان کا مشہور شاعر ہے، اس کو اپنی زبان دانی پر ناز بھی تھا اسی لیے دعوئہ نبوت بھی کر بیٹھا حالانکہ اس کا سارا کمال قرآن سے ہی مستفاد تھا جیسا کہ اس کی تاریخ حیات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے کلام کا اگر موازنہ کیا جائے تو بہت سارا نقص نظر آئے گا اور ایسا محسوس ہوگا کہ اگر اس لفظ کے بجائے یہ لفظ ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا مثلاً اس کا ایک شعر ہے:



ان القتیل مضرجاً بدموعه   مثل القتیل مضرجاً بدمائه (۷)

شہید محبت شہید جنگ کی طرح ہوتا ہے۔

لیکن ذرا "مثل" کو ہٹا کر 'فوق" رکھدیں تو دیکھئے حسن کتنا دوبالا ہوتا ہے۔

ان القتیل مضرجاً بدموعه   فوق القتیل مضرجاً بدمائه

شہید محبت کا مقام جنگی شہید سے بڑھا ہوتا ہے۔

لیکن قرآن نے لفظ "مثل" کو تقریباً چالیس جگہ استعمال کیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی ادھر ادھر نہیں کر سکتے ہیں۔

یہ صرف "مثل" کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ قرآن کے جس لفظ کو بھی لے لیں اس کی جگہ دوسرا لفظ حتی کہ اسی معنی کا متبادل ومترادف لفظ بھی نہیں رکھ سکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے کلام کا مقصود باقی نہیں رہ سکتا ہے مثال کے طور پر قرآن میں ہے:

أتدعون بعلا وتذرون أحسن الخالقين

تم لوگ بت کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑتے ہو۔

خیال ہو سکتا ہے کہ اگر "تذرون" کی جگہ "تدعُون" ہو تو معنی میں کچھ فرق نہیں ہو گا؛ بلکہ صنعت جناس کا اضافہ بھی ہو گا۔

لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے، وذر، اور ودع بیشک ہم معنی ہیں لیکن دونوں میں بنیادی فرق بھی ہے۔ وذر میں بالقصد چھوڑنا ملحوظ ہے؛ جبکہ ودع میں بالقصد کی کوئی قید نہیں، قرآن تو کہنا چاہتا ہے کہ تم لوگ بالقصد اپنے خالق کو ترک کر رہے ہو، ظاہر بات ہے کہ یہ معنی "ودع" سے پیدا نہیں ہو سکتا۔

مفرداتِ قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے الفاظ کا اضافہ ہے جو پہلے سے اس معنی میں معہود ومعروف نہیں ہیں، مثلاً موت کے لیے عرب میں ۲۴ الفاظ استعمال ہوتے تھے، سب میں عرب کے قدیم نظریہ کفر کی غمازی تھی، لیکن قرآن نے موت کے معنی کے لیے لفظ "توفی" استعمال کیا جس کے معنی پورا پورا لینے کے ہیں۔ قرینہ کے اضافے سے موت کا معنی پیدا ہو گا، جو صرف قرآن کا عطا کردہ ہے۔ (۸)

بعض معانی کے لیے الفاظ ثقیل ہی استعمال ہوتے ہیں جو کہ فصاحت کے لیے عیب ہے۔ قرآن نے ایسے تمام الفاظ کو چھوڑ دیا اور ضرورت کے وقت ایسا لفظ استعمال کیا جو سنتا ہے عش عش کیے بغیر نہیں رہ سکتا، مثلاً پکی اینٹ کے لیے تین لفظ عربوں میں مستعمل تھے آجرّ، قرمد، طوب، اور تینوں ثقیل سمجھے جاتے تھے۔ قرآن نے اس معنی میں استعمال کیا:

فاوقدلی یاھامان علی الطین فاجعل لی صرحاً . اے ہامان گیلی مٹی پر آگ روشن کر کے میرے لیے ایک محل تعمیر کرو۔

اسی طرح "ارض" کی جمع اراضی وارضون دونوں ثقیل سمجھے جاتے ہیں، قرآن نے ہر دو کو چھوڑ دیا،اور ان کی جگہ استعمال کیا۔

اللہ الذی خلق سبع سماوات ومن الارض مثلھن

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین بھی اتنی ہی۔

ترکیب کا اعجاز

مفردات کے بعد جملوں کی بندش اور ترکیب کی شوکت وسلاست کا نمبر آتا ہے اس حوالے سے اتنا ہی کہنا کافی ہو گا کہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ زبان از خود ایک جملے سے دوسرے جملے کی طرف پھسلتی جارہی ہے، کہیں اٹکاؤ نہیں یوں لگتا ہے کہ ہموار زمین ہے یا پھر ٹھہرے سمندر کی سطح آب۔

علاوہ ازیں مختلف ترکیبیں قرآن نے ایسی استعمال کی ہے کہ جن سے مختلف گتھیاں سلجھ گئیں، مثلاً قاتل سے انتقام لینا ایک کمال سمجھا جاتا تھا۔اس پر برانگیختہ کرنے کے لیے مختلف جملے زبان زد تھے القتل أنفی للقتل (قتل سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے) القتل احیاء للجمیع (قتل اجتماعی زندگی ہے) أكثروا القتل لیقل القتل (قتل زیادہ کرو، قتل کی وارداتیں کم ہو جائیں گی)

لیکن قرآن نے اس کے لیے استعمال کیا ولکم فی القصاص حیوۃ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی، ترکیب مختصر سی لیکن معانی کا ایک سمندر پنہاں ہے۔

کسی چیز کی وسعت کو بیان کرنے کے لیے مختلف جملے تھے، لیکن ساری وسعتوں کی ایک انتہاء تھی۔ قرآن نے جہنم کی وسعت بیان کرتے ہوئے کہا۔

یوم یقول لجھنم ھل امتلئت وتقول "ھل من مزید"

جس روز ہم جہنم سے پوچھیں گے: کیا تو سیر ہو گئی تو وہ پکار اٹھے گی "کیا کچھ اور ہے" اس وسعت کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا۔

بتوں کی عظمت وہیبت دلوں میں اتنی جاں گزیں تھی کہ اپنی قسمت کا فیصلہ کروانے بھی ان ہی کے پاس جاتے، ان کے ناموں کے احترام اور عقیدت مندانہ جذبات سے ان کے دل لبریز تھے۔ لیکن قرآن نے صرف ایک جملے میں سب کو پاش پاش کر دیا:

ان ھی الا اسماء سمیتموھا أنتم وآبائکم یہ محض تمہارے اور تمہارے پرکھوں کے رکھے ہوئے نام ہیں۔ان سے حقیقت کا کچھ واسطہ نہیں اور نہ ہی کوئی نفع ونقصان ان سے متعلق ہے۔

انداز کا اعجاز

اسلوب میں سب سے اچھا اسلوب، عربوں کے نزدیک ہی نہیں ہر صاحب ذوق کے یہاں "شعری اسلوب" ہے؛ کیوں کہ اشعار کے سنتے وقت غیر محسوس طور پر انسان حلاوت محسوس کرتا ہے؛ لیکن علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کا اسلوب شعر نہیں ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے "الفوز الکبیر" میں بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ:

اس کا اسلوب ہے تو نثر، لیکن شعر کی لذت سے بڑھ کر اس میں لذت موجود ہے۔کیوں کہ شعر کی لذت اور حلاوت کا سارا مدار "متوازن صوتی آہنگ" کا کان سے ٹکرانا ہے، لیکن یہ آہنگ پیدا کیسے ہوتی ہے اس کے لیے مختلف ذوق ومزاج ہیں، اور مختلف اصول وضوابط ہیں، عربی اشعار کا سارادارومدار خلیل بن احمد کی تخلیق کردہ اوزان پھر ردیف کی یکسانیت اور قوافی کی رعایت پر ہے، لیکن فارسی ذوق اس سے الگ ہے، اس میں اوزان کی نئی بحریں بھی ہیں، پھر حرکات وسکنات کی خاص ہم آہنگی بھی، عربی میں "کبیر" و "قبور" ہم وزن ہیں جبکہ فارسی میں مخل فصاحت، عربی میں زحافات اتنی زیادہ ہیں کہ وزن کا باقی رکھنا مشکل ہوتا ہے۔فارسی میں ایسا نہیں۔

اس کے بر خلاف ہندی مزاج کا ذوق دوسرا ہے، اس میں تعدادِ حروف پر دارومدار ہے، پھر بسا اوقات تعدادِ حروف میں کافی تفاوت ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم نے ان اصولوں کو نظر انداز کردیا اور صرف "متوازن صوتی ہم آہنگی" کو باقی رکھا جو ہر ذوق ومذاق میں قدر مشترک ہے، لہٰذا قرآن کو اگر شعر نہیں کہہ سکتے تو نثر محض بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ عربوں نے جب اول وہلہ میں سنا تو شعر کہنے لگے، لیکن چوں کہ شعر کے نوک وپلک اور اصول وضوابط سے خوب واقف تھے، اس لیے اس نظریہ سے منحرف ہوئے سو کہا۔پھر نہ جانے کون کون سے لیبل چسپاں کرنے لگے۔(۹)

پھر علمائے بلاغت کے مطابق اسلوب کی تین قسمیں ہیں: خطابی، ادبی، علمی۔تینوں کی خصوصیات الگ الگ ہیں اور دائرۂ عمل بھی جداگانہ، لیکن قرآن ایک ہی عبارت میں تینوں اسلوب کو جمع کرتا ہے، کہ علم کی سنجیدگی بھی ہوتی ہے، خطابت کا زور بھی تو ادب کی شگفتگی بھی۔

ہر شاعر وادیب کا میدان الگ الگ ہے۔ایک میدان کا مرد دوسرے میدان میں بالکل ناکام ثابت ہوتا ہے مثلاً امرء القیس رزم وبزم، اور غزل کا امام ہے۔اس سے خوف وہیبت کا مضمون ادا نہیں ہوسکتا، یہ تو نابغہ ذبیانی کا کام ہے۔لیکن نابغہ سے حسن طلب نہیں ہوسکتا یہ تو اعشیٰ کا کام ہے۔

اسی طرح فارسی شعراء میں نظامی وفردوسی رزم وبزم میں، سعدی وعظ وپند میں تفوق رکھتا ہے۔ایک فن کا امام وشہ نشیں دوسرے فن میں حیران وخاک نشیں معلوم ہوتا ہے۔

لیکن قربان جایئے قرآن کے اسلوب پر ہر مضمون کو بلیغانہ وفصیحانہ اسلوب میں بیان کرتا ہے خواہ وہ ترغیب وترہیب ہو، یا رزم وبزم، جنت وجہنم کا بیان ہو یا پھر دنیا کی مذمت کا ذکر، انبیاء وصالحین کے کردار کا تذکرہ ہو یا پھر گزرے ہوئے سرکشوں اور باغیوں کی عبرت آموز داستانِ حیات، ہر ایک کو اسی مضمون کے مناسب جوش وخروش اور پر شوکت وپر عظمت لفظ ونظم میں بیان کرتا ہے۔

پھر مخاطب بھی ہر قسم کے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے ماہرین فنون بھی، تو متوسط طبقہ کے فصیح و بلیغ نیز الھڑ قسم کے انسان بھی، قرآن کریم باوجود کہ بیان کی جملہ اقسام پر مشتمل ہے لیکن اس کے تینوں قسموں کے مخاطب بیک وقت متاثر ہوتے ہیں اور ہر کوئی سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ قرآن کا اصل خطاب اسی سے ہے۔

ربط بین الآیات کا اعجاز

قرآنِ کریم ہدایت کا اتنا جامع مجموعہ اور مختلف الانواع مضامین پر مشتمل ہونے کے باوجود ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر مضمون دوسرے مضمون سے مربوط ہے، بلکہ بسا اوقات دو متضاد مضمون کو اکٹھا کرتا ہے اور انسانی دماغ حیران رہ جاتا ہے کہ خروج کہاں سے ہے اور دخول کہاں پر ہے، بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں کبھی متضاد رہے ہی نہیں ہیں۔

لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اگر ماقبل کا مضمون سامنے نہ ہو تو مابعد کی آیات غیر مربوط معلوم ہوں گی، بلکہ ہر آیت ماقبل سے مربوط ہونے کے باوجود مستقل مضمون کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ یہی محمل ہے ان علماء کے کلام کا جنھوں نے ربط بین الآیات کا انکار کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کا اعجاز ذوقی ووجدانی ہے، لیکن اصول وضوابط کا اگر پابند بھی تسلیم کر لیا جائے تو ہر اعتبار سے اس کا اعجاز ٹکسالی ہے، بلکہ جو ادیب وشاعر ایک فن میں کامل دسترس رکھتا ہے۔ اگر اس کے کلام کا موازنہ کیا جائے تو بے اختیار زبان پر آجائے گا

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

اور این الثری من الثریا۔ اس دعوے کی تصدیق کے لیے ایک مثال بطور موازنہ پیش کی جاتی ہے۔

ایک تقابلی جائزہ

امرءالقیس عرب کا مشہور شاعر، رزم وبزم کی تصویر کشی کا ماہر پوری عرب برادری میں مافوق العادت قوت کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔ اپنے رزمیہ اشعار میں گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

(الف) مِکَرّ مِفَرّ مغقبل مُدْبِر معًا   کجُلمود صَخْر حطّه السیل من عَلٍ

وہ گھوڑا حملہ کرنے والا، بھاگنے والا، آگے آنے والا، پیچھے کو مڑنے والا سب ایک وقت میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پتھر ہے جس کو سیلاب نے اوپر سے لڑھکا دیا ہے۔

(ب) کُمیت یُزِلّ اللِبْد عن حال متنه   کما ذَلّت الصفواءُ بالمتنزّل



وہ گھوڑا سیاہی وسفیدی مائل چتکبرا ہے، اس کی پیٹھ ایسی صاف ہے کہ نمدہ اپنی پشت کے وسط سے اس طرح پھسلا تا ہے جیسا کہ صاف چکنا پتھر اپنے اترنے کی جگہ سے پھسل کر گر تا ہے۔

(ج) علی الذّبْل جَیّاش کأن اھتزامہ اذا جاش فیہ حمیُہ غلیُ مرجلٍ

وہ دبلا پتلا ہے لیکن جوش ایسا کہ اس کے چلنے کی آواز گرمیٔ نشاط کے جوش میں دیگ کے ابلنے کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

(د) اذا ما السابحات علی الونی أثرن الغبار بالکَدِیْد المُوَکّل

جس وقت تیز رفتار گھوڑے تھک ہار کر پامال شدہ زمین پر غبار اڑاتے ہیں وہ گھوڑا بدستور بارش کی مانند تیز چلتا ہے۔

(ہ) یُزلّ الغلامَ الخِفّ عن صَھواتہ ویُلوی بأثواب العنیف المثقل

ہلکے پھلکے اناڑی نوجوان کو اپنی پیٹھ سے پھسلا دیتا ہے، اور بھاری بھر کم تجربہ کار شہ سواروں کے کپڑے گرا دیتا ہے۔(۱۰)

یہ پانچ اشعار ہیں جن میں اکیاون الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جو گھوڑے کی تعریف میں مقصود بنا کر کہے گئے ہیں۔ یقیناً سننے والا فصاحت و بلاغت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن قرآن نے ضمناً گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔

والعٰدیٰت ضبحاً، فالموریٰت قدحًا، فالمغیرات صبحًا، فأثرن بہ نقعًا، فوسطن بہ جمعًا .

قسم ہے دوڑتے ہانپتے گھوڑوں کی جو ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت دشمنوں کی جماعت میں جا گھستے ہیں۔

ان آیات میں صرف بارہ (۱۲) الفاظ ہیں اور گھوڑے کی ان میں واقعاتی و حقیقی صفات بیان کی گئی ہیں، جب کہ اشعار میں محض تخیلات ہیں۔ شاعر نے گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے اس کے فرار کی بھی تعریف کی ہے حالانکہ "فرار" خواہ کسی وجہ سے ہو عیب ہے، کمال نہیں۔ گھوڑے کی پیش قدمی کو دیگ کی آواز سے تشبیہ دی گئی جو کہ واضح نہیں جب کہ آیات میں نہ تو فرار کا ذکر ہے اور نہ گھوڑے کے دوڑنے کا، بلکہ ہانپنے کا بیان ہے جو بالکل واضح ہے۔

اشعار میں کبھی موٹاپے کا بیان ہو رہا ہے تو کبھی لاغری کا جو کہ تعارض ہے اور جھوٹ بھی۔ آیات میں کوئی تعارض نہیں۔ نیز گھوڑے کا پامال شدہ زمین سے مٹی کا اڑانا کوئی کمال نہیں بلکہ اصل کمال تو جب ہے کہ زمین تر بتر ہو پھر تیز چلنے سے غبار اڑے۔

اشعار میں تجربہ کار و ناتجربہ کار دونوں کو یا تو گرا دیتے ہیں یا پھر اس کے سامان کو ضائع کر دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کا وفادار نہیں ہے، جبکہ آیات میں گھوڑے اپنے آپ کو جوکھم میں ڈال کر منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں جو وفاداری کی دلیل ہے۔



مذکورہ بالا تفصیل قرآنِ کریم کے اعجاز بیانی کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ قاضی ابو بکر باقلانی نے اپنی کتاب اعجازالقرآن میں بلاغت کے دس وجوہ ذکر کرکے ہر نوع کے اعجاز کو ثابت کیا ہے وہ دس وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱)الایجاز (۲)التشبیہ (۳)الاستعارہ (۴)التلاؤم (۵)الفواصل (۶)التجانس (۷)التصریف (۸)التضمین (۹)المبالغہ (۱۰)حسن البیان۔(۱۱)

خلاصہ یہی ہے کہ قرآن معجزہ ہے جو اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب رہا۔ اس نے پوری دنیا میں انقلاب عظیم برپا کیا۔ سوئی انسانیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ منتشر اقوام کو متحد کیا اور راہِ راست سے منحرف جماعت کو صحیح راہ پر لگا دیا، اور یہ سب طفیل ہے اس کے اعجاز گراں مایہ قدر کا۔

حواشی

1۔ بخاری شریف: ۲/ ۷۴۴، کتاب فضائل القرآن، باب: کیف نزل الوحی۔

2۔ مناہل العرفان للزرقانی: ۲/ ۲۶۱-۳۲۴، المبحث السابع عشر فی اعجاز القرآن

3۔ الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ۲/ ۱۲۱۔

4۔ تاریخ الادب العربی: ۸۹

5۔ الخصائص الکبری: ۱/ ۱۱۳

6۔ روح المعانی: ۱/ ۳۱-۳۲۔ الاتقان فی علوم القرآن: ۲/ ۱۲۱

7۔ شرح دیوان المتنبی: ۱/ ۱۳۲ شارح: عبد الرحمان البرقوتی مطبوعہ: بیروت ۱۴۰۷ھ

8۔ یتیمۃ البیان للبنوری مقدمہ مشکلات القرآن ۸۸-۸۹

9۔ ماخوذ از العون الکبیر مع الفوز الکبیر: ۲۱۶-۲۳۰، الفصل الثانی

10۔ سبع معلقات: ۸۔ التوضیحات: ۲۱-۲۳

(۱۱) اعجاز القرآن للباقلانی علی ہامش الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ۲/ ۱۶۰



اعجاز کی معرفت کے لیے کوئی معیار قائم کرنا تقریباً محال ہے

اعجاز کی معرفت کے لیے کوئی معیار قائم کرنا تقریباً محال ہے، ہر چند کہ بعض علماء نے کوشش کی ہے کہ کوئی منضبط قاعدہ وضابطہ کے تحت اعجازِ بیانی کو داخل کر دیا جائے، ان میں غالباً سب سے پہلا نام علامہ خطابی کا ہے جن کی پیروی کرتے ہوئے مختلف مفسرین نے بھی اختیار کیا ہے، لیکن علامہ خطابی اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہیں یہ کہنا مشکل ہے، کیوں کہ کسی قدر قاعدہ وضابطہ کو متعین کر لیں لیکن آخری فیصلہ تو ذوق ووجدان ہی کو کرنا پڑتا ہے یہ تو اس خوشبو کی مانند ہے جو پھول کی پنکھڑیوں میں پنہاں ہوتی ہے، جس کو محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خصوصیات کا احاطہ تو بشری طاقت سے باہر ہے، تاہم انسان کی محدود بصیرت کے مطابق ان خصوصیات کو چار عنوانات پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:۔

(1)الفاظ کا اعجاز (2)ترکیب کا اعجاز (3)اسلوب کا اعجاز (4)اور نظم کا اعجاز۔

قرآن کریم کے بعض الفاظ پر بعض ملحدوں نے ثقیل ہونے کا اعتراض کیا ہے، مثلاً لفظ "ضِیزیٰ"۔ لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ بعض الفاظ اپنی ذات میں ثقیل ہوتے ہیں لیکن ادیب انھیں ایسے سلیقے سے استعمال کرتا ہے کہ اس جگہ اس سے بہتر لفظ نہیں لایا جاسکتا، اُردو میں اس کی مثال یہ ہے کہ "دھول دھپا" ایک مبتذل لفظ سمجھا جاتا ہے، جسے فصیح وبلیغ عبارتوں میں عموماً استعمال نہیں کیا جاتا، لیکن غالب کا یہ شعر دیکھیے

دھول دھپا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں

ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

یہاں یہ لفظ ایسے سلیقے کے ساتھ آیا ہے کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو حُسنِ بیان پر پانی پھر جائے گا، عربی میں اس کی مثال یہ ہے کہ گردن کی ایک رگ کا نام "اخدع" ہے، عربی کے دو شاعروں نے اس لفظ کو اپنے کلام میں استعمال کیا ہے، لیکن دونوں میں حُسن وسلامت کے اعتبار سے زمین وآسمان کا فرق ہے، ابو تمّام کہتا ہے:

يادهر قوم عن اخدعيك فقد

اضججت هذا الانام عن خرقك

یہاں یہ لفظ بڑا ثقیل اور بوجھل معلوم ہو رہا ہے، لیکن اس کے بعد حماسہ کے ایک شاعر عبد اللہ بن الصّمہ کا یہ شعر پڑھیے:

تلفّتّ نحو الحيّ حتّٰى وَجَدتُّني

وَجِعتُ من الاصغاء لِيتاً وّ اخدعا

اس میں وہی ثقیل لفظ اتنی روانی اور خوبصورتی سے آیا ہے کہ ذوقِ سلیم پر کوئی گرانی نہیں ہوتی، بلکہ شعر میں مجموعی طور پر جو سوز وگداز پایا جارہا ہے یہ ثقیل لفظ اس میں بھی پوری طرح فِٹ ہو جاتا ہے، قرآن کریم میں لفظ "ضِیزیٰ" بھی ایسے حُسن کے ساتھ آیا ہے کہ اس کی جگہ کوئی خوبصورت سے



خوبصورت لفظ بھی اس کی ہمسری نہیں کرسکتا۔

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی

اگر انفرادی طور سے دیکھا جائے تو قِسمۃ جَآئِرَۃ یا قِسمۃ ظَالِمَۃ کے الفاظ ضِیزیٰ کے مقابلے میں بہتر معلوم ہوتے ہیں، لیکن جس سیاق میں لفظ ضیزیٰ قرآن میں آیا ہے وہاں اگر "جائرۃ" یا "ظالمۃ" کے الفاظ رکھ دیے جائیں تو (اہل زبان جانتے ہیں کہ) کلام کی ساری روانی ختم ہو جائے گی۔

اعجاز نظم

قرآن کریم کا ایک دقیق اعجاز اس کی آیات کے باہمی ربط و تعلق، اور نظم و ترتیب میں ہے۔ آپ سرسری نظر سے قرآنِ کریم کی تلاوت فرمائیں تو بظاہر یہ محسوس ہو گا کہ اس کی ہر آیت جدا مضمون کی حامل ہے اور ان کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات کے درمیان نہایت لطیف ربط پایا جاتا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، ورنہ اگر کوئی ترتیب ملحوظ نہ ہوتی تو ترتیبِ نزول اور ترتیبِ کتابت میں فرق رکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ جس ترتیب سے قرآنِ کریم نازل ہوا تھا، اُسی ترتیب سے لکھ لیا جاتا۔ یہ جو کتابت میں حضور ﷺ نے ایک الگ ترتیب قائم فرمائی وہ اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ قرآنی آیات میں ربط موجود ہے، البتہ یہ ربط قدرے دقیق ہوتا ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے بڑے غور و فکر کی ضرورت ہے۔

اس ربط کو اتنا دقیق اور غامض رکھنے کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ ہر آیت کی ایک مستقل حیثیت باقی رہے، اور اس کے الفاظ کا عموم ختم نہ ہونے پائے تاکہ العبرۃ بعموم اللفظ پر عمل کرنا آسان ہو۔ اِس کے علاوہ اُس زمانے میں اہلِ عرب کے خطبات و قصائد کا اسلوب عموماً یہی ہوتا تھا کہ اُن کے مضامین مرتب اور مربوط ہونے کے بجائے مستقل حیثیت رکھتے تھے، لہٰذا یہ طریقہ اُس دور کے ادبی ذوق کے عین مطابق تھا۔

چنانچہ اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے، قرآن کریم کی ہر آیت مستقل معلوم ہو گی، لیکن جب آپ ذرا غور کی نظر سے دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ یہ پورا کلام مسلسل اور مربوط ہے۔

اس طرح قرآن کریم نے اپنے نظم میں جو اسلوب اختیار فرمایا ہے وہ اس کا دقیق ترین اعجاز ہے اور اس کی تقلید بشری طاقت سے بالکل باہر ہے۔ بہت سے علماء نے قرآن کریم کے نظم کی توضیح کے لیے مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں کے ضمن میں اسے بیان کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ اس معاملے میں امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیرِ کبیر شاید سب سے زیادہ قابلِ تعریف کاوش ہے۔ انھیں اللہ نے نظمِ قرآن کی تشریح کا خاص سلیقہ اور خاص توفیق عطا فرمائی ہے۔ ان کے بعد قاضی ابو السعودؒ نے بھی نظم قرآن کی خصوصیات کو بیان فرمانے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ بعد کے بیشتر مفسرین اس معاملے میں انہی دو حضرات کے خوشہ چیں ہیں۔

اس مسئلے میں صحیح رویہ یہ ہے کہ قرآن میں نظم کو تسلیم کرتے ہوئے وجوہ ربط کی تلاش کی جائے البتہ تکلف سے گریز کیا جائے کہ یہ قرآنی مذاق کے خلاف ہے۔ "الاتقان" میں علامہ عزالدین کا قول صاف طور سے یہ ہے کہ: علم مناسبت ایک بہترین علم ہے لیکن اگر آیتیں مختلف اسباب کے تحت



نازل ہوئی ہیں تو ان کے اندر وجہ ارتباط کی تلاش نہیں کی جائے گی اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کا یہ عمل تکلف سے خالی نہیں۔

(محاضرات قرانی / الاتقان108 /کتاب الفائد224 / العان النظر فی نظام الآی والسور ص:25-40)

چندہ وجوہ ارتباط

آیتوں اور سورتوں کے مابین اظہار ترتیب کا جو سسٹم ہے وہ دو قسم کا ہے۔ایک قسم ایسی ہے کہ ہم اسے کسی خاص نام کے ذریعے متعارف نہیں کرواسکتے ہیں اس میں دراصل مفسر کی دقیقہ رسی، سنت پر عبور، لغت کی پختہ معرفت اور قرآنی ذوق کام کرتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جسے بہ آسانی چند اصطلاحات کے سہارے متعارف کرایا جاسکتا ہے۔ہم اسی دوسری قسم کا ذکر کرنا چاہیں گے۔

(1)جملہ کبھی اپنے ماقبل کی تاکید ہو یا بیان ہو یا تفسیر ہو یا پھر کوئی ذیلی اعتراض ہو۔

(2)مقابلہ:یعنی ایک جماعت کی صفات کے مقابلے میں دوسری جماعت کی صفات کا ذکر

(3)ضد:مثلاً وعدہ کے بعد وعید، آیات عذاب کے بعد آیات رحمت

(4)مضادہ یا تضاد:جیسے قرآن کی یہ آیت دیکھیں(**یعلم ما یلج فی الارض ویخرج منها وما ینزل من السماء وما یعرج فیها**)

(5)تنظیر:جیسے(**کنا اخرجك ربك من بیتك بالحق**)کے بعد(**اولئك هم المؤمنون حقا**)

(6)استطراد:جیسے(**یابنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا ولباس التقوی ذلك خیر**)

(7)حسن تلخص:جیسے سورہ شعراء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل ہوا اور پھر بطور تلخص "معاد"کی صفات کا تذکرہ ہوا۔

کیا ہیں تلخص اور استطراد؟:

تلخص میں جس امر کا بیان ہوتا ہے اسے کلی طور پر ترک کردیا جاتا ہے اور متکلم تلخص کردہ معنی کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے لیکن استطراد میں امر مذکور کو ترک نہیں کیا جاتا بلکہ متکلم امر مستطرد کو بڑی تیزی سے سبک انداز میں بیان کرتے ہوئے آغاز کلام کی طرف لوٹ جاتا ہے ایسا لگتا ہے کہ اس نے اس امر کا ارادہ ہی نہیں کیا ہے بلکہ بات یونہی آگئی ہے۔(الاتقان11)

(8)مخاطبین کے حالات کی رعایت میں غور کرکے ربط تلاشنا(**افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت والی السماء کیف رفعت والی الارض کیف سطحت**)...(الاتقان110-108)

علم المناسبۃ کے حوالے سے قرآن حکیم پر ایک اعتراض یوں ہے کہ :

"قرآن واقعی ایک امی کی کتاب نظر آتی ہے کیونکہ اس کے اندر کوئی ربط اور تسلسل نہیں ہے اور ایسی بے ربط کتاب آسمانی کتاب کیونکر ہو سکتی ہے؟"

جواب:

"محاضرات قرآنی"میں ڈاکٹر محمود غازی رحمہ اللہ نے مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے,خلاصہ پیش خدمت ہے:

(1)بلاکسی تشبیہ کے عرض ہے کہ اردو اور فارسی کی ایک صنف "غزل مسلسل"ہوا کرتی ہے کہ اس کے اشعار بظاہر الگ الگ محسوس ہوتے ہیں مگر



ذرا سی توجہ سے ان کا آپسی ربط واضح ہو جاتا ہے۔اس مثال سے اندازہ کریں کہ غزل جس میں اصلاً بعد ہوتا ہے پھر وہ بھی شعری صنف!تو نثر میں کیونکر ربط نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔

(۲) قرآن کا اسلوب تقریری اور خطابی ہے۔اسے پڑھ کے سنایا جاتا تھا لکھ کے دیا نہیں جاتا تھا لہٰذا تحریری اسلوب کا مزاج اسے سمجھنے میں دشواری محسوس کرے گا۔مثلاً کوئی تقریر کرتے ہوئے کہے:"آج اسلام اور مسلمانوں پر برا وقت آیا ہے۔ہر طرف سے اسلام دشمن طاقتیں انھیں کچل دینے کے درپے ہیں۔"پھر ذرا لہجہ بدل کر اداۃ وصل کا استعمال کیے بغیر کہے:"ہم نے سر پہ کفن باندھ لیا ہے۔سنو!ہم اس جارحیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔"ظاہر ہے اس عبارت کے اندر ربط ہے اور وہ تقریری ربط ہے۔

(۳) قرآن میں رہ رہ کر مضامین کی جو تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے اس سے عدم ترتیب پر استدلال درست نہیں ہے۔اس کی مثال ایک ڈیزائن کی ہے۔جیسے آرٹ کا ایک ڈیزائن جس کے خطوط اس انداز کے ہوں کہ وہ پیچیدہ اور لائق معلوم ہوں مگر غور کرنے پر اس کا پورا سسٹم معلوم ہو جائے کہ یہ ایک گرافک ڈیزائن ہے۔اور یہ ڈیزائن پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ کوئی بھی علم یا کوئی بھی فن اس کے اصولوں کی معرفت کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔علم الحساب کی لکیریں حساب سے نابلد شخص کو دیوانوں کی حرکت ہی کا احساس دلائیں گی۔قرآن کی اپنی انفرادی شان ہے۔اور اس کو مکمل سمجھنے کے لیے ایمانی علم اور فطری فنی ذوق درکار ہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ دل بینا اسے سمجھ سکتا ہے،اندھا دل جو تعصب کی تاریکیوں کا مارا ہو قرآن کی ترتیبی ساخت کو نہیں سمجھ سکتا۔

(۴) قرآن چونکہ ہر فرد بشر کا ہادی ہے۔وہ اور اس کا فیض دونوں قیامت تک کے لیے ہیں اسی لیے اس کا انداز ترتیب ہر طرز ترتیب سے مختلف اور الگ ہے۔جس طرح قرآن کی دیگر چیزوں میں اعجاز ہے اسی طرح اس کی ترتیب بھی معجزانہ ہے۔اب جبکہ لوگ اپنے معیار ترتیب سے خدائی معیار ترتیب کو مختلف پاتے ہیں تو غور و تدبر کرنے کے بجائے اعتراض پیدا کرنے لگتے ہیں۔

نظم قرآن کی ایک ہلکی سی جھلک اس مثال میں دیکھی جا سکتی ہے،سورہ حجر میں ایک جگہ ارشاد ہے:نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۔(الحجر:49،50)"میرے بندوں کو خبر دیدو کہ میں غفور اور رحیم ہوں،اور میرا عذاب (بھی) بڑا دردناک ہے۔"

اس کے فوراً بعد ارشاد ہے:

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۔(الحجر:51)اور انھیں ابراہیمؑ کے مہمانوں کی خبر دے دو۔"

اور اس کے بعد فرشتوں کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے کا مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے،بظاہر ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا ،لیکن ذرا غور سے دیکھئے تو در حقیقت حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ پہلے جملے کی تائید ہے۔اس لیے کہ جو فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے تھے،انھوں نے دو کام کئے،ایک یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ جیسے صالح بیٹے کی خوش خبری دی،دوسرے انہی فرشتوں نے حضرت لوطؑ کی بستی پر جا کر عذاب نازل کیا،پہلا کام "اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ "کا مظاہرہ تھا اور دوسرا کام "عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ "کا۔اس طرح یہ دونوں جملے باہم نہایت گہرا تعلق رکھتے ہیں،لیکن الگ الگ دیکھئے تو ان کی مستقل حیثیت بھی ہے۔



نمونۂ عبرت (علمی اعجاز)

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

(اے فرعون!) سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچا لیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے (عبرت کا) نشان ہو سکے اور بیشک اکثر لوگ ہماری نشانیوں (کو سمجھنے) سے غافل ہیںo

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

سو ہم نے انہیں گیا گزرا کر دیا اور پیچھے آنے والوں کے لئے نمونۂ عبرت بنا دیاo (یونس: 93،92)

آج ہم قرآن کریم کی ایسی غیبی باتوں کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جس کی وجہ سے مغربی ملک کے ایک عیسائی دانشور کی تقدیر ہی بدل گئی۔ آپ نے موریس بوکائے کا نام ضرور سنا ہوگا، ہم اسی سلسلے وار پروگرام میں ان کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ ایک فرانسیسی دانشور ہیں جو علم طب اور جراحی میں مہارت رکھتے تھے اور عیسائی ماحول میں پلے بڑھے ہیں۔ ان کی علمی کاوش کا واقعہ بہت دلچسپ ہے جس نے ان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا اور ان کی راہ حق کی طرف ہدایت کی۔

فرانس ایک ایسا ملک ہے جہاں کے رہنے والے آثار قدیمہ کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ فرانس کے سابق صدر فرانسوا میتران کے دور میں فرانس نے مصر سے کہا کہ وہ فرعون کی مومیائی شدہ لاش کو بعض تحقیقات کی انجام دہی کے لئے فرانس منتقل کرے۔ جب فرعون کی مومیائی شدہ لاش لیکر ہوائی جہاز فرانس کے ائیرپورٹ پر اترا تو اس وقت فرانس کے بہت سے حکام مجملہ صدر اور کابینہ کے وزراء ائیرپورٹ پہونچے اور انھوں نے فرعون کی لاش کا اس طرح سے استقبال کیا کہ گویا فرعون زندہ ہے اور مصر پر فرمانروائی کر رہا ہے۔ استقبالیہ تقریبات کے بعد فرعون کی لاش کو فرانس کے آثار قدیمہ کے مرکز میں منتقل کر دیا گیا تاکہ آثار قدیمہ کے ماہرین فرانس کے پوسٹ مارٹم کرنے والے ماہر ڈاکٹروں کی مدد سے فرعون کی لاش کے بارے میں تحقیقات انجام دیں اور اس میں موجود بعض اسرار کا انکشاف کریں۔

تحقیقاتی گروپ کے سربراہ پروفیسر موریس بوکائے تھے۔ انھوں نے دوسرے ڈاکٹروں کے برخلاف جو فرعون کی لاش میں ترمیم کرنا چاہتے تھے ، فرعون کے مرنے کے راز کا انکشاف کرنا چاہا۔ ڈاکٹر بوکائے نے رات گئے تک فرعون کی لاش کا معاینہ کیا اور تحقیقات انجام دیتے رہے وہ اس کی لاش پر باقی ماندہ نمک سے سمجھ گئے کہ وہ دریا میں غرق ہو کر مرا ہے۔ فرعون جب مر گیا تو اس کی لاش کو دریا سے نکال کر مومیائی کیا ہے۔ لیکن جو چیز پروفیسر بوکائے کی حیرت کا سبب بنی وہ یہ تھی کہ فرعون کی لاش دوسری لاشوں کے مقابلے میں کیسے صحیح وسالم باقی رہی ہے۔ موریس بوکائے فرعون کے مرنے کی علت کے بارے میں اپنی آخری رپورٹ تیار کر رہے تھے۔ اور ان کی تحقیقات سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ دریا میں غرق ہو کر مرا ہے۔ اسی وقت وہاں پر حاضر لوگوں میں سے ایک نے ان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ تحقیقات کا نتیجہ شائع کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں، کیونکہ فرعون کے غرق ہونے کے سلسلے میں آپ کی تحقیقات اور مسلمانوں کا نظریہ ایک ہے۔ بوکائے نے اس خبر کی تردید کی اور اسے بعید جانا، کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ اس طرح کسی بڑے نتیجہ تک پہونچنا ممکن نہیں ہے، مگر یہ کہ انسان علمی ترقی، جدید اور دقیق ترین کمپیوٹر کی مدد سے کسی ایسے بڑے نتیجہ تک پہونچ



جائے۔ ان کے جواب میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن کریم نے فرعون کے غرق ہونے اور اور اس کے مرنے کے بعد اس کے جسم کے صحیح وسالم ہونے کی خبر دی ہے۔ یہ سن کر ڈاکٹر بوکائے کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا اور وہ تعجب میں پڑ گئے۔ وہ مرتب یہ سوچتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے اور کیسے ایک عقلانی امر ہو سکتا ہے؟ صدر اسلام کے دور کے لوگوں کو مصر میں فرعونوں کی لاشوں کو مومیائی کئے جانے کا علم نہیں تھا۔

ڈاکٹر بوکائے پوری رات فرعون کی مومیائی شدہ لاش کے بارے میں سوچتے رہے اور اپنے دوست کی باتوں پر غور وفکر کرتے رہے کہ قرآن کریم نے فرعون کے غرق ہونے کے بعد اس کے جسم کے صحیح وسالم ہونے کی خبر کیسے دی ہے؟ حالانکہ ان کی مقدس کتاب انجیل میں فرعون اور اس کے جسم کے صحیح وسالم ہونے کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ انھوں نے دل میں کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ مومیائی شدہ فرعون وہی ہے جو جناب موسی علیہ السلام کا تعقب کر رہا تھا؟ کیا یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار برس قبل کے اس واقعہ سے آگاہ تھے؟ ڈاکٹر بوکائے پریشان تھے، انھوں نے توریت وانجیل منگوائی اوران کا پھر سے مطالعہ کیا۔ انھوں نے توریت میں پڑھا کہ فرعون اوراس کا پورا لشکر جب حضرت موسی علیہ السلام کے پیچھے دریائے نیل میں داخل ہوا تو پانی نے پلٹ کر اسے اس کے تمام لشکر والوں کے ساتھ غرق کر دیا۔ ڈاکٹر بوکائے حیرت میں پڑ گئے کیونکہ انجیل نے فرعون کی لاش اور اس کے صحیح وسالم باقی رہنے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کا تھا۔ حکومت فرانس نے کچھ دنوں کے بعد فرعون کی لاش کو شیشے کے ایک خوبصورت تابوت میں رکھکر مصر واپس بھیجا۔ لیکن موریس بوکائے ذہنی طور پر پریشان تھے لہذا انھوں نے اسلامی ممالک کا سفر کیا تاکہ فرعون کی لاش کے بارے میں قرآن کی باتوں کی تحقیق کر کے اطمینان حاصل کیا جائے۔ انھوں نے سعودی عرب میں طب سے متعلق ایک کانفرنس میں شرکت کی جس میں پوسٹ مارٹم کے ماہر کئی ڈاکٹر موجود تھے۔ بوکائے نے کانفرنس میں فرعون کی لاش کے غرق ہونے کے بارے میں اپنی تحقیقات بیان کیں۔ ایسے میں ایک مسلمان کھڑا ہوا اور اس نے قرآن کریم کو کھولا اور سورہ یونس کی آیت نمبر بانوے کی تلاوت کی جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ خیر آج ہم تیرے بدن کو بچالیتے ہیں تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بن جائے اگرچہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہی رہتے ہیں۔ قرآن کریم کی اس صریح آیت نے بوکائے کو بہت زیادہ متاثر کیا اور وہ کانپنے لگے۔ اچانک کھڑے ہو گئے اور سب کے سامنے بلند آواز میں کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور قرآن کریم پر ایمان لے آیا ہوں۔ اس موقع پر قرآن کریم کی حقانیت ایسی نمایاں ہوئی کہ اجلاس میں موجود لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ان کے دل منقلب ہو گئے۔ اس طرح موریس بوکائے فرانس واپس پلٹ کر آئے حالانکہ وہ فکری لحاظ سے بلکل منقلب ہو چکے تھے۔ وہ اپنی تحقیقات کے نتائج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے فرعون اور دوسرے افراد کی لاشوں کی طرف جو دریائے نیل کے اس طرف اس وقت کے بادشاہوں کے مقبروں میں موجود تھیں، اشارہ کیا ہے لیکن لوگوں کو ان کی خبر تک نہیں تھی۔ بعد میں فرعون کی لاش کا انکشاف ہوا اور آج یہ مومیائی شدہ لاش قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ بوکائے برسوں جدید علمی انکشافات اور قرآن کریم کی آیات کے بارے میں تحقیق اور آپس میں مطابقت کرتے رہے لیکن انھوں نے حتی ایک مورد بھی علمی حقائق کے خلاف یا متضاد نہیں پایا۔ جس کی وجہ سے ان کے ایمان میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور وہ قرآن کی طرف سے بلکل مطمئن ہو گئے کہ اس میں باطل کے داخل ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس فرانسیسی دانشور کی برسوں کی تحقیق کے نتیجہ میں قرآن، توریت، انجیل اور علم کے نام سے ایک کتاب مرتب ہوئی، انھوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ قرآن کے علمی پہلوؤں نے مجھے بہت زیادہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ میں کبھی بھی فکر نہیں کرتا تھا کہ قرآن کریم نے مختلف موضوعات کو اتنی باریکی کے ساتھ بیان کیا ہو گا۔ ایسے مطالب جو مکمل طور پر جدید علمی انکشافات کے مطابق ہیں اور وہ بھی چودہ سو سال قبل بیان کئے گئے ہیں۔ بوکائے کی کتاب نے مغربی ممالک کو ہلا کر رکھدیا اور دانشوروں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ یہ کتاب پہلی اشاعت کے بعد ہی نایاب ہو گئی جس



کے بعد اس کے ہزاروں نسخے دنیا بھر سے شائع کئے گئے۔اس کتاب کا انگریزی، عربی، فارسی، ملایو، صربیائی، یوکرائنی، ترکی، اردو، اور جرمنی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ مغرب کے بعض افراد نے بوکائے کی اس کتاب کو مسترد کرنے کی کوشش کی لیکن جب انھوں نے اس کتاب کے مضمون میں دقت کی اور قرآن کریم کے علمی اعجاز سے آشنا ہوئے تو عظمت قرآن کا اعتراف کرلیا اور کلمہ شہادتین اپنی زبانوں پر جاری کیا۔

موریس بوکائے نے کانفرنس میں مصری مومیائی سے متعلق تحقیقات کے نتیجہ کے بارے میں کہا کہ میرے عزیز دانشوروں، میں فرعون کی لاش کے بارے میں کسی قسم کا کوئی تبصرہ نہیں کرسکتا، صرف خدائے واحد کے اس کلام کو پڑھ سکتا ہوں کہ جس میں وہ ارشاد فرمارہا ہے کہ کیا یہ لوگ قرآن میں غوروفکر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ فرعون کی لاش قدرت الہی کی ایک علامت تھی۔ جس نے اعجاز قرآن کو ثابت کرنے کے علاوہ بوکائے کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔(The Bible ,The Qur'an & Science by By Dr.Maurice Bucaille)

قران مجید کا صوتی نظام اور ردھم

قرآن کریم ایک ایسی نثر پر مشتمل ہے جس میں شعر کے قواعد وضوابط ملحوظ نہ ہونے کے باوجود ایک ایسا لذیذ اور شیریں آہنگ پایا جاتا ہے، جو شعر سے کہیں زیادہ حلاوت اور لطافت کا حامل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کا جمالیاتی ذوق نظم اور شعر میں ایک ایسی لذت اور حلاوت محسوس کرتا ہے جو نثر میں محسوس نہیں ہوتی۔ اگر آپ اس لذت اور حلاوت کے سبب پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس کا راز درحقیقت لفظوں کی اس ترتیب میں مضمر ہے جو ایک خاص صوتی آہنگ پیدا کرتی ہے، عربی، فارسی اور اُردو کی قدیم شاعری میں اس آہنگ کی لذت شعر کے خاص اوزان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک ہی صوتی وزن کے الفاظ بار بار کانوں میں پڑتے ہیں تو اس سے ذوقِ سلیم کو ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے، اور پھر جب وزن کے ساتھ قافیہ بھی مل جاتا ہے تو اس کی لذت دوچند ہوجاتی ہے، اور جب اس کے ساتھ ردیف کی یکسانیت بھی شامل ہوجاتی ہے تو لذت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے، اور اگر مصرعوں کے بیچ بیچ میں عروضی اوزان کے ساتھ صرفی اوزان اور قوافی کی یکسانیت بھی شامل ہوجائے (جیسا کہ مرصّع اشعار میں ہوتا ہے) تو یہ لذت اور بڑھ جاتی ہے۔

لیکن اوزان اور قوافی کے اصول ہر خطے اور ہر زبان میں یکساں نہیں ہوتے۔ ہر زبان کے لوگ اپنے اپنے ذوق اور مزاج کے لحاظ سے اس کے لیے مختلف قواعد مقرر کرتے ہیں، مثلاً اہلِ عرب نے اپنی شاعری کو وزن اور قافیہ کے سانچے الگ ہیں فارسی شاعری میں اوزان کا دائرہ کچھ اور وسیع کیا گیا، قدیم ہندی شاعری کو دیکھئے تو اس میں معروف عروضی اوزان کے بجائے صرف حروف کی تعداد کا لحاظ ہوتا ہے۔ ہم نے اہل دیہات کو دیکھا ہے جو ان دونوں اصطلاحوں سے بیگانہ ہیں، انہوں نے اپنے سلیقہ اور ذوق کے موافق ایک خاص ترکیب اور خاص تال ایجاد کر کے چند اوزان کلیات کے انضباط اور جزئیات کے انحصار کئے بغیر مرتب کرلئے ہیں جن سے وہ اپنی محفلوں کو گرماتے اور لذت پاتے ہیں۔ اس معاملے میں انگریزی شاعری کا مزاج شاید



سبھی سے زیادہ آزاد واقع ہوا ہے، کہ اُس میں عروضی اوزان تو کجا مصرعوں کے طول وعرض میں بھی بسا اوقات زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اکثر قافیے کی بھی کوئی خاص رعایت نہیں ہوتی، بلکہ صرف تلفّظ کے کھٹکوں (Syllables) سے ایک خاص آہنگ (rhythm) پیدا کیا جاتا ہے، اور وہی آہنگ اہلِ زبان کے لیے ایک خاص لذّت وکیف کا سبب بن جاتا ہے۔ اس طرح یونانیوں نے کچھ اوزان مقرر کئے ہیں جن کو وہ مقامات کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ان مقامات سے آوازیں اور شعبے نکال کر انہوں نے ایک نہایت ہی مبسوط اور مفصل فن اپنے لئے منضبط کیا ہے۔ غرض کہ ہر ایک قوم کا اپنی نظم کے متعلق ایک خاص قانون ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ شعر کی لذت وحلاوت میں اوزان و قوافی کے لگے بندھے قواعد کوئی عالمگیر حیثیت نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ یہ قواعد مختلف زبانوں اور خطّوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک چیز ہے جو اِن سب زبانوں اور تمام قوموں میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے، اور وہ ہے ایک "متوازن صوتی آہنگ (ردھم)" یعنی الفاظ کو اس طرح ترتیب دینا کہ اُن کے تلفظ سے اور انھیں سُن کر انسان کا جمالیاتی ذوق حظ محسوس کرے، لیکن انسان چونکہ اس قدرِ مشترک کو اوزان و قوافی کے معروف سانچوں سے الگ کرنے پر قادر نہیں، اس لیے جب وہ شاعری کا لُطف پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے لازماً اپنے ماحول کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط کی پابندی کرنی پڑتی ہے، یہ صرف قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے دنیا کے مختلف خطّوں میں مقرر کئے ہوئے شعری قواعد میں سے کسی قاعدے کی پابندی نہیں کی، بلکہ صرف "متوازن صوتی آہنگ" کی اس قدرِ مشترک کو اختیار کرلیا ہے جو اِن سارے قواعد کا اصل مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نثر ہونے کے باوجود شعر سے زیادہ لطافت اور حلاوت کا حامل ہے۔ اور اہلِ عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کی ہر زبان کے لوگ اُسے سُن کر غیر معمولی لذت اور تاثیر محسوس کرتے ہیں۔

یہیں سے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ بعض کُفّارِ عرب نے قرآنِ کریم کو کس بناء پر شعر قرار دیا تھا؟ ظاہر ہے کہ شعر کی معروف تعریف کسی بھی طرح قرآن کریم پر صادق نہیں آتی، اور کفارِ عرب اپنی ہزار گمراہیوں کے باوجود اتنی حِس ضرور رکھتے تھے کہ نثر اور نظم میں تمیز کرسکیں، وہ اس بات سے بے خبر نہیں تھے کہ شعر کے لیے وزن اور قافیہ کی پابندی ضروری ہے، جو قرآنِ کریم میں مفقود ہے اس کے باوجود انھوں نے قرآن کریم کو شعر اس بناء پر قرار دیا کہ اس کے اسلوب اور آہنگ میں انھوں نے شعر سے زیادہ حلاوت اور تاثیر محسوس کی تھی اور وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ وزن اور قافیہ کی پابندی کے بغیر اس کلام میں شعری ذوق اور وجدان کے لیے جمالیاتی لذت بدرجہ اتم موجود ہے جو اوزان و قوافی کی جکڑ بندیوں سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ سراپا اعجاز کلام ہے جو شعر نہ ہونے کے باوجود اپنا ایک خاص صوتی وجمالیاتی نظام رکھتا ہے، جس کی تاثیر کے سامنے اچھے سے اچھا شعر بھی ہیچ ہے، جس کو جتنی بار دوہرایا جائے، اس کی چاشنی میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتاب "محاضرات قرآنی" کے ایک اقتباس کا حوالہ دیا۔ غازی صاحب لکھتے ہیں:



”آپ نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا نام سنا ہو گا، انہوں نے خود براہ راست مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ غالباً1958-1957ء میں ایک شخص ان کے پاس آیا۔ ان کی زندگی کا یہ ایک عام معمول تھا کہ ہر روز دو چار لوگ ان کے پاس آتے اور اسلام قبول کرتے تھے۔ وہ بھی ایسا ہی ایک دن تھا کہ ایک صاحب آئے اور کہا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب نے حسب عادت ان کو کلمہ پڑھوایا اور اسلام کا مختصر تعارف ان کے سامنے پیش کر دیا۔ اپنی بعض کتابیں انہیں دے دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ان کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی شخص ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا تھا تو وہ اس سے یہ ضرور پوچھا کرتے تھے کہ اسے اسلام کی کس چیز نے متاثر کیا ہے؟

1948ء سے 1996ء تک یہ معمول رہا کہ ڈاکٹر صاحب کے دست مبارک پر اوسطاً دو افراد روزانہ اسلام قبول کیا کرتے تھے۔ عموماً لوگ اسلام کے بارے میں اپنے جو تاثرات بیان کیا کرتے تھے، وہ ملتے جلتے ہوتے تھے۔ ان میں نسبتاً زیادہ اہم اور نئی باتوں کو ڈاکٹر صاحب اپنے پاس قلم بند کر لیا کرتے تھے۔ اس شخص نے جو بات بتائی، وہ ڈاکٹر صاحب کے بقول بڑی عجیب وغریب اور منفرد نوعیت کی چیز تھی اور میرے لیے بھی بے حد حیرت انگیز تھی۔ اس نے جو کچھ کہا، اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا ارشاد تھا کہ میں اسے بالکل نہیں سمجھا اور میں اس کے بارے میں کوئی فنی رائے نہیں دے سکتا۔

اس شخص نے بتایا: میرا نام ژاک ژیلبیر ہے۔ میں فرانسیسی بولنے والی دنیا کا سب سے بڑا موسیقار ہوں۔ میرے بنائے اور گائے ہوئے گانے فرانسیسی زبان بولنے والی دنیا میں بہت مقبول ہیں۔ آج سے چند روز قبل مجھے ایک عرب سفیر کے ہاں کھانے کی دعوت میں جانے کا موقع ملا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں سب لوگ جمع ہو چکے تھے اور نہایت خاموشی سے ایک خاص انداز کی موسیقی سن رہے تھے۔

جب میں نے وہ موسیقی سنی تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے یہ موسیقی کی دنیا کی کوئی بہت ہی اونچی چیز ہے، جو یہ لوگ سن رہے ہیں۔ میں نے خود آوازوں کی جو دھنیں اور ان کا جو نشیب وفراز ایجاد کیا ہے، یہ موسیقی اس سے بھی بہت آگے ہے، بلکہ موسیقی کی اس سطح تک پہنچنے کے لیے ابھی دنیا کو بہت وقت درکار ہے۔ میں حیران تھا کہ آخر یہ کس شخص کی ایجاد کردہ موسیقی ہو سکتی ہے اور اس کی دھنیں آخر کس نے ترتیب دی ہیں۔ جب میں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ یہ دھنیں کس نے بنائی ہیں تو لوگوں نے مجھے اشارہ سے خاموش کر دیا لیکن تھوڑی دیر بعد پھر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے پھر یہی بات پوچھی، لیکن وہاں موجود حاضرین نے مجھے خاموش کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے دوران میں وہ فن موسیقی کی کچھ اصطلاحات بھی استعمال کر رہا تھا، جن سے میں واقف نہیں، کیوں فن موسیقی میرا میدان نہیں۔

قصہ مختصر جب وہ موسیقی ختم ہو گئی اور وہ آواز بند ہو گئی تو پھر اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ سب کیا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ موسیقی نہیں تھی، بلکہ قرآن مجید کی تلاوت ہے اور فلاں قاری کی تلاوت ہے۔ موسیقار نے کہا کہ یقیناً یہ کسی قاری کی تلاوت ہو گی اور یہ قرآن ہو گا، مگر اس کی یہ موسیقی کس نے ترتیب دی ہے اور یہ دھنیں کس کی بنائی ہوئی ہیں؟ وہاں موجود مسلمان حاضرین نے بیک زبان وضاحت کی کہ نہ یہ دھنیں کسی کی بنائی ہوئی ہیں



اور نہ ہی یہ قاری صاحب موسیقی کی ابجد سے واقف ہیں۔ اس موسیقار نے جواب میں کہا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ دھنیں کسی کی بنائی ہوئی نہ ہوں لیکن اسے یقین دلایا گیا کہ قرآن مجید کا کسی دھن سے یا فن موسیقی سے کبھی کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ یہ فن تجوید ہے اور ایک بالکل الگ چیز ہے۔ اس نے پھر یہ پوچھا کہ اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ تجوید اور قراءت کا یہ فن کب ایجاد ہوا؟ اس پر لوگوں نے بتایا کہ یہ فن تو چودہ سو سال سے چلا آرہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو قرآن مجید عطا فرمایا تھا تو فن تجوید کے اصولوں کے ساتھ ہی عطا فرمایا تھا۔ اس پر اس موسیقار نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لوگوں کو قرآن مجید اسی طرح سکھایا ہے جیسا کہ میں نے ابھی سنا ہے تو پھر بلاشبہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس لیے کہ فن موسیقی کے جو قواعد اور ضوابط اس طرز قراءت میں نظر آتے ہیں، وہ اتنے اعلیٰ وارفع ہیں کہ دنیا ابھی وہاں تک نہیں پہنچی۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب فرماتے تھے کہ میں اس کی یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ بعد میں، میں نے اور بھی قراء کی تلاوت قرآن کو سنا، مسجد میں جا کر سنا اور مختلف لوگوں سے پڑھوا کر سنا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور اگر یہ اللہ کی کتاب ہے تو اس کے لانے والے یقیناً اللہ کے رسول تھے، اس لیے آپ مجھے مسلمان کر لیں۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسے مسلمان کر لیا لیکن میں نہیں جانتا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ کس حد تک درست تھا، اس لیے کہ میں اس فن کا آدمی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میں نے ایک الجزائری مسلمان کو جو پیرس میں زیر تعلیم تھا، اس نئے موسیقار مسلمان کی دینی تعلیم کے لیے مقرر کر دیا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد وہ دونوں میرے پاس آئے اور کچھ پریشان سے معلوم ہوتے تھے۔ الجزائری معلم نے مجھے بتایا کہ وہ نومسلم قرآن مجید کے بارے میں کچھ ایسے شکوک کا اظہار کر رہا ہے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ جس بنیاد پر یہ شخص ایمان لایا تھا، وہ بھی میری سمجھ میں نہیں آئی تھی اب اس کے شکوک کا میں کیا جواب دوں گا اور کیسے دوں گا۔ لیکن اللہ کا نام لے کر پوچھا کہ بتاؤ تمہیں کیا شک ہے؟ اس نومسلم نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ بتایا تھا اور کتابوں میں بھی میں نے پڑھا ہے کہ قرآن مجید بعینہ اسی شکل میں آج موجود ہے جس شکل میں اس کے لانے والے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے صحابہ کرام کے سپرد کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ واقعی ایسا ہی ہے۔ اب اس نے کہا کہ ان صاحب نے مجھے اب تک جتنا قرآن مجید پڑھایا ہے، اس میں ایک جگہ کے بارے میں مجھے لگتا ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی چیز ضرور حذف ہو گئی ہے۔ اس نے بتایا کہ انہوں نے مجھے سورۂ نصر پڑھائی ہے اور اس میں افواجاً اور فسبح کے درمیان خلا ہے۔ جس طرح انہوں نے مجھے پڑھایا ہے، وہاں افواجاً پر وقف کیا گیا ہے۔ وقف کرنے سے وہاں سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے جو نہیں ٹوٹنا چاہیے جبکہ میرا فن کہتا ہے کہ یہاں خلا نہیں ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ یہ سن کر میرے پیروں تلے زمین نکل گئی، اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس شبہ کا جواب کیا دیں اور کس طرح مطمئن کریں۔ کہتے ہیں کہ میں نے فوراً دنیائے اسلام پر نگاہ دوڑائی تو کوئی ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آیا جو فن موسیقی سے بھی واقفیت رکھتا ہو اور تجوید بھی جانتا ہو۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ چند سیکنڈ کی شش وپنج کے بعد بالکل اچانک اور یکایک میرے ذہن میں ایک پرانی بات اللہ تعالیٰ نے ڈالی کہ اپنے بچپن میں جب مکتب میں قرآن مجید پڑھا کرتا تھا تو میرے معلم نے مجھے بتایا تھا کہ افواجاً پر وقف نہیں کرنا چاہیے بلکہ افواجاً کو بعد کے لفظ سے ملا کر پڑھا جائے۔ ایک مرتبہ میں نے افواجاً پر وقف کیا تھا تو اس پر انہوں نے مجھے سزا دی تھی اور سختی سے تاکید کی تھی کہ افواجاً کو آگے ملا کر پڑھا کریں۔ میں نے سوچا کہ شاید اس بات سے اس کا شبہ دور ہو جائے اور اس کو اطمینان ہو جائے۔ میں نے اسے بتایا کہ آپ کے جو پڑھانے والے ہیں، وہ تجوید کے اتنے ماہر نہیں ہیں۔ دراصل یہاں اس لفظ کو غنہ کے ساتھ آگے سے ملا کر پڑھا جائے گا۔ افواجاً فسبح۔ ڈاکٹر صاحب کا اتنا کہنا تھا کہ وہ خوشی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور مجھے گود میں لے کر کمرے میں ناچنے لگا اور کہنے لگا کہ واقعی ایسے ہی ہونا چاہیے۔

یہ سن کر اس کو میں نے ایک دوسرے قاری کے سپرد کر دیا جس نے اس شخص کو پورے قرآن پاک کی تعلیم دی۔ وہ وقتاً فوقتاً مجھ سے ملتا تھا اور بہت سر دھنتا تھا کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ وہ بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا اور ایک کامیاب اسلامی زندگی گزارنے کے بعد 1970ء کے لگ بھگ اس کا انتقال ہو گیا۔

اس واقعے سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی جو صوتیات ہے، یہ علم وفن کی ایک ایسی دنیا ہے جس میں کوئی محقق آج تک نہیں اترا ہے اور نہ ہی قرآن مجید کے اس پہلو پر اب تک کسی نے اس انداز سے غور وخوض کیا ہے

(محاضرات قرآنی، ڈاکٹر محمود احمد)

سائنسی اعجاز

سائنس کے دلچسپ حقائق اور قرآن

قرآن ایک مکمل ضابطہء حیات ہے۔ اس کی ہر آیت کسی معجزہ سے کم نہیں بس ہمیں اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آج ہم آپ کو کچھ حیرت انگیز سائنسی حقائق کے بارے میں بتائیں گے جو قرآن میں موجود ہیں۔ جب قرآن نازل ہوا اس وقت یہ حقائق دریافت بھی نہیں ہوئے تھے اور سائنس آج انہیں ثابت کر رہی ہے۔ سائنس ہو معاشیات ہو یا تاریخ، زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر چلنے کے لئے اللہ نے ہمیں کوئی واضح ہدایات نہ دی ہوں۔ قرآن محض دینی ومذہبی کتاب نہیں یہ مسلمانوں کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ آیئے قرآن کے کچھ دلچسپ حقائق سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔

ہر چیز پانی سے بنی ہے



مائکرواسکوپ کی ایجاد کے بعد آج سائنس یہ بات ثابت کرتی کہ ہر جاندار کے خلیے کا ۹۰٪ حصہ پانی سے بنا ہے۔ لیکن قرآن نے یہ بات چودہ سو سال پہلے ہی کہہ دی تھی۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰:الانبیاء﴾

ہم نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا پھر تم ایمان کیوں نہیں لاتے؟(القرآن 30:21)

لوہا باہر سے لایا گیا

لوہا اس زمین کی پیداوار نہیں ہے یہ باہر سے لایا گیا ہے۔ سائنس اس بات کو اب ثابت کررہی ہے کہ ہزاروں سال پہلے خلا سے ایک meteorites زمین پر مارا گیا جس سے زمین پر لوہا پھیل گیا۔ اللہ نے قرآن میں یہ بات اس طرح بتائی ہے کہ:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾ 19

اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت و قوت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور اس لئے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے بے شک اللہ قوت والا زاور بردست ہے۔ (الحدید 57:25)

آسمان محفوظ چھت

سائنس اس بات کو ثابت کررہی ہے کہ آسمان ہمارے درجہء حرارت کو کنٹرول کرتا ہے۔ سورج کی ایسی شعائیں جو زمین کے لئے نقصان دہ ہیں، آسمان پر موجود لیئر ایسی نقصان دہ شعاوءں کو روک لیتی ہے۔ جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۖۚ وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا۔ مگر یہ اس کی نشانیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔(الانبیاء:21:32)

پہاڑ زمین میں میخیں ہیں

یہ پہاڑ زمین کو ایک جگہ جمائے ہوئے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو زمین اِدھر اُدھر ڈولنے لگے۔ اس کی جڑیں زمین میں ہماری سوچ سے زیادہ گہری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِی الْأَرْضِ رَوَاسِیَ أَن تَمِیدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِیهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُونَ۔ (سورۃ الأنبیاء-آیت 31)

اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ بنادیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ (اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے) انہیں لے کر کانپنے لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ (مختلف منزلوں تک پہنچنے کے لئے) راہ پاسکیں

کائنات بڑھ رہی ہے

کائنات مستقل بڑھ رہی ہے یہ بات بیسویں صدی میں اسٹیفن ہاکنگ نامی سائنسدان نے کہی ہے اس سے پہلے دنیا اس بات کا تصور بھی نہیں رکھتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمایا۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (سورة الذاريات - آيت 47)

آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور بے شک ہم اس میں وسعت دینے والے ہیں۔ (القرآن 51:47)

سورج اور چاند اپنے مدار میں حرکت کرتے ہیں

انیسویں صدی تک دنیا اس بات کو مانتی تھی کہ یہ سورج ایک جگہ رکا ہوا ہے جبکہ سیارے اور زمین اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔ لیکن یہ تھیوری غلط ثابت ہوئی۔ اب سائنس کہتی ہے کہ سورج بھی اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے اور یہ بات قرآن نے پہلے ہی بتادی۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو (بھی)، تمام (آسمانی کرّے) اپنے اپنے مدار کے اندر تیزی سے تیرتے چلے جاتے ہیں o

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ (الانبیاء)

نہ سورج کی یہ مجال کہ وہ (اپنا مدار چھوڑ کر) چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے نمودار ہو سکتی ہے، اور سب (ستارے اور سیارے) اپنے (اپنے) مدار میں حرکت پذیر ہیں o

پیشانی کے ذریعے جھوٹ پکڑنا

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کی جب کوئی بھی انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کے پیشانی کی طرف دماغ میں ایک سرگرمی ہوتی ہے اور ایک lobe بنتا ہے۔ یہ بات قرآن میں اس طرح بتائی گئی ہے کہ:

كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ﴿۱۵﴾



خبر دار! اگر وہ (گستاخیٔ رسالت اور دینِ حق کی عداوت سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے o

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾

وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطاکار ہے o (العلق:15،16)

درد کی وجہ

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ محسوسات اور درد وغیرہ کا انحصار صرف اور صرف دماغ پر ہوتا ہے البتہ حالیہ دریافتوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جلد میں درد کو محسوس کرنے والے آخذے (Receptors) ہوتے ہیں۔ اگر یہ خلیات نہ ہو تو انسان درد کو محسوس کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

جبکہ قرآن نے چودہ سو سال پہلے ہی بتادیا تھا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾ (النساء)

بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا ہم عنقریب انہیں (دوزخ کی) آگ میں جھونک دیں گے، جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم انہیں دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ (مسلسل) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں، بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے یعنی

،،جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے۔ تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے۔ (القرآن 4:56)

تھائی لینڈ میں چانگ مائی یونیورسٹی کے ڈیپارٹمنٹ آف اناٹونی کے سربراہ پروفیسر تیگاتات تیجاشان (Tagatat Tejasen) نے درد کے آخذوں پر تحقیق میں بہت وقت صرف کیا۔ پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ قرآن پاک نے 1400 سال پہلے اس سائنسی حقیقت کا انکشاف کر دیا ہو گا۔ تاہم بعدازاں جب انہوں نے مذکورہ آیت قرآنی کے ترجمے کی باقاعدہ تصدیق کرلی تو وہ قرآن پاک کی سائنسی درستی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سعودی عرب کے شہر ریاض میں منعقدہ آٹھویں سعودی طبی کانفرنس کے موقع پر جس کا موضوع 'قرآن پاک اور سنت میں سائنسی نشانیاں' تھا انہوں نے بھرے مجمعے میں فخر کے ساتھ کہا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰه۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد ﷺ اللہ ج کے رسول ہیں۔

یہ مختصر سا جائزہ ہے آئیں ایک اور سائنسی تحقیق اور اعجاز قرآنی کو ملاحظہ کریں



ایمبریالوجی اور اعجاز قرآن

قرآن مجید میں رحم مادر کے اندر انسانی وجود کی تشکیل اور اس کے ارتقاء کے مختلف مرحلے بیان کیے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رب کائنات کا نظامِ ربوبیت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ بطنِ مادر کے اندر بھی جلوہ فرما ہے۔واقعہ یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی زندگی کے نقطہء آغاز سے لے کر اس کی تکمیل اور تولد کے وقت تک پرورش کا ربانی نظام انسان کو مختلف تدریجی اور ارتقائی مرحلوں میں سے گزار کر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ انسانی وجود کی داخلی کائنات ہو یا عالمِ ہست و بود کی خارجی کائنات، ہر جگہ ایک ہی نظام ربوبیت یکساں شان اور نظم واصول کے ساتھ کار فرما ہے۔ قرآن مجید کے بیان کردہ ارتقاء کے مراحل کی تصدیق بھی آج جدید سائنسی تحقیق کے ذریعے ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کی تخلیق اور پیدائش کے ان مراحل کو سورۃ المؤمنون میں اس طرح بیان فرمایا ہے:)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

("اور ہم نے انسان کو مٹی کے سَت سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام) رحم مادر (میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا پھر بوٹی کو ہڈیاں بنایا پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اسے ایک اور ہی مخلوق بنا کر پیدا کر دیا۔ پس بڑا بابرکت ہے، اللہ جو سب بنانے والوں سے بہتر بنانے والا ہے")1

(ان آیات میں انسانی تشکیل وارتقاء کے سات مراحل کا ذکر ہے جن میں سے پہلے کا تعلق اس کی کیمیائی تشکیل سے ہے اور بقیہ چھ کا اس کے بطن مادر کے تشکیلی مراحل سے۔ مذکورہ بالا آیات میں بیان کردہ انسانی ارتقاء کے مراحل کی ترتیب اس طرح بنتی ہے۔

سلٰلة من طين، نطفه، علقه، مضغه، عظام، لحم اور خلقِ آخر۔

آیئے اب ہم ان مراحل کا اسی ترتیب کے ساتھ تفصیلاً مطالعہ کرتے ہیں۔

پہلا مرحلہ: اور ہم نے انسان کو مٹی کے سَت سے پیدا کیا۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ مٹی سے پیدا کرنے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ہر انسان ان مادّوں سے پیدا کیا جاتا ہے جو سب کے سب زمین سے حاصل ہوتے ہیں اور اس تخلیق کی ابتدا نطفے سے ہوتی ہے یا یہ کہ نوعِ انسانی کا آغاز آدم علیہ السلام سے کیا گیا جو براہِ راست مٹی سے بنائے گئے تھے اور پھر آگے نسلِ انسانی کا سلسلہ نطفے سے چلا جیسا کہ سورۃ سجدہ میں فرمایا'

'انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی اور پھر اس کی نسل ایک سَت سے چلائی جو حقیر پانی کی شکل میں نکلتا ہے"۔)2



(عربی کے لفظ سُلٰلَہ کا معنی ہے جوہر،ست،خلاصہ یا کسی چیز کا بہترین حصہ۔اس بات کا بھی علم ہمیں حال ہی میں ہوا ہے کہ کسی انڈے کے اندر داخل ہونے والا منی کا ایک معمولی سا قطرہ یا جرثومہ ہی اسے بارآور بنانے کے لیے کافی ہے۔حالانکہ ایک مرد کئی کروڑ جرثومے پیدا کرتا ہے۔قرآن مجید نے اس کی بات کی کہ "کروڑوں جرثوموں میں سے ایک جرثومہ" کی نشاندہی لفظ سُلٰلَہ سے کی ہے۔اسی طرح اس بات کو بھی ہم نے حال ہی میں معلوم کیا ہے کہ عورت کے رحم کے اندر بننے والے لاکھوں انڈوں میں سے صرف ایک انڈہ ہی بارآور ہوتا ہے)

ہر بالغ عورت کے مخصوص حصے میں 4لاکھ ناپختہ انڈے موجود رہتے ہیں مگر ان میں سے صرف ایک انڈہ پختہ ہو کر اپنے مقررہ وقت پر نمودار ہوتا ہے چنانچہ اس بات کو بھی لفظ سُلٰلَہ ہی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی لاکھوں انڈوں میں سے ایک ہی انڈے کا بارآور ہونا۔)3

(ہارون یحییٰ اپنی مایۂ ناز کتاب میں لکھتے ہیں کہ "عربی زبان میں "سُلٰلَۃ"کا ترجمہ ست یا جوہر کیا گیا ہے،جس کا مطلب ہے کسی شے کا نہایت ضروری اور بہترین حصہ۔اس کا جو بھی مفہوم لیا جائے اس کے معنی ہیں "کسی کل کا ایک جزو"......مباشرت کے دوران ایک نر بیک وقت کئی کروڑ کرم منوی یا جرثومے خارج کرتا ہے۔یہ تولیدی مادہ پانچ منٹ کا مشکل سفر ماں کے جسم میں طے کر کے بیضہ تک پہنچتا ہے۔ان کروڑوں جرثوموں میں سے صرف1000 جرثومے بیضے تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔اس بیضے کا سائز نصف نمک کے دانے کے برابر ہوتا ہے جس میں صرف ایک جرثومے کو اندر آنے دیا جاتا ہے۔گویا انسان کا جوہر پورا مادہ منویہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ اس کا جوہر بنتا ہے"۔)4

دوسرا مرحلہ:

پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام)رحم مادر(میں نطفہ بنا کر رکھا۔قرآن مجید میں کم از کم 11 مرتبہ اس بات کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ انسان کو نطفہ یعنی منی کے پانی سے پیدا کیا ہے جس کا مطلب ہے پانی کا ایک معمولی سا قطرہ یا جیسے کپ خالی ہونے کے بعد پانی کے بالکل معمولی سے قطرے تہہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔سورہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ انسان کو خبردار کرتے ہوئے ہوئے فرماتا ہے۔

"ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر کیوں تصدیق نہیں کرتے؟کبھی تم نے غور کیا یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو،اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں ")5(اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر ماں باپ کے مخلوط نطفے کا ذکر بھی فرماتا ہے۔)

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا("ہم نے انسان کو)مرد اور عورت کے

(ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا")6

(مولانا عبدالرحمان کیلانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ "یعنی باپ کا نطفہ الگ تھا،ماں کا الگ،ان دونوں نطفوں کے ملاپ سے ماں کے رحم میں حمل قرار پایا۔پھر ہم نے اس مخلوط نطفہ کو ایک ہی حالت میں پڑا نہیں رہنے دیا۔ورنہ وہ وہیں گل سڑ جاتا،بلکہ ہم اس کو الٹتے پلٹتے رہے اور رحم مادر میں اس نطفہ کو کئی اطوار سے گزار کر اسے ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا)7



(۔نطفہ اَمشاج کی اصطلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مادہ کئی رطوبات کا مرکب اور مجوعہ ہے، اس لیے قرآن مجید نے اُسے مخلوط کہا ہے۔اس امر کی تائید بھی عصرِ حاضر کی سائنسی تحقیق نے کر دی ہے۔جدید سائنسی تحقیق کے مطابق نطفہ یاSpermatic Liquid بعض رطوبات)Secretions(سے بنتا ہے، جو ان غدوددوںTesticals, Seminal Vesicles,Prostate Glands, Glands ofUrinary Tract سے آتی ہیں۔)8

(آیئے اب یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ نطفہ کہاں تیار ہوتا ہے۔اس بات کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے سورۃ طارق میں کی ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔)فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۔خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۔ يَّخْرُجُ مِنْ م بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ("لہٰذا انسان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ؟وہ اُچھل کر نکلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے"(الطارق,5-7)ان آیات کے تحت مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ "علم الجنین)Embryology(کی روسے یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جنین)Foetus(کے اندر اُنثَیین)خصیے ( )Testes(یعنی وہ غدود جن سے مادہ منویہ پیدا ہوتا ہے، ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان گردوں کے قریب ہوتے ہیں جہاں سے بعد میں یہ آہستہ آہستہ فوطوں میں اتر جاتے ہیں۔یہ عمل ولادت سے پہلے اور بعض اوقات اس کے کچھ بعد ہوتا ہے۔لیکن پھر بھی ان کے اعصاب اور رگوں کا منبع ہمیشہ وہی مقام)بین الصلب والترائب(ہی رہتا ہے۔بلکہ ان کی شریان)Artery(پیٹھ کے قریب شہ رگ)Aorta(سے نکلتی ہے اور پورے پیٹ کا سفر طے کرتی ہوئی ان کو خون مہیا کرتی ہے۔اس طرح حقیقت میں انثیین پیٹھ ہی کا جز ہیں جو جسم کا زیادہ درجہ حرارت برداشت نہ کرنے کی وجہ سے فوطوں میں منتقل کر دیے گئے ہیں۔علاوہ ازیں مادہ منویہ اگرچہ انثیین پیدا کرتے ہیں اور وہ کیسہ ءمنویہ)Seminal Vesicles(میں جمع ہو جاتا ہے، مگر اس کے اخراج کا مرکزِ تحریک)بین الصلب والترائب(ہی ہوتا ہے اور دماغ سے اعصابی رو، جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک)Triger Action(سے کیسہ ءمنویہ سکڑتا ہے اور اس سے ماءدافق پچکاری کی طرح نکلتا ہے۔اس لیے قرآن کا بیان ٹھیک ٹھیک علم طب کی جدید تحقیقات کے مطابق ہے۔)9

(مولانا حافظ ڈاکٹر حقانی میاں قادری بھی اسی سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر ہے۔دورِ جدید کی سائنسی اصطلاح میں صلب کو)Sacrum(اور ترائب کو)Symphysis Pubis(کہا جاتا ہے۔عصرِ حاضر کے علم تشریح الاعضا)Anatomy(نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ مرد کا پانی جو)Semens(پر مشتمل ہوتا ہے اس صلب اور ترائب میں سے گزر کر رحمِ عورت کو سیراب کرتا ہے۔)10

(**تیسرا مرحلہ:۔** پھر نطفہ کو لوتھڑا بنایا:۔اس آیت میں لفظ "علقہ"استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں، جمے ہوئے خون کا لوتھڑا، خون چوسنے والی چیز یعنی جونک۔اس آیت کو اور اسی کے متعلقہ دوسری آیات کو پروفیسر کیتھ مور)جو کینیڈا میں یونیورسٹی آف ٹورنٹو کے شعبہ علم الاعضا کے سربراہ ہیں اور ایمبریالوجی)علم الجنین (کے پروفیسر ہیں(نے اکٹھا کیا اور تحقیق کی اور کہا کہ قرآن اور احادیث کی بیان کردہ معلومات کا زیادہ تر حصہ جدید سائنسی معلومات کے عین مطابق ہے اور اسمیں بالکل کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔تاہم کچھ آیات ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ صحیح ہیں یا نہیں کیونکہ جن چیزوں کے بارے میں قرآن نے بتایا ہے وہ تاحال جدید سائنس نے بھی دریافت نہیں کی ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں



جدید سائنس کوئی معلومات رکھتی ہے۔ ان آیات میں سے ایک آیت درج ذیل ہے۔) اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ("اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے) ہر چیز کو (پیدا کیا) اور (انسان کو) جمے ہوئے (خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا") العلق: 1-2

(پروفیسر کیتھ مور کو اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ جنین اپنی ابتدائی حالت میں ایک جونک کیطرح ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے ابتدائی مرحلے کے جنین کا ایک طاقتور مائیکروسکوپ سے جائزہ لیا اور پھر اس کا ایک جونک کے نقشے اور تصویر کے ساتھ موازنہ کیا، تو ان کو اس وقت شدید حیرت ہوئی جب انہوں نے ان دونوں میں زبردست مماثلت پائی۔ اسی طرح انہوں نے اپنی تحقیق جاری رکھی اور قرآن میں بیان کردہ تمام معلومات کا جائزہ لیا اور پھر ان 80 سوالوں کے جوابات دیے جو علم ایمبریالوجی کے متعلق قرآن وحدیث میں بیان کردہ معلومات کے حوالے سے کیے گئے تھے۔ پروفیسر کیتھ مور اور دیگر ماہرین کے مطابق "علقہ" کے مرحلے کے دوران انسانی جنین جونک کے مشابہہ ہوتا ہے، کیونکہ اس مرحلہ میں انسانی جنین اپنی خوراک ماں کے خون سے حاصل کرتا ہے جس طرح جونک دوسروں کا خون چوستی ہے۔ چنانچہ اس مرحلہ کے دوران خون کی ایک بڑی مقدار جنین کے اندر موجود رہتی ہے اور جنین میں موجود خون تیسرے ہفتہ کے اختتام تک گردش نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرحلہ کے دوران جنین کی ظاہری شکل جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے مماثل ہوتی ہے) 15 دن کے جنین کا سائز تقریباً 0.6 ملی میٹر ہوتا ہے

(۔ پروفیسر کیتھ مور نے اعتراف حقیقت کرتے ہوئے کہا کہ ایمبریالوجی کے حوالے سے قرآن وحدیث میں جو معلومات دی گئی ہیں وہ جدید سائنسی معلومات کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں اور اگر یہ سوالات مجھ سے 30 سال پہلے پوچھے جاتے تو شاید میں آدھے سوالوں کا جواب دینے ہی کے قابل ہوتا کیونکہ اس وقت تک جدید سائنسی معلومات کی کمی تھی۔

1981ء میں سعودی عرب کے شہر دمام میں منعقد ہونے والی ساتویں میڈیکل کانفرنس میں ڈاکٹر کیتھ مور نے کہا کہ: "میرے لیے یہ بات باعث

مسرت ہے کہ مَیں انسان کی پیدائش کے متعلق قرآن کے بیانات کو واضح کرنے میں مدد کروں، اور یہ بات مجھ پر عیاں ہو چکی ہے کہ یہ بیانات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام معلومات چند صدیاں پہلے تک منکشف ہی نہیں ہوئی تھیں، اس سے یہ بات مجھ پر ثابت ہو جاتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلماللہ کے پیغمبر ہیں۔" آخر میں پروفیسر مور سے سوالات بھی پوچھے گئے جن میں سے ایک سوال یہ تھا: "کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یقین رکھتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ؟" ان کا جواب تھا: "میں اس کو قبول کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتا" ایک کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے کہا: "چونکہ انسانی جنین کے مراحل بہت پیچیدہ ہوتے ہیں اور نشوونما کے دوران مسلسل جاری مراحل کی وجہ سے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ درجہ بندی کا ایک ایسا طریقہ مرتب کیا جائے جس میں قرآن مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درج اصطلاحات استعمال کی جائیں۔ مجوزہ طریقہ کار نہایت سادہ، جامع اور موجودہ جنینیاتی علوم سے مطابقت رکھتا ہے۔ چار سال پر مشتمل قرآن وحدیث کے محدود مگر پرزور مطالعہ نے مجھ پر انسانی جنین کی ترتیب ودرجہ بندی کے طریقہ کار کو منکشف کر دیا ہے جو واقعی تعجب خیز ہے۔ حالانکہ یہ ساتویں صدی عیسوی میں نازل ہوا ہے۔ اہم ارسطو نے جس کو جنینیات کی سائنس کا موجد کہا جاتا ہے چوتھی صدی قبل مسیح میں مرغی کے انڈے کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ چوزہ کا جنین کئی مراحل میں نشوونما پاتا ہے لیکن اس نے ان مراحل کی تفصیلات نہیں بتائیں تھیں۔ جہاں تک جنینیات

کی تاریخ کا تعلق ہے انسانی جنین کے مراحل اور اس کی درجہ بندی کے بارے میں بیسویں صدی تک معلومات بہت محدود تھیں، چنانچہ انسانی جنین کے بارے میں قرآن مجید کی بیان کردہ تفصیلات ساتویں صدی کی سائنسی معلومات پر منحصر نہیں ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ یہ تفصیلات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام تفصیلات خود نہیں جانتے تھے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے اورآپ نے کوئی سائنسی تربیت بھی حاصل نہیں کی تھی"۔(11

ڈاکٹر کیتھ مور نے ان جدید تحقیقات سے پہلے ایک کتاب The Developing() Human لکھی تھی۔ قرآن سے تازہ معلومات حاصل ہونے کے بعد 1982ء میں انہوں نے تمام معلومات کو اپنی کتاب (The Developing Human) کے تیسرے ایڈیشن میں درج کیا اور لکھا کہ قرآن نے علم ایمبریالوجی کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ جبکہ ہم نے ان چیزوں کو حال ہی میں دریافت کیا ہے۔ یہ کتاب سائنسی تحقیقات کا شہرہ آفاق شہ پارہ ہے۔ اس کتاب کو امریکہ میں قائم ایک خصوصی کمیٹی نے اس سال کسی ایک مصنف کی لکھی ہوئی بہترین طبی کتاب کا ایوارڈ بھی دیا تھا، ابھی تک اس کتاب کا دنیا کی آٹھ بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ 1984ء میں ڈاکٹر صاحب کو کینیڈا میں علم تشریح الاعضا کی تحقیقات کے صلہ میں خصوصی امتیازی ایوارڈ دیا گیا، یہ J.C.B) ایوارڈ کینیڈا کی تشریح الاعضا کی تنظیم (Canadian Association Of Anatomists) کی جانب سے دیا گیا۔ جنینیات (Embryology) طب کی بالکل ایک نئی شاخ ہے جس کے متعلق اس کتاب سے پہلے کسی نے کچھ نہیں لکھا تھا، تو پھر مقام غور ہے کہ 1400 سال پہلے کس ہستی نے اپنے زبردست علم سے اس کو قرآن میں لکھا؟ اسی لیے قرآن مجید بار بار غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ شاید کوئی ان زبردست نشانیوں کو دیکھ اور سمجھ کر خدا کی ذات پر ایمان لے آئے۔ چوتھا مرحلہ جو کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے "مضغۃ" کا مرحلہ ہے۔ عربی زبان کے لفظ "مضغۃ" کا معنی دانتوں سے چبایا ہوا مادہ (SubstanceChewed) ہے۔ اگر کوئی چیونگم لے کر اپنے منہ میں رکھے اور اسکو چبائے اور پھر جنین کے "مضغۃ" کے مرحلہ سے اس کا موازنہ کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ جنین نے مضغہ کے مرحلہ کی استعداد حاصل کر لی ہے اور اس کی ظاہری شکل وصورت دانتوں سے چبائے ہوئے مادہ Chewed Substance کی طرح ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ جنین کی پشت پر نشانات دانتوں سے چبائے ہوئے مادہ کی طرح ہوتے ہیں اور وہ دانتوں کے نشانات سے کافی حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔ (12)

مضغہ مرحلے کے دوران اگر جنین کو چاک کیا جائے اور اس کے اندرونی اعضا کو چیر کر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کے زیادہ تر حصے مکمل ہو چکے ہیں جبکہ کچھ حصے مکمل تیار نہیں ہوئے ہیں۔ پروفیسر مارشل جانسن کے مطابق اگر ہم جنین کی بطور "ایک مکمل تخلیق یا پیدائش" کے وضاحت کریں تو تب صرف اس حصے کی وضاحت کریں گے کہ جو مکمل ہو چکا ہے۔ اور اگر جنین کی بطور "ایک نامکمل تخلیق یا پیدائش" کے وضاحت کریں تو ہم صرف اس حصّے کی وضاحت کریں گے کہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ تو کیا یہ ایک مکمل پیدائش ہے یا ایک نامکمل پیدائش؟ جنین کے اس مرحلے کی وضاحت جس طرح قرآن نے کی ہے کہ "کچھ حصّہ مکمل اور کچھ حصّہ نامکمل) الحج:5 ("اس سے بہتر وضاحت نہیں کی جا سکتی۔ پانچواں اور چھٹا مرحلہ یعنی ہڈیوں اور گوشت کا بننا۔ آج علم الجنین کی جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ہڈیوں اور پٹھوں کی ابتدائی تشکیل پچیسویں سے چالیسویں دن کے درمیان ہوتی ہے اور بظاہر ایک ڈھانچے کی صورت نظر آنا شروع ہو جاتی ہے لیکن پٹھوں یعنی گوشت کی تشکیل مکمل نہیں ہوئی ہوتی۔ یہ ساتویں اور آٹھویں ہفتے میں مکمل ہوتی ہے



۔جب کہ ہڈیاں بیالیسویں دن تک مکمل ہو چکی ہوتی ہیں،ڈھانچہ بن چکا ہوتا ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآنی ترتیب بالکل درست ہے۔یعنی سب سے پہلے علقہ پھر مضغہ پھر عظاماً اور پھر لحماً۔

پروفیسر مارشل جانسن کا شمار امریکہ کے نمایاں ترین سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ان سے جب قرآن مجید کی ان آیات پر تبصرہ کرنے کے لیے کہا گیا جو جنینیات کے مراحل سے متعلق ہیں تو شروع میں تو انہوں نے کہا کہ قرآن کے بیان کردہ ایمبریالوجی کے مراحل)سائنس کے ساتھ(مطابقت نہیں رکھ سکتے،ہو سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی طاقتور قسم کی مائیکروسکوپ موجود تھی۔جب انہیں بتایا گیا کہ قرآن تو1400 سال پہلے نازل ہوا تھا اور مائیکروسکوپ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلمکے زمانے سے کئی صدیوں بعد ایجاد ہوئی تھی،تو وہ مسکرائے اور اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ پہلی مائیکروسکوپ جو ایجاد ہوئی تھی وہ کسی بھی چیز کو10 گنا سے زیادہ بڑا کر کے نہیں دکھا سکتی تھی اور پھر اس کی تصویر بھی واضح نہیں تھی۔)13(بعد میں انہوں نے کہا کہ "بحیثیت ایک سائنس دان 'میں صرف انہی چیزوں کے متعلق اپنی رائے دیتا ہوں جن کو میں خصوصیت سے دیکھ سکتا ہوں۔میں قرآن مجید کے ان الفاظ کو سمجھ سکتا ہوں جن کا ترجمہ میں نے پڑھا۔جیسا کہ میں نے پہلے مثال دی اگر میں خود کو اس خاص زمانہ میں لے جاؤں ان چیزوں کی تشریحات وتوضیحات کے ساتھ،جو آج میں جانتا ہوں تو میں ان چیزوں کی وضاحت نہیں کر سکوں گا جن کے متعلق)آج(ہمیں معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلمنے جس جگہ سے یہ تمام اطلاعات بہم پہنچائی ہیں میں اس کے غلط یا جھوٹا ہونے کی کوئی شہادت نہیں پاتا۔اس عقیدے کو قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ وحی الٰہی تھا"۔)14(ڈاکٹر جوئی لی سمپسن جو امریکہ کے شہر ہوسٹن میں واقع بلیر کالج آف میڈیسن کے شعبہ علم وضع حمل اور علم امراض نسواں)Gynecology(کے سربراہ ہیں،اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "یہ احادیث اور محمد صلی اللہ علیہ وسلمکا یہ کہنا اس سائنسی علم کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا جو ان کے زمانے میں)ساتویں صدی عیسوی کی طرف اشارہ ہے(موجود تھا اور یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ علم توالدوتناسل اور مذہب)یعنی اسلام(میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ مذہب سائنس کی مدد کر سکتا ہے۔۔۔

قرآن میں موجود باتیں صدیوں کے بعد بھی صحیح قرار پائی ہیں جو اس بات کو تقویت دیتی ہیں کہ قران مجید کا مأخذ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔"(15)

احادیث مبارکہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے پیٹ کے اندر جنین کے ان مختلف مراحل کا ذکر کیا ہے۔آیئے ان کا بھی جائزہ لیتے ہیں:"حذیفہ بن اسید غفاری سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے جب نطفے پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتے کو بھیجتا ہے'جو اس کی صورت 'کان' آنکھ' کھال' گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے'پھر عرض کرتا ہے اے پروردگار،یہ مرد ہے یا عورت'پھر جو مرضی الٰہی ہوتی ہے وہ فرماتا ہے'فرشتہ لکھ دیتا ہے'پھر عرض کرتا ہے'اے پروردگار اس کی عمر کیا ہے'چنانچہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور فرشتہ وہ لکھ دیتا ہے پھر عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار اس کی روزی کیا ہے'چنانچہ پروردگار جو چاہتا ہے وہ حکم فرمادیتا ہے اور فرشتہ لکھ دیتا ہے اور پھر وہ فرشتہ وہ کتاب اپنے ہاتھ میں لے کر باہر نکلتا ہے جس میں کسی بات کی کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی") صحیح مسلم باب القدر(امام بخاری بھی حضرت ابن مسعود سے ایک روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں مکمل کی جاتی ہے۔چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے پھر اتنے ہی وقت تک منجمد خون کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اتنے ہی روز تک



گوشت کالوتھڑا رہتا ہے اس کے بعد اللہ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس کا عمل' اس کا رزق اور اس کی عمر لکھ دے اور یہ بھی لکھ دے کہ بدبخت ہے یا نیک بخت، اس کے بعد اسمیں روح پھونک دی جاتی ہے....") صحیح بخاری باب بدء الخلق۔ صحیح مسلم باب القدر (حضرت انس بن مالک سے بھی ایک حدیث مروی ہے کہ سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمار کھا ہے' وہ عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب، نطفہ تیار ہو گیا ہے' اے میرے رب خون بستہ ہو گیا' اے میرے رب گوشت کالو تھڑا تیار ہو گیا' اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں تو وہ فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ اے میرے رب! نر ہے یا مادہ' بدبخت ہے نیک بخت' اس کی روزی کتنی ہے 'عمر کتنی ہے ؟ اس طرح رحم مادر میں ہی ان چیزوں کے بارے میں اس کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے۔ ") صحیح بخاری۔ باب القدر (اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نطفہ، علقہ اور مضغہ کے مراحل کا تذکرہ فرمایا ہے جبکہ اس سے پہلے والی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ نطفہ بننے کے بعد بیالیس راتیں گزرنے پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ آتا ہے اور وہ اس کی صورت سازی اور تخلیق کا کام انجام دیتا ہے' یہ بات بالکل وہی ہے جس کے بارے میں علم جنین سے متعلق جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ اس مدت میں گوشت کے ٹکڑے میں موجود جسمانی حصے ہڈیوں اور پٹھوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، پھر ہڈیوں پر گوشت اور پٹھے چڑھتے ہیں، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنین کی نشوونما کے مراحل میں حضرت حذیفہ والی حدیث میں مذکور مراحل اور علم جنین کے سلسلے کی جدید تحقیقات کے نتائج بالکل یکساں ہیں۔ لیکن فرشتے کے حاضر ہونے کے زمانے کے بارے میں حضرت حذیفہ اور حضرت ابن مسعود کے روایت کردہ الفاظ میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ حضرت حذیفہ کی روایت میں تو یہ ہے کہ فرشتہ بیالیس راتوں کے بعد حاضر ہوتا ہے جبکہ ابن مسعود کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ ایک سو بیس دن کے بعد حاضر ہوتا ہے۔ علماء نے ان دونوں احادیث کو تطبیق دی ہے چنانچہ اس ضمن میں حافظ ابن قیم فرماتے ہیں!" حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پہلے چالیس دن کے بعد تخلیق کی ابتدا پر دلالت کرتی ہے' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تیسرے چلے کے بعد جنین میں روح پھونکی جاتی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث تخلیق کا آغاز چالیس روز کے بعد شروع ہو جانے کے سلسلے میں صریح ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہکی حدیث میں صورت سازی اور تخلیق کے وقت سے تعارض نہیں کیا گیا ہے' بلکہ اس میں نطفے کے مختلف ادوار کا بیان ہے اور اس بات کا تذکرہ ہے کہ ہر چالیس دن کے بعد نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور تیسرے چلے کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے' اس چیز کا حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ذکر نہیں ہے بلکہ خاص طریقہ پر یہ چیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔ لہٰذا یہ دونوں حدیثیں پہلے چلے کے بعد ایک خاص چیز کے پیدا ہونے پر متفق ہیں اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مخصوص طور پر یہ بات ہے کہ اس نطفے کی صورت سازی اور تخلیق کا عمل پہلے چلے کے بعد شروع ہوتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں خاص بات یہ مذکور ہے کہ جنین میں روح کا پھونکا جانا تیسرے چلے کے بعد ہوتا ہے، اب یہ دونوں حدیثیں اس بات پر متفق ہیں کہ اس دوران پیدا ہونے والے بچے کی تقدیر کے بارے میں فرشتہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کر کے لکھتا ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتیں سچی ہو گئیں اور ایک حدیث دوسری حدیث کی تصدیق کرنے والی بن گئی ")16 (حافظ ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ کی اس تشریح سے وہ اختلاف ختم ہو جاتا ہے' جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے درمیان محسوس ہوتا ہے کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بیالیس راتوں کے بعد صورت سازی اور تخلیق کے آغاز



کی طرف اشارہ ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب جنین تخلیق کے مراحل پورے کر چکتا ہے تب اس میں روح پھونکی جاتی ہے اور تخلیق کی تکمیل رحم مادر میں نطفہ قرار پانے کے بعد ایک سو بیس دن میں مکمل ہوتی ہے 'جنین میں روح پھونکے جانے سے وہ ایک دوسری مخلوق ہو جاتا ہے کیونکہ وہ حرکت کرنے اور آوازوں کو سننے پر قادر ہو جاتا ہے اور اس کا دل برابر دھڑکنے لگتا ہے 'اسی جانب قرآنمجید میں اشارہ کیا گیا ہے اور یہ ساتواں اور آخری مرحلہ ہے:)ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ("پھر ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنایا'لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے بابرکت ہے"(المومنون۔23:14)حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں تخلیق مکمل ہونے اور روح پھونکے جانے کا جو زمانہ بتایا گیا ہے وہ بالکل وہی ہے جو جدید علم جنین میں جنین کے اندر حرکت پیدا ہونے کے لیے بتایا گیا ہے یعنی نطفہ ٹھہرنے کے بعد تیسرے مہینے کے آخر یا چوتھے مہینے کے شروع میں۔ جنین کی نشوونما کے مراحل کے بارے میں اس حدیث میں مذکور مراحل اور علم جنین کے سلسلہ کی جدید تحقیقات کے نتائج بالکل یکساں ہیں۔(17)

قارئین کرام جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ قرآن مجید نے حیات انسانی کے ارتقاء کے جملہ مرحلوں پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اور یہ معلومات اس وقت بیان کیں جب سائنسی تحقیق اور Embryology جیسے سائنسی مضامین کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ کیا یہ سب کچھ قرآن اور اسلام کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کرنے کے لیے کافی نہیں؟ آخر ایسا کیوں نہ ہو تا کیونکہ قرآن اُس رب کی نازل کردہ کتاب ہے جس کے نظامِ ربوبیت کے یہ سب پرتو ہیں۔ اس لیے اُس سے بہتر ان حقائق کو اور کون بیان کر سکتا تھا! بات صرف یہ ہے کہ سائنس جوں جوں چشمِ انسانی کے حجابات اُٹھاتی جارہی ہے قرآنی حقیقتیں توں توں بے نقاب ہو کر سامنے آتی جارہی ہیں۔

حواشی

موٗلف۔ طارق اقبال سوہدروی۔ جدہ۔ سعودی عربحواشی)1

(14-23:12۔)

2(۔)السجدہ،7-8()

3(۔ قرآن اینڈ ماڈرن سائنس از ڈاکٹر ذاکر نائیک، صفحہ 50-51)

4۔(۔ اللہ کی نشانیاں۔ صفحہ 100-103)

5۔(۔)واقعہ۔57-59()

6(۔ الدھر،76-2)

7۔(۔ تیسیر القرآن، جلد چہارم، الدھر، حاشیہ 2)



8۔(۔ قرآن اور جدید سائنس از ڈاکٹر طاہر القادری)

9۔(۔ تفہیم القرآن، جلد ششم، ضمیمہ نمبر ۴، بسلسہ الطارق، حاشیہ ۳)

10۔(۔ سائنسی انکشافات قرآن وحدیث کی روشنی میں۔ صفحہ 256)

11۔(۔)سائنسی انکشافات قرآن وحدیث کی روشنی میں۔ صفحہ 78

12۔(۔ The Developing Human,Moore and Persaud,5thed. Page :08 and Human Development as

13)described in the Quran andsunnah, Moore and other Page : 36۔) قرآن اینڈ ماڈرن سائنس از ڈاکٹر ذاکر نائیک

، صفحہ 57(www.islam-guide.com)

14۔ سائنسی انکشافات قرآن وحدیث کی روشنی میں۔ صفحہ 100)

15(۔ قرآن اینڈ ماڈرن سائنس از ڈاکٹر ذاکر نائیک، صفحہ 49,59)

16۔(۔ تحفۃ المودود 'باحکام المولودا از ابن قیم الجوزی، صفحہ 259)

17۔(۔ سائنسی انکشافات قرآن وحدیث کی روشنی میں۔ صفحہ 84-88

قرآن کی الہامی ترتیب اور ریاضیاتی معجزہ

آیئے اب قرآن کریم کی ایک ایسی خصوصیات دیکھیں جو عام فہم بھی ہیں اور سب کو نظر بھی آسکتی ہیں۔اس میں نہ دلیل کی ضرورت ہے نہ منطق کی اور نہ ہی سائنسی تحقیق کے مزاج کی،بس آپ ہندسے اور گنتی سے واقف ہوں جس کو بچہ بچہ جانتا ہے۔

قرآن کی ایک اہم خصوصیت اس کے متن کی ترتیب کا تسلسل اور ابدیت ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لفظ کسی آیت کے سیاق وسباق میں ۱۴/سو سال پہلے جس ترتیب میں تھی آج یا آئندہ اس میں تبدیلی ناممکن ہے یہی قرآنی کی الہامی ترتیب کی دلیل ہے۔مثلاً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی چند خصوصیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کا سرنامہ ہے۔اس آیت میں ۱۹/حروف ہیں جن کو آپ انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔آپ یہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں ۱۱۴/سورتیں ہیں۔تمام سورتیں بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتے ہیں سوائے سورہ توبہ کے لیکن جب ہم سورہ نمل کی ۳۰/ویں آیت دیکھیں



تواس کے متن میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موجود ہے) ملکہ سبا کے نام حضرت سلیمان کا خط(اس طرح کل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تعداد ۱۱۴/ ہوتی ہے جو مساوی ہے ۱۹۶ کے۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ ۱۹/ کا ہندسہ یا بہ الفاظ دیگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا قرآن کی ترتیب میں بڑا عمل دخل ہے۔ یہ تمام مظاہر اس آسمانی کتاب کی منظم ترتیب اور الہامی خصوصیت کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ کیا۱۹/ کے ہندسہ کا قرآن کی ترتیب سے کوئی خاص ربط ہے ؟ہاں ہے۔ سورہ مدثر کی ۳۰/ویں آیت میں دوزخ کے ۱۹/ فرشتوں کا ذکر ہے۔ یہ ذکر قرآنی آیات کو سحر اور جادو سے تعبیر کرنے والوں کی تنبیہ میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ۴/ الفاظ ہیں۔(بسم۔ اللہ۔ الرحمٰن۔ الرحیم)پورے قرآن میں یہ چار الفاظ جتنی مرتبہ آئے ہیں وہ ۱۹/ کا ضعف یا۱۹/ پر قابل تقسیم ہیں۔ جدید ترین ریسرچ کے مطابق قرآن حکیم کے حفاظتی نظام میں 19 کے عدد کا بڑا عمل دخل ہے۔

اس حیران کن دریافت کا سہرا ایک مصری ڈاکٹر راشد خلیفہ کے سر ہے جو امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے۔

1968ء میں انہوں نے مکمل قرآنِ پاک کمپیوٹر پر چڑھانے کے بعد قرآنِ پاک کی آیات، ان کے الفاظ و حروف میں کوئی تعلق تلاش کرنا شروع کر دیا ۔رفتہ، رفتہ اور لوگ بھی اس ریسرچ میں شامل ہوتے گئے حتیٰ کہ 1972ء میں یہ ایک باقاعدہ اسکول بن گیا۔

ریسرچ کا کام جو نہی آگے بڑھا، ان لوگوں پر قدم قدم پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ قرآنِ حکیم کے الفاظ و حروف میں انہیں ایک ایسی حسابی ترتیب نظر آئی جس کے مکمل ادراک کیلئے اُس وقت تک کے بنے ہوئے کمپیوٹر ناکافی تھے۔

کلام اللہ میں 19 کا ہندسہ صرف سورہ مدثر، آیت 30 میں آیا ہے جہاں اللہ نے فرمایا:

" دوزخ پر ہم نے 19 محافظ فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے۔"

اس میں کیا حکمت ہے یہ تو رب ہی جانے لیکن اتنا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ 19 کے عدد کا تعلق اللہ کے کسی حفاظتی انتظام سے ہے۔

پھر ہر سورت کے آغاز میں قرآنِ مجید کی پہلی آیت بسم اللہ کو رکھا گیا ہے۔ گویا کہ اس کا تعلق بھی قرآن کی حفاظت سے ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں بسم اللہ کے کل حروف بھی 19 ہی ہیں۔

پھر یہ دیکھ کر مزید حیرت میں اضافہ ہوتا ہے کہ بسم اللہ میں ترتیب کے ساتھ 4 الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ان کے بارے میں ریسرچ کی تو ثابت ہوا کہ اسم پورے قرآن میں 19 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

لفظ الرحمن 57 مرتبہ استعمال ہوا ہے جو 3×19 کا حاصل ہے اور لفظ الرحیم 114 مرتبہ استعمال ہوہے جو 6×19 کا حاصل ہے اور لفظ اللہ پورے قرآن میں 2699 مرتبہ استعمال ہوا ہے جو 142×19 کا حاصل ہے... لیکن یہاں بقیہ ایک رہتا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ اللہ کی ذات پاک کسی حساب کے تابع نہیں، وہ یکتا ہے۔

قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد بھی 114 ہے جو 6×19 کا حاصل ہے۔

سورہ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نازل نہیں ہوئی لیکن سورہ نمل آیت نمبر 30 میں مکمل بسم اللہ نازل کر کے 19 کے فارمولا کی تصدیق کر دی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حسابی قاعدہ فیل ہو جاتا۔



☆ اب آیئے، حضور علیہ السلام پر اترنے والی پہلی وحی کی طرف: یہ سور علق کی پہلی 5 آیات ہیں اور یہیں سے 19 کے اس حسابی فارمولے کا آغاز ہوتا ہے!

ان 5 آیات کے کل الفاظ 19 ہیں اور ان 19 الفاظ کے کل حروف 76 ہیں جو ٹھیک 4×19 کا حاصل ہیں لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی، جب سورہ علق کے کل حروف کی گنتی کی گئی تو عقل تو ورطہ حیرت میں ڈوب گئی کہ اسکے کل حروف 304 ہیں جو 4×4×19 کا حاصل ہیں۔

عقل یہ دیکھ کر حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں مزید ڈوب جاتی ہے کہ قرآنِ پاک کی موجودہ ترتیب کے مطابق سورہ علق قرآن پاک کی 96 نمبر سورت ہے۔ اب اگر قرآن کی آخری سورت والناس کی طرف سے گنتی کریں تو اخیر کی طرف سے سورہ علق کا نمبر 19 بنتا ہے اور اگر قرآن کی ابتدا سے دیکھیں تو اس 96 نمبر سورت سے پہلے 95 سورتیں ہیں جو ٹھیک 5×19 کا حاصل ضرب ہیں جس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ سورتوں کے آگے پیچھے کی ترتیب بھی انسانی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حسابی نظام کا ہی ایک حصہ ہے۔

☆ قرآنِ پاک کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورہ نصر ہے۔

یہ سن کر آپ پر پھر ایک مرتبہ خوشگوار حیرت طاری ہو گی کہ اللہ پاک نے یہاں بھی 19 کا نظام برقرار رکھا ہے۔ پہلی وحی کی طرح آخری وحی سورہ نصر ٹھیک 19 الفاظ پر مشتمل ہے۔ یوں کلام اللہ کی پہلی اور آخری سورت ایک ہی حسابی قاعدہ سے نازل ہوئیں۔

☆ سورہ فاتحہ کے بعد قرآن حکیم کی پہلی سورت سورہ بقرہ کی کل آیات 286 ہیں۔ 2 ہٹادیں تو مکی سورتوں کی تعداد سامنے آتی ہے۔ 6 ہٹادیں تو مدنی سورتوں کی تعداد سامنے آتی ہے۔ 86 کو 28 کے ساتھ جمع کریں تو کل سورتوں کی تعداد 114 سامنے آتی ہے۔

آج جبکہ عقل و خرد کو سائنسی ترقی پر بڑا ناز ہے، یہی قرآن پھر اپنا چیلنج دہراتا ہے۔

حسابدان، سائنسدان، ہر خاص وعام مومن، کافر سبھی سوچنے پر مجبور ہیں کہ آج بھی کسی کتاب میں ایسا حسابی نظام ڈالنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ طاقتور کمپوٹرز کی مدد سے بھی اس جیسے حسابی نظام کیمطابق ہر طرح کی غلطیوں سے پاک کسی کتاب کی تشکیل ناممکن ہو گی لیکن 14 سو سال پہلے تو اس کا تصور ہی محال ہے لہذا کوئی بھی صحیح العقل آدمی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ قرآنِ کریم کا حسابی نظام اللہ کا ایسا شاہکار معجزہ ہے جس کا جواب قیامت تک کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔

حروف مقطعات اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ربط

اوپر ہم نے قرآن کے چار الفاظ کی ترتیب کا ذکر کیا ہے۔ اب چند حروف کی خصوصیات پر غور کریں۔ قرآن کی عجیب خصوصیت اس کے حروف مقطعات ہیں جو اس کو دوسرے صحیفوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ عربی کے ۲۸ / حروف تہجی ہیں ان سے ۱۴ / حروف کو منتخب کر کے ان سے ۱۴ / حروف مقطعات بنائے گئے ہیں (مثلاً الم، الرص، ق، ن وغیرہ) قرآن کے ۲۹ / سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا ان حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ ان حروف مقطعات میں کیا معنی پنہاں ہیں کوئی نہیں جانتا۔ البتہ کچھ لوگ قیاس آرائی سے ان کے مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی خصوصیات سے



کسی کو انکار نہیں وہ ہے ان کا ۱۹/ سے ربط۔ اب ذرا ۱۴۱ + ۱۴ + ۲۹ کو جوڑ یئے یعنی ۵۷۔ یہ دراصل حروف مقطعات کے ماخذ حروف، مقطعات کے مرکب اور مقطعات والے سورتوں کا مجموعہ ہے، جملہ ۵۷/ یعنی ۱۹۳۔

حروف مقطعات بطور کلید قرآن:

اب چند حروف مقطعات کی مخصوص کیفیات پر غور کریں۔ حرف "ق" بہ حیثیت حروف مقطع دو سورتوں میں آیا ہے۔ سورہ ق اور سورہ شوریٰ میں حمعسق کے جزو کے طور پر۔ ان ہر دو سورتوں میں حروف ق کی تعداد ۵۷/ ہے یعنی مجموعی طور پر ۱۱۴/ جو کہ ۶x۱۹ ہے۔ لیکن "ق" کے سلسلے میں ایک اور اہم خصوصیت قرآن کے الہامی ترتیب پر صداقت کی مہر ہے۔ سورہ کی آیات ۱۲/ ۱۳ اور ۱۴ میں قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط کا ذکر ہے، یہ ساری باغی اقوام ہیں۔ پورے قرآن میں قوم لوط کا ذکر ۱۲/ دفعہ ہے اور ہر جگہ اس کو تسلسل کے ساتھ قوم لوط سے مخاطب کیا ہے۔ لیکن سورہ "ق" کی ۱۳/ ویں آیت میں اس "قوم لوط" کو "اخوان لوط" لکھا ہے اگر یہاں پھر "قوم لوط" لکھا جاتا تو ایک "ق" کا اضافہ ہو جاتا یعنی "ق" کی تعداد ۵۸/ ہو جاتی جو کہ ۱۹/ پر نا قابل تقسیم ہو کر قرآن کی اس حرفی ترتیب کے نظام کو متاثر کرتی۔

حرف "ص" بھی حروف مقطعات میں شامل ہے۔ یہ حرف تین سورتوں کی ابتدا میں ہے۔ سورہ ص، اعراف، اس میں "المص" کا جزو ہے اور سورہ مریم میں "کھیعص" میں شامل ہے۔ ان تینوں میں "ص" کی تعداد ۱۵۲/ ہے (یعنی ۸x۱۹) جو 19 پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ لفظ "ص" تین سورتوں کی ابتدا میں ہے، الاعراف، مریم اور سورۂ ص اور ان تینوں سورتوں میں لفظ ص ۱۵۲ مرتبہ استعمال ہوا ہے جو ۱۹ کے عدد سے پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

سورۂ اعراف میں ہے "بصطۃ" عربی زبان میں یہ لفظ س سے استعمال ہوتا ہے، لیکن جب یہ لفظ نازل ہوا ہے تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ کاتبان وحی سے کہدو کہ اس کی جگہ ص لکھدیں، اس لئے کہ اگر س لکھدیا جاتا تو ایک ص کم ہو جاتا اور تعداد ۱۵۲ کی بجائے ۱۵۱ رہ جاتی جو ۱۹ کے عدد پر پوری تقسیم نہ ہوتی۔ کیا ترتیب ہو سبحان اللہ! جو انسانی ہو ہی نہیں سکتی۔

حروف مقطعات جن میں ایک سے زائد حروف شامل ہیں مثلاً "یٰس، الم" وغیرہ ایک اور خصوصیت کے حامل ہیں۔ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ تمام سورتوں میں جن میں حروف مقطعات ہیں ان میں ان حروف کی تعداد کا مجموعہ ۴۹۳۸۱/ ہے جو ۱۹/ سے قابل تقسیم ہے یعنی (۱۵۹۹۱۹) ریاضی کی زبان میں کہا جائے گا کہ انھیں ایک طرح سے آپس میں میں پیوست (Inetrlocked) کر دیا گیا ہے جو قرآن کے تسلسل پر دلالت کرتا ہے۔

اس کی ایک اور مثال حروف "ط" اور "ہ" میں دیکھیے۔ بطور حروف مقطعات یہ دو حروف سورہ طہ میں ہیں اور ان کی تعداد ۲۸ + ۳۱۴ = ۳۴۲ ہے، یعنی ۱۹x۱۸۔ اس کے علاوہ حرف "ط" حرف مقطعات کے جزو کے طور پر تین اور سورتوں یعنی سورہ شعراء میں بطور "طس"، سورہ نمل میں بطور "طس" اور سورہ قصص میں بطور "طسم" وارد ہوا ہے۔ اسی طرح حرف "ہ" سورہ مریم میں "کھیعص" کے ساتھ موجود ہے۔ اگر ان پانچوں سورتوں میں "ط" اور "ہ" کی تعداد جوڑ لیں تو ۵۸۹/ ہے جو ۱۹x۳۱ ہے۔ یہ دو ایک مثالیں ہیں بات کو سمجھنے کے لیے اس پر جتنا اور کام ہو گا اور اعجاز سامنے آئے گا۔



قرآن کے بعض اور ریاضیاتی معجزے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس چیز کو جس کے برابر کہا ہے اُن الفاظ کو بھی اتنی ہی دفعہ دُہرایا ہے اور جس کو جس سے کم کہا ہے اسی نسبت سے ان الفاظ کو بھی قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے۔اس دعویٰ کی بنیاد نہ تو اللہ تعالیٰ کے فرمان یعنی قرآن مجید میں موجود ہے اور نہ ہی کسی حدیث یا صحابہ کے اقوال میں پائی جاتی ہے۔بلکہ حال ہی میں جب کچھ مسلم اسکالرز نے اس جانب توجہ کی اور تحقیق فرمائی تو ان کو حیرت انگیز نتائج کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے سامنے قرآن مجید کا ایک اور معجزانہ پہلو نکھر کر سامنے آیا کہ جس کی مثال دنیا کی کسی دوسری کتاب میں ملنا ناممکن ہے۔علاوہ ازیں یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ کوئی اگر کمپیوٹر کی مدد سے بھی ایسا لکھنا چاہے تو نہیں لکھ سکتا۔اور یہی قرآن مجید کا امتیاز اور کمال ہے۔

مثلاً قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کی مثال حضرت آدم سے دی گئی ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ [آلِ عمران:۵۹]

[ترجمہ] بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے اسے مٹی سے بنایا پھر اسے کہا کہ ہو جا پھر ہو گیا۔[کنز الایمان]

معنی کے لحاظ سے یہ بات بالکل واضح ہے مگر اگر آپ قرآن مجید میں عیسیٰ کا لفظ تلاش کریں تو وہ ۲۵/ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔اور اسی طرح آدم کا نام بھی ۲۵/ ہی دفعہ قرآن میں موجود ہے۔یعنی معنی کے ساتھ ساتھ دونوں پیغمبروں کے ناموں کو بھی یکساں طور پر درج کیا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰہُ بِہَا وَلٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ ہَوٰىہُ ۚ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ الۡکَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَیۡہِ یَلۡہَثۡ اَوۡ تَتۡرُکۡہُ یَلۡہَثۡ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ(176) سَآءَ مَثَلَا ۨ الۡقَوۡمُ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنۡفُسَہُمۡ کَانُوۡا یَظۡلِمُوۡنَ(177)

ترجمہ: کنز الایمان

اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اُسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں کیا بُری کہاوت ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور اپنی ہی جان کا بُرا کرتے تھے۔(الاعراف:177،176)

یہ کلمہ "اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا" یعنی "جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں" قرآن مجید میں ۵/ دفعہ آیا ہے جبکہ "کَلۡب" یعنی کتے کا نام بھی پورے قرآن میں ۵/ دفعہ ہی دہرایا گیا ہے۔



اسی طرح سورۃ "فاطر" میں فرمایا کہ "اندھیرا اور روشنی ایک جیسے نہیں ہیں۔"

اندھیرے کو عربی میں "ظلمت" کہتے ہیں اور قرآن میں یہ لفظ ۲۳/ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ جبکہ لفظ روشنی یعنی "نور" کو ۲۴/ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ فرق واضح کر دیا۔

قرآن مجید میں "سَبْعَ سَمٰوٰت" یعنی سات آسمانوں کا ذکر ۷/ مرتبہ ہی ہوا ہے۔ نیز آسمانوں کے بنائے جانے کے لیے لفظ "خَلَقَ" بھی ۷/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ "یَوْم" یعنی دن ۳۶۵/ مرتبہ، جب کہ جمع کے طور پر "یَوْمَیْن" یا "اَیَّام" ۳۰/ مرتبہ اور لفظ "شَھْر" یعنی مہینہ ۱۲/ دفعہ دہرایا گیا ہے۔

لفظ "شَجَرَۃ" یعنی درخت اور لفظ "نَبَّات" یعنی پودے، دونوں یکساں طور پر ۲۶/ مرتبہ ہی دہرائے گئے ہیں۔

لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق "انعام" دینے کا لفظ ۱۱۷/ مرتبہ استعمال ہوا ہے جب کہ معاف کرنے کا لفظ "مَغْفِرَۃ" ۲۳۴/ مرتبہ یعنی دگنی تعداد میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو معاف کرنا زیادہ پسند کرتا ہے۔

لفظ "قُل" یعنی کہو، کو گنا گیا تو وہ ۳۳۲/ دفعہ شمار ہوا۔ جب کہ لفظ "قَالُوا" یعنی وہ کہتے ہیں یا پوچھتے ہیں؟ کو شمار کیا گیا تو وہ بھی ۳۳۲/ مرتبہ ہی قرآن میں دہرایا گیا ہے۔

لفظ "دُنْیا" اور "آخِرَتْ"، دونوں مساوی طور پر ۱۱۵/ دفعہ ہی دہرائے گئے ہیں۔

لفظ "شَیْطَان" ۸۸/ مرتبہ جبکہ لفظ "ملائکہ" یعنی فرشتے کو بھی ۸۸/ دفعہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ "اِیْمَان" ۲۵/ دفعہ اور لفظ "کُفْر" بھی اتنی مرتبہ ہی استعمال ہوا ہے۔

لفظ "جَنَّتْ" اور لفظ "جَهَنَّم" یکساں تعداد میں یعنی ۷۷/ مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔

لفظ "زَکوٰۃ" کو قرآن مجید میں ۳۲ دفعہ دہرایا گیا ہے جب کہ لفظ "بَرَکَاۃ" یعنی برکت کو بھی ۳۲/ دفعہ ہی استعمال کیا گیا ہے۔

لفظ "اَلْاَبْرَار" کو ۶/ دفعہ دہرایا گیا ہے اس کے مقابلہ میں لفظ "اَلْفُجَّار" کو صرف ۳/ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

لفظ "خَمْرَ" یعنی شراب قرآن میں ۶/ مرتبہ استعمال ہوا ہے جبکہ لفظ "سَکَارٰی" یعنی نشہ یا شراب پینے والا، بھی ۶/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ "لِسَان" یعنی زبان کو ۲۵/ دفعہ لکھا گیا ہے اور لفظ "خِطَاب" یعنی بات یا کلام، کو بھی ۲۵/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ "مَنْفَعَة "یعنی فائدہ، اوراس کے متضاد لفظ "خُسْرَان "یعنی خسارہ، کو بھی یکساں طور پر ۵۰، ۵۰/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ "مَحَبَّہ "یعنی دوستی اور لفظ "طَاعَہ "یعنی فرماں برداری، دونوں مساوی طور پر ۸۳/ مرتبہ ہی دہرائے گئے ہیں۔

لفظ "مُصِیْبَۃ "۷۵/ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور لفظ "شُکْر " بھی ۷۵/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ "اِمْرَأۃ "یعنی عورت اور لفظ "رَجُل "یعنی مرد یا آدمی، دونوں یکساں طور پر ۲۳، ۲۳/ مرتبہ ہی دہرائے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں ان الفاظ کا اتنی مرتبہ دہرانا بڑا دلچسپ اور حیران کُن ہے۔ کیونکہ جدید سائنس کے مطابق انسانی جنین کی تشکیل میں بھی ۴۶/ کروموسومز حصہ لیتے ہیں اوران میں ۲۳/ کروموسومز ماں کے اور ۲۳/ ہی باپ کے ہوتے ہیں اور یہ مرد کے جرثومے اور عورت کے بیضہ میں موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں دہرائے گئے ان الفاظ کی جدید سائنس کے ساتھ مطابقت بڑی معنی خیز ہے۔

لفظ "صَلَوَات "یعنی نمازیں، ۵/ دفعہ دہرایا گیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دن رات میں کُل پانچ نمازیں ہی پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

لفظ "اَلْاِنْسَان "یعنی آدمی، ۶۵/ مرتبہ دہرایا ہے۔ جبکہ انسان کی تشکیل کے سب مراحل کو بھی اتنی ہی دفعہ دہرایا ہے۔ ان مراحل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تُرَاب (مٹی) ۱۷/ دفعہ

نُطْفَه (منی کا قطرہ یا بوند) ۱۲/ دفعہ

عَلَق (جمے ہوئے خون کا لوتھڑا) ۶/ دفعہ

مُضْغَه (بوٹی) ۳/ دفعہ

عِظَام (ہڈیاں) ۱۵/ دفعہ

لَحْم (گوشت) ۱۲/ دفعہ

مجموعہ ۶۵/ دفعہ

اس لیے ان الفاظ کے درمیان مطابقت بھی بڑی معنی خیز ہے۔

لفظ "اَرْض "یعنی زمین کو قرآن مجید میں ۱۳/ دفعہ دہرایا گیا ہے۔ جبکہ لفظ "بَحْر "یعنی سمندر یا دریا، کو ۳۲/ دفعہ دہرایا گیا ہے۔ ان دونوں کا مجموعہ ۴۵/ بنتا ہے۔



چنانچہ ان کی نسبت کو معلوم کرنے کے لیے زمین اور سمندر کے انفرادی عدد کو ان دونوں کے مجموعے سے تقسیم کرتے ہیں تو درج ذیل نتیجہ سامنے آتا ہے۔

زمین کے لیے٪ 13/45x100=28.888888889

سمندر کے لیے٪ 32/45x100=71.111111111

درج بالا حاصل ہونے والا نتیجہ جدید سائنس کے عین مطابق ہے۔ جس کے مطابق بھی زمین پر ٪۷۱ر پانی جب کہ ٪۲۹ر خشکی پائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل پر غور وخوض کے بعد یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کا حسابی نظام اتنا پیچیدہ مگر منظم ہے کہ یہ انسانی عقل کے بس کی بات نہیں، لاریب تمام جن وانس مل کر بھی ایسی بے مثال محیر العقول کتاب تیار نہیں کر سکتے۔ حالاتِ حاضرہ پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس وقت شام، دمشق، مصر اور عراق وغیرہ میں لاکھوں عیسائی اور یہودی ایک اندازے کے مطابق ایک کروڑ چالیس لاکھ کے قریب موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے جو عربی زبان میں نثر لکھنے پر قادر ہیں جن کی ادارت میں اخبار اور رسائل اشاعت پذیر ہیں، ان میں ایسے ایسے ادیب اور ماہر لسانیات ہیں جنہوں نے لغاتِ عربیہ پر نظر المحیط، المنجد، اقرب الموارد اور المحیط جیسی ضخیم کتابیں لکھ ڈالیں مگر وہ تورات، زبور اور انجیل کے بارے میں اس قسم کے کمپیوٹرائزڈ نظام نہ پیش کر سکے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے یہ نظام ازل ہی سے قرآن مجید کے لیے مختص فرما دیا تھا جس کا اظہار اب کمپیوٹر کے زمانے میں ہوا ہے۔

ماٰخذ ومراجع

1. قرآن مجید مع ترجمہ کنز الایمان
2. تفسیر ابن کثیر، جلد سوم۔
3. مشکوٰۃ شریف۔
4. بائبل، قرآن اور سائنس، از: مورس بکائی، ناشر: مجلس اتحاد المسلمین، کراچی۔ ۱۹۷۹ء
5. بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ کی رپورٹ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۵۷ء
6. سائنس اور ٹکنالوجی میں مسلمانوں کی خدمات، از: حبیب شطی، سکرٹری جنرل سندھ ٹیکنیکل بورڈ، سندھ ایجوکیشنل جرنل، کراچی شمارہ ۱۹۸۴، ۳ء
7. مقالات: قرآن اور سائنس، بین الاقوامی سیمینار، کراچی۔ ۱۹۸۶ء



8 .فلسفہ،سائنس اور کائنات،از:ڈاکٹر محمود علی سڈنی،ترقی اردو بیورو،نئی دہلی۔۱۹۹۳ء

9 .قرآن اور جدید سائنس،[مترجم]حیدر علی مولجی طہ،عباس بک ایجنسیز،درگاہ حضرت عباس،رستم نگر،لکھنؤ۔۱۹۹۴ء

10 .جدید سائنسی ایجادات اور مسلمان سائنسدانوں کا حصہ،از:سید حسین نصر،مصر ۱۹۸۵ء

11 Quran;Attempt at Computerzation .،رسالہ العطش۔کراچی شمارہ۹،بہ حوالہ : Isalamic Production

Tuesm, Arizona, USA

12 .سیارہ ڈائجسٹ۔قرآن نمبر۔۱۹۸۸ء

13 .سائنسی انکشافات قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

14 .الشمس والقمر بحسبان۔

15 The Quran and Modern Science .

16 THE MESSIANIC LEGACY,-GEORGI BOOKS ,LONDON :1991 .

17 EDWARD J. LARSON VE LARRY WITHAM, Scientists and Religion in America, .

SCIENETIFIC AMERICAN, SEP.1999, p. 81

18. بحوالہ قرآن رہنمائے سائنس۔

تدوین قرآن

تدوین قرآن کے تین مراحل ہیں

عہد نبوی

عربی زبان میں 'جمع القرآن' کا لفظ دو معانی میں استعمال ہوتا ہے



1۔زبانی حفظ کے معنی میں

2۔کتابت اور تدوین کے معنی میں

عہد رسالت میں مذکورہ دونوں معنوں میں حفاظتِ قرآن کا انتظام ہوا۔ جہاں تک پہلے معنی کا تعلق ہے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا اور قرآنِ کریم آپؐ کے صفحاتِ قلب پر نقش تھا۔ نیز آپ کے دور میں متعدد صحابہؓ قرآنِ کریم کے حافظ تھے جہاں تک دوسرے معنی میں حفاظتِ قرآن کا تعلق ہے تو اس کا اہتمام بھی دورِ نبویؐ میں بخوبی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں اور آپؐ کے سامنے مکمل قرآنِ کریم لکھا گیا، اگرچہ پتھروں، کاغذ اور چمڑے کے ٹکڑوں پر ہی سہی، لیکن یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا تھا کہ قرآنِ کریم اکثر صحابہ کے سینوں میں محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف اشیا پر تحریری شکل میں بھی موجود تھا۔

حفظ قرآن: قرآن مجید کی حفاظت کا بنیادی ذریعہ

ہر زمانے کا علم کو محفوظ کرنے اور رکھنے کا ایک مزاج ہوتا ہے اور زمانہ قدیم میں یہ مزاج حفظ کا تھا جیسا کہ دور جاہلیت کی عرب شاعری کو زبانی ہی محفوظ کیا گیا ہے اور زبانی ہی نقل کیا گیا ہے۔ بعد میں کتابت کو اہمیت حاصل ہوتی چلی گئی اور آج جدید دور میں کہ جسے ہم آئی ٹی کا دور کہتے ہیں، کتابت بھی متروک ہو چکی ہے اور اس کی جگہ کمپیوٹرائزیشن لے چکی ہے۔ لیکن قرآن کے معاملہ میں آج بھی جبکہ پرنٹنگ پریس کا زمانہ اپنے عروج پر ہے اور مصاحف لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو رہے ہیں، اصل اعتبار حفظ کا کیا جاتا ہے نہ کہ کتابت کا۔ دنیا کے کسی بھی اسلامی ملک میں حکومت کی اجازت سے جو مصاحف شائع ہوتے ہیں تو ان کی تصدیق پہلے قراء سے کروائی جاتی ہے۔

پاکستان کی وزارت مذہبی امور اس وقت تک کسی پبلشر کو مصحف شائع کرنے کی اجازت فراہم نہیں کرتی جب تک کہ دو قراء کرام اس مصحف کی صحت کی تصدیق نہ کر دیں۔ لہٰذا قرآن مجید کی نقل میں مصاحف سے زیادہ اہمیت قراء کی ہے۔ اور اہم تر بات یہ ہے کہ لکھے ہوئے کو پڑھنا اور صحیح پڑھنا کسی بھی زبان میں بغیر ماہر استاذ کے ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ہی زبان میں تلفظ اور لہجات [accents and dialects] کا فرق ہوتا ہے۔ کسی زبان میں کچھ حروف سائیلینٹ ہوتے ہیں۔ انگریزی زبان کا ایک ہی لفظ امریکن کسی اور طرح ادا کرتے ہیں اور برٹش کسی اور طرح سے۔ اور بعض اوقات تو زمین وآسمان کا فرق ڈال دیتے ہیں۔ اس لیے شروع سے حفظ قرآن کی روایت کو اہمیت حاصل رہی اور قرآن مجید کے تحفظ کا کام لکھنے سے زیادہ حفظ سے ممکن ہوا اور یہ زیادہ پائیدار بھی ہے، پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات زبانی یاد نہ کرنے کی وجہ سے بھلا دی گئیں. کئی بار مسودے حملہ آوروں نے تباہ کر دیئے اور بعض اوقات کتابت میں جانے یا انجانے میں غلطی کی گئی. قرآن کے حفظ پر چونکہ شروع سے زیادہ توجہ دی گئی اس لیے یہ ناسخت حالات زمانہ سے اس پر کوئی غلط اثر پڑا نا کسی انسانی غلطی، سہو کا شکار ہو سکا. یہ اللہ تعالی کی طرف سے اسکی حفاظت کا خصوصی انتظام تھا جس کی وجہ سے آج تک یہ کتاب مقدس اپنی اصل حالت پر باقی ہے اور دور جتنا مرضی تنزلی کا شکار ہو جائے یا ترقی کر جائے اس کی تحفیظ پر قیامت تک کوئی اثر نہیں پڑنے والا، یہ بلاشبہ اسکا ایک زندہ معجزہ ہے۔

خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کے یاد کرنے اور اس کے حفظ کرنے کے سلسلہ میں اس قدر حریص تھے کہ نزولِ وحی کے وقت آپ اس



کے الفاظ کو اسی وقت دوہرانے لگتے تھے تاکہ اچھی طرح یاد ہو جائے اور کوئی کلمہ یا حرف دورانِ وحی ان سے چھوٹنے نہ پائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آپ کو اطمینان دلایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾

16.(اے حبیب!) آپ (قرآن کو یاد کرنے کی) جلدی میں (نزولِ وحی کے ساتھ) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾

17.بے شک اسے (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور اسے (آپ کی زبان سے) پڑھانا ہمارا ذِمّہ ہے (القیامۃ:۱۷،۱۶)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا امکان نہیں تھا، پھر آپ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دَور کیا کرتے،

وَقَالَ مَسْرُوقٌ: عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام: "أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ، وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أُرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِي."(بخاری:4997)

اور مسروق نے کہا، ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے سے فرمایا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام مجھ سے ہر سال قرآن مجید کا دورہ کرتے تھے اور اس سال انہوں نے مجھ سے دو مرتبہ دورہ کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری موت کا وقت آن پہنچا ہے۔

نہ صرف نبی علیہ السلام بلکہ انکے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ایک بڑی تعداد نے قرآن مجید زبانی یاد کر رکھا تھا۔ صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خداداد بے نظیر حافظے کو جاہلیت کے اشعار، انسابِ عرب حتی کے اونٹوں اور گھوڑوں کی نسلوں کے حفظ سے ہٹا کر، آیاتِ الٰہی کے حفظ پر لگا دیا، اہل عرب کو صدیوں تک کی گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے بعد قرآن کریم کی وہ منزلِ ہدایت نصیب ہوئی تھی جسے وہ اپنی زندگی کا سب سے عزیز سرمایہ تصور کرتے تھے، اس لیے انھوں نے اسے یاد رکھنے کے لیے کیا کچھ اہتمام کیا ہوگا اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو ان کے مزاج و طبیعت سے واقف ہے،۔ وہ اسے یاد کرنے اور حفظ کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر میں رہتے تھے اور جسے قرآن مجید جس قدر زیادہ یاد ہوتا تھا اسی لحاظ سے ان میں اس کا مقام و مرتبہ ہوتا تھا؛ حتی کہ بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے محض اس لیے کوئی مہر طلب نہیں فرمایا کہ وہ انھیں قرآن کریم کی کوئی سورۃ یاد دلادے۔ لوگ راتوں میں اٹھکر نمازوں میں تلاوتِ قرآن کی لذت کو نیند کی لذت پر ترجیح دیتے تھے؛ اگر رات کی تاریکی میں کسی کا گزر ان کے گھروں پر سے ہوتا تھا تو تلاوتِ قرآن پاک کی وجہ سے شہد کی مکھی کی طرح بھن بھنبھناہٹ کی آواز اسے سنائی دیتی تھی۔

قرآنِ پاک کے ساتھ انہی توجہات کا نتیجہ تھا کہ ایک بڑی جماعت حفاظِ کرام کی حضور ﷺ کی زندگی ہی میں منظر عام پر آگئی جن میں چاروں خلفاء راشدین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے

علاوہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن السائب رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام تاریخ میں محفوظ رہ گئے، یہ سب مہاجرین میں سے ہیں اور انصار میں سے جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں حفظِ کلام پاک مکمل کیا ان کے نام یہ ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت مجمع بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم اجمعین ایک قول یہ بھی ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی وفات کے بعد حفظِ کلام پاک مکمل کیا؛ بہر حال جو بھی ہو اس سے اتنا تو اندازہ ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حفظِ قرآن پاک مکمل کرنے والوں کی تعداد کافی تھی؛ حتی کہ بئر معونہ کا واقعہ ۴ھ میں پیش آیا اس میں ۷۰/ قراء کی جماعت شہید ہوئی۔

(مناہل العرفان:۱۷۴،۱۷۳)

عرب کے ضرب المثل حافظے نے چند ہی دنوں میں ہزاروں حفّاظِ آیاتِ الٰہی کو معرضِ شہود میں لا کھڑا کر دیا، حفّاظ کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ: صرف "جنگِ یمامہ" میں شہید ہونے والے حافظوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق سات سو تھی۔

(تفسیر قرطبی:۱/۳۷۔ عمدۃ القاری:۱۳/۵۳۳)

کتابت قرآن

اگرچہ دورِ نبویؐ میں قرآنِ کریم کی حفاظت کا بنیادی دارومدار حفظ پر تھا، لیکن اس کے باوجود اسے تحریر میں لانا ضروری سمجھا گیا کہ اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔ نیز قرآنِ کریم صحابہ کرامؓ کے لئے ایک مقدس متاع کی حیثیت رکھتا تھا، لہٰذا اُنہوں نے انفرادی حیثیت سے بھی بطورِ یادگار اسے ضبطِ تحریر میں لانے کا اہتمام کیا، جیسا کہ عموماً نادر اور نایاب اشیا کی حفاظت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

کتابت قرآن کا طریقہ کار حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان فرمایا:

حدثنا أحمد بن محمد بن نافع الطحان المصري ثنا أبو الطاهر بن السرح قال وجدت في كتاب خالي عبد الحميد حدثنا عقيل حدثني سعيد بن سليمان أخبره عن أبيه سليمان بن زيد عن زيد بن ثابت قال كنت أكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم وكان إذا نزل عليه أخذته برحا شديدة وعرق عرقا وعطاء مثل الجمان ثم سري عنه فكنت أدخل عليه بقطعة القتب أو كسرة فأكتب وهو يملي علي فما أفرغ حتى تكادرجلي تنكسر من ثقل القرآن حتى أقول لا أمشي على رجلي أبدا فإذا فرغت قال اقرأه فإن كان فيه سقط أقامه ثم أخرج به إلى الناس.

ترجمہ: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ سخت بوجھ محسوس کرتے اور آپ کے جسم

اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے؛ پھر آپ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے رہتے میں لکھتا جاتا یہاں تک کہ میں لکھ کر فارغ ہو جاتا تو قرآن کے نقل کرنے کے بوجھ سے مجھ کو ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا؛ بہر حال جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے "پڑھو" میں پڑھ کر سناتا؛ اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرمادیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے"۔

(المعجم الکبیر للطبرانی:۵/ ۱۴۲، ۴۸۸۹)(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:684)

کتابتِ وحی کا کام صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد نہ تھا؛ بلکہ آپ نے بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس مقصد کے لیے مقرر فرمایا ہوا تھا، جو حسبِ ضرورت کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، کاتبینِ وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے۔

(علوم القرآن:۱۷۹، مصنف: مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ)

زیادہ مشہور کاتبینِ وحی

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن ابی السرح رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ، حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ، حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ، حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ، حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (فتح الباری:۹/ ۲۷) حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (علوم القرآن مفتی تقی عثمانی:۱۷۹) فتح الباری ۹/ ۱۸اور زاد المعاد ۱/ ۳۰)

الخلفاء الأربعة أبو بكر وعمر وعثمان وعلي بن أبي طالب رضي الله عنهم.... ثم ذكر: أبان بن سعيد بن العاص، وأبي بن كعب، وزيد بن ثابت، ومعاذ بن جبل، وأرقم بن أبي الأرقم واسمه عبد مناف، وثابت بن قيس بن شماس، وحنظلة بن الربيع، وخالد بن سعيد بن العاص، وخالد بن الوليد، والزبير بن العوام، وعبد الله بن سعد بن أبي سرح، وعامر بن فهيرة، وعبد الله بن أرقم، وعبد الله بن زيد بن عبد ربه، والعلاء بن الحضرمي، ومحمد بن مسلمة بن جريس، ومعاوية بن أبي سفيان، والمغيرة بن شعبة رضي الله عنهم أجمعين. (البداية والنهاية)

حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی وحی نازل ہوتی تھی تو آپ اپنے بعض کاتبین وحی کو بلواتے تھے اور ان کو نئی نازل شدہ آیتیں لکھواتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے امر پر (مسند احمد:۴/ ۲۶۸۔ رقم:۱۷۹۴۱۔ کنز العمال:۲/ ۲۹۵۷،۹) اس کی جگہ کی تعیین بھی فرمادیتے تھے کہ اسے کس سورت میں کس آیت کے بعد رکھنا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے (فتح الباری ۹/ ۱۸)(سنن ابو داؤد، صلوٰۃ، باب من جھر بھا:۷۸۶)

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاد فرمایا:۔یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر مجھے (فلاں آیت کو فلاں جگہ رکھنے کا) حکم دیا۔(کنزالعمال ۲/ ۴۰)

صحابہ ؓکرام میں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، وہ خدمتِ نبوی میں پہنچ کر آیات لکھ لیتے تھے، جب کسی سورت میں آیت کا اضافہ ہوتا تو معلوم کرکے مرتب فرمالیتے تھے، اس طرح بہت سے صحابہ ؓکرام کے پاس سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدقہ نسخۂ قرآن موجود تھا، بعض کے پاس پورا قرآن بھی تھا اور بعض کے پاس چند سورتیں اور چند آیتیں تھیں، لکھنے لکھانے کا سلسلہ بالکل ابتداء سے کثرت سے جاری تھی، اس کی شہادت درج ذیل روایتوں سے ملتی ہے:

)۱ (حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے والی روایت میں ہے کہ: ان کی بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان سے پہلے ہی مسلمان ہوچکے تھے، وہ حضرت خباب بن الارث سے قرآن پڑھ رہے تھے، جب حضرت عمر نہایت غضب ناک حالت میں ان کے پاس پہنچے تو ان کے سامنے ایک صحیفہ تھا جس کو انہوں نے چھپادیا تھا، اس میں سورہ طہ کی آیات لکھی ہوئی تھیں۔(سنن دار قطنی ۱/ ۱۲۳باب نہی المحدث عن مس القرآن، دار نشر لاہور)

)۲ (امام بخاری علیہ الرحمہ نے "کتاب الجہاد" میں ایک روایت نقل کی ہے، جس میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصاحف (لکھا ہوا قرآن مجید) لے کر دشمنوں کی زمین میں جانے سے منع فرمادیا تھا۔(صحیح بخاری ۱/ ۴۱۹)

)۳(حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مشورہ سے جب قرآن مجید کے اجماعی نسخہ کی کتابت کا وقت آیا تو اس وقت حضرت زید بن ثابتکو پابند کیا گیا تھا کہ: جو کوئی بھی لکھی ہوئی آیت لے کر آئے، اس سے دو گواہوں کی گواہی اس بات پر لیجیے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہے؛ چناں چہ اس پر عمل ہوا (الاتقان ۱/ ۷۷)

مذکورہ بالا تینوں روایتوں اور ان کے علاوہ بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ مرتب کتاب کی شکل میں نہیں تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بہت سے صحابہ ؓکرام کے پاس آیات لکھی ہوئی تھیں؛ بلکہ بعض کے پاس پورا قرآن مجید بھی لکھی ہوئی شکل میں موجود تھا۔

قَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَأْتِي عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ تَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُولُ ضَعُوا هَذِهِ الآيَةَ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا. (الترمذی: 3086، ضعفه الالبانی)

عثمان ؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب زمانہ گذشتہ گنتی کی سورتیں نازل ہوئیں تو جب کوئی چیز نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی کو بلاتے اور اسے کہتے کہ یہ آیات اس سورت میں لکھو جس میں ایسے ایسے مذکور ہے۔



مندرجہ بالا حدیث کے ضعف کی بنیاد پر عہد نبوی ﷺ میں تدوین (کتاب بشکل مصحف) کا ثبوت نہیں مل پارہا ہے، لیکن تدوین بمعنیٰ کتابت کا ثبوت مل رہا ہے کئی قرائن سے، جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں لکھنے کا رواج تھا، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث شاہد ہے:

قال زيدٌ: قال أبو بكرٍ: إنك رجلٌ شابٌّ عاقلٌ لا نتَّهِمُك، وقد كنتَ تَكتُبُ الوحيَ لرسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم... فتتبعت القرآن أجمعه من العسب والرقاع واللخاف وصدور الرجال. (بخاری: 7191)

زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم جوان ہو، عقلمند ہو اور ہم تمہیں کسی بارے میں متہم بھی نہیں سمجھتے تم آن صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھتے تھے۔۔۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید کی تلاش شروع کی۔ اسے میں کھجور کی چھال، چمڑے وغیرہ کے ٹکڑوں، پتلے پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا۔

سامانِ کتابت

نزولِ قرآن مجید کے زمانہ میں ایجادات ومصنوعات کی کمی ضرور تھی، جس طرح آج کاغذ، قلم اور دوات کی بے شمار قسمیں دریافت ہیں، اس زمانہ میں اتنی ہرگز نہ تھیں؛ لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس وقت کاغذ اور کتابیں دریافت نہ تھیں، یمن، روم اور فارس میں کتب خانے بھی تھے، یہود ونصاریٰ کے پاس کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا، اس زمانے میں "کاغذ" وغیرہ کی صنعتیں بھی تھیں؛ لیکن بڑے پیمانے پر نہ ہونے کی وجہ سے کاغذ وغیرہ ہر جگہ دریافت نہ تھے؛ اس لیے لکھنے کے لیے جو چیز بھی قابل اور پائدار سمجھ میں آتی اس پر لکھ لیا جاتا تھا۔ (التبیان فی علوم القرآن ص۴۹)

قرآن مجید کی کتابت کے لیے بھی اس وقت کی ایسی پائدار چیزیں استعمال کی گئیں، جن میں حوادث وآفات کے مقابلے کی صلاحیت نسبتاً زیادہ تھی؛ تاکہ مدتِ دراز تک محفوظ رکھا جاسکے۔ (تدوین قرآن ص۳۱) حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق کتابتِ قرآن میں درج ذیل چیزیں استعمال کی گئیں:

(الف) زیادہ تر پتھروں کی چوڑی اور پتلی سلوں (لخاف) کو استعمال کیا گیا، اِسے ہم سلیٹ کہہ سکتے ہیں۔

(ب) اونٹوں کے مونڈھوں کی چوڑی گول ہڈیوں (کَتِف) پر بھی لکھا گیا، مونڈھوں کی ہڈیوں کو نہایت اچھی طرح گول تراش کر تیار کیا جاتا تھا۔

(ج) چمڑوں کے کافی باریک پارچوں (رِقاع) پر بھی قرآن مجید لکھا جاتا تھا، یہ ٹکڑے نہایت باریک ہوتے تھے، اور لکھنے کے لیے ہی تیار کیے جاتے تھے، گوشت خور ملک میں اس کی بڑی افراط تھی۔

(د) بانس کے ٹکڑوں پر بھی آیات لکھی جاتی تھیں۔

(ھ) درخت کے چوڑے اور صاف پتے بھی کتابت کے لیے استعمال ہوتے تھے۔



(و) کھجور کی شاخوں کی چوڑی جڑوں (عسیب) اور کھجور کے جڑے ہوئے پتوں کو کھول کر ان کی اندرون جانب بھی آیات کی کتابت ہوتی تھی۔

(ز) محدثین نے کاغذ پر بھی کتابتِ قرآن کا ذکر کیا ہے۔(فتح الباری ۹/۱۷)

عہد نبوی میں قرآن ایک مصحف میں جمع کیوں نہیں کیا گیا؟

چند وجوہات / حکمتیں

۱۔ قرآن کریم یکبارگی نہیں بلکہ تیئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا۔۔ یہ سلسلہ پورے عہد نبوی کو محیط رہا؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ اس لیے آپ ﷺ کے سامنے آج کی طرح کتابی شکل میں منصہ شہود پر آنا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ صحابہ کرام کے مابین جب کسی آیت میں اختلاف ہوتا تو وہ مکتوب قرآن کی بجائے رسول اکرم ﷺ سے ہی رجوع کر لیتے۔

۲۔ آپ ﷺ نے اسے اس لئے بھی ایک ہی مصحف میں جمع نہیں فرمایا کیونکہ قرآن میں نسخ واقع ہو رہا تھا اگر آپ ﷺ اسے جمع کر دیتے پھر کچھ حصے کی تلاوت منسوخ ہو جاتی تو یہ اختلاف اور دین میں اختلاط کا سبب بنتا۔ آپ ﷺ بھی قرآن کریم کے بعض احکام یا تلاوت کے بارے میں منتظر رہتے کہ شاید کچھ منسوخ ہو جائے اس لئے بھی آپ ﷺ نے جمع نہیں کروایا۔ جب اس کا نزول مکمل ہو گیا اور زمانہ نسخ کے اختتام تک یہ قرآن سینوں میں محفوظ بھی رہا اور آپ ﷺ کی وفات ہو گئی تو اللہ تعالی نے خلفاء راشدین کو اس کے جمع کرنے کا الہام کر دیا۔(البرہان از زرکشی ۱/۲۳۵)

۳۔۔ قرآن مجید کا نزول ضرورت وحاجت کے مطابق تھوڑا تھوڑا ہوتا رہا، کبھی ایک آیت کبھی چند آیتیں نازل ہوتی رہیں، نزول کی ترتیب موجودہ ترتیب سے بالکل الگ تھی، اگر اس وقت قرآن ایک مصحف میں جمع کر دیا جاتا تو یہ ترتیب ہر نزول کے وقت ہی تبدیلی کا سامنا کرتی۔۔

علامہ الخطابی کے الفاظ میں:

إنما لم يجمع القرآن في المصحف لما كان يترقبه من ورود ناسخ لبعض أحكامه أو تلاوته فلما انقضى نزوله بوفاته ألهم الله الخلفاء الراشدين ذلك وفاء بوعده الصادق بضمان حفظه على هذه الأمة فكان ابتداء ذلك على يد الصديق بمشورة عمر

رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو ایک مصحف کی صورت میں نہیں اکھٹا کیا کیونکہ انہیں کسی آیت یا حکم کی منسوخی کا انتظار کرنا تھا. مگر جب انکی وفات ہوئی اور نزول وحی منقطع ہو گئی" اور آخر کار نسخ بھی"۔ اللہ نے اس قرآن کی حفاظت کے متعلق اپنا سچا وعدہ پورا کرنے کے لیے یہ خیال خلفائے راشدین کے دل میں ڈالا. تب یہ عظیم فریضہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر سرانجام دیا.(الخطابی، بحوالہ فتح الباری)



قرآن مجید کا نزول ضرورت وحاجت کے مطابق تھوڑا تھوڑا ہوتا رہا، کبھی ایک آیت کبھی چند آیتیں نازل ہوتی رہیں، نزول کی ترتیب موجودہ ترتیب سے بالکل الگ تھی، یہ سلسلہ پورے عہد نبوی کو محیط رہا؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحات تک جاری رہا؛ اس لیے آپ ﷺ کے سامنے آج کی طرح کتابی شکل میں منصہ شہود پر آنا مشکل؛ بلکہ ناممکن تھا، ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ ہر آیت کے نازل ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوا لیتے تھے اور زمانہ کے لحاظ سے نہایت ہی پائدار چیز پر لکھواتے تھے؛ چنانچہ پورا قرآن مجید بلا کسی کم وکاست کے لکھا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ میں موجود تھا، اس میں نہ تو کوئی آیت لکھنے سے رہ گئی تھی اور نہ ہی کسی کی ترتیب میں کوئی کمی تھی؛ البتہ سب سورتیں الگ الگ تھیں، اور متعدد چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں، کتابی شکل میں جلد سازی اور شیرازہ بندی نہیں ہوئی تھی:

قد کان القرآنُ کُلُّه مکتوباً في عَهْدِہ صلی اللہ علیه وسلم لکن غیرَ مجموعٍ في مَوضِعٍ واحدٍ۔ (الکتابی ج۲ص۳۸۴ بحوالہ تدوینِ قرآن ص۴۳)

(ترجمہ:) پورا قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا ہوا تھا؛ لیکن ایک جگہ جمع نہیں تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتابی شکل میں جمع کرایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کی محقق نقلیں تیار کرکے ہر طرف پھیلایا؛ بلکہ پوری امت کو اس پر جمع کیا۔ آج تک قرآن مجید اسی کے مطابق موجود ہے۔

سورتوں اور آیتوں کی ترتیب

پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب توقیفی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پورا قرآن مجید مرتب طور پر لکھوایا، آج بھی اسی ترتیب سے قرآن مجید لکھا اور پڑھا جارہا ہے، اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔

پورا قرآن مجید بائیس سال، پانچ ماہ، چودہ دن میں نازل ہوا (مناہل العرفان ص۴۳)، حسبِ ضرورت کبھی ایک آیت، کبھی چند آیتیں اور کبھی پوری سورہ کی شکل میں آیات نازل ہوتی رہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوتا کہ اس کو فلاں سورہ کے فلاں مقام پر رکھ دیجیے؛ چنانچہ کاتبینِ وحی کو بلا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ضَعوا ھا في مَوضع کذا (التبیان في علوم القرآن ص۴۹، فتح الباری ۹/۲۷) (ترجمہ:) اس کو فلاں مقام پر لکھو!



عہدِ نبوی میں قرآن مجید کے نسخے

جیسا کہ اوپر گذرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے ساتھ ہی آیات لکھوالیا کرتے تھے، اور لکھانے کے ساتھ سن بھی لیتے تھے، پھر اسے اپنے پاس محفوظ فرمالیتے تھے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پورا قرآن مجید لکھی ہوئی شکل میں بھی موجود تھا؛ لیکن ایک جلد میں مجلد نہ تھا، مختلف چیزوں پر لکھا ہوا تھا۔

صحابہ کرام میں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، وہ خدمتِ نبوی میں پہنچ کر آیات لکھ لیتے تھے، جب کسی سورت میں آیت کا اضافہ ہوتا تو معلوم کرکے مرتب فرمالیتے تھے، اس طرح بہت سے صحابہ کرام کے پاس سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدقہ نسخۂ قرآن موجود تھا، بعض کے پاس پورا قرآن بھی تھا اور بعض کے پاس چند سورتیں اور چند آیتیں تھیں، لکھنے لکھانے کا سلسلہ بالکل ابتداء سے کثرت سے جاری تھی، اس کی شہادت درج ذیل روایتوں سے ملتی ہے:

حدثنا محمد بن عبداللہ بن غیلان، حدثنا الحسن بن الجنید، وحدثنا احمد بن محمد بن اسماعیل الآدمی، حدثنا محمد بن عبیداللہ المنادی، قالا: حدثنا اسحاق الازرق، حدثنا القاسم بن عثمان البصری عن انس بن مالك، قال: خرج عمر متقلدا السیف فقیل له: ان ختنك و اختك قد صبوا، فاتاهما عمر وعندهما رجل من المهاجرین یقال له: خباب، و كانوا یقرءون (طه)، فقال: اعطونی الكتاب الذی عندكم اقراه و كان عمر یقرا الكتاب فقالت له اخته: انك رجس، ولا یمسه الا المطهرون، فقم فاغتسل او توضا، فقام عمر فتوضا ثم اخذ الكتاب فقرا (طه)، القاسم بن عثمان لیس بالقوی (دار قطنی: ۴۴۱؛ دار السلامیات، 434 فتوحات جهانگیری)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں: حجرت عمرؓ گلے میں تلوار لٹکا کر نکلے تو انہیں بتایا گیا، آپ کے بہنوئی اور آپ کی بہن بے دین ہو گئے ہیں (یعنی انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے) تو حضرت عمر ان دونوں کے پاس آئے ان دونوں کے پاس اس وقت ایک مہاجر شخص بیٹھا ہوا تھا، جس کا نام خباب تھا۔ یہ لوگ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کر رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: تمہارے پاس جو یہ کتاب موجود ہے، یہ مجھے دو تاکہ میں اس کو پڑھوں۔ حضرت عمرؓ اس کتاب کو پڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن اس کی بہن نے ان سے کہا: آپ ناپاک ہیں، اسے صرف پاکیزہ لوگ چھو سکتے ہیں، اٹھیں اور غسل کریں یا وضو کریں، تو حضرت عمرؓ اٹھے، انہوں نے وضو کیا، پھر انہوں نے اس تحریر کو لیا اور سورۃ فاتحہ طہ کو پڑھا، قاسم بن عثمان قوی نہیں

1۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے والی روایت میں ہے کہ: ان کی بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، وہ حضرت خباب بن الارث سے قرآن پڑھ رہے تھے، جب حضرت عمر نہایت غضب ناک حالت میں ان کے پاس پہنچے تو ان کے سامنے ایک صحیفہ تھا جس کو انہوں نے چھپا دیا تھا، اس میں سورہ طہ کی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ (سنن دار قطنی ا / 441 باب نہی المحدث عن مس القرآن، دار نشر لاہور)



2 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " نَهَى " أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ."

سے عبد اللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، ان سے امام مالک رحمہ اللہ نے، ان سے نافع نے اور ان سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے علاقے میں قرآن مجید لے کر جانے سے منع فرمایا تھا۔(بخاری 2990)

2۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے "کتاب الجہاد" میں ایک روایت نقل کی ہے، جس میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصاحف (لکھا ہوا قرآن مجید) لے کر دشمنوں کی زمین میں جانے سے منع فرمادیا تھا۔(صحیح بخاری ۱/۴۱۹)

3۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مشورہ سے جب قرآن مجید کے اجماعی نسخہ کی کتابت کا وقت آیا تو اس وقت حضرت زید بن ثابت کو پابند کیا گیا تھا کہ: جو کوئی بھی لکھی ہوئی آیت لے کر آئے، اس سے دو گواہوں کی گواہی اس بات پر لیجیے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہے؛ چنانچہ اس پر عمل ہوا (الاتقان ۱/۷۷)

مذکورہ بالا تینوں روایتوں اور ان کے علاوہ بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں بہت سے صحابہ کرام کے پاس آیات لکھی ہوئی تھیں؛ بلکہ بعض کے پاس پورا قرآن مجید بھی لکھی ہوئی شکل میں موجود تھا۔

عہد صدیقیؓ میں تدوینِ قرآن مجید

ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

أعظمُ النّاسِ فی المصاحب أجراً أبوبکرٍ، رحمۃُ اللہ علی أبی بکر، ھو أوّلُ مَنْ جَمَعَ کتابَ اللہ۔(الاتقان فی علوم القرآن ۱/۷۶)

(ترجمہ:) قرآن مجید کی خدمت کے سلسلے میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ابو بکر صدیق ہیں، اللہ تعالیٰ ابو بکر پر رحم فرمائیں کہ وہ اولین شخصیت ہیں، جنہوں نے، جمعِ قرآن کا (مایہ ناز) کارنامہ انجام دیا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکمل قرآن مجید مختلف چیزوں پر لکھا ہوا تھا، سارے اجزا الگ الگ تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو ایک ہی تقطیع اور سائز پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کروانے کا کام حکومتی اور اجماعی طور پر انجام دیا؛ چنانچہ ایسا نسخہ مرتب ہو گیا جس کو سارے صحابہ کرام کی اجماعی تصدیق حاصل ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی خدمت کو حکومت کی طرف سے انجام دینے کا مطالبہ کر رہے تھے، وہ چاہتے تھے کہ خلافت و حکومت اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لے اور اپنی نگرانی میں اس کو مکمل کرائے؛ تاکہ قرآن مجید ضائع ہونے سے بچ جائے اور بعد میں کتاب اللہ میں اختلاف پیدا نہ ہو۔



حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ، فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي، فَقَالَ: "إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ، وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ. قُلْتُ لِعُمَرَ: كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ عُمَرُ: هَذَا وَاللَّهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِذَلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ". قَالَ زَيْدٌ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ، فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ، لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ سورة التوبة آية **128** حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ، ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ، ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، کہا ہم سے ابن شہاب نے بیان کیا، ان سے عبید بن سباق نے اور ان سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جنگ یمامہ میں (صحابہ کی بہت بڑی تعداد کے) شہید ہو جانے کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا بھیجا۔ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ یمامہ کی جنگ میں بہت بڑی تعداد میں قرآن کے قاریوں کی شہادت ہو گئی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اسی طرح کفار کے ساتھ دوسری جنگوں میں بھی قراء قرآن بڑی تعداد میں قتل ہو جائیں گے اور یوں قرآن کے جاننے والوں کی بہت بڑی تعداد ختم ہو جائے گی۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ قرآن مجید کو (باقاعدہ کتابی شکل میں) جمع کرنے کا حکم دے دیں۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ایک ایسا کام کس طرح کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی زندگی میں) نہیں کیا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اللہ کی قسم! یہ تو ایک کار خیر ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ بات مجھ سے بار بار کہتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں میرا بھی سینہ کھول دیا اور اب میری بھی وہی رائے ہو گئی جو عمر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ (زید رضی اللہ عنہ) جوان اور عقلمند ہیں، آپ کو معاملہ میں متہم بھی نہیں کیا جا سکتا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھتے بھی تھے، اس لیے آپ قرآن مجید کو پوری تلاش اور محنت کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیں۔ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے کسی پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے دوسری جگہ ہٹانے کے لیے کہتے تو میرے لیے یہ کام اتنا مشکل نہیں تھا جتنا کہ ان کا یہ حکم کہ میں قرآن مجید کو جمع کر دوں۔ میں نے اس پر کہا کہ آپ لوگ ایک ایسے کام کو کرنے کی ہمت کیسے کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کیا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ ایک عمل خیر ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ جملہ برابر دہراتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا بھی ان کی اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرح سینہ کھول دیا۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید (جو مختلف چیزوں پر لکھا ہوا موجود تھا) کی تلاش شروع کر دی اور قرآن مجید کو کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں، پتلے پتھروں سے، (جن پر قرآن مجید لکھا گیا تھا) اور لوگوں کے سینوں



کی مدد سے جمع کرنے لگا۔ سورۃ التوبہ کی آخری آیتیں مجھے ابو خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس لکھی ہوئی ملیں، یہ چند آیات مکتوب شکل میں ان کے سوا اور کسی کے پاس نہیں تھیں «لقد جاءکم رسول من أنفسکم عزیزعلیہ ماعنتم» سے سورۃ براۃ (سورۃ توبہ) کے خاتمہ تک۔ جمع کے بعد قرآن مجید کے یہ صحیفے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھے۔ پھر ان کی وفات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے جب تک وہ زندہ رہے اپنے ساتھ رکھا پھر وہ ام المؤمنین حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت امام بخاری علیہ الرحمہ نے نقل فرمائی ہے (اوپر بیان ہو چکی ہے)، فرماتے ہیں کہ:

" جنگ یمامہ " کے فوراً بعد صدیق اکبر نے میرے پاس بلاوا بھیجا، میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمر فاروق بھی موجود تھے، حضرت ابو بکرؓ مجھ سے مخاطب ہوئے کہ: عمرؓ نے ابھی آکر مجھ سے کہا کہ: جنگِ یمامہ میں حفاظِ کرام کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی ہے، اگر آئندہ لڑائیوں میں بھی اسی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے!

لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دے دیں، میں نے کہا کہ: جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے، وہ ہم کیسے کریں؟ عمرؓ نے جواب دیا کہ: باخدا! یہ کام بہتر ہے، اس کے بعد عمر بار بار مجھ سے یہ کہتے رہے؛ یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرحِ صدر ہو گیا، اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمرؓ کی ہے!

اِنَّكَ رجلٌ شابٌّ عاقلٌ، لا نَتَّهِمُكَ، وقد كُنْتَ كتبتَ الوحيَ لرسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَتَتَبَّعِ القرآنَ فاجمعْهُ۔

(ترجمہ:) واقعہ یہ ہے کہ تم نوجوان، سمجھ دار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابتِ وحی کی خدمت بھی کر چکے ہو؛ اس لیے تم قرآن کریم کو تلاش کر کے جمع کرو!

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے پہاڑ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھے اتنا مشکل نہ ہوتا، جتنا جمعِ قرآن کا بار ہوا، میں نے کہا بھی کہ: آپ حضرات ایسا کام کیوں کر رہے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا؟ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ: خدا کی قسم یہ کام بہتر ہے، اور حضرت ابو بکرؓ بار بار یہی دہراتے رہے؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا، جس کام کے لیے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو شرحِ صدر عطا فرمایا تھا؛ چنانچہ میں نے کھجور کی شاخوں، پتھر کی باریک تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن مجید تلاش کر کے جمع کرنا شروع کر دیا؛ یہاں تک کہ توبہ کی آیت: لقد جاء کم رسولٌ مِنْ انفسِکم اخیر سورہ تک "میں نے صرف حضرت ابو خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پائی، ان کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں پایا، ان کی تنہا شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمی کی شہادت کے قائم مقام قرار دیا تھا (صحیح بخاری ۲/ ۷۴۵،۷۴۶)

جملہ معترضہ کے طور پر اس روایت سے بات مزید نکھر جاتی ہے



كِتَابُ فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ بَابُ مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَبِي حَفْصٍ الْقُرَشِيِّ الْعَدَوِيِّ ؓ صحیح حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ زَادَ زَكَرِيَّاءُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُونَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ فَإِنْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعُمَرُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مِنْ نَبِيٍّ وَلَا مُحَدَّثٍ (بخاری:3689)

کتاب: نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی فضیلت باب: حضرت عمر بن خطاب ؓ کی فضیلت۔۔۔

ہم سے یحییٰ بن قزعہ نے بیان کیا، کہا ہم سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے، ان سے ابوسلمہ نے اور ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے، اور اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر ہیں۔ زکریا بن زائدہ نے اپنی روایت میں سعد سے یہ بڑھایا ہے کہ ان سے ابوسلمہ نے بیان کیا اور ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے بنی اسرائیل کی امتوں میں کچھ لوگ ایسے ہوا کرتے تھے کہ نبی نہیں ہوتے تھے اور اس کے باوجود فرشتے ان سے کلام کیا کرتے تھے اور اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے تو وہ حضرت عمر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا من نبی ولا محدث (مکتبہ شاملہ)

تشریح: محدث وہ جس پر خدا کی طرف سے الہام ہو اور حق اس کی زبان پر جاری ہو جائے یا فرشتے اس سے بات کریں یا وہ جس کی رائے بالکل صحیح ثابت ہو، محدث وہ بھی ہو سکتا ہے جو صاحب کشف ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں حضرت یوحنا حواری گزرے ہیں جن کے مکاشفات مشہور ہیں، یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں۔ تو بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمرؓ کے فیض سے امت پر یہ کرم فرمائی ہوئی۔

جمعِ قرآن میں حضرت زید بن ثابت کا طریقہ کار

حضرت ابو بکر و عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سب حافظِ قرآن تھے، ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام میں حفاظ کی کمی نہیں تھی، اگر حضرت زید چاہتے تو اپنے حافظہ سے پورا قرآن مجید لکھ دیتے، یا حافظ صحابہ کرام کو اکٹھا کر کے محض ان کے حافظے کی مدد سے بھی قرآن مجید لکھا جا سکتا تھا، اسی طرح محض رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کی لکھی ہوئی آیتوں سے بھی قرآن مجید لکھا جا سکتا تھا؛ لیکن حضرت ابو بکر نے بیک وقت سارے وسائل کو بروئے کار لانے کا حکم فرمایا، خود بھی شریک رہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت زید کے ساتھ لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ:

جن لوگوں نے جو کچھ بھی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھی ہو، وہ سب لے کر آئیں! (فتح الباری ۹/۱۷) چنانچہ جب کوئی لکھی ہوئی آیت آتی تو بلا چوں وچرا قبول نہ کی جاتی تھی؛ بلکہ اس پر دو گواہی طلب کی جاتی تھی:



وكان لا يَقْبَلُ مِنْ أحدٍ شيئاً حتى يَشْهَدَ شَاهِدَان۔(الاتقان ۱/۷۷)

(ترجمہ:)اور کسی سے بھی کوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کی جاتی تھی جب تک کہ اس پر دو گواہ گواہی نہ دے دیتے(کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی، یعنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی تصدیق ہو چکی ہے کہ یہ واقعتاً آیتِ الٰہی ہے)۔

جمع قرآن میں درج ذیل باتیں بھی پیشِ نظر رکھی گئیں:

۱۔ سب سے پہلے حضرت زید اپنی یادداشت سے اس کی تصدیق فرماتے تھے۔

۲۔ حضرت ابو بکر نے حضرت زید اور حضرت عمر دونوں حضرات کو حکم دیا تھا کہ:"آپ دونوں حضرات مسجدِ نبوی کے دروازے پر بیٹھ جاۓ، پھر جو کوئی آپ دونوں کے پاس کتاب اللہ کی کوئی آیت دو گواہوں کے ساتھ لے کر آۓ، اس کو آپ دونوں لکھ لیجیے!(فتح الباری ۹/۱۷، الاتقان ۱/۷۷)

رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابت ہونے پر گواہیاں لی جانے کی کیا وجہ تھی؟اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:) كانَ غرَضُهم أن لا يُكْتَبَ الا مِنْ عَيْنِ ما كُتِبَ بين يَدَى النبى صلى الله عليه وسلم لا مِنْ مُجَرَّدِ الحِفظ۔(فتح الباری ۹/۱۷، الاتقان ۱/۷۷)

(ترجمہ:)ان کا مقصد یہ تھا کہ: صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عین سامنے لکھی گئی آیتوں کو ہی لکھا جاۓ، محض حافظہ سے نہ لکھا جاۓ۔

حافظ ابن حجر نے ہی ایک دوسری وجہ بھی لکھی ہے کہ: گواہیاں اس بات پر بھی لی جاتی تھیں کہ: دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ لکھی ہوئی آیت ان وجوہ(سبعہ)کے مطابق ہے جن پر قرآن مجید نازل ہوا ہے(فتح الباری ۹/۱۷، الاتقان ۱/۷۷)

۳۔ لکھنے کے بعد صحابہ کرام کے پاس موجود لکھے ہوۓ مجموعوں سے ملایا جاتا؛ تاکہ یہ مجموعہ متفقہ طور پر قابلِ اعتماد ہو جاۓ۔(البرہان فی علوم القرآن للزرکشی ۱/۲۳۸)

جب اجتماعی تصدیق کے ساتھ "قرآن مجید" کی جمع و تدوین کا کام مکمل ہو گیا، تو صحابہ کرام نے آپس میں مشورہ کیا کہ: اس کو کیا نام دیا جاۓ؟ چنانچہ بعض صحابہ کرام نے اس کا نام "سِفْر" رکھا؛ لیکن یہ نام یہودیوں کی مشابہت کی وجہ سے پاس نہیں ہوا، اخیر میں "مصحف" نام پر سارے صحابہ کرام کا اتفاق ہو گیا۔(الاتقان ۱/۷۷)



قرآن مجید کا یہ متفق علیہ نسخہ حضرت ابو بکر کے پاس ان کی وفات تک رہا، پھر حضرت عمر کے پاس رہا، جب ان کی بھی وفات ہو گئی تو ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس محفوظ رکھا گیا، جیسا کہ بخاری شریف کے حوالے سے گذر چکا ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس سے ہی منگوا کر نقول تیار کرائے تھے۔

نسخۂ صدیق کی خصوصیت

دوسرے صحابہ کرام کے پاس بھی قرآن مجید لکھا ہوا تھا؛ لیکن جن خصوصیات کا حامل حضرت ابو بکر صدیق والا اجماعی نسخہ تھا، ان سے دوسرے سارے نسخے خالی تھے، اسی وجہ سے صحابہ کرام کے درمیان اُسے "اُم" کہا جاتا تھا، اس کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

١ ہر سورت کو الگ الگ لکھا گیا تھا؛ لیکن ترتیب بعینہ وہی تھی، جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی (فتح الباری ۹/ ۲۲)

٢ اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے، جن پر قرآن مجید کا نزول ہوا۔ (مناہل العرفان ١/ ٢٤٦، ٢٤٧)

٣ یہ نسخہ خط "حِیَرِی" میں لکھا گیا تھا۔ (تاریخ القرآن از مولانا عبد الصمد صارم # ص ۴۳)

۴ اس میں صرف وہ آیات لکھی گئی تھیں، جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

۵ اس کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتب نسخہ تمام امت کی "اجماعی تصدیق" سے تیار ہو جائے؛ تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے (علوم القرآن از مفتی محمد تقی عثمانی ص۱۸۶)

٦ اس نسخہ میں قرآن مجید کی تمام سورتوں کو ایک ہی تقطیع اور سائز پر لکھوا کر، ایک ہی جلد میں مجلد کرایا گیا تھا، اور یہ کام حکومت کی طرف سے انجام دیا گیا، جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو پایا تھا، (تدوین قرآن ص ۴۰)(تدوینِ قرآن مجید ایک تحقیقی جائزہ: مولانا محمد اشتیاق دیوبند)

وكان القرآنُ فيها مُنْتَشِراً فَجَمَعَها جامعٌ ورَبَطَها بخيطٍ۔ (الاتقان ۸۳/۱)

(ترجمہ:) اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں قرآن مجید کی مکمل یادداشتوں کا جو ذخیرہ تھا) اس میں (قرآنی سورتیں) الگ الگ لکھی ہوئی تھیں؛ پس اس کو (حضرت ابو بکر کے حکم سے) جمع کرنے والے (زید بن ثابت) نے ایک جگہ (ساری سورتوں کو) جمع کر دیا، اور ایک دھاگا سے سب کی شیرازہ بندی کر دی۔



قرآن مجید کا یہ متفق علیہ نسخہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، جب ان وفات ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا، جب ان کی بھی وفات ہو گئی تو (وصیت کے مطابق) آپ کی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رکھا رہا

(صحیح بخاری ۲/۷۴۶)

حَدَّثَنَا مُوسَى، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ." أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِي أَهْلَ الشَّأْمِ فِي فَتْحِ إِرْمِينِيَةَ وَأَذْرَبِيجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ، فَأَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ:" يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلَى حَفْصَةَ، أَنْ أَرْسِلِي إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكِ، فَأَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ إِلَى عُثْمَانَ، فَأَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ، وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ: إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ، فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ، فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ، فَفَعَلُوا حَتَّى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ إِلَى حَفْصَةَ، وَأَرْسَلَ إِلَى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوا، وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ." (بخاری: 4987)

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے ابراہیم بن سعد عوفی نے بیان کیا، کہا ہم سے ابن شہاب نے بیان کیا اور ان سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ ارمینیہ اور آذربیجان کی فتح کے سلسلے میں شام کے غازیوں کے لیے جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے، تاکہ وہ اہل عراق کو ساتھ لے کر جنگ کریں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی قرآت کے اختلاف کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المؤمنین اس سے پہلے کہ یہ امت (امت مسلمہ) بھی یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے، آپ اس کی خبر لیجئے۔ چنانچہ ع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں کہلایا کہ صحیفے (جنہیں زید رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جمع کیا تھا اور جن پر مکمل قرآن مجید لکھا ہوا تھا) ہمیں دے دیں تاکہ ہم انہیں مصحفوں میں (کتابی شکل میں) نقل کروالیں۔ پھر اصل ہم آپ کو لوٹا دیں گے حفصہ رضی اللہ عنہانے وہ صحیفے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے اور آپؓ نے زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعد بن العاص، عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ ان صحیفوں کو مصحفوں میں نقل کرلیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس جماعت کے تین قریشی صحابیوں سے کہا کہ اگر آپ لوگوں کا قرآن مجید کے کسی لفظ کے سلسلے میں زید رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہو تو اسے قریش ہی کی زبان کے مطابق لکھ لیں کیونکہ قرآن مجید بھی قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور جب تمام صحیفے مختلف نسخوں میں نقل کرلیے گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے ان صحیفوں کو واپس لوٹا دیا اور اپنی سلطنت کے ہر علاقہ میں نقل شدہ مصحف کا ایک ایک نسخہ بھیجوا دیا اور حکم دیا کے اس کے سوا کوئی چیز اگر قرآن کی طرف منسوب کی جاتی ہے خواہ وہ کسی صحیفہ یا مصحف میں ہو تو اسے جلا دیا جائے۔



عہدِ عثمانی میں امت کی شیرازہ بندی

جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ جمع قرآن ہے، اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ پوری امت کو قرآن مجید کے اس متفق علیہ نسخہ پر جمع کرنا ہے جو "عہدِ صدیقی" میں تیار کیا گیا تھا، اس طرح امتِ مسلمہ کا شیرازہ بکھرنے سے انہوں نے بچالیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

بالکل ابتداء میں مضمون و معنی کی حفاظت کرتے ہوئے الفاظ میں ادنی تبدیلی کے ساتھ پڑھنے کی اجازت بھی دی گئی تھی، (مناہل العرفان)

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا، تو جن لوگوں نے مذکورہ بالا رعایتوں کی بنیاد پر اپنے اپنے قبائلی اور انفرادی لہجوں یا مختلف متواتر تلفظ کے لحاظ سے قرآن مجید کے مختلف نسخے لکھے تھے، انکے درمیان شدید اختلاف رونما ہو گیا؛ حتی کہ ایک دوسرے کی تکفیر کی جانے لگی، تو صحابہ کرام کے مشورے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ متفق علیہ نسخہ پر امت کو جمع کیا، اور اس کے علاوہ سارے نسخوں کو طلب کر کے نذرِ آتش کر دیا؛ تاکہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"؛ چنانچہ اختلاف جڑ سے ختم ہو گیا (تفصیل کے لے دیکھئے: تدوینِ قرآن ۴۴، ۵۴، تحفۃ الالمعی ۷/ ۹۵،۹۴، مناہل العرفان وغیرہ)

کام کی نوعیت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تیار کردہ نسخہ یہ کہہ کر منگوایا کہ ہم اس سے نقل تیار کر کے اصل آپ کو واپس کر دیں گے، چنانچہ حضرت حفصہ نے وہ نسخہ بھیج دیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین قریشی اور چوتھے انصاری صحابی کو پانچ یا سات نسخے لکھنے کا حکم فرمایا، قریشی صحابیوں میں، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، سعیدؓ بن العاص اور عبد الرحمنؓ بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم تھے اور انصاری صحابی سے مراد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان سب کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی ہدایت دی تھی کہ آپ حضرات کا اگر کسی جگہ رسم الخط میں حضرت زید سے اختلاف ہو تو اس لفظ کو قریش کے رسم الخط کے مطابق لکھیں؛ اس لیے کہ قرآن مجید قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے (فتح الباری ۹/ ۲۲)۔

معتبر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ: پورے قرآن مجید کے کسی لفظ میں بھی ان لوگوں کا اختلاف نہیں ہوا، ہاں! سورۂ بقرہ میں ایک لفظ "التابوت" ہے، اس کے بارے میں حضرت زید کی رائے گول "ۃ" سے لکھنے کی تھی، اور حضرت سعید بن العاص، لمبی "ت" سے لکھنا چاہتے تھے، جب یہ بات حضرت عثمان غنی کے پاس پہنچی تو آپ نے لمبی "ت" سے لکھنے کا حکم فرمایا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: سیر أعلام النبلاء مع حاشیہ ۲/ ۴۴۲،۴۴۱)۔



واضح رہے کہ مذکورہ بالا چار حضرات "مجلس کتابت" کے اساسی رکن تھے، ان کے علاوہ دوسرے حضرات کو بھی ان کے ساتھ کیا گیا تھا، فتح الباری میں ہے کہ حضرت عثمان نے قریش اور انصار کے بارہ افراد کو اس کے لیے جمع فرمایا تھا، ان میں مذکورہ چاروں حضرات کے علاوہ اُبی بن کعب، مالک بن ابی عامر، کثیر بن افلح، انس بن مالک اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔(فتح الباری ۹/ ۲۳)۔

عہد عثمانی میں تیار کردہ نسخوں کی خصوصیات

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جو نسخہ تیار ہوا تھا، اس میں ساری سورتیں الگ الگ لکھی گئی تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام سورتوں کو اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے ایک ہی مصحف میں لکھوایا۔(فتح الباری ۹/ ۲۲)۔

۲۔ قرآن مجید ایسے رسم الخط میں لکھا گیا کہ ممکن حد تک متواتر قرأتیں سما جائیں۔(مناہل العرفان ۱/ ۲۵۳)

۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جن حضرات کو نسخۂ قرآن تیار کرنے کے لیے مامور فرمایا تھا، ان حضرات نے اسی نسخہ کو بنیاد بنایا تھا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیار کیا گیا تھا، اسی کے ساتھ مزید احتیاط کے لیے وہی طریقہ اختیار فرمایا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اختیار کیا گیا تھا؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی متفرق تحریریں جو مختلف صحابۂ کرام کے پاس محفوظ تھیں، انھیں دوبارہ طلب کیا گیا اور ان کے ساتھ از سرنو مقابلہ کرکے یہ نسخے تیار کیے گئے۔(علوم القرآن ص ۱۹۱)

عہدِ عثمانی میں تیار کردہ نسخوں کی تعداد

اس سلسلے میں دو اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پانچ نسخے تیار کرائے تھے، یہی قول زیادہ مشہور ہے۔(فتح الباری ۹/ ۲۴) اور دوسرا اقوال یہ ہے کہ حضرت عثمان نے سات نسخے تیار کرائے تھے، ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا گیا، اور بقیہ مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ ور کوفہ میں ایک ایک کرکے بھیج دیا گیا، یہ قول ابن ابی داؤد سے ابو حاتم سجستانی نے نقل کیا ہے۔(فتح الباری ۹/ ۲۵)۔

امت میں پائے جانے والے دیگر مصاحف

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے پاس موجود سارے نسخوں کو نذرِ آتش کرنے کا حکم نافذ فرمادیا(فتح الباری ۹/ ۱۳) تاکہ امتِ مسلمہ ایک رسم الخط پر متفق ہوجائے اور امت کی شیرازہ بندی باقی رہے۔

اس وقت موجود بلا استثناء سارے صحابۂ کرام نے حضرت عثمان کے اس کارنامے کی تائید وحمایت کی اور خوب خوب سراہا۔



عثمان رضی اللہ عنہ نے سات نسخے بھیجے اس میں سے تین نسخے آج بھی موجود ہے:

1۔ لندن کے میوزیم میں

2۔ ترکی توپ خانہ، استانبول

3۔ تاشقند میں

قرآن پاک سبعۃ احرف میں

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَبْدٍ الْقَارِيَّ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

(مسند امام احمد - حضرت جعفر بن ابی طالب (رض) کی حدیث - حدیث نمبر 2255)

حضرت ابن عباس ؓ سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے مجھے جبرئیل امین (علیہ السلام) نے قرآن کریم ایک حرف پر پڑھایا، میں ان سے بار بار اضافہ کا مطالبہ کرتا رہا اور وہ اس میں برابر اضافہ کرتے رہے تا آنکہ سات حروف تک پہنچ کر رک گئے۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ (بخاری:4991)

سیدنا ابن عباس ؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے سیدنا جبریل ؑ نے ایک قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا۔ میں نے ان سے درخواست کی۔ اور زیادہ محاوروں سی پڑھنے کا مطالبہ کرتا رہا وہ پڑھاتے رہے حتیٰ کہ وہ سات حروف پر پہنچے۔"



وحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ فَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ بَلَغَنِي أَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْأَحْرُفَ إِنَّمَا هِيَ فِي الْأَمْرِ الَّذِي يَكُونُ وَاحِدًا لَا يَخْتَلِفُ فِي حَلَالٍ وَلَا حَرَامٍ **(صحیح مسلم:819)**

یونس نے ابن شہاب سے روایت کی، انھوں نے کہا: مجھ سے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جبرئیل علیہ السلام نے مجھے ایک حرف پر (قرآن) پڑھایا، میں نے ان سے مراجعت کی، پھر میں زیادہ کا تقاضا کرتا رہا اور وہ میرے لئے حروف میں اضافہ کرتے گئے یہاں تک کہ سات حرفوں تک پہنچ گئے۔" ابن شہاب نے کہا: مجھے خبر پہنچی کہ پڑھنے کی یہ سات صورتیں (سات حروف) ایسے معاملے میں ہوتیں جو (حقیقتاً اور معناً) ایک ہی رہتا، (ان کی وجہ سے) حلال و حرام کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہ ہوتا۔

إنَّ هذا القرآنَ أُنزل على سبعةِ أحرفٍ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ قرآن سات قراتوں میں نازل ہوا ہے لہٰذا تمہیں جس طرح آسانی ہو پڑھو۔ (بخاری:6936)

سبعۃ احرف' کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ان احادیث کا مطالعہ کیا جائے جن میں اس کا تذکرہ آتا ہے اور ان حالات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن میں یہ بات کہی گئی ہے۔

مدنی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ تھا جن میں مختلف رنگ، نسل اور قبیلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بستے تھے۔ اور جزیرۃ العرب کے اطراف سے اور اس کے باہر سے بھی لوگ کثرت سے اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے آتے رہتے تھے۔ (تاریخ القرآن۔ ڈاکٹر شاہین ص ۴۲)

اس معاشرہ میں قبائل کے مابین زبان و بیان اور الفاظ و لہجات کا اختلاف قرآن کریم کی قراءت و تلاوت میں مانع بن رہا تھا جو کہ ایک فطری امر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف قبائل میں ہر عمر اور ذہنی سطح کے لوگ جن میں بالخصوص بچے اور ضعیف العمر مرد و خواتین کی موجودگی کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور پھر جب نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد کے معاشرہ کی تصویر ان الفاظ میں بیان کی ہو کہ "نحن أمة أمية لا نكتب ولا نحتسب" (ہم تو ایک اُمی یعنی ناخواندہ جماعت ہیں نہ حساب جانیں نہ لکھنا)،

[بخاری، محمد بن اسماعیل۔ جامع صحیح۔ مترجم: مولانا امجد العلی وغیرہم۔ کتاب الصوم، باب: قول النبی ﷺ لا نکتب ولا نحتسب، ط:۲۰۰۳ء، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱/۹۰۷]

اس معاشرہ میں قرآن کریم کی قراءت وتلاوت ناممکن نہ سہی, مشکل ضرور تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں درخواست کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا اور ان کے لیے بڑی آسانی کردی گئی۔

مفاہیم احادیث

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو جب لغت واحدہ پر قرآن پڑھایا کرتے تھے تو یہ بات بعض لوگوں پر گراں گزرتی تھی۔ جس پر جبرئیلؑ تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو قبیلہ کے افراد کے لیے اپنی لغت میں پڑھنے کی رخصت عنایت فرمائی۔

[ابوشامہ، عبدالرحمن بن اسماعیل. المرشد الوجیز الیٰ علوم تتعلق بالکتاب العزیز. تحقیق: طیار آلتی قولاج. ط ۲:۱۹۸۶ء، دار وقف الدیانۃ الترکی، انقرہ، ص۹۷-۹۶]

اسی طرح اس موضوع سے متعلق دوسری روایت کچھ اس طرح نقل کی گئی ہے کہ اُبی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی جبرئیلؑ سے جب ملاقات ہوئی تو آپ نے جبرئیلؑ سے فرمایا کہ میں ایک ناخواندہ قوم کی طرف بھیجا گیا ہوں جن میں بوڑھے، غلام مرد اور لونڈیاں اور ایسے ان پڑھ افراد ہیں۔ تو جبرئیلؑ نے فرمایا کہ یا محمد ﷺ! قرآن کریم تو سات احرف پر نازل کیا گیا ہے۔

[ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ. جامع صحیح. أبواب القراءات عن رسول اللہ ﷺ، باب: ما جاء أن القرآن أنزل علیٰ سبعۃِ أحرفٍ۔ یہ روایت علامہ ابن جریر طبری نے بھی بیان کی ہے، احمد محمد شاکر نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ: "وهذا اسناد صحيح"

[طبری، محمد بن جریر. جامع البیان عن تأویل آي القرآن. تحقیق: محمود محمد شاکر. تخریج: احمد محمد شاکر. روایت نمبر ۲۹، ۱/۳۵]]

اس حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک ناخواندہ قوم کی طرف ہوئی تھی۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو قرآن کے تلفّظ کو صحیح طریقے سے ادا کرنے سے قاصر تھے۔ بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قراءت قرآن کے معاملے میں رخصت دینے اور آسانی پیدا کرنے کا آغاز تھا۔ بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قراءت قرآن کے سلسلے میں بعض صحابہؓ کے اختلافات پیش کیے گئے تو آپ ﷺ نے بھی یہی بات فرمائی۔ اگرچہ ان روایات سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اختلافات کی نوعیت کیا تھی؟

اگر اس کے ساتھ بعض لغوی حقائق کا بھی اضافہ کرلیں تو واضح ہو جائے گا کہ یہ لوگ نصّ قرآنی کی صحیح طریقے پر ادائیگی سے کیوں قاصر تھے؟ اہل عرب کی زبانیں ایک ایسی "ٹکسالی" زبان میں ڈھل گئی تھیں جسے قریش نے مختلف قبائل کی زبانوں سے منتخب کیا تھا اور مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے ان کے خواص (نہ کہ عوام) نے اپنی محفلوں اور بازاروں میں اسے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ بنایا تھا اور اسی میں وہ اشعار کہتے اور خطبے دیتے تھے۔ اسی ٹکسالی زبان سے اسلام ہم آہنگ ہوا اور اسی میں قرآن نازل ہوا۔ اس سے اس زبان کی وحدت مضبوط ہوئی اور اس کی جامعیت میں



اضافہ ہوا۔ لیکن اس لغوی وحدت سے ان مختلف لہجوں کا خاتمہ نہیں ہوا جو ما قبل اسلام سے رائج تھے وہ اسلام کے بعد بھی مختلف قبائل میں باہم گفتگو کے ذریعہ کی حیثیت سے باقی رہے اور جو شخص کسی وجہ سے اس ٹکسالی زبان میں گفتگو نہ کر سکتا تھا وہ اپنے قبیلے میں رائج لہجے کا سہارا لیتا تھا۔

چونکہ مختلف قبیلوں میں ان کے اپنے لہجے رائج تھے اور دوسری جانب عوام قرآن کی تلاوت کے دوران قرآن کی ٹکسالی زبان کی ادائیگی میں دشواری محسوس کرتے تھے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ وہ جس معاملے میں ان کے لیے آسانی پیدا کی جائے۔ چنانچہ انھیں اجازت دی گئی کہ وہ جس طرح قرآن کو بسہولت پڑھ سکتے ہوں پڑھیں اور ان کی زبانیں جس لہجے سے مانوس ہیں اس کے علاوہ دوسرے لہجے میں بتکلف تلاوت کرنے کی زحمت نہ کریں۔

(ملاحظ کیجئے فقہ اللغۃ، ڈاکٹر صالح ص۔۵ اور فی اللہجات العربیہ۔ ڈاکٹر ابراہیم انیس ص ۴۳)

تمام علماء نے اس چیز کو (سبعۃ احرف کی تشریح میں اپنے نقطہ ہائے نظر کے اختلاف کے باوجود) رخصت کا سبب قرار دیا ہے۔ ابو شامہ کہتے ہیں:

"قرآن کو قریش کی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ یہ اجازت تمام اہل عرب کے لیے تھی۔ اس لیے کہ یہ مناسب نہیں تھا کہ کسی قبیلہ کو اس کی اجازت دی جائے اور کسی کو نہ دی جائے اور یہ کسی شخص کو اس کی استطاعت سے زیادہ مکلّف قرار دیا جائے۔ مثلاً جس شخص کی زبان میں امالہ یا ہمزہ کی تخفیف یا ادغام کیا جاتا ہو یا میم جمع کو پیش دیا جاتا ہو یا ہائے کنایہ کو ملایا جاتا ہو اسے اس سے مختلف چیز کا کیوں کر پابند کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کی زبان ایسی ہو مثلاً لفظ 'اشدق' کہنے میں اس کے منہ سے 'ش' کے بجائے 'ج' نکلتا ہو یا 'مصدر' کہنے میں 'ص' کے بجائے 'ز' نکلتا ہو وہ اس شخص کے درجے میں ہے جس کی زبان میں لکنت اور ہکلا پن ہو۔ اسے اس کی استطاعت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اس پر لازم ہو گا کہ وہ قرآن کو صحیح طریقے سے پڑھنے کی کوشش کرتا رہے۔ (المرشد الوجیز ص ۹۷)

یہی بات پہلے ابن قتیبہؒ بھی کہہ چکے تھے۔ انھوں نے لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی پیدا کر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ہر قبیلے کو اس کی اپنی زبان میں، جس سے وہ مانوس ہے، قرآن پڑھائیں' چنانچہ قبیلہ ہذیل سے تعلق رکھنے والا 'حتیٰ حین' کو 'عتّی حین' پڑھتا ہے۔ قبیلہ اسد کا آدمی 'تعلمون' کو ت کے زیر سے پڑھتا ہے۔ تمیمی ہمزہ کے ساتھ بولتا ہے اور قریشی ہمزہ کے ساتھ نہیں بولتا۔ اگر ہر قبیلے والوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنی زبان ترک کر دیں جسے بولتے ہوئے ان کا بچپن اور جوانی گزری ہے اور بڑھاپا گزر رہا ہے تو اس میں انھیں سخت دشواری پیش آتی اور انتہائی زحمت ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت اور لطف و کرم سے جس طرح دین کے معاملے میں ان کے لیے آسانی فرمائی اسی طرح زبانوں اور حرکات کے سلسلے میں بھی انھیں رخصت دی" ۲(تاویل مشکل القرآن ص ۳۹۔۴۰)

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ علماء نے اپنے بیانات میں صحیح لغوی اصطلاحات کا استعمال نہیں کیا ہے۔ وہ "لہجوں" کے لیے "زبانوں" (لغات) کا لفظ لائے ہیں۔ اگرچہ بطور مجاز یہ استعمال جائز ہے لیکن اس جگہ یہ غلط فہمی پیدا کرنے والی تعبیر ہے، اس لیے کہ اس سے دو لغوی مفہوم (یعنی زبان اور لہجہ) خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ اس جگہ لفظ "لہجہ" کا استعمال کرنا چاہیے نہ کہ لفظ "زبان" (لغۃ) کا۔ اس لیے کہ رخصت مشقّت کو دور کرنے کے

لیے دی گئی اوراس کا تعلق لہجوں سے ہے نہ کہ زبانوں سے۔لہجہ نام ہے ان صوتی اوصاف کا جن کا تعلق الفاظ کی ادائیگی کے طریقے سے ہے اور اس معاملے میں مختلف قبیلوں میں اختلاف ہوتا ہے۔مثلاً بعض قبائل زور سے آواز نکالتے ہیں تو بعض کی آوازوں میں کرختگی ہوتی ہے تو بعض میں نرمی،بعض الگ الگ کرکے بولتے ہیں تو بعض ملا کر،بعض ہمزہ کو مختلف کرکے بولتے ہیں تو بعض اسے ظاہر کرتے ہیں اور لفظ کے ڈھانچے اور اعراب میں بھی ان میں اختلاف ہوتا ہے۔یہ وہ اوصاف ہیں جنھیں ترک کرکے دوسرے اوصاف اختیار کرنا دشوار ہوتا ہے۔

(فی اللجہات العربیہ ص۱۶۔۱۹)

جب کہ "زبان"(لغۃ) سے مراد الفاظ اوران کی دلالتوں کا اختلاف ہوتا ہے۔اس کی رعایت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔اس لیے کہ قرآن نے اس ٹکسالی زبان کے الفاظ استعمال کیے جو تمام اہلِ عرب کی زبانوں سے مل کر بنی تھی۔

(علوم القرآن۔الصالح ص۱۱۳۔۱۱۵)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ "سبعۃ احرف" کی قابل قبول تشریح یہ ہے کہ اس سے مراد الفاظ کی ادائیگی کے وہ طریقے ہیں جن سے عربوں کے لہجوں میں تبدیلی آجاتی ہے۔اور"قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے"کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والے کو رخصت دی گئی ہے کہ جس طرح اسے پڑھنے میں آسانی ہو اور بغیر مشقت کے الفاظ ادا کرسکے،ویسے ہی پڑھے۔

لفظ"سبعۃ"(سات)اس مطلق اجازت میں رکاوٹ نہیں ہے۔اس لیے کہ یہ عربی زبان کا"عدد تام"ہے اور اس سے اہل عرب اچھی طرح واقف تھے۔ (ملاحظ کیجئے اعجاز القرآن،رافعی ص۶۸)

سیوطیؒ نے قاضی عیاضؒ کی جانب یہ قول منسوب کیا ہے کہ لفظ"سبعۃ"(سات) سے مراد حقیقی عدد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اکائی میں کثرت ہے جس طرح دہائی میں کثرت کے لیے"سبعین"(ستر ۷۰)اور سیکڑہ میں کثرت کے لیے"سبع مائۃ"(سات سو)استعمال کیا جاتا ہے۔۴

(الاتقان ۱/۱۳۱)

لفظ"سبعۃ" سے مراد مطلق رخصت ہے۔اس کا اشارہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ملتا ہے کہ"نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ایک ہی زبان (یعنی لہجہ)میں قرآن پڑھاتے تھے۔اس سے انھیں زحمت ہوتی تھی۔اس پر جبرئیلؑ آئے اور انھوں نے فرمایا:

اے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)ہر قوم کو اس کی زبان میں قرآن پڑھایئے،، (المرشد الوجیز ص۹۶۔۹۷)

بعض علماء نے اس سے بھی زیادہ توسّع اختیار کیا ہے۔انھوں نے کہاہے کہ"سبعۃ احرف"کا اطلاق صرف عربی لہجات پر نہیں ہوگا،بلکہ اس میں دنیا کے تمام خطوں میں رہنے بسنے والے آج تک کیے مسلمانوں کے لہجے شامل ہیں۔مسلمان کو کوئی بھی لہجہ ہو،کسی ماحول میں رہتا ہو،وہ الفاظ و قرآن کو جس طرح بھی ادا کر سکتا ہو کرے،نہ اس پر نکیر کی جائے اور نہ اس کا مذاق اڑایا جائے گا۔ ۲(اللجہات العربیہ ص۵۷)



اس رخصت کو صرف عربی کے دائرے میں اور اسلام کی اس روح کے تابع رکھنا ہی بہتر ہے کہ وہ معذوروں کے لیے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اس توسع کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن پڑھنے والا الفاظ قرآن کو جس طرح چاہے ادا کرے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان لہجات کی نگرانی فرمائی ہے، ان میں سے فصیح لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی ہے اور جن لہجوں کی وجہ سے نصّ قرآنی معیار فصاحت سے گر جاتا ہے ان میں پڑھنے سے منع کیا ہے مثلاً الکشکشہ القسیة جس میں کاف مؤنث (کِ) کو 'ش' پڑھا جاتا ہے جیسے آیت قد جعل ربك تحتك سريا (مریم:۲۴) کے بجائے قد جعل ربش تحتش سريا اور العنعنة التميمية جس میں ھمزہ 'ان' کو 'ع' پڑھا جاتا ہے جیسے آیت 'عسى الله ان ياتي بالفتح' (المائدہ:۵۲) کے بجائے عسى الله عن ياتي بالفتح۔ ۳ (المرشد ص ۱۰۱۔۱۳۱)

گویا قرآن کریم جس ٹکسالی زبان میں نازل ہوا ہے اور جن لہجات میں خود رسول اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا ہے یا قراء صحابہ کو پڑھانے کی اجازت دی ہے، وہ اس معاملے میں برابر ہیں کہ ان میں سے کسی میں بھی قرآن کی تلاوت کی جا سکتی ہے۔ رہے ان کے علاوہ دوسرے لہجے تو ان میں پڑھنے کی رخصت عذر کی بنا پر ہے اور یہ رخصت عارضی ہے اور صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ پڑھنے والا سیکھ کر اور مشق کے ذریعے معیاری ادائیگی پر قادر نہ ہو جائے۔ ا (علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی صالح ص ۱۰۸)

یہی وہ معیار ہے جس کی بنا پر حضرت ابن مسعودؓ نے اس شخص کی قراءت کو غلط قرار دیا تھا جس آیت ان شجرت الزقوم الثيم (الدخان: ۴۳۔۴۴) میں لفظ "اثیم" کر ('ا' 'ی' سے اور 'ث' کو 'ت' سے بدل کر) 'يتيم' (ی کے زیر سے) پڑھا تھا۔ (بعض عرب قبائل ہمزہ کو 'ی' سے بدل دیتے تھے، مثلاً تاثم کو تيثم کہتے تھے، اسی طرح فعیل، کے وزن پر آنے والے الفاظ کے ابتدائی حرف کو زیر دیتے تھے، بعض قبائل 'ث' کو 'ت' سے بدل دیتے تھے مثلاً خبيث کو خبيت، کہتے تھے،

(ملاحظہ کیجئے لسان العرب مادہ اثم، خبت، جلد اول ص ۲۲۔۱۸۷ اعداد یوسف خیاط)

اس طرح آیت کے معنی ہی بدل گئے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اسے سمجھانے کے لیے بتایا کہ 'اثیم' کے معنی 'فاجر' کے ہیں اس کا 'یتیم' سے کیا تعلق؟ حضرت ابن مسعودؓ کی جانب منسوب یہ روایت اگر صحیح ہو تو اس کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے، نہ کہ یہ انھوں لفظ 'اثیم' کی جگہ 'فاجر' پڑھ لینے کی اجازت دے دی تھی۔ جو شخص یہ بات کہتا ہے وہ حضرت ابن مسعودؓ پر جھوٹ باندھتا ہے اور "سبعۃ احرف" کے معاملے میں رخصت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔



ہم ان محققین کی تائید کرتے ہیں جنھوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "رخصت صرف قرآن کو زبانی پڑھنے کی حد تک تھی، کتابت وحی کے معاملے میں کوئی رخصت نہ تھی۔ رسول صلی اللہ وسلم نے نص قرآنی کو اسی ٹکسالی زبان میں لکھوایا تھا جس میں وہ اترا تھا۔ اس لیے کہ تمام لہجات کو کسی ایک تحریر میں جمع کرنا ممکن نہ تھا۔ [۳](تاریخ القرآن۔ڈاکٹر شاہین ص ۵۴۔۵۵)

دوسرے یہ کہ کتابتِ وحی کا کام مکہ ہی میں شروع ہو گیا تھا، جب کہ رخصت ہجرتِ مدینہ کے بعد دی گئی تھی۔

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے یہاں یہ صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ قرآن اور قراءتیں دو الگ الگ حقیقیں ہیں حقیقتیں ہیں جیسا کہ علمائے متقدمین نے لکھا ہے۔ قرآں وحی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور قراءتوں سے مراد الفاظ وحی کی ادائیگی کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ [۱](ملاحظہ کیجئے البرہان ۱/۲۱۸)

اگر نص قرآنی کے سلسلے میں اختلاف کیفیتِ اداتک منحصر نہ ہو بلکہ خدف واضافہ یا اختلافِ حروف تک متجاوز ہو جائے۔ مثلاً سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۰ میں تجری تحتھا الالنھر دوسرے مصحف میں تجری من تحتھا الانھر (من کے اضافے کے ساتھ) اور سورہ الحجرات کی آیت ۱۲ ان جاء کم فاسق بنبا فتبينيوا میں دوسرے مصحف میں تبينوا کے بجائے تثبتوا ہے۔ اور یہ دونوں تواتر سے ثابت ہوں تو ان کا شمار قراءتوں میں نہیں ہو گا بلکہ دونوں نصوص کو قرآن قرار دیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ آیتیں دونوں طرح سے اتری ہیں اور نبی کریم صلی علیہ وسلم نے دونوں طرح سے کی کتابت کروائی ہے۔ (المرشد الوجیز ص ۱۳۸)

اس بنا پر علماء نے 'سبعۃ احرف' کی تشریح میں موجود اختلاف بیان کیے ہیں، ان کے سلسے میں تین باتیں کہی جاسکتی ہیں:

(1) یا تو ان کا شمار لہجات میں ہو گا، مثلاً لفظ کی ساخت میں بعض حرکتوں یا اعراب کا اختلاف،

(2) یا دونوں نصوص تواتر سے ثابت ہوں گی۔ اس صورت میں دونوں کا شمار وحی ہو گا۔

(3) یا دوسری نص تواتر سے ثابت نہیں ہو گی تو اس کا شمار قرآن میں ہو گا نہ قرأت میں۔

ان حقائق کی روشنی میں "سبعۃ احرف" کی رخصت الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقوں تک محدود ہے۔ اور یہ ادائیگی مطلق نہیں ہے، بلکہ لازم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسا ہی پڑھایا اس طرح پڑھنے کی اجازت دی ہو اور اس سے وحی کا مفہوم نہ بدل جاتا ہو۔

اس رخصت کا تعلق اس مطلق آزادی سے نہیں ہے کہ قرآن کے کسی لفظ کو بدل کر اس کا مترادف لفظ استعمال کر لیا جائے، یا نص میں زیادتی یا کمی کر دی جائے، یا اس کے نظم وترتیب کو بدل دیا جائے، جیسا کہ مستشرقین نے اپنے نظریہ "قراءت بالمعنی" کے تحت خیال ظاہر کیا ہے۔ ان روایات کو قراءتوں کی جانب منسوب کرنا وہم ہے۔ اسے مستشرقین نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے رواج دیا ہے۔ ان کا قراءتوں سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ وہ نہ تو الفاظ قرآن کی ادائیگی اختلاف کو ظاہر کرتی اور نہ ان کا ثبوت تواتر سے ہے کہ انھیں بھی قرآن قرار دیا جائے۔



البتہ یہ روایات اگر صحیح ہوں تو انھیں تفسیر قرار دیا جاسکتا ہے جنھیں ان مصاحف کے مالک صحابہ نے نصّ قرآنی کے حاشیہ پر کسی مجمل کی وضاحت، کسی محذوف کے بیان یا کسی لفظ کی تشریح کے لیے لکھ لیا تھا، اس لیے کہ وہ حضرات اسباب نزول اور مقاصدِ شریعت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

اس کام کا مقصد خواہ کتنا ہی پاکیزہ رہا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ قرآنی پر اس کے سلبی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ان مصاحف کے وارثین یا ان سے اخذ و استفادہ کرنے والوں نے گمان کر لیا کہ ان میں جو کچھ درج ہے سب وحی قرآنی کے الفاظ ہیں۔ تاریخ جمع تدوین قرآن کے ساتھ کتنی زیادتی ہوئی ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں اضافات کو "سبعہ احرف" قرار دے کر انھیں وحی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور متاخرین نے بغیر بحث و تحقیق کے انھیں جوں کا توں نقل کر لیا ہے۔ (ملاحظ کیجئے کتاب من قضایا القرآن ص ۷۶)

اب ان وجوہ قرأت کی طرف اشارہ کرنا رہ گیا جو مصحفِ عثمانی کے نقطوں اور اعراب سے خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ مستشرقین دعویٰ ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی حقیقت واضح کر دی جائے۔ اس سلسلے میں ابتداء ہی میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ بغیر نقطوں کے قرآن کی کتابت کروانے کا مقصد یہ تھا کہ اگر کسی نقط کی متعدد قراء تیں ہوں تو ان کے لیے ایک ہی رسم الخط اختیار کیا جاسکے۔ بعض مواقع پر ایسا ممکن نہ ہوسکا اور مختلف قراء تیں ایک رسم الخط کے تحت نہ آسکیں تو بعض مصاحف میں ایک قراءت لکھی گئی اور بعض دیگر مصاحف میں دوسری قرأت۔ (کتاب المصاحف ص ۴۰-۴۹)

ایسا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کو مختلف لہجات میں پڑھا جاسکے اور لوگ اس رخصت سے فائدہ اٹھا سکیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ قصص کی آیت نمبر ۲۹ یہ ہے 'او جذوۃ من النار' لفظ 'جذوۃ' کو اهل حجاز 'ج' کے زبر سے پڑھتے تھے چنانچہ عاصم رحمہ اللہ نے اسی طرح قرأت کی ہے بنو تمیم 'ج' کے پیش سے پڑھتے تھے، چنانچہ حمزہ رحمہ اللہ نے اسی طرح قرأت کی ہے۔ [۲] (البحر المحیط ۶/ ۳۲۲)

بنو اسد 'ج' کے زیر سے پڑھتے تھے چنانچہ بقیہ ساتوں قراء نے اسی طرح قرأت کی ہے۔

اہتمام

حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو آزاد نہیں چھوڑ دیا کہ وہ جس طرح چاہیں نصّ قرآنی کو پڑیں، بلکہ ہر علاقے میں مصحف کے ساتھ ایک قاری قرآن پڑھانے والے) کو بھیجا چنانچہ مصحف مدنی کو پڑھانے کیلئے حضرت زید بن ثابتؓ مصحف مکی کو پڑھانے کیلئے حضرت عبد اللہ بن سائبؓ، مصحف شامی کو پڑھانے کیلئے حضرت مغیرہ بن شہابؓ، مصحف کوفی کو پڑھانے کے لئے حضرت ابو عبد الرحمن سلمیؒ اور مصحف بصری کو پڑھانے کیلئے حضرت عامر بن عبد القیسؒ کو بھیجا۔ (ملاحظ کیجئے۔ مناہل العرفان ۱/ ۳۹۶)

ایسا کرنا دو وجوہ سے ضروری تھا:



پہلی وجہ یہ کہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ مخصوص رسم الخط کی بناپر بعض الفاظ کونامطلوب صورت میں ادا کیاجائے۔مثلاً والامیین(آل عمران ۲۰۰) کو والامین(ایک ی سے) النبیین(آل عمران ۲۱) کو الس(ایک ی سے) اور لاذ بحنہ، (النمل ۲۱) کو لاادبحہ (الف کے اضافہ کے ساتھ) لکھا جاتا تھا۔اسی طرح آیت والسماء بنینا ھا باییں (لذرایات۔۴۷) میں لفظ باید کو دو 'ی' کے ساتھ) لکھا جاتا تھا۔

ایسے الفاظ کی تعداد تقریباً دو سو چالیس ہے۔(کتاب المصاحت ص۱۰۵۔۱۱۶)

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس طرح ہر علاقہ کے باشندوں کو اس بات پر آمادہ کرنا تھا کہ جو مصحف ان کے پاس بھیجا گیا ہے اس کے رسم الخط سے جو قرائتیں مختلف ہیں، انہیں ترک کردیں، چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا، عربی لہجات میں بعض آوازوں کو بعض پر ترجیح دی جاتی تھی، مثلاً بدو دھیمی آوازوں کے مقابلے میں کرخت اور تیز آوازوں کو ترجیح دیتے تھے، چنانچہ شہری آیت من بقلھا و قثاء ھا و فومھا (البقرہ۔۶۱) کو 'ف' سے پڑھتا تھا تو بدو ثومھا (ث سے) پڑھتا تھا۔اول الذکر حجاز کی لغت ہے اور موخر الذکر بنو تمیم کی۔(تفسیر القرطبی ۱/ ۳۳۱، اللہجات العربیہ ص۱۱۶)

اس طرح لوگوں نے بہت سی صحیح قرائتیں چھوڑدیں جو مصحف عثمانی کے رسم الخط سے مطابقت نہ رکھتی تھیں تاکہ الفاظ میں اختلاف نہ ہو اور مختلف لہجوں میں قربت پیدا ہو جائے۔ ۲(مقدمہ حجۃ قرأت ابی ذرعہ ص۱۰ الابانۃ ص۱۰، المرشد ۵۳۔۵۴)

ایسی قرائتیں اگرچہ صحیح تھیں لیکن مصحف عثمانی کے رسم الخط سے مختلف ہونے کی بناپر قراء کی اصلاع میں شاذ قرائتیں کہلائیں، اس طرح مصحف عثمانی کو قراتوں کے سلسلے میں حکم کی حیثیت حاصل ہوگئی نہ کہ اس کی وجہ سے قراراتوں کا اختلاف رونما ہوا جیسا کہ مستشرقین دعوی کرتے ہیں۔

مستشرقین کے لئے کیوں کر مناسب ہے کہ وہ ان مہمل اقوال کو قرآن کی بعض قراءتیں شمار کریں؟ اور قراء کی ان کوششوں اور ان کے طریقہ کار کو نظر انداز کرجائیں جو انہوں نے قرآن کی قراءتوں اور ان کی تاریخ کو منضبط کرنے اور صحیح اور غلط کو الگ الگ کرنے میں صرف کی ہیں۔ماہرین قرأت کا طریقہ کار انتہائی دقیق تھا انہوں نے کسی قرأت کو قبول کرنے کیلئے تین شرطیں رکھی تھیں۔(1) وہ مصحف عثمانی کے رسم الخط کے موافق ہو۔(2) صحیح سند سے ثابت ہو اور (3) عربی زبان اور قواعد کے بھی خلاف نہ ہو۔

ان شرائط کے ساتھ عظیم قراء کے ذریعہ علم قرأت پروان چڑھا اور اس کی بنیادیں استوار ہوئیں۔

کیا اس تفصیل کے بعد بھی کسی انصاف پسند کے دل میں جمع و تدوین قرآن اور قراءتوں کے سلسلے میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے۔،،؟؟

(ماخوذ از: حولیۃ کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ۔ جامعہ قطر العدد الثالث ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴ء ڈاکٹر اسماعیل احمد الطحان، مترجم: محمد رضی الاسلام ندوی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:



أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ.

حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے مجھے ایک طریقے پر قرآن مجید پڑھایا۔ لیکن میں زیادہ طریقوں کا مطالبہ کرتا رہا، یہاں تک کہ سات قرأتوں تک اجازت مل گئی۔

بخاري، الصحيح، 4:1909، رقم: 4705، بيروت، لبنان: دار ابن كثير اليمامة

مسلم، الصحيح، 1:561، رقم: 819، بيروت، لبنان: دار احياء التراث العربي

اور ایک حدیث مبارکہ میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ان سے مسور بن مخرمہ اور عبد الرحمن القاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے اندر میں نے ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہما کو سورۂ الفرقان پڑھتے ہوئے سنا۔ وہ کسی اور قرأت میں پڑھ رہے تھے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے اس قرأت میں نہیں پڑھی تھی۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی کے دوران میں ان پر ٹوٹ پڑتا لیکن سلام پھیرنے تک میں نے صبر سے کام لیا اور پھر میں نے اپنی چادر ان کے گلے میں ڈال کر کہا: تمہیں اس طرح یہ سورت کس نے پڑھائی جس طرح میں نے تمہاری زبانی سنی ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا: تم نے جھوٹ بولا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تو اور طرح پڑھائی ہے، پھر میں انہیں کھینچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور میں عرض گزار ہوا کہ جس طرح آپ نے سورۂ الفرقان مجھے سکھائی میں نے انہیں اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو اور اے ہشام! تم پڑھو۔ پھر انہوں نے سورۂ الفرقان اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے ان کی زبانی سنی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر فرمایا: اے عمر! تم پڑھو، تو میں نے اسی طرح پڑھی جس طرح آپ نے مجھے پڑھائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ اور فرمایا:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

بیشک قران کریم سات قرأتوں میں نازل فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا ان میں سے جو طریقہ جس کے لیے آسان ہو اسی طریقے سے پڑھا کرے۔

بخاري، الصحيح، 4:1909، رقم: 4706

مسلم، الصحيح، 1:560، رقم: 818

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ دیگر محدثین نے بھی نقل کی ہیں لیکن اختصار کی خاطر صحیحین کے حوالہ جات بیان کئے ہیں۔

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں قرآنِ پاک کی سات قرأتیں مستند شمار کی جاتی ہیں، اور ان کے علاوہ تین مزید قرأتیں بھی مستعمل ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام قرأتیں شاذ قرار دی گئی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أن القاضی جلال الدین البلقینی قال القراءۃ تنقسم إلی متواتر وآحاد وشاذ فالمتواتر القراءت السبعۃ المشھورۃ والآحاد قراءت الثلاثۃ التی ھی تمام العشر ویلحق بھا قراءۃ الصحابۃ والشاذ قراءات التابعین کالأعمش ویحیی بن وثاب وابن جبیر ونحوھم۔

قاضی جلال الدین بلقینی کا بیان ہے کہ قرأت کی تقسیم متواتر، آحاد اور شاذ کی قسموں میں ہوتی ہے۔ متواتر سات مشہور قرأتوں کو کہتے ہیں اور آحاد اُن تین قرأتوں کا نام ہے جن کو ملا کر دس قرأتیں پوری ہوتی ہیں اور صحابہ کرام کی قرأتیں ان قسموں کے ساتھ ملحق کی جاتی ہیں اور شاذ تابعین کی قرأت کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً اعمش، یحییٰ بن وثاب اور ابن جبیر وغیرہ کی قرأتیں۔

وھذا الکلام فیہ نظر یعرف مما سنذکرہ وأحسن من تکلم فی ھذا النوع إمام القراء فی زمانہ شیخ شیوخنا أبو الخیر بن الجزری قال فی أول کتابہ النشر کل قراءۃ وافقت العربیۃ ولو بوجہ ووافقت أحد المصاحف العثمانیۃ ولو احتمالا وصح سندھا فھی القراءۃ الصحیحۃ التی لا یجوز ردھا ولا یحل إنکارھا بل ھی من الأحرف السبعۃ التی نزل بھا القرآن ووجب علی الناس قبولھا سواء کانت عن الأئمۃ السبعۃ أم عن العشرۃ أم عن غیرھم من الأئمۃ المقبولین ومتی اختل رکن من ھذہ الأرکان الثلاثۃ أطلق علیھا ضعیفۃ أو شاذۃ أو باطلۃ سواء کانت عن السبعۃ أم عمن ھو أکبر منھم ھذا ھو الصحیح عند أئمۃ التحقیق من السلف والخلف صرح بذلك الدانی ومکی والمھدوی وأبو شامۃ وھو مذھب السلف الذی لا یعرف عن أحد منھم خلافہ۔

امام جلال الدین سیوطیؒ مزید فرماتے ہیں:

اور اس بیان میں ایک قسم کا اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی توضیح اگلے بیان سے خود بخود ہو جائے گی۔ اس نوع میں سب سے بہتر کلام اپنے زمانہ کے امام القراء اور ہمارے استاذ ابو الخیر بن الجزری نے کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب النشر کے آغاز میں لکھتے ہیں: ہر ایک ایسی قرأت جو کسی وجہ سے بھی عربی زبان دانی کے موافق ہو اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کے ساتھ خواہ احتمالی طور بھی مطابق ہو۔ پھر اُس کی سند صحیح ثابت ہو تو ایسی قرأت انہی حروف سبعہ میں شامل ہو گی جن پر قرآن کا نزول ہوا ہے اور لوگوں پر اُس کا قبول کرنا واجب ہو گا۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ قرأت ساتوں یا دس اماموں کی طرف مروی ہوئی ہے یا ان کے ماسواء دوسرے مقبول اماموں کی جانب سے۔ مگر جس وقت ان تینوں مذکورہ بالا ارکان میں سے کوئی رکن بھی مختل ہو گا تو اُس قرأت کو شاذ، ضعیف یا باطل قرأت کہا جائے گا خواہ اُس کے راوی ائمہ سبعہ ہوں یا اُن کے ماسواء دوسرے امام جو اُن سے بھی بڑھ کر اور بہتر ہیں سلف سے لے کر خلف جتنے صاحب تحقیق امام ہوئے ہیں اُنہوں نے اسی بات کو صحیح مانا ہے۔ الدانی، مکی، المہدوی اور ابو شامۃ نے اسی بات کی تصریح ہے اور یہی سلف کا بھی مذہب ہے اور اُن میں سے کوئی اس کے خلاف معلوم نہیں ہوتا۔

(السيوطي، الإتقان في علوم القرآن، 1:203، بيروت، لبنان: دار الفكر)

مشہور قراء جن سے روایت کی جاتی ہے، ان کے نام درج ذیل ہیں:

ابنِ عامر یحصبی

عبد اللہ بن کثیر

عاصم بن ابی النجود

ابو عمر بن العلاء

نافع بن ابی نعیم

حمزہ بن حبیب زیادت

کسائی علی بن حمزہ

مذکورہ بالا قراء سبعہ کے علاوہ بھی تین قراء سے روایت کی جاتی ہے:

ابو جعفر یزید

یعقوب بن اسحاق الحضرمی

خلف بن ہشام

مشہور قراٗتوں میں سے آپ کسی کی بھی روایت کے مطابق پڑھ سکتے ہیں۔ (منہاج الفتاوی: مفتی: محمد شبیر قادری)

امام ابن جزری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تیس سال تک میرے غور کے نتیجہ جو معنی مجھ پر منکشف ہوا وہ یہ ہے کہ سبعہ احرف سے مراد اختلافِ قراءات کی سات وجوہ ہیں۔

ان کے مطابق مرّوجہ قراءات کے مجموعہ اختلاف میں غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ تمام قراءات سات وجوہ اختلافات سے باہر نہیں۔ پھر انہوں نے اپنے تیس سال کے حاصل استقراء کو پیش کرتے لغات ولہجات کو ایک حرف اور چھ قسم کے مزید اختلافات کو چھ حروف قرار دیا۔

امام ابن جزری رحمہ اللہ کی طرح جو لوگ سبعہ احرف سے مراد سبعہ اوجہ لیتے ہیں، ان میں سے بعض لوگوں کا حافظ ابن جزری رحمہ اللہ کی سات وجوہ قراءات سے اگرچہ تعبیر کا کچھ فرق ہے، لیکن اس معمولی اختلاف سے قطع نظر اپنے موقف کے اعتبار سے یہ تمام لوگ ایک ہی تشریح پر متفق ہیں ۔ دیگر کئی اہل علم کو اس تشریح سے اتفاق نہیں، لیکن ان کا یہ اختلاف تضاد کا نہیں، بلکہ محض تعبیر بیان کا ہے، کیونکہ موجودہ قراءات عشرہ کے بارے میں سارے ہی اس بات پر متفق ہیں کہ سبعہ احرف کا مصداق یہ قراء تیں ہیں، اختلاف صرف سبعہ اَحرف کے تعین میں ہے۔

سبعہ لہجات یا سبعہ وجوہ

گزشتہ تحریر میں ہم نے سبعہ احرف کی تعیین اَساس سے کرنے کی کوشش کی ہیں۔ جو رائے ہم نے بیان کی وہ کوئی غیر معروف نہیں اور اس کے قائلین کو اہل علم واہل فن کے ہاں نمایاں ترین مقام حاصل ہے، بلکہ اس رائے کا امتیاز ہی یہ ہے کہ اس کے قائلین مثلاً ابو محمد مکی ابن طالب القیسی، امام ابو عمرو دانی، امام طبری رحمہم اللہ وغیرہ بالعموم ابتدائی دور کے لوگ ہیں۔ البتہ پہلے قول کی طرح ان لوگوں کی آراء میں بھی ذیلی طور پر معمولی اختلاف ہے، لیکن بالعموم یہ تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ سبعہ احرف سے مراد سبعہ لغات (لہجے) ہیں۔ ہماری رائے میں بھی یہ توجیہ ورائے ہی قوی ہے۔ اس رائے کے زیادہ قوی ہونے کے کچھ دلائل ہم نے گزشتہ تحاریر میں پیش کیے یہاں انکا خلاصہ کے ساتھ مزید چند نقاط پیش کیں۔

1۔ اقوام عالم کی تمام زبانوں کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ہر تیس میل کے بعد زبان کا لہجہ بدل جاتا ہے۔ اسی طرح عربوں میں بے شمار قبائل تھے اور ان میں لہجوں کا فرق موجود تھا۔ ان قبائل کے اعتبار سے ان کے لہجے ایک نہیں تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی سے فریاد کی کہ

(إن أمّتي لا تطيق ذلك)[مسلم:٨٢١]

یعنی میری امت ایک لہجے وحرف پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ سبعہ وجوہ کے قائلین کے متعین کردہ لہجات ولغات کے ایک حرف کے ماسوا باقی چھ حروف، مثلاحذف وزیارت، تقدیم وتاخیر، غیب وخطاب، تذکیر وتانیث، حرکات وسکنات وغیرہ کے اختلاف میں تو ایسی کوئی مشکل نہیں کہ ان کو پڑھنے میں اہل عرب کو کوئی مشکل ہوتی۔ جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر کر کے حروف وقراءات کے اختلاف کو مانگ رہے ہیں۔ اُمت اس چیز کی کسی طرح طاقت نہیں رکھتی کہ ایک حرف کو مؤخر اور دوسرے کو مقدم کر کے پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے



فرمایا کہ میری امت میں بچے، عورتیں اور بوڑھے لوگ ہیں، یہ تمام لوگ اپنی متعدد مشکلات کے باعث ایک حرف یعنی ایک لہجہ پر تو قرآن کو پڑھ نہیں سکتے، حالانکہ یہ لوگ مذکورہ قسموں کے اختلاف کو تو بغیر کسی دشواری کے پڑھ سکتے تھے۔

اصل مسئلہ لغتوں اور لہجوں کا تھا۔ اصل میں مشکل یہ تھی جیسے دیہاتی شہر آتے ہیں تو اردو والا لہجہ بڑی مشکل سے اختیار کرنا ممکن ہوتا ہے، اسی طرح اردو دان طبقہ کے لیے انگریزی سٹائل میں انگریزی بولنا بہت محنت کا متقاضی ہوتا ہے۔ اور پھر لہجے کے اسلوب کو اگر ۱۰۰ فیصد لحونِ عرب کے مطابق ادا کرنا بھی شرط ہو تو یہ اور بھی مشکل ہے۔ سات حرفوں کے نازل ہونے کی اصل وجہ یہی تھی کہ بچے اس لیے نہیں پڑھ سکتے کہ وہ ابھی چھوٹے ہیں ۔ماں کی گود سے جو انہوں نے لہجہ سیکھا ہے وہ لہجہ ان کے لیے آسان ہے۔ بوڑھے اس لیے نہیں کہ وہ ساری زندگی گزار چکے ہیں، اب وہ کیسے صحیح کریں۔ عورتیں اس لیے نہیں کہ عورتوں نے گھروں میں رہنا ہے، انہیں اس سارے معاملہ کے لیے وقت درکار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا: (إنّ أمّتي لا تطيق ذلك)[مسلم: ۸۲۱ رضوان اللہ علیہم اجمعین واضح ہوا کہ جس بنیادی وجہ سے سبعہ احرف اترے، اس کا اصل تعلق لغات یا لہجات سے ہے۔

2۔ سبعہ احرف کی جو تشریح سبعہ لہجہ والے لوگ کرتے ہیں اس پر بنیادی اعتراض یہ لازم آتا ہے کہ سبعہ احرف بمراد سبعہ لہجہ کی تعبیر کے مطابق ہر ہر حرف اختلافِ قراءات کے ایک ایک جوڑے پر مشتمل ہے اور کوئی ایک حرف بھی ایسا نہیں جس کو اگر پڑھا جائے تو تلاوت قرآن کا ایک انداز مکمل ہو۔ یعنی اس تعبیر میں مخصوص کلمات کو متعدد طرح پڑھنے کا تذکرہ تو ہے لیکن کوئی ایک حرف بھی تلاوتِ قرآن کا مکمل سیٹ نہیں بن سکتا، بلکہ ہم تو کہیں گے کہ تمام حروف بھی ملا لیے جائیں تو بھی قرآن کی تلاوت کا ایک مکمل انداز سامنے نہیں آتا۔ مثلاً ہم سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرنا چاہتے ہیں تو کسی ایک حرف یا تمام حروف کو بھی ملا لیں تو ان میں سورۃ الفاتحہ کے مختلف فیہ مقامات کا ذکر تو آجاتا ہے، لیکن سورۃ کے متفق فیہ کلمات کا تذکرہ ہی نہیں آتا۔

مزید جب ہم اس بات کو اس تناظر میں دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول تو مکہ میں ہوا اور عام شہرت کے مطابق اس وقت قرآن لغت قریش کے مطابق تھا، جبکہ قراءتوں کا اختلاف مدینہ میں اترا ہے، کیونکہ حدیث جبریل ومیکائیل اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا ان سے مکالمہ بنی غفار کے تالاب کے پاس ہوا تھا اور بنی غفار مدینہ میں بسنے والے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اسی طرح قراءتوں کے ضمن میں صحابہ میں جو اختلاف ہوا وہ مسجد میں ہوا تھا، جبکہ مسجدیں مکہ میں نہیں تھیں۔ مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام تیرہ سال قرآن کریم پڑھتے رہے، تو وہ قرآن کے کسی نہ کسی حرف کی تلاوت تو تھی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حروف کی تفسیر سبعہ لہجہ سے کی جائے تو امام ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ کے مطابق کوئی ایک حرف بھی لے لیں تو ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں ابتدائے نزولِ قرآن ہی سے صحابہ متعدد قراءتوں میں پڑھتے تھے۔ مکہ میں قرآن کریم کے پڑھنے کا انداز کوئی ایک حرف لے لیں تو وہ یا تو تقدیم وتاخیر کا حرف بنتا ہے یا حذف واثبات کا حرف بنتا ہے یا تبدیلی حرکات کا حرف بنتا ہے یا متعدد لہجوں کا حرف بنتا ہے، قرآن کریم کا کوئی ایک سیٹ بہر حال نہیں بنتا۔ مکہ میں قرآن کریم تو اس طرح سے پڑھا جاتا تھا کہ جب قرآن پڑھیں تو وہ قرآن کی پوری سورت بنی چاہئے، مثلاً سورۃ الفرقان مکی ہے تو مکہ میں سورۃ الفرقان پڑھی جاتی تھی تو اس وقت یہ ایک حرف پر پڑھی جاتی تھی۔ وہ ایک حرف کون سا تھا؟ اگر آپ ان سات میں سے کوئی ایک



حرف لے لیں تو سورۃ الفرقان نہیں بنتی، کیونکہ سات حرفوں میں سے کوئی حرف پورے قرآن کے اعتبار سے حرف کی تشریح نہیں ہے۔ اس ضمن میں حدیث سبعہ احرف میں وارد الفاظ (كلّهن شاف كاف)[نسائی:۹۴۱] بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ ان سے مقصود یہ ہے کہ حروف سبعہ میں سے ہر حرف تلاوتِ قرآن سے کفائت کرتا ہے۔ جب ہم حروف کی تفسیر ایک مکمل سیٹ کے اعتبار سے نہیں کرتے تو اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ (کلهن شاف کاف)[نسائی:۹۴۱] کا معنی کیا ہوگا؟

بات کو سمجھانے کے لیے عملی اعتبار سے کچھ مزید وضاحت کرتا ہوں کہ مثلاً اگر سبعہ لہجہ والا قول سبعہ احرف کی تشریح مانیں تو مکہ میں تو بہر حال ایک حرف پر قرآن پڑھا جاتا تھا۔ اب اگر آپ وہ حرف غیب وخطاب والا لے لیں تو یہ بات بہر حال قطعی ہے کہ یعلمون، تعلمون دونوں مکہ کے اندر نہیں تھے، مکہ میں تو صرف ایک تھا۔ اسی طرح اگر آپ حرکات وسکنات کے اختلاف کا حرف لے لیں تو یَکْذِبون، یُکَذِّبون دونوں میں سے کوئی ایک مکہ میں مقروء تھی دوسری نہیں۔ اسی طرح اگر آپ متعدد لہجات والا ایک حرف مراد لہجات لیتے ہیں، تو لہجات میں تسہیل وتحقیق، امالہ وعدم امالہ، ادغام واظہار وغیرہ لہجات شامل ہیں۔ اب مکہ میں پڑھے جانے والے قرآن میں یہ سارے لہجات قطعی طور پر مقروء نہیں تھے۔

سبعہ احرف بمراد وجوہ سبعہ دراصل سبعہ احرف کی تشریح نہیں بلکہ پورے قرآن کے اندر استقصاء واستقراء کے بعد اضافی طور پر متنوع اختلافات کی ایک توجیہہ ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ حروفِ سبعہ سے اصل مراد لغات ولہجات کا اختلاف تھا، جن میں ضمنی طور پر لغات ہی کے قبیل سے بلاغت سے متعلق بعض دیگر اختلافات بھی آگئے تھے اور مکہ میں جس حرف کے مطابق قریشی ودیگر قرآن کی تلاوت کرتے تھے وہ لغت (لہجہ) قریش تھا، نا کہ سبعہ الہجہ میں سے کوئی وجۂ اختلاف۔

3۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ابتداءً قرآن کریم میں اختلاف قراءت موجود نہیں تھا بلکہ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے نازل کیا گیا۔ اس سلسلہ میں معروف روایت حدیث جبریل ومکائیل ہے کہ وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی غفار کے تالاب کے پاس تشریف لائے۔ حضرت میکائیل نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمت کی آسانی کے لیے ایک حرف سے زائد پر قرآن کریم کو پڑھنے کی دعا کیجیے۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ دعا کر کے ان حروف کو لیا۔ اب دوسرا حرف آیا، پھر تیسرا آیا اور چوتھا آیا، پھر پانچواں، پھر چھٹا اور پھر ساتواں حرف آیا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ سات حروف جو ایک ایک کر کے اترے ہیں، یہ ایک ایک مکمل قرآن کے حروف تھے یا سات حروف ان شکلوں پر اترے، جو سبعہ لہجہ کے قائلین بیان کرتے ہیں۔ اگر یہاں مراد یہ سات اوجہ والی تفسیر لی جائے تو غیر مناسب معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث جبریل ومکائیل تقاضا کرتی ہے کہ ہر ایک حرف آسمانوں سے منفصل نازل ہوا ہے۔ منفصل کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی دعا پر پہلے ایک حرف پر پورا قرآن اترا، پھر دوسرا اترا، پھر تیسرا اترا۔ یہ نہیں ہوا کہ پہلی بار دعا کی: (إن أمتي لا تطيق



ذلك)[مسلم:۸۲۱]تو حذف وزیادت کا حرف اتر آیا۔ آپ نے پھر کہا کہ امت ابھی بھی طاقت نہیں رکھتی تو اس کے بعد تقدیم وتاخیر کا حرف اتر آیا، مزید کہا کہ طاقت نہیں رکھتی تو حرکات کے اختلاف کا حرف اتر آیا۔

اگر روایات کو دیکھیں تو وہ بیان کرتیں ہیں کہ سبعہ احرف کا ہر حرف مکمل قرآن کی تلاوت کا ایک کامل سیٹ ہے اور ہر ایک حرف دوسرے سے منفصل حالت میں اترا ہے اور آپ کی بار بار دعا کے نتیجہ میں ایک ایک کر کے حروف کی بالآخر سات تک پہنچ گئی تو آپ نے مزید دعا نہیں کی۔ یہ سات انداز تلاوت قرآن مجید کے سات مستقل اسلوبِ تلاوت تھے، یہ نہیں کہ تمام کو ملا کر ایک اندازِ تلاوت بنتا تھا یا تمام کو ملا کر دو اندازِ تلاوت بنتے تھے وغیرہ۔ سبعہ احرف بمراد سبعہ اوجہ کی تعبیر کے مطابق بنیادی حرج ہی یہ واقع ہوتا ہے کہ جب تک تمام وجوہ سبعہ کو ملایا نہ جائے، قرآن کا ایک مکمل سیٹ بھی نہیں بن پاتا۔ قراءات عشرہ متواترہ کی بیس کی بیس روایات ہوں یا ان کے ذیلی اسی طرق، ان تمام اوجہ کو یک مشت ملائے بغیر کوئی ایک کامل حرف بھی تلاوت قرآن کا ایک مکمل سیٹ نہیں بنتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے سبعہ احرف سے سبعہ اوجہ کو مراد لیا ہے انہوں نے دراصل اختلاط کے بعد وجود میں آنے والی روایات کا تجزیہ کرتے ہوئے مجموعہ روایات کے اختلاف کا استقراء کرتے ہوئے سات قسم کی وجوہ قراءات کی توجیہ کی، جبکہ قبل از اختلاط نازل ہونے والے سبعہ اَحرف میں سے ہر ایک حرف تلاوت قرآن کا ایک مکمل سیٹ تھا۔

4۔ سبعہ احرف بمراد سبعہ لغات یا سبعہ لہجات کی تفسیر سبعہ اَحرف کے شان نزول سے ثابت ہے، جبکہ سبعہ احرف بمراد سبعہ اوجہ استقرائی تشریح ہے۔ اُصول تفسیر پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ شان نزول سے آیت کی تشریح تفسیر کا ایک مسلمہ اُسلوب ہے۔ اسی بنیاد پر سلف کے ہاں تفسیر صحابہ تفسیر بالماثور میں داخل ہوتی ہے، کیونکہ شان نزول اگرچہ حدیث نہیں ہوتا، لیکن نزول قرآن کا عرف ہوتا ہے جو فہم قرآن یا فہم حدیث میں انتہائی مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے مقدمہ اصول تفسیر میں واضح کیا ہے کہ علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ جب کسی آیت کی تشریح میں دو مختلف باتوں کا امکان ہو تو شان نزول کے ذریعے جو معنی متعین ہو گا اسے بہر حال ترجیح ہو گی۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے مثال پیش کی ہے کہ اگر کسی جگہ قسم کے بارے میں کوئی اختلاف ہو جائے اور قسم کی نوعیت کا تعین نہ ہو رہا ہو کہ قسم کھانے والے نے کس نوعیت سے قسم کھائی ہے اور قاضی کے سامنے اس کا فیصلہ چلا جائے تو قاضی اس نوعیت کا فیصلہ اس سے کرے گا کہ قسم کھانے کی تحریک کس وجہ سے واقع ہوئی تھی اور جس وجہ سے قسم کھانے کی تحریک واقع ہو گی اس تناظر میں قسم کی نوعیت کا تعین کیا جائے گا اور اس کی روشنی میں قاضی فیصلہ کرے گا۔ سبعہ احرف یا قراءتوں کے شان نزول کے سلسلہ میں اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ نزولِ سبعہ احرف کا سبب مختلف قبائلِ عرب کے بولنے کے متنوع اَسالیب کا فرق بنا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ سبعہ احرف کی تشریح میں موجود مختلف اقوال سبعہ احرف کی مراد کے سلسلہ میں معنوی احتمالات کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ جس تشریح کو شان نزول کی تائید حاصل ہے اسے ہی بہر حال ترجیح ہونی چاہیے۔

اہل علم نے قبائل عرب میں سے ان بڑے قبائل کا تعین کرنے کی کوشش بھی کی ہے، جن کی رعائت رکھتے ہوئے سات لغات اتریں۔ اسی طرح موجودہ قراءات عشرہ میں موجود لہجوں سے متعلق اختلافات، جنہیں اہل فن اختلاف قراءات کے اصولی اختلافات کا نام دیتے ہیں، کے بارے میں محنت کی ہے کہ واضح کریں کہ کونسا کونسا اختلاف کس کس قبیلہ کی لغت سے تعلق رکھتا تھا۔



المختصر سبعہ احرف کا مصداق موجودہ قراءات عشرہ ہیں، کیونکہ سبعہ احرف انہی قراءات وروایات میں ڈھل کر ہم تک پہنچے ہیں۔ امام ابو محمد مکی رحمہ اللہ اور امام دانی رحمہ اللہ وغیرہ کا قول عام فہم اور سمجھنے کے اعتبار سے زیادہ سہل ہے اور اس میں الحمدللہ بے جا تکلف بھی نہیں ہے۔

(استفادہ تحریر: تعارُف علم قراءات –اہم سوالات وجوابات، حافظ حمزہ مدنی)

قران کی حفاظت

قران الکریم دوسری آسمانی کتابوں سے سب سے بلند اور ممتاز اس سبب سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی تحریف اور تبدیلی سے محفوظ رکھنے کا خود ذمہ لیا ہے، اور اس کا وعدہ فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا(إِنَّا نَحنُ نَزَّلْنَا الذِّكرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ بے شک یہ ذِکر (قران) ہم نے نازل فرمایا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)(سورت الحجر / آیت 9،)

اللہ تعالیٰ نے قران کو اس بات سے محفوظ فرمادیا کہ اس میں کچھ بڑھایا جاسکے یا کچھ کم کیا جا سکے، اور اگر اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے قُران کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا ہو تا تو اس میں بھی تحریف اور تبدیلی کا وہی حال ہو تا جو سابقہ آسمانی کتابوں کا ہوا، کیونکہ سابقہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے انہی لوگوں کو سونپی تھی جن کی طرف اللہ نے وہ کتابیں اتاری تھیں، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا

(إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُواْ لِلَّذِينَ هَادُواْ وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُواْ مِن كِتَابِ اللّهِ وَكَانُواْ عَلَيْهِ شُهَدَاء فَلاَ تَخْشَوُاْ النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلاَ تَشْتَرُواْ بِآيَاتِي ثَمَناً قَلِيلاً وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ) (سورت المائدۃ / آیت 44)

”بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے جس کے ذریعے اللہ پر ایمان لانے والے انبیاء، اہل اللہ اور عُلماء یہودیوں کے لیے فیصلے کیا کرتے تھے، کیونکہ انہیں اللہ کی کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا، اور وہ اس پر (اقرار کرتے ہوئے) گواہ تھے، لہٰذا (اے یہودیو) تم لوگ، لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو تھوڑی قیمت پر فروخت مت کرو، اور جو اللہ کے نازل کردہ (احکام اور ہدایات) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو وہ کافر ہیں“۔

قران کریم کو اس عظیم خوبی کے ذریعے دوسری آسمانی کتابوں سے بُلند اور ممتاز کرنے کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ یہ آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے، آسمانی کتابوں کے سلسلے کو ختم کرنے والی ہے،



لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے ایسے اسباب تیار اور مہیا فرمائے جو اس کے علاوہ کسی بھی اور کتاب کے لیے میسر نہیں تھے اور نہ ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں، ان شاء اللہ ،

- ★ اِن اسباب میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے پہلے بلا فصل خلیفہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ُ کا قران کو لکھا ہوا جمع کرنا تھا،
- ★ اور اِن اسباب میں سے یہ بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے تیسرے بلا فصل خلیفہ عُثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ُ کا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی رضامندی سے قُران کو ایک کتاب کی صورت میں ثابت شدہ قرأتوں کے مطابق جمع فرمایا، اور پھر اس کے نسخے لکھوا کر تمام ملکوں میں روانہ فرمائے، اور اس کے علاوہ قُران کے جو بھی لکھے ہوئے حصے تھے انہوں جلوایا دیا تا کہ کسی پریشانی اور اختلاف کا باعث نہ بنیں،
- ★ اوراِن اسباب میں سے سب سے بڑا اور معجزاتی سبب قُران کو زبانی یاد کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس محیر العقول کام کو مسلمانوں کے لیے اس قدر آسان فرمادیا کہ تاریخ میں کسی قوم کا کسی کلام کی اتنی بڑی تعداد کو حرف بہ حرف تو کیا ایک ایک زیر وزبر کی مطابقت کے ساتھ یاد کرنے کی کوئی مثال نہیں۔ بلکہ ایسی کسی کوشش کی بھی کوئی مثال نہیں، بلکہ ایسا کرنے کی سوچ کی بھی کوئی مثال نہیں،

پس قُران کریم کو یاد کرنے والوں میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں، چھوٹے بڑے، جوان بوڑھے، عورت مرد، عربی عجمی، کالے گورے، پیلے سُرخ ہر قسم کے مسلمان اس کو یاد کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس کلام کو سب کے لیے آسان فرمادیا ہے اور اس کی خبر بھی فرمائی ہے

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور یقیناً ہم نے قران کو آسان فرمادیا ہے تو ہے کوئی نصیحت پانے اور یاد کرنے والا سورت القمر / آیت 17

- ★ قران کریم کی حفاظت کے اس معجزاتی سبب اور طریقے کے ذریعے ہمیں بہت سے گواہ اور ثبوت ملتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرما چکا ہے، یہ واقعہ ہی دیکھیے۔

ایک دفعہ ایک یہودی مامون الرشید کے دربار میں حاضر ہوا اور مامون کے سامنے کچھ گفتگو کی جو بہت ہی بہترین انداز میں تھی، اس کے انداز کلام اور علم کو دیکھ کر مامون بہت متاثر ہوا اور اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اسے مال وعطاء کی رغبت بھی دلائی، لیکن وہ یہودی یہ کہہ کر چلا گیا کہ "میرے باپ دادا کا دین ہی میرا دین ہے"، پھر اگلے سال یہی یہودی مامون الرشید کے دربار میں آیا اور فقہ کے بارے میں بہت اچھے انداز میں بات کی ، مامون نے اس کی باتیں سن کر کہا" کیا تُم وہی نہیں ہو ؟" یعنی وہی جسے میں نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور اُس نے قبول نہیں کی تھی،

اس نے کہا" جی ہاں میں وہی ہوں"

مامون نے کہا" تو پھر (میری دعوت چھوڑ کر اس کے بعد) تمہارے اسلام قبول کرنے کا سبب کیا بنا؟"



اُس نے کہا" میں آپ کے پاس سے نکلا تو میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں ان ادیان (تینوں دین) کا امتحان کروں، آپ جانتے ہیں کہ میری لکھائی بہت اچھی ہے، لہٰذا میں نے یہاں سے جانے کے بعد سب سے پہلے تورات کے تین نسخے لکھے اور اُن میں کمی اور زیادتی کی، پھر انہیں لے کر گرجا میں گیا اور سب نسخے فروخت کر دیے،

اس کے بعد میں نے انجیل کے تین نسخے لکھے اور ان میں بھی کمی اور زیادتی کی اور پھر انہیں لے کر بیعۃ (یہودیوں کی عبادت گاہ) میں گیا اور وہ سب نسخے فروخت کر دیے،

اس کے بعد میں نے قران کے تین نسخے لکھے اور ان میں بھی کمی اور زیادتی کی اور پھر اسے کچھ مسلمانوں کے پاس لے گیا تو انہوں نے ان نسخوں کو لے کر دیکھنا اور پڑھنا شروع کیا اور تھوڑی دیر بعد انہوں نے وہ نسخے خریدنے کی بجائے مجھے مارنے کے لیے پکڑ لیا، کیونکہ انہوں نے ان نسخوں میں میری طرف سے کی گئی کمی اور زیادتی کو فوراً ہی پکڑ لیا تھا، اس طرح مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ یہی کتاب محفوظ ہے اور یہی اس دِین کی حقانیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے، لہٰذا میں نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہو گیا،

یہ واقعہ اور اس طرح کے کئی واقعات قران حکیم کے محفوظ رہنے کی ایک مستقل حسی دلیل ہیں جن سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، پس جو کوئی قران کریم میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی واقع ہو جانے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہی نہیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر جُھوٹ باندھنے والا ہے اور اللہ کے فرمان کا منکر یعنی کافر ہے،

اللہ کے آخری اور حتمی دِین کی دو میں ایک بنیادی اساس قران کریم کی لفظی حفاظت کا ذمہ تو اللہ نے لیا اور اللہ تعالی سے بڑھ کر اور کوئی سچا نہیں، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا نہیں، اسلام کے دشمنوں نے اپنے تمام وسائل استعمال کرنے کے بعد یہ جان لیا کہ اللہ کی اس کتاب میں وہ لوگ کسی طرح کی لفظی تبدیلی نہیں کر سکتے نہ کوئی کمی کر کے اور نہ کوئی زیادتی کر کے، تو انہوں نے قران کے فہم میں معنوی تحریف کا راستہ اپنایا اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے، اور ہیں، قران کو سمجھنے کے لیے اپنی اپنی عقل اور رائے، منطق اور فلسفہ کا استعمال رائج کیا گیا، اور ان کا سب سے پہلا زہریلا پھل یہ نکلا کہ قران کو سمجھنے کا سب سے پہلا، بنیادی ترین اور درست ترین ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی قولی، فعلی اور تقریری سُنّت مبارکہ کو قران کے مقابل بنایا گیا اور اُمت مسلمہ کے ہر کس و ناکس کو بظاہر قران کا محب اور قران پر عمل پیرا ہونے کے زعم میں مبتلا کرنے کی کوشش کے ذریعے یہ کج روی سُجھائی جانے لگی کہ وہ اپنی سوچ و فکر کی بنا پر سُنّت کو رد یا قبول کرتا رہے،

پس ہم ایسے کئی لوگوں کو دیکھتے ہیں جو قران کریم میں مذکور اللہ تبارک و تعالی کے الفاظ مبارک میں سے چند ایک کے بھی لفظی و لغوی معانی نہیں جانتے چہ جائیکہ ان کے احکام اور اللہ کی مراد جانتے ہوں، وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی سُنّت مبارکہ کو رد کرتے ہیں، اور قران کی معنوی تحریف کرتے ہیں، لیکن یہ بھول جاتے ہیں (إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ) "بے شک یہ ذِکر (قران) ہم نے نازل فرمایا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"، میں کیے گئے وعدے کو پورا کرتے ہوئے اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ ہر دور میں اپنے اِیمان والے بندوں میں سے ایسے



بندے ظاہر فرماتا رہتا ہے جو اللہ کے کلام کی اس معنوی تحریف کے دجل کو بھی ظاہر کر کے باطل کرتے رہتے ہیں، اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس آخری کتاب اور اس میں موجود اپنے احکامات کو محفوظ رکھے گا،

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (سورت التوبہ / آیت 32)

"چاہتے ہیں کہ اپنے منہ (کی پھونکیں) سے اللہ کی روشنی بُجھا دیں اور اللہ انکار کرتا ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنی روشنی مکمل کر کے ہی رہے گا بے شک کافر جتنا بھی ناخوش ہوں"۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو کافروں کی ہر چال سے محفوظ رکھے اور ہر شر سے محفوظ رکھے۔

قرآن کریم کتاب محفوظ ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود کر دیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے "بے شک ہم نے ہی اس ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" (سورۂ حجر 9:15) یہ اس باب میں آخری اور فیصلہ کن بات ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ آیت ہی کافی ہے، لیکن تاریخی حقائق بھی اس بات کی تائید ہی کرتے ہیں کہ قرآن کریم جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، ٹھیک اسی طرح آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ اس سلسلے میں جن روایتوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

ابن ماجہ کی روایت

" "ام المومنین عائشہ سے روایت ہے رجم کی آیت اور بڑے آدمی کو دس بار دودھ پلا دینے کی آیت اتری تھی اور یہ دونوں آیتیں ایک کاغذ پر لکھی ہوئی میرے تخت کے نیچے موجود تھیں۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور ہم آپ کی وفات میں مشغول تھے تو گھر کی پلی ہوئی بکری آئی اور وہ کاغذ کھا گئی۔ (سنن ابن ماجہ، رقم 1944، کتاب النکاح)

یہ روایت معمولی فرق کے ساتھ مسند احمد (26359) مسند ابی یعلی (4588) اور طبرانی کی المعجم الاوسط (7805) میں بھی نقل ہوئی ہے۔ اس روایت کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے اور سند میں موجود ایک راوی محمد ابن اسحاق کی بنا پر اسے منکر قرار دیا ہے۔ تاہم یہ روایت سند کے اعتبار سے بالکل ٹھیک ہو تب بھی اس کا متن پکار پکار کر یہ بتا رہا ہے کہ اس کی نسبت سیدہ عائشہ سے درست نہیں ہے۔ پروردگارِ عالم ایک طرف قرآن کی حفاظت کا دعوی فرماتا ہے اور دوسری طرف وہ معاذ اللہ ایک بکری کو آیات الٰہی چرنے سے نہ روک پائے، یہ بات خلاف عقل، خلاف نقل اور خلاف واقعہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم نازل ہونے کے بعد صرف ایک دو لوگوں تک محدود نہیں رہا کرتا تھا کہ اگر وہ بھول گئے یا لکھے ہوئے مصحف کو ضائع کر بیٹھے تو قرآن کریم کی آیات ہی ضائع ہو جاتیں۔ قرآنی آیات جب نازل ہوتیں تو ان کا مقصد نزول ہی یہ ہوتا تھا کہ وہ لوگوں تک پہنچیں، لوگ انہیں یاد رکھیں اور آگے پھیلائیں۔ ان گنت لوگ تھے جو قرآن کی ہر آیت کو زبانی حفظ کر لیتے تھے۔ اسے لکھ لیا جاتا تھا اور اسے آگے پھیلایا جاتا تھا۔ یہ کوئی انسانی عمل نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی اپنی نگرانی میں کیا جانے والا کام تھا۔ قرآن کریم کے اپنے بیانات کے حوالے سے اس عمل کی تفصیلات اس طرح بیان ہوئی ہیں:



"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ ﴿٦﴾

6. (اے حبیبِ مکرّم!) ہم آپ کو خود (ایسا) پڑھائیں گے کہ آپ (کبھی) نہیں بھولیں گے o

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ؕ ﴿٧﴾

7. مگر جو اللہ چاہے، بیشک وہ جہر اور خفی (یعنی ظاہر و پوشیدہ اور بلند و آہستہ) سب باتوں کو جانتا ہے o

'عنقریب (اِسے) ہم (پورا) تمھیں پڑھا دیں گے تو تم نہیں بھولو گے، مگر وہی جو اللہ چاہے گا۔ وہ بے شک، جانتا ہے اُس کو بھی جو اِس وقت (تمھارے) سامنے ہے اور اُسے بھی جو (تم سے) چھپا ہوا ہے۔' (الاعلیٰ 87:6-7)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ ﴿١٦﴾

16. (اے حبیب!) آپ (قرآن کو یاد کرنے کی) جلدی میں (نزولِ وحی کے ساتھ) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾

17. بے شک اسے (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور اسے (آپ کی زبان سے) پڑھانا ہمارا ذِمّہ ہے

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾

18. پھر جب ہم اسے (زبانِ جبریل سے) پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ ﴿١٩﴾

19. پھر بے شک اس (کے معانی) کا کھول کر بیان کرنا ہمارا ہی ذِمّہ ہے

'اِس (قرآن) کو جلد پا لینے کے لیے، (اے پیغمبر)، اپنی زبان کو اِس پر جلدی نہ چلاؤ۔ اِس کو جمع کرنا اور سنانا، یہ سب ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ اِس لیے جب ہم اِس کو پڑھ چکیں تو (ہماری) اُس قراءت کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی ذمہ ہے کہ (تمھارے لیے اگر کہیں ضرورت ہو تو) اِس کی وضاحت کر دیں۔' (القیامہ 75:16-19)

اِن آیتوں میں قرآن کے نزول اور اُس کی ترتیب و تدوین سے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ کار وضع کیا ہے، وہ یہ ہے۔



اولاً، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ حالات کے لحاظ سے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن جس طرح آپ کو دیا جارہا ہے، اِس کے دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے، لیکن اِس سے آپ کو اِس کی حفاظت اور جمع و ترتیب کے بارے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ اِس کی جو قرات اِس کے زمانۂ نزول میں اِس وقت کی جارہی ہے، اِس کے بعد اِس کی ایک دوسری قرات ہو گی۔ اِس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اِس میں سے کوئی چیز اگر ختم کرنا چاہیں گے تو اُسے ختم کرنے کے بعد یہ آپ کو اِس طرح پڑھا دیں گے کہ اِس میں کسی سہو و نسیان کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا اور اپنی آخری صورت میں یہ بالکل محفوظ آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ثانیاً، آپ کو بتایا گیا ہے کہ یہ دوسری قرات قرآن کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دینے کے بعد کی جائے گی اور اِس کے ساتھ ہی آپ اِس بات کے پابند ہو جائیں گے کہ آیندہ اِسی قراءت کی پیروی کریں۔ اِس کے بعد اِس سے پہلے کی قرات کے مطابق اِس کو پڑھنا آپ کے لیے جائز نہ ہو گا۔

ثالثاً، یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کے کسی حکم سے متعلق اگر شرح و وضاحت کی ضرورت ہو گی تو وہ بھی اِس موقع پر کر دی جائے گی اور اِس طرح یہ کتاب خود اِس کے نازل کرنے والے ہی کی طرف سے جمع و ترتیب اور تفہیم و تبیین کے بعد ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے گی۔

قرآن کی یہی آخری قرات ہے جسے اصطلاح میں "عرضۂ اخیرہ" کی قرات کہا جاتا ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل امین ہر سال جتنا قرآن نازل ہو جاتا تھا، رمضان کے مہینے میں اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سناتے تھے۔ آپ کی زندگی کے آخری سال میں، جب یہ عرضۂ اخیرہ کی قرات ہوئی تو اُنھوں نے اِسے دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال ایک مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا تھا، لیکن آپ کی وفات کے سال یہ دو مرتبہ آپ کو سنایا گیا۔' (بخاری، رقم 8994)"، (میزان:27-28)

لہٰذا یہ اعتراض اور جسارت ہی نا قابل فہم اور نا قابلِ یقین ہے کہ بکری قرآن کے کسی جز کو کھا گئی ہے۔ یا قرآن کا یہ حصہ ضائع ہو گیا ہے۔

قرآن کی حفاظت کے لیے اللہ کا حیرت انگیز انتظام اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" (سورۃ الحجر: پ۱۴/ ۹) ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ یہ پہلی وہ آسمانی کتاب ہے، جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا، گویا اس کی حفاظت کے لیے یہ وعدہ الٰہی ہے اور قرآن کا اعلان ہے: "اِنّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ" (سورۃ آل عمران: پ۳/ ۹) اللہ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ بس اللہ نے اپنا یہ وعدہ سچ کر دکھایا۔ اور کتاب اللہ کی حفاظت کا حیرت انگیز انتظام کیا۔ اس طور پر کہ اس کے الفاظ بھی محفوظ، اس کے معانی بھی محفوظ، اس کا رسم الخط بھی محفوظ، اس کی عملی صورت بھی محفوظ، اس کی زبان بھی محفوظ، اس کا ماحول بھی محفوظ، جس عظیم ہستی پر اس کا نزول ہوا اس کی سیرت بھی محفوظ، اور اس کے اولین مخاطبین کی سیَر بھی یعنی زندگیاں بھی محفوظ۔

غرضیکہ اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کے لیے جتنے اسباب ووسائل اور طریقے ہوسکتے تھے،سب اختیار کئے،اور یوں یہ مقدس اور پاکیزہ کتاب ہر لحاظ اور ہر جانب سے مکمل محفوظ ہوگئی۔الحمدللہ آج چودہ سوانیتس سال گذرنے کے بعد بھی اس میں رتی برابر بھی تغیر و تبدل نہ ہوسکا،لاکھ کوششیں کی گئیں،مگر کوئی ایک کوشش بھی کامیاب اور کارگر ثابت نہ ہوسکی،اور نہ قیامت تک ہوسکتی ہے۔

از:(مولانا)حذیفہ وستانوی،استاذ:جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم،)

کتاب الٰہی کی،کیسے حفاظت کی گئی؟

ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنی کتاب محاضرات حدیث میں تحریر فرماتے ہیں "کتاب الٰہی کے تحفظ کے لیے اللہ رب العزت نے دس چیزوں کو تحفظ دیا،یہ دس چیزیں وہ ہیں،جو قرآن پاک کے تحفظ کی خاطر محفوظ کی گئی ہیں"۔

وہ کون سی چیزیں ہیں،جو قرآن کے خاطر محفوظ کی گئیں؟

1۔ قرآن کی کا متن یعنی اس کے بعینہ وہ الفاظ جو اللہ رب العزت نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے یا وحی کے کسی اور طریق سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی،تو آپ فوراً کاتبین وحی میں سے کسی سے کتابت کروالے لیتے،پھر صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے بھی اُسے سنتے،اور جو تحریر کیا ہوا ہوتا،اُسے بھی محفوظ کرلیتے،اس طرح ۲۳/ سال تک قرآن،نزول کے وقت ہی لکھا جاتا رہا،صحابہ نے اسے حفظ بھی یاد کیا،کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حفظ کی بڑی فضیلتیں بیان کی۔ ایک روایت کے مطابق صحابہ میں سب سے پہلے حفظِ قرآن مکمل کرنے والے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دورِ ابی بکرؓ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ،اور دیگر صحابہ کے کے مشورے سے اس کی تدوین عمل میں آئی،یعنی اس کو یکجا کرلیا گیا اور دورِ عثمانیؓ میں اس کی ترویج،عمل میں آئی،یعنی اس کے مختلف نسخے بناکر کوفہ،بصرہ،شام،مکہ وغیرہ جہاں جہاں مسلمان آباد تھے بھیج دیے گئے،یہ تو تحریری صورت میں حفاظت کا انتظام ہوا،اس کے علاوہ اس کو لفظ بلفظ یاد کرنے کا التزام کیا گیا،وہ الگ۔اس طرح قرآن سینہ وسفینہ دونوں میں مکمل لفظاً محفوظ ہوگیا،اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ آج بھی جاری ہے،قیامت تک جاری رہے گا،انشاءاللہ،**اللھم اجعل القرآن ربیع قلوبنا وجلاء اعیننا.**

2۔جہاں اللہ رب العزت نے اس کے متن کی حفاظت کی،وہیں اس کے معنی ومفہوم اور مراد کی حفاظت کا بھی انتظام کیا،اس لیے کہ صرف الفاظ کا محفوظ ہونا کافی نہیں تھا،کیوں کہ مراد اور معنی اگر محفوظ نہ ہو،تو اس کی تحریف یقینی ہوجاتی ہے،کتب سابقہ کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا،کیوں کہ اس کے الفاظ اگرچہ کچھ نہ کچھ محفوظ رہے،مگر اس کے معانی ومفہوم تو بالکل محفوظ نہ رہے،اس لیے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے اقوال وافعال و



اعمال کو محفوظ رکھنے کا کوئی انتظام نہ کیا، جس کے نتیجہ میں الفاظ محفوظ بھی کارگر ثابت نہ ہو سکے، مثلاً عیسائی مذہب ان کا کہنا ہے کہ ہمیں دو اصولوں کی تعلیم دی گئی، اور ہم اس کے علمبردار ہیں: نمبر ایک عدل وانصاف۔ نمبر دو محبت والفت۔ مگر اگر آپ، ان سے دریافت کریں کہ عدل وانصاف کس کو کہتے ہیں، تو وہ اس کا مفہوم نہیں بیان کرسکتے۔ یہی حال محبت کا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عدل اور محبت کی پرواہ کیے بغیر لاکھوں نہیں، کروڑوں انسانوں کو عیسائیت کے فروغ کی خاطر قتل کر دیا گیا، اور یہ سلسلہ ابھی تک تھما نہیں۔ اسی طرح یہودیت کی اصل بنیاد اس اصول پر ہے، کہ تم اپنے پڑوسی کے لیے وہی پسند کرو، جو اپنے لیے پسند کرو۔ لیکن اگر آپ یہود کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا، کہ انہوں نے اپنے پڑوسیوں کو جتنا ستایا، اتنا دنیا میں کسی نے اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستایا ہو گا، اور اب بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، جو اسرائیل کی جارحیت سے عیاں ہے، مگر اسلام، الحمد للہ سنت نبوی کے پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ رہنے کی وجہ سے، قرآن کی تعلیمات پر مکمل طور پر محفوظ چلا آرہا ہے۔ اس طرح اللہ نے سنتِ رسول جس کو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہا جاتا ہے، کے ذریعہ معانی ومفاہیم اور مراد الٰہی کو محفوظ رکھنے کا انتظام کیا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی جو تفسیر کی، جسے "تفسیر بالماثور" کہا جاتا ہے، جس پر امام سیوطی، امام ابن کثیر وغیرہ، بے شمار علماء نے تفسیریں لکھیں، اور ہر آیت کی تفسیر، حدیث رسول سے کر کے دکھائی، وہ درحقیقت اللہ ہی کی جانب سے ہے، کیوں کہ قرآن نے اعلان کیا ہے "**ان علینا بیانه**" (سورۃ القیٰمۃ: پ۲۹/ ۱۹) یعنی اس قرآن کی تفسیر بھی ہم نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ ایک جگہ پر "**جمعه وقرآنه**" ہے، ایک جگہ ارشاد ہے "**وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ**" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اپنے جی سے نہیں کرتے، بلکہ وحی خداوندی ہی ہوتی ہے۔ اسی کو کسی فارسی شاعر نے کہا:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اس پوری گفتگو سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ "تفسیر بالماثور" درحقیقت اللہ ہی کی، کی ہوئی تفسیر ہے، اور ظاہر ہے اللہ ہی اپنی مراد کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ لہٰذا احدیث کی حفاظت سے معانی ومراد خداوندی بھی محفوظ ہو گئے؛ اللہ ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول پر مرمٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

3۔ قرآن کے الفاظ ومعانی کے ساتھ ساتھ، وہ جس زبان میں نازل ہوا، وہ زبان یعنی عربی زبان بھی محفوظ۔ اس کے لیے بھی اللہ نے عجیب انتظام کیا، اس طور پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "**احبوا العرب لثلاث انی عربی، ولسان أھل الجنة عربی، والقرآن عربی**" قرآن نے خود اعلان کیا "**بلسان عربی مبین**" (سورۃ الشعراء: پ۱۹/ ۱۵۹) ہم نے قرآن کو صاف ستھری عربی زبان میں نازل کیا۔ اگر آپ لسانیات کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا دنیا کی کوئی زبان تین چار سو سال سے زیادہ محفوظ نہ رہ سکی، یا تو وہ ختم ہو گئی یا کسی دوسری زبان میں ضم ہو گئی، یا ایسے

تغیر و تبدل کی شکار ہو گئی کہ اس کی پہلی ہیئت باقی نہ رہ سکی، مگر عربی زبان مسلمانوں کی توجہ و عنایت کا ایسا شہکار ہے، جو بیان سے باہر ہے؛ اولاً خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی تربیت میں عربی زبان کی نوک و پلک کی درستگی کو خوب اہمیت دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے بھی، اپنی توجہ کو اس پر مبذول کیا، جیسا کہ حضرت ابو بکر رضي اللہ تعالی عنہ، حضرت عمر رضي اللہ تعالی عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالی عنہ نے تو نحو عربی و صرف عربی کی بنیاد ڈال کر، اسے خاص توجہ کا مرکز بنایا، اور پھر آپ کے بعد اُمت کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا، جس نے اپنی زندگیاں اسی زبان کی حفاظت و ترویج میں وقف کر دی، ابو الاسود الدُویلی، امام سیبویہ، امام خلیل فراہیدی، امام کسائی، امام فراء، امام مبرد، امام اخفش، امام یعصم، امام تغلب، امام ثعلب، امام یشکر، امام ابن حاجب، امام ابن ہشام، امام ابن عقیل، امام ابن جنی، امام نفطویہ، امام زازویہ، امام خالویہ، امام راہویہ وغیرہ نے اپنی پوری زندگیاں صرف و نحو، علمِ بیان وغیرہ کی حفاظت کے لیے وقف کر دیں، جس کی برکت سے آج بھی عربی زبان اسی اصل ہیئت پر باقی ہے، جس ہیئت پر وہ نزول قرآن کے وقت تھی، اور قیامت کے وقوع سے پہلے پہلے تک جب تک اس قرآن کو باقی رکھنے کی اللہ کی مشیت ہو گی، امت کی ایک جماعت اس کارِ خیر میں مشغول رہے گی، انشاء اللہ۔

4. صرف الفاظ و معانی اور قرآنی زبان ہی کی حفاظت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے الفاظ و معانی کی عملی صورت کی حفاظت کا بھی پورے پورے انتظام کیا گیا، اس طور پر کہ قرآن جس لفظ میں نازل ہوتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مراد وحی کی روشنی میں صحابہ کو سمجھاتے، اور سمجھانے کے بعد اسکو عملاً بطور نمونہ، کر کے بھی بتلاتے تھے، جسکو آج کی زبان میں تھیوری (Theory) کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل (Practical) کا بھی اہتمام کیا جاتا، مثلاً نماز، قرآن نے صرف یہ الفاظ کہے "اقیموا الصلوۃ" (سورۃ البقرۃ:۱/۴۳) نماز قائم کرو، مگر پورے قرآن میں کہیں اس کی پوری تفصیل بالترتیب نہیں بتائی گئی، ہاں کہیں قیام، کہیں رکوع، کہیں سجود کو متفرق طور پر بیان کیا گیا، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا طریقہ بالترتیب صحابہ کو بتایا، اور پھر اس کو عملی طور پر کر کے دکھایا اور کہا "صلوا کمارأیتمونی اصلی" نماز ایسی ہی پڑھو جیسی مجھ کو پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ صحابہ نے ایسا ہی کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ نے بھی بدستور اس پر عمل جاری رکھا، اور تابعین بھی انہیں جیسا کرتے رہے، گویا انہوں نے بھی ہو بہو ایسا ہی کیا، اس کے بعد تبعِ تابعین، اس طرح آج تک نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنِ امت کا اس پر تعامل، اس طرح عملی صورت بھی محفوظ ہو گئی، یہ تو ایک مثال ہے، ورنہ صلوۃ العید، صلوۃ الجنازۃ، زکوۃ، صدقہ، قربانی، تلاوت قرآن وغیرہ سب کی عملی صورت آج تک امت کے ذریعہ اللہ رب العزت نے محفوظ رکھی، اسی لیے جب کوئی قرآن کی تفسیر و تشریح میں من مانی کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اُمت میں اس کو تلقی بالقبول (مقبولیت) حاصل نہیں ہوتا، البتہ کچھ افراد جو مفاد پرست ہو یا ان کی اسلامی تربیت نہ ہوئی ہو، یا ضروری علم دین سے واقف نہ ہو، اس کے تابع ہو جاتے ہیں، اور ایسا تو دنیا میں ہوتا ہی ہے، عربی میں محاورہ مشہور ہے "لکل ساقطة لاقطة" ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔



خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کے مفاہیم ومرادوں کو بھی اللہ رب العزت نے تعامل کے ذریعہ محفوظ رکھا، یقیناً دنیا کی کوئی طاقت اللہ کی مشیت کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لایعلمون (سورۃ یوسف: ۱۲/ ۲۱)۔

5. قربان جایئے اس رب کائنات پر، جس نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے ایسے ایسے انتظام کیے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور انسان اس کی کرشمہ سازیوں پر سر دھنتا رہ جاتا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جس ماحول میں قرآن کا نزول ہوا، جس سیاق وسباق میں آیتیں نازل ہوئی، اس ماحول کو بھی تحفظ اور دوام بخشا گیا، حدیث کے ذخیرے نے وہ پورا ماحول اس کی منظر کشی اور نقشہ کشی ہمارے سامنے رکھ دی، جب طالب حدیث اس کو پڑھتا ہے، تو اس کے سامنے چشم تصور میں وہ سارا منظر متشکل ہو کر آجاتا ہے، جس منظر میں قرآن کریم نازل ہوا، جس پس منظر اور پیش منظر میں، قرآن مقدس کے احکام وہدایات پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے، صاحبِ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری اور موجودگی میں عمل درآمد شروع کیا، جس کو علم حدیث میں "حدیثِ مسلسل" کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوئی کہ راوی نے، حدیث کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، یا دیکھا، تو اس وقت جو کیفیت تھی، راوی جس سے روایت بیان کرتا ہے، اس کے سامنے وہی انداز واسلوب اختیار کرتا ہے، جس انداز سے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو اخذ کیا ہو، اور وہ پوری کیفیت بعینہ کر کے دکھاتا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئی ہو، مثلاً "حدیث مسلسل بالتشبیك" اس کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو گناہ اور توبہ کے وقت ایمان کی کیفیت کو بیان کیا، کہ اگر بندہ گناہ کرتا ہے، تو ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے، اور جب توبہ کرتا ہے تو وہ دوبارہ دل میں داخل ہو جاتا ہے، اور آپ نے اپنی انگلیوں کو پرو کر علیحدہ کیا اور کہا ایمان گناہ کے وقت اس طرح نکل جاتا ہے، اور جب توبہ کرے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر پرو کر (جس کو تشبیك الاصابع کہتے ہیں) بتایا، پھر اس صحابی نے بھی اس روایت کو بیان کر کے، اسی طرح کر کے بتایا، اس طرح یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے بظاہر ایسا کرنے سے کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا، اگر نہ بھی کیا جاتا تو بات سمجھ میں آجائے گی، مگر اس کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے، کہ نفسیاتی اور جذباتی طور پر انسان اس ماحول میں چلا جاتا ہے، جس ماحول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو بیان فرمارہے تھے، مسجد نبوی میں یا جس مقام پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرمارہے تھے، تو روحانی طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں وہاں موجود ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے ذریعے دیکھتا چلا آرہا ہوں، بالکل اسی طرح کی کیفیت "اسباب نزول آیات" کے بولتے اور سنتے وقت ہوتی ہے۔

سبب نزول کہتے ہیں، حدیث میں وارد، اُن واقعات کو جو کسی آیت کے نزول کے وقت پیش آیا ہو، اس سے قرآن فہمی میں بڑی مدد ملتی ہے، کیوں کہ جب آیت کا سبب نزول معلوم ہو جائے، تو اس پر مرتب احکام کا درجہ بھی معلوم ہو جاتا ہے، اگر چہ یہ ضروری بھی نہیں قرار کیا گیا، کہ ہر آیت کا سبب نزول ہو، مستقلاً علماء نے اس پر تصانیف چھوڑی، مثلاً امام جلال الدین سیوطی، امام واحدی وغیرہ نے۔

6. قرآن کریم کی حفاظت کی غرض سے جہاں بہت ساری چیزوں کو تحفظ بخشا گیا، وہیں سیرت نبوی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کو بھی محفوظ کیا۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مطالبات پر عمل کر کے بتایا تا کہ کل آکر کوئی ایسا نہ کہے ہم قرآنی مطالبات پر عمل نہیں



کر سکتے، یہ تو بڑے شاق اور دشوار گذار ہیں، تو بطور نمونہ کے آپ ﷺ نے عمل کر کے بتلایا اور عمل بھی ایسا، جیسا اس پر عمل کرنے کا حق ہے، اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضي الله تعالى عنہ سے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں جب دریافت کیا گیا، تو آپ رضي الله تعالى عنھا نے کہا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا "کان خلقه القرآن" آپ ﷺ قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ جہاں کوئی امر نازل ہوا، فوراً عمل کر کے بتایا، اسی لیے قرآن نے اعلان کر دیا "لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة"

(سورۃ الاحزاب: پ۲۱، آیت ۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، اے مسلمانو! تمہارے لیے نمونہ ہے، دنیا میں کسی ہستی کی سیرت وحیات پر اتنا کام نہیں ہوا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر ہوا، اور ہوتا چلا جارہا ہے، آج بھی اس کی افادیت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی ہے، بلکہ مزید اس کی افادیت میں اضافہ ہو رہا ہے، اللھم اجعلنا ممن یتبع الرسول ویطیعه.

7۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب قرآن کے نزول کے لیے منتخب کیا اور آپ ﷺ کے لیے آخری دین، دین اسلام کو تجویز کیا، قرآن کی حقانیت کو باقی رکھنے کے لیے اس کے تقدس وعلو مرتبت کو ثابت کرنے کے لیے صاحب قرآن کی عظمت اور تقدس کو باقی رکھنا بھی امر ناگزیر تھا، اللہ رب العزت نے اس کے لیے جو حیرت انگیز اور تعجب خیز انتظام فرمایا، اسی میں سے ایک یہ کہ آپ ﷺ کے نسب مبارک کو بھی مکمل محفوظ کیا گیا، عرب جو امی، اَن پڑھ تھے، مگر اس کے باوجود اقوام عالم میں ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنے انساب کے یاد رکھنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے یہی اہتمام بعد میں چل کر ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا، اور اس پر کتابیں بھی لکھی گئیں، مثلاً الانساب للامام السمعانی وغیرہ، علم الانساب کہتے ہیں اس ریکارڈ کو جس میں یہ محفوظ کیا جائے کہ کون سا قبیلہ کہاں سے وجود میں آیا، کس قبیلے کے کس آدمی کا باپ کون اس کا دادا کون، اسی طرح اوپر تک اس کی شادی کہاں ہوئی، اس کی اولاد کتنی تھی، عربی قبائل میں کس قبیلے کی کس قبیلے کے ساتھ رشتہ داری تھی وغیرہ۔

اب کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ عربوں کو ان موضوعات سے دلچسپی رہی ہو گی، یا انہیں اس طرح کی معلومات کے جمع کرنے کا شوق رہا ہو گا، لیکن بات اتنی کہنے سے نہیں ٹلتی، ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک حیرت انگیز بات کا انکشاف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "جب ہم انساب کی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں، اور ان کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ایک عجیب وغریب بات سامنے آتی ہے،، بہت عجیب وغریب، اتنی عجیب وغریب، کہ اس کو محض اتفاق نہیں کہا جا سکتا، وہ عجیب وغریب بات یہ سامنے آتی ہے کہ جتنی معلومات محفوظ ہوئیں، وہ مرکوز ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر حالانکہ جس وقت انساب کی حفاظت کا کام شروع ہوا، اس وقت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے "۔ مگر اللہ کو منظور تھا کہ آپ ﷺ کا نسب مکمل محفوظ اور منسلک رہے تا کہ آپ ﷺ کے آباء واجداد کی علو شان، ان کی پاکبازی سے آپ ﷺ کی خاندانی شرافت اور کرامت کا ثبوت فراہم ہو، اور یوں صاحب قرآن کی شان بھی قرآن کے شایان شان ہونے کا ثبوت مہیا ہو جائے، اور کسی بھی ذی ہوش وخردمند کے لیے آپ ﷺ کی تکذیب کا سوال باقی نہ رہے، اور آپ کی تصدیق دل وجان سے قبول کرلے، ہاں مگر یہ کہ اس میں حسد وعناد، سرکشی وشرارت ہو، اس طرح قرآن کی حفاظت اس کے



وقار اور اس کی حقانیت کے ثبوت کے لیے اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کو محفوظ کرلیا، **واللہ علی کل شئ قدیر.** (سورۃ البقرۃ: پ ا، آیت ۱۰۶) **واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون.** (سورۃ یوسف: پ ۱۲، آیت ۲۱)

8. قرآن کے نزول کے وقت اس کے اولین مخاطب اور اس کے اولین حاملین حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین جو براہِ راست مخاطب تھے، قرآن کی حفاظت کے لیے اللہ نے ایک انتظام اور بندوبست یہ بھی کیا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے حالات کو محفوظ کروالیا، ایک اندازے کے مطابق صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی، مگر ان میں سے اکثریت آخری دور میں قبولیت اسلام سے شرف یاب ہوئی، اس اولین حاملین، جنہیں قدیم الاسلام یا اولین مؤمنین کہا جاتا ہے، ان کی تعداد کم وبیش پندرہ بیس ہزار رہی ہوگی، اور جن صحابہ نے آپ ﷺ سے زیادہ کسبِ فیض کیا، ان کے حالات کو بھی اللہ نے محفوظ کرلیا، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ان کے حالات کا علم ہو جائے اور انہوں نے ایمانی تقاضوں اور اسلامی مطالبات کو، جس حسن وخوبی کے ساتھ عملی جامہ پہنایا، اس کی معرفت بھی حاصل ہو جائے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تو رسول تھے، ان کے ساتھ اللہ کی خاص عنایت ورحمت تھی، انہوں نے اگر عمل کیا، یہ ان کی امتیازی شان تھی، مگر جب صحابہ کی زندگیاں بھی اسی نقش قدم پر پائی، تو معلوم ہوجاتا کہ ایسا نہیں اگر انسان ارادہ کرلے، تو مکمل ایمانی تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے، جیسا کہ صحابہ نے پورا کیا، اسی لیے قرآن نے کہا "**امنوا کما آمن الناس**" ایمان لاؤ، صحابہ جیسا ایمان لائے۔ اس میں الناس پر الف لام عہدِ خارجی کا ہے، یعنی حضرات صحابہ۔

صحابہ کے حالات میں ایک عجیب پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ جو صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قریب تھے، ان کے حالات اتنے ہی زیادہ تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، صحابہ کے حالات کی حفاظت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ صاحب قرآن کے اصحاب واحباب کا جب علم ہو تو اس سے آپ ﷺ کے محبِ خیر بلکہ سراپا خیر ہونے کا اندازہ ہو، کیوں کہ آدمی اپنے دوستوں سے جانا جاتا ہے، حدیث شریف میں "**فانظر الی من یخالل**" کہ جب تم کسی کے بارے میں جاننا چاہو تو دیکھو کہ وہ کیسے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کیسا ہے، انسانی تاریخ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد اگر کوئی مقدس اور بہترین گروہ ہے تو وہ گروہِ صحابہ ہے، لہٰذا قرآن اور صاحب قرآن کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا بھی ضروری تھا کہ قرآن پر اجتماعی عمل کیسے ہو؟ سنت اور قرآن کی اجتماعی تشکیل کس طرح ہو؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں امت نے کیسے جنم لیا؟ اور ان سوالات کے جوابات مکمل نہیں ہوسکتے تھے، مگر صحابہ کے احوال کے جانے بغیر، لہٰذا اللہ نے انتظام کیا، اور اولین حاملین قرآن اور اولین عاملین میں سے تقریباً پندرہ ہزار نفوس قدسیہ کے حالات نام بہ نام نسل بہ نسل دستیاب ہیں، اور الحمد للہ امت تب سے لے کر اب تک اور قیامت تک ان کے نقوش وخطوط سے استفادہ کرتی رہے گی، اور قرآن پر عمل کرنے کے لیے اسے معاون سمجھتی رہے گی، **واللہ لطیف بالعباد۔**

9. اب جب صحابہ جو قرآن کے الفاظ ومعانی کے ساتھ ساتھ اس پر انفرادی واجتماعی طور پر عمل کرنے والے اور دنیا کو یہ بتانے والے ٹھہرے کہ قرآن قابل عمل ہی نہیں دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی کا ضامن ہے، تو ان کے حالات کے جاننے کے لیے، ان کے اصحاب جن کو تابعین کہا جاتا ہے، کے حالات کا قلمبند ہونا بھی ضروری تھا، تاکہ صحابہ کے حالات ہم تک یعنی ان کے بعد والوں تک صحیح طور پر پہنچے، تو اس کے لیے، ان تابعین وتبعِ



تابعین کے احوال کاتحفظ بھی ضروری تھا، کرشمہ ٔالٰہی دیکھئے کہ ایسے چھ لاکھ افراد کے بارے میں پورابایوڈاٹایعنی مکمل معلومات کو بھی اللہ نے تحفظ بخشا اور وہ بھی سرسری نہیں بلکہ ان کی پوری تفصیلات کے ساتھ، کہ یہ کون تھے؟ کس زمانہ میں پیدا ہوئے؟ان کی شخصیت کس درجہ کی تھی؟ان کاعلم وفضل کس درجہ کا تھا؟انہوں نے کس کس سے کسبِ فیض کیا؟ان کاحافظہ کیساتھا؟ان میں کیااچھائیاں تھیں وغیرہ۔غرضیکہ اس طور پر منقی ومصفی کرکے سامنے رکھ دیاگیاہے، کہ آدمی ان کی شخصیت سے اطمینان بخش حدتک معلومات حاصل کرلے۔اس کوفن "اسماءرجال" سے تعبیر کیاگیا۔اور ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں کہ یہ ایسافن ہے کہ اس کی مثال دنیاکے کسی مذہبی وغیرمذہبی فن میں نہیں ملتی،نہ مذہبی علوم میں اس کی مثال اورنہ غیرمذہبی علوم میں۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ چیزیں ہیں، جس کو قرآن کی حفاظت کی خاطر اللہ رب العزت نے حیرت انگیزانداز میں تحفظ بخشا،اوراپنے کامل قدرت کامظاہرہ کیا،اللہ ہمیں قرآن کی قدردانی کی توفیق عطافرمائے اور ہمارے ظاہر وباطن کو قرآن کے منشاء کے مطابق بنادے۔آمین یارب العالمین!

باب

قرآنی اعراب

قرآن مجید میں نقطے

امام زرقانی کہتے ہیں کہ: یہ معروف ہے کہ مصحف عثمانی نقطوں کے بغیر تھا......چاہے جوبات بھی ہو مشہور یہی ہے کہ قرآن مجید کے نقطوں کا آغاز عبدالملک بن مروان کے دور خلافت میں ہوا ہے اس لیے کہ جب اس نے یہ دیکھا کہ اسلام کی حدیں پھیل چکی اور عرب وعجم آپس میں گھل مل گئے اور عجمیت عربی زبان کی سلامتی کے لئے خطرہ بن رہی ہے اور لوگوں کی اکثریت قرآن مجید کو پڑھنے میں التباس اور اشکالات کا شکار ہورہی ہے، حتی کہ ان کی اکثریت قرآن مجید کے بغیر نقطوں والے حروف وکلمات کی پہچان میں مشکل کا شکار ہوتے نظر آتے ہیں۔تواس وقت اس نے اپنی باریک بینی اور دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اس مشکل اور اشکالات کو ختم کرنے کاعزم کرتے ہوئے حجاج بن یوسف کو یہ معاملہ سونپا کہ اس کو حل کرے، حجاج بن یوسف نے امیر المومنین کی اطاعت کرتے ہوئے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے دوآدمیوں کو چنااور یہ ذمہ داری نصر بن عاصم اللیثی اوریحیی بن یعمر العدوائی جو عالم باعمل اور زہدورع اور عربی زبان کے اصول وقواعد میں یدطولی رکھنے کی بناپر اس اہم کام کی اہلیت رکھتے تھے،اوروہ دونوں قرآت میں اچھاخاصہ تجربہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ابوالاسود الدولی کے شاگرد بھی تھے۔



اللہ تعالیٰ ان دونوں علم کے عظیم سپوتوں پر اپنی رحمت برسائے یہ دونوں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے اور قرآن مجید کے حروف کلمات پر نقطے لگائے اور اس میں اس کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ کسی حرف پر بھی تین سے زیاد نقطے نہ ہوں۔

بعد میں لوگوں میں یہ چیز عام ہوئی جس کا قرآن مجید کے پڑھنے میں پیدا شدہ اشکالات اور التباس کے ازالہ میں اثر عظیم پایا جاتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصحف پر نقطے لگانے والا سب سے پہلا شخص ابوالاسود الدؤلی ہے، اور ابن سیرین کے پاس وہ مصحف موجود تھا جس پر یحیی بن یعمر نے نقطے لگائے تھے۔ ان اقوال کے درمیان تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ انفرادی طور پر تو ابوالاسود الدؤلی نے ہی نقطے لگائے لیکن عمومی اور رسمی طور پر نقطے لگانے والا شخص عبدالملک بن مروان ہے اور یہی وہ مصحف ہے جو کہ لوگوں کے درمیان عام مشہور ہوا اور تاکہ قرآن میں التباس اور اشکالات کا خاتمہ ہوسکے۔ (مناھل القرآن:1/280،281)۔

حرکات

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زیر، زبر، پیش) بھی نہیں تھیں اور اس میں بھی روایات کا بڑا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے حرکات لگائیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے ابوالاسود دؤلی رحمہ اللہ نے انجام دیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ اور نصر بن عاصم لیثی رحمہ اللہ سے کرایا۔ (قرطبی:۱/۶۳)

اس سلسلے میں تمام روایات کو پیشِ نظر رکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرکات سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے وضع کیں؛ لیکن یہ حرکات اُس طرح کی نہ تھیں جیسی آجکل رائج ہیں؛ بلکہ زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ (ـ٘) زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ (ـ.) اور پیش کے لیے حرف کے سامنے ایک نقطہ (.) اور تنوین کے لیے دو نقطے (..ـ) یا (ـ..) یا (..ـ) مقرر کیئے گئے بعد میں خلیل بن احمد رحمہ اللہ نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں (صبح الاعشی:۳/۱۶۰،۱۶۱)

اس کے بعد حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ، نصر بن عاصم لیثی رحمہ اللہ اور حسن بصریؒ سے بیک وقت قرآن کریم پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی فرمائش کی، اس موقع پر حرکات کے اظہار کے لیے نقطوں کے بجائے زیر، زبر، پیش کی موجودہ صورتیں مقرر کی گئیں؛ تاکہ حروف کے ذاتی نقطوں سے اُن کا التباس پیش نہ آئے۔

عباسی دورِ حکومت

اس دور میں علم نحو کے عظیم ماہر خلیل بن احمد فراہیدی نے ابواسودؒ کے نقط الشکل کو سامنے رکھتے ہوئے وقت کے تقاضوں کے مطابق نئی علاماتِ ضبط ایجاد کیں اور یہی وہ علاماتِ ضبط ہیں جو آج تک رائج چلی آرہی ہیں۔ اس نے الشکل بالنقاط کی بجائے الشکل بالحرکات کا طریقہ ایجاد کیا، یعنی اس نے ضمہ

(پیش) کے لئے حرف کے اوپر چھوٹی سی واؤ، فتحہ (زبر) کے لئے حرف کے اوپر ترچھی لکیر اور کسرہ (زیر) کے لئے حرف کے نیچے ایک ترچھی لکیر اور شد(ّ) یا تشدید کے لئے حرف کے اوپر س کا سرا اور جزم کے لئے ج کا سرا اور مدّ کے لئے حرف کے اوپر آ کی علامت کو اختیار کیا۔ اسی طرح اس نے اصطلاحاتِ وقف 'رَوم' و 'اشمام' کی دیگر علامات وضع کیں۔ پھر خوبصورتی اور اختصار کی خاطر ان علامات میں مزید اصلاحات و ترمیمات کی گئیں۔ اور ارتقا کے ان مختلف مراحل کے بعد علاماتِ ضبط کا یہ طریقہ رائج ہوا جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔

مصحف کی اَجزا (پاروں) میں تقسیم

مصاحفِ عثمانیہ جس طرح نقطوں اور اعراب سے خالی تھے، اسی طرح ان میں اَجزا اور پاروں کی تقسیم بھی نہیں تھی۔ پھر بعض لوگوں نے آسانی کے خیال سے مصحفِ عثمانیہ کو ۳۰ حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حصے کو جز (پارے) کا نام دیا۔ پھر جز کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور پھر ان کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر حصہ کو رُبع کا نام دیا گیا۔ قرآنِ کریم کی یہی تقسیم شروع سے مشہور چلی آ رہی ہے۔

آیات: دورِ اوّل کے بعض کاتبینِ مصاحف آیات کے مابین فاصلوں میں سے ہر فاصلہ کے بعد تین نقطے ڈالتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں یہ آیت ختم ہو چکی ہے۔ نیز وہ سورہ کی ہر پانچ آیات کے اختتام پر (حاشیہ میں) لفظ خمس اور ہر دس آیات کے اختتام پر (حاشیہ میں) لفظ عشر لکھتے تھے۔ چنانچہ قتادہؒ فرماتے ہیں:

بدأوا فنقطوا ثم خمسوا ثم عشروا

"پہلے پہل اُنہوں نے نقطے لگائے۔ پھر خمس کا نشان اور پھر عشر کا نشان لگایا۔"

اسی طرح بعض کاتبین خمس کی بجائے خ اور عشر کی بجائے ع کا سرا استعمال کرتے تھے۔ اور ان میں سے بعض سورت کا نام بھی لکھتے تھے اور ساتھ یہ بھی لکھتے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔ نیز سورہ کے آخر میں آیات کی تعداد بھی تحریر کرتے تھے۔ بعد میں تلاوت اور تجوید کی آسانی کے لئے کچھ مزید رموز و اوقاف بھی وضع کئے گئے جن کی تفصیل مطبوعہ قرآنی نسخوں کے آخر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ان تمام اُمور کے متعلق علما کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے، لیکن دیگر کے نزدیک اس میں کراہت کا کوئی پہلو نہیں ہے اور یہی موقف زیادہ راجح ہے، کیونکہ اس طرح کے رموز و اوقاف قاریٔ قرآن کے لئے سہولت اور قراءت میں مزید اشتیاق کا باعث بنتے ہیں۔



منزلیں

صحابہ اور تابعین کا معمول تھا وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کر لیتے تھے اس مقصد کے لیے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے "حزب" یا "منزل" کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قرآن کو کل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا تھا۔

(البرہان:۱/۲۵۰)

اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے!

وضاحتِ شبہ:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر:9)

ترجمہ: یقیناً ہم نے ذِکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

مذکورہ آیت سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا، اور اگر حدیث نبوی قرآن کریم کی طرح حجت اور دلیل ہوتی تو اس کی بھی حفاظت کا انتظام اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا۔

جوابِ شبہ

پہلی بات:

اللہ تعالیٰ نے "ذِکر" کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور یہ حفاظت صرف قرآن کریم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ذکر سے مراد اللہ تعالی کا نازل کردہ دین وشریعت ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (سورہ النحل:43)

ترجمہ: لہٰذا اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل علم) سے پوچھ لو۔

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی نے جس طرح اپنی کتاب قرآن مجید کی حفاظت فرمائی، اسی طرح سنت کی بھی حفاظت کا بندوبست فرمایا، اور اس کے لیے ایسے لوگ پیدا فرمائے جنہوں نے اس کو سیکھا اور سکھلایا، یاد کیا اور اس کے کھرے اور کھوٹے میں فرق واضح کر دیا۔

دوسری بات:



اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (سورہ النحل:44)

ترجمہ: یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف یہی نہیں تھی کہ جو کلام آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا، اسے پڑھ کر لوگوں کو سنادیا کریں یا لکھوادیا کریں، بلکہ یہ بھی ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل ہوا اس کا مطلب اور تشریح اور وضاحت بھی لوگوں کو بتائیں۔

تو اگر ہم یہ مان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن مجید کی حفاظت کی ضمانت دی ہے اور سنت کی نہیں تو اس طرح تو قرآن سے فائدہ ادھورا (نامکمل) رہ جائے گا، کیونکہ قرآن خود بتارہا ہے کہ اس کے بیان اور وضاحت کی ضرورت باقی رہتی ہے اور یہ بھی آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے۔

تیسری بات:

قرآن کے بیان (وضاحت) کے بغیر اس کی اتباع ناممکن ہے، کیونکہ قرآن کریم کے بہت سے احکامات مختصر طور پر ذکر کیے گئے ہیں، جیسے نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ ان احکامات کی تفصیلات ہم نہیں جانتے سوائے اس کے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنے بیان (وضاحت) سے آگاہ کیا تو اگر احادیث محفوظ نہیں تو ان احکامات پر عمل کی کیا صورت ہو گی!

نماز کیسے؟ اور کب؟ ادا کی جائے گی، زکوٰۃ کتنے مال پر؟ اور کتنی ادا کی جائے گی؟ اور حج کا طریقہ کار کیا ہو گا!۔

چوتھی بات:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (سورہ النحل:64)

ترجمہ: اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لئے اتارا ہے کہ آپ ان کے لئے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ ایمان داروں کے لئے راہنمائی اور رحمت ہے۔

مذکورہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کے مشن کا ذکر ہے، جو آپ ﷺ پر رسالت کی ذمہ داری کے حوالے سے تھا، اور وہ یہ کہ قرآن کریم کی وضاحت کرنا، اور اختلافات کو حل کرنا، تو کیا آپ ﷺ نے وہ مشن پورا فرمایا؟ اگر ہاں اور یقیناً ہاں تو وہ (وضاحت) محفوظ ہے یا نہیں؟، اگر جواب نفی میں ہے تو



پھر اس وضاحت کا فائدہ نہیں اور اگر جواب اثبات میں ہے تو وہ کہاں محفوظ ہے؟! یقیناً وہ احادیث کی شکل میں محفوظ ہو کر (اللہ تعالی کی تدبیر سے) ہم تک پہنچی ہیں۔

پانچویں بات:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (سورہ المائدہ:3)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

اگر ہم یہ دعوی مان لیں کہ سنت کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالی نے نہیں لیا اور اس میں جھوٹ کی آمیزش ہوئی یہاں تک کے اس میں سے سچ اور جھوٹ کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا!

تو پھر ہمارے لئے دین کی تکمیل کیا ہے؟ یا یہ تکمیل صرف صحابہ کے لیے خاص تھی؟!

اگر یہ تکمیل سب کے لیے تھی تو ضروری ہے کہ جو کچھ بھی رسول اللہ ﷺ نے دین کے بارے میں کہا وہ سب کا سب بغیر ردوبدل کے محفوظ ہو!

چھٹی بات:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنے بندوں کے ذریعہ ہی سے محفوظ فرمایا، اور اگر ہم تاریخ علم حدیث کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے سنت کی بھی اسی طرح اپنے بندوں کے ذریعہ حفاظت کروائی، جنہوں نے سنت کی حفاظت کے لئے نہ صرف اپنی زندگیاں صرف کیں بلکہ اس کے دفاع میں اپنی جانیں اور قیمتی اشیاء بھی بے دریغ قربان کر دیں، جو اس بات کی تصدیق ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کی سنت کو اسی طرح محفوظ رکھا ہے جیسے اس نے اپنی کتاب کی حفاظت فرمائی ہے۔

امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو حدیث نبوی کی حفاظت کے لیے پیدا کیا جنہوں نے اس میں سے جھوٹ، فریب اور غلط بات کو علیحدہ کیا، اور انہوں نے اسے بہت احتیاط سے محفوظ کیا"۔ تفسیر ابن رجب الحنبلی(1/605)

علماء حدیث کی اس تعلق سے منفرد کاوشیں اور کوششوں کی جھلک دیکھنے کے لیے امام خطیب بغدادی کی کتاب "شرف أصحاب الحديث" اور "الرحلة في طلب الحديث" دیکھنا مفید ہو گا.

ساتویں بات:



یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں؛ ایک بیان اور دوسری مبیَّن، بیان سے مراد وضاحت اور تشریح ہے، مبیَّن سے مراد وہ نص ہے جس کی وضاحت کی گئی ہو۔ اور جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ قرآن حکیم کے بیان کی ذمہ داری نبی ﷺ کو سونپی گئی تھی، تو قرآن مبیَّن ہوا اور آپ ﷺ کے فرامین اسکا بیان ہوئے اور یہ واضح ہے کہ جو بیان نبی ﷺ نے فرمایا وہ قرآن میں تو موجود نہیں ہے، لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ بیان، مبیَّن سے علیحدہ چیز کا نام ہے جو کہ حدیث نبوی ہی ہے، جس کی حفاظت در حقیقت قرآن مجید کی حفاظت کا ہی ایک لازمی حصہ ہے۔

کتابت مصاحف اور علم الرسم

رسم کا لغوی معنی، ''نشان'' ہے یعنی لفظ کی کتابت کا نشان۔

جبکہ اصطلاحی معنی ہے، کلمہ کی ابتداء اور اس پر وقف کا لحاظ کرتے ہوئے، اس کے حروف تہجی کے ساتھ اس کی شکل بنانا۔

ہر کلمہ میں اصل حکم یہ ہے کہ اسے بلا نقص وزیادت اس کے منطوق حروف کے ساتھ لکھا جائے، اس کو رسم قیاسی کہتے ہیں۔ قرآن مجید کے اکثر کلمات اس رسم قیاسی کے مطابق مرسوم ہیں۔ صرف چند کلمات ایسے ہیں جو رسم قیاسی کے خلاف لکھے ہوئے ہیں اور انہیں رسم عثمانی کے قواعد نقص وزیادت یا ابدال وغیرہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

رسم عثمانی کے چھ قواعد ہیں

1۔ حذف،

2۔ زیادت،

3۔ ہمزہ،

4۔ بدل،

5۔ فصل ووصل

6۔ وہ کلمہ جس میں دو قراءات ہوں اور اسے ایک کے مطابق لکھا گیا ہو۔

ا۔ حذف

اس کی تین انواع ہیں:

(اَ)حذف اشارہ:

حذف اشارہ سے مراد وہ حذف ہے جو بعض قراءات کے موافق ہو۔ جیسے:

﴿وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً﴾(البقرۃ:۵۱)

اس آیت مبارکہ میں لفظ﴿وَاعَدْنَا﴾ کو حذف الف اور اثبات الف دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور حذف الف کی قراءت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے واؤ کے بعد الف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جبکہ اثبات اَلف کی قراءت اَصلی کلمہ ﴿المواعدۃ﴾ سے مستنبط

ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے موسی علیہ السلام سے وحی کا اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے طور پہاڑ پر آنے کا وعدہ کیا۔[1]

(ب)حذف اختصار:

جیسے جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم کے الف کا حذف ہے۔

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ﴾(المائدہ:۴۱)

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ......﴾(الاحزاب:۳۵)

ان تمام کلمات میں الف محذوف ہے۔

(ج)حذف اقتصار:

جو بعض کلمات کو چھوڑ کر بعض کے ساتھ خاص ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ﴾(الأنفال:۴۲)

اس آیت مبارکہ میں لفظ﴿الْمِيعَادِ﴾ میں عین کے بعد الف محذوف ہے۔

۲۔زیادت

جیسے:﴿أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ﴾(النمل:۲۱) یہاں الف زیادہ ہے۔



﴿أُولُو الْأَلْبَابِ﴾(ص:۲۹) یہاں واؤزیادہ ہے۔

﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْيدٍ﴾(الذاریات:۴۷) یہاں یاءزیادہ ہے۔

۳۔بدل:

یعنی ایک حرف کی جگہ دوسراحرف لکھ دینامثلاً الف کی جگہ واؤ لکھنا۔ جیسے((الصلوة،الزكوة،الحيوة))

[1] حجية القراءات:۹۶.

۴۔فصل ووصل

یعنی کلمہ کومابعد سے کاٹ دینایااس سے ملادینامثلاً:

اَم کی مَّن سے قطع کی مثال:﴿أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾(النساء:۱۰۹)

اَم کی من سے وصل کی مثال:﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ﴾(الملک:۲۱)

۵۔ہمزہ:

رسم ہمزہ کے متعدد احوال ہیں، جن کاخلاصہ یہ ہے کہ ہمزہ یاتوساکنہ ہوگا یامتحرکہ ہوگا۔ پھر ہمزہ ساکنہ یاتو متوسطہ ہوگا یامتطرفہ ہوگا۔ ہمزہ ساکنہ مذکورہ دونوں صورتوں میں اپنے ماقبل حرف کی حرکت کے موافق لکھاجائے گا۔ اگر ماقبل حرف مفتوح ہو تو الف کی صورت میں جیسے ﴿أنشأتم﴾ اگر مکسور ہو تو یاء کی صورت میں جیسے ﴿نبئ﴾ اور اگر مضموم ہو تو واؤ کی صورت میں جیسے ﴿اللؤلؤ﴾۔

ہمزہ متحرکہ اگر ابتداءکلام میں واقع ہو تو مطلقاًالف کی صورت میں لکھاجائے گا جیسے((أبصر،إخراج،أعيذك))

اور اگر درمیان کلمہ میں واقع ہو اور اس کاماقبل متحرک ہو تو ہمزہ مفتوحہ ماقبل فتحہ الف سے لکھاجائے گا جیسے:﴿سألوا﴾ جبکہ ہمزہ مکسورہ ماقبل حرکات ثلاثہ یاءسے لکھاجائے گا جیسے ﴿يئسوا،بارئكم،سُئلت﴾ اسی طرح ہمزہ مفتوحہ یامضمومہ ماقبل کسرہ بھی یاءسے لکھاجائے گا۔ جیسے ﴿فئة، سنقرئك﴾۔

اگر ہمزہ مفتوحہ ضمہ کے بعد یاہمزہ مضمومہ فتحہ کے بعد واقع ہو توان دونوں صورتوں میں واؤ سے لکھاجائے گا جیسے:﴿رؤوف،مؤجلا﴾



اگر ہمزہ متحرکہ کا ماقبل ساکن ہو تو اس کی صورت کو حذف کر دیا جائے گا جیسے ﴿یسئمون، نساء کم﴾ الا یہ کہ ہمزہ مکسورہ الف ساکن کے بعد واقع ہو، اس کو یاء کی صورت پر لکھا جائے گا۔ جیسے ﴿قائمة﴾ یا ہمزہ مضمومہ الف ساکن کے بعد واقع ہو، اس کو واؤ کی صورت پر لکھا جائے گا جیسے: ﴿هاؤم﴾

ہمزہ متحرکہ اگر متطرفہ ہو اور اس کا ماقبل حرف بھی متحرک ہو تو ہمزہ کو ماقبل حرف کی حرکت کے مطابق لکھا جائے گا جیسے ﴿بدأ، قرئ، نقرؤه﴾ اور اگر ماقبل حرف ساکن ہو تو ہمزہ کی صورت محذوف ہو گی جیسے: ﴿ملء، شيء، سوء﴾ یہ رسم ہمزہ کے عمومی قواعد ہیں۔

بعض کلمات ان عمومی قواعد سے مستثنیٰ ہیں جو مخصوص رسم پر لکھے جاتے ہیں جیسے: ﴿ر ء یا﴾ (مریم:۷۴) اس کلمہ کو ایک یاء سے لکھا گیا ہے اور ہمزہ کی صورت کو حذف کر دیا گیا ہے تاکہ اجتماع مثلین نہ ہو۔[1]

اسی طرح لفظ ﴿تُئوی﴾ اور ﴿تُئویه﴾ کو ایک واؤ سے، اور لفظ ﴿الر ء یا﴾ کو بحذف واؤ سے لکھا گیا ہے۔

ان مستثنیٰ کلمات کے رسم میں متعدد اسرار اور موز ہیں، جن میں سے بعض سے ہم واقف ہو چکے ہیں اور بعض سے ابھی تک ناواقف ہیں۔ [2]

٦۔ وہ کلمہ جس میں دو قراءات ہوں اور اسے ایک کے مطابق لکھا گیا ہو۔

اس کی مثالیں:

﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ﴾ (البقرۃ:۱۳۲)

اہل مدینہ اور اہل شام کے مصاحف میں ﴿وأوصى﴾ اور باقی مصاحف میں ﴿وَوَصَّى﴾ مرسوم ہے تاکہ ہر شہر کی قراءات کے موافق ہو جائے۔

﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ (آل عمران:۱۳۳)

اہل مدینہ اور اہل شام کے مصاحف میں ﴿سارعوا﴾ بدون واؤ، جبکہ باقی مصاحف میں ﴿وَسَارِعُوا﴾ واؤ کے ساتھ مرسوم ہے۔ تاکہ ہر شہر کی قراءات کے موافق ہو جائے۔ (اس کی متعدد مثالیں پہلے گذر چکی ہیں۔)

[1] سمير الطالبين:۷۸. [2] المقنع:۴۳، ۳۳، ۶۱۔ الاتقان:۲۱۲۔ سمیر الطالبین:۷۶۔ ومابعدھا.

ان قواعد کے بارے میں اہل علم کا موقف

چونکہ رسم عثمانی، رسم قیاسی کے قواعد کے خلاف ہے، لہٰذا اہل علم کا دو وجوہ سے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

پہلی وجہ:

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مصاحف لکھے تھے، وہ قواعد عربیہ اور خط عربی کے ماہر تھے، انہوں نے مصاحف کا ایک بڑا حصہ ان قواعد کے مطابق ہی لکھا ہے اور اگر بعض کلمات کو ان قواعد کے مخالف لکھا ہے تو وہ بھی بعض اَسرار ورموز کی بنیاد پر لکھا ہے۔ جو قرآن مجید کے مقام ومرتبے اور اس کی تلاوت کی کیفیت کے مطابق ہیں۔

معروف لغوی علامہ ابن فارس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عربیت کی معرفت پر سب سے بڑی دلیل ان کا مصاحف کو ان علل پر لکھنا ہے جو نحوی حضرات ذوات الیاء، ذوات الواؤ، مد، ہمزہ اور قصر میں بیان فرماتے ہیں، چنانچہ انہوں نے ذوات الیاء کو یاء سے، ذوات الواؤ کو واؤ سے اور ہمزہ ما قبل ساکن کو بدون صورت لکھا ہے۔ جیسے ﴿الخبء، الدفء، الملء﴾ پس یہ رسم حجت بن چکی ہے۔ حتیٰ کہ بعض اہل علم رسم مصحف کی مخالفت کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ مجھے عبدالرحمن بن حمدان نے بیان کیا ہے۔ وہ محمد بن جہم السمری سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے امام فراء سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

''مجھے رسم مصحف کی اتباع... اگر وہ کلام عرب کی کسی وجہ کے موافق ہو... اور قراءۃ قرآن، ان کی مخالفت کرنے سے زیادہ محبوب ہیں۔[1]''

[1] الصاحبی فی فقہ اللغۃ العربیۃ ومسائلھا: ۱۸، طبع دار الکتب العلمیۃ.

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آپ دیکھیں انہیں نے کیسے ﴿الصراط﴾ اور ﴿المصیطرون﴾ کو سین سے مبدلہ صاد کے ساتھ لکھا ہے اور اَصلی کلمہ سین سے اعراض کر لیا ہے۔ تاکہ سین والی قراءت اصل کے مطابق نکل آئے... جو اگرچہ رسم کے مخالف ہے... اور رسم اور اصل والی دونوں قراءات برابر ہو جائیں اور اشمام والی قراءت کا احتمال پیدا ہو جائے۔ اگر اس کلمہ کو اصل کے مطابق سین سے لکھا جاتا تو اشمام والی قراءت فوت ہو جاتی اور غیر سین والی قراءت کو رسم اور اَصل دونوں کے خلاف سمجھا جاتا۔[1] یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاعراف والے ﴿بصطۃ﴾[2] میں صاد کے ساتھ لکھے جانے کی وجہ سے اختلاف مشہور ہے۔ جبکہ سورۃ البقرۃ والے ﴿بسطۃ﴾[3] میں سین کے ساتھ لکھے جانے کی وجہ سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔[4]''

[1] امام مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سین کے ساتھ ﴿السراط﴾ پڑھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ اس کلمہ کی اصل سین ہے۔ اس کو صاد کے ساتھ اس کے بعد طاء کی وجہ سے بدلا گیا ہے، اور صاد کے ساتھ پڑھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ ہم رسم مصحف کے مطابق پڑھتے ہیں۔ سین حرف مہموس ہے جس میں پستی ہے اور اس کے بعد طاء حرف مطبق ہے جس میں بلندی ہے۔ لہٰذا مہموس پست حرف کے بعد مطبق بلند حرف کو پڑھنا دشوار ہے۔ اس لیے سین کو صاد سے بدل دیا گیا ہے تاکہ صاد اور طاء میں قربت پیدا ہو جائے اور ان دونوں حروف کو ایک ہی دفعہ بلندی سے پڑھنا زبان پر آسان ہو جائے۔ جمہور عرب اور اکثر قراء کرام اس مذہب پر ہیں۔ اشمام زاء سے پڑھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ صفت جہر میں صاد کی طاء سے مخالف



ہے۔ کیونکہ صاد حرف مہموس ہے اور طاء حرف مجہور ہے۔ لہٰذا صاد میں جہر کرنے کے لیے اس میں زاء کا اشمام کرتے ہیں۔ کیونکہ زاء حرف مجہور ہے۔ چنانچہ طاء سے قبل ایسا حرف آجاتا ہے جو صفت اطباق اور صفت جہر میں طاء کے مشابہ ہے۔(الکشف عن وجوہ القراءات السبع:۱/۳۴،۳۵).[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَزَادَكُمۡ فِي ٱلۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةٗ﴾(الاعراف:۶۸).[3]ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَزَادَهُۥ بَسۡطَةٗ فِي ٱلۡعِلۡمِ وَٱلۡجِسۡمِ﴾ (البقرۃ:۲۴۷).[4]النشر:۱/۱۲،اس کا مطلب یہ ہے کہ سورہ بقرہ کا﴿بسطۃ﴾ سین سے مکتوب ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ تمام قراء سین کے ساتھ پڑھنے پر متفق ہیں۔ جبکہ سورۂ اعراف کا﴿بَصۜۡطَةٗ﴾ صاد سے مکتوب ہے اور اس میں دو قراءات ہیں۔ اس کا یہ معنی بھی نہیں ہے کہ قراءت رسم کے تابع ہے۔ رسم مصاحف، قراءات سے متاخر ہے اور قراءت سنت متبعہ ہے۔ ہمارا مقصود یہاں یہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ ایسے رسم پر لکھے گئے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت تمام وجوہ کا احتمال رکھتے تھے اور یہ رسم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مصاحف کو صحیح قواعد واساس پر لکھا تھا۔

ان قواعد (یعنی حذف وزیادت، ابدال، قطع ووصل وغیرہ) کی اتباع کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ یہ اپنے اندر متعدد اَسرار ورموز کو سموئے ہوئے ہیں۔ اب ہم ان قواعد کے اَسرار ورموز کو تفصیلاً مثالوں کے ساتھ بیان کریں گے۔

قواعد رسم عثمانی کے اَسرار ورموز

(اَ)زیادت:

اس قاعدے کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔﴿مائة﴾ میں الف کی زیادتی اس کلمہ اور﴿منه﴾ کے درمیان فرق کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ کیونکہ اس دور میں مصاحف نقاط وحرکات سے خالی تھے۔ اور﴿مائتين﴾ کو اس کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے۔ یہ دونوں کلمات جہاں بھی آئیں زیادتی الف سے لکھے جائیں گے۔

۲۔﴿أولی﴾ میں واؤ کی زیادتی اس کلمہ اور﴿إلی﴾ حرف جارہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ اسی طرح﴿أولئك﴾ میں واؤ کی زیادتی اس کلمہ اور﴿إليك﴾ میں فرق کرنے کے لیے کی گئی ہے اور دیگر کلمات﴿اولوا، اولات، اولاتكم﴾ کو اس کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے۔[1]

۳۔﴿وَٱلسَّمَآءَ بَنَيۡنَٰهَا بِأَيۡيْدٖ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ﴾(الذاریات:۴۷) کے لفظ﴿بِأَيۡيْدٖ﴾ میں یاء کی زیادتی اس کلمہ اور﴿الأيد﴾ بمعنی قوت میں فرق کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ [2]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ﴿بِأَيۡيْدٖ﴾ قوت وقدرت کے معنی میں ہے۔ [3]

اہل علم کا اس امر میں اختلاف ہے کہ لفظ﴿بِأَيۡيْدٖ﴾ میں پہلی یاء زائدہ ہے یا دوسری یاء زائدہ ہے؟

[1]النشر:۱/۹۲۔۴۵۷.[2]البرہان:۱/۳۸۷.[3]القرطبی:۱۷/۵۲.

ہمارے موجودہ مصاحف میں دوسری یاء کی زیادتی پر عمل ہے، یہی وجہ ہے کہ گول دائرہ دوسری یاء پر لگایا جاتا ہے۔ جیسے:﴿بِأَيۡيْدٖ﴾

(ب) حذف:

اس قاعدہ کی مثالیں درج ذیل ہیں:

حذف اَلف:

قرآن مجید میں حذف الف کی متعدد و متنوع مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے بعض اختلاف قراءات اور بعض دیگر اسباب کی طرف لوٹتی ہیں۔ جن کے اسرار نامعلوم ہیں۔ اہل علم حذف کو تین اقسام (حذف اشارہ، حذف اختصار اور حذف اقتصار) میں تقسیم کرتے ہیں۔ جن کا معنی اور مثالیں پہلے گذر چکی ہیں۔

☆ عجمی اَسماء سے حذف الف کی اَمثلہ:

امام ابو عمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”تمام اہل علم نے عجمی مستعمل اسماء کے الف کو حذف کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ جیسے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، ہارون اور لقمان وغیرہ، اور سلیمان، صالح اور مالک جیسے غیر عجمی اسماء کے الف کو بکثرت استعمال کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔ لیکن وہ عجمی اسماء جو کثرت سے مستعمل نہیں ہیں وہ الف کے ساتھ مرسوم ہیں جیسے: ((الطالوت، جالوت)) یا ((یاجوج وماجوج)) وغیرہ۔[1]“

☆ دو یا دو سے زیادہ قراءات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حذف الف کی مثالیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَخۡدَعُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمۡ﴾ (البقرۃ:۹)

اس آیت مبارکہ کے لفظ ﴿وَمَا يَخۡدَعُونَ﴾ کو بدون الف لکھا گیا ہے تاکہ ﴿وَمَا يُخَادِعُوْنَ﴾ بالالف والی قراءت کا احتمال باقی رہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَرَى ٱلشَّمۡسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَٰوَرُ عَن كَهۡفِهِمۡ﴾ (الکہف:۱۷)

اس آیت مبارکہ کے لفظ ﴿تزور﴾ میں تین قراءات ہیں:

۱۔ ﴿تَزۡوَرُّ﴾ زاء کے سکون، راء کی تشدید اور بدون الف، یہ ابن عامر اور یعقوب کی قراءت ہے۔

۲۔﴿تَزَاوَرُ﴾زاء مخففہ کے فتحہ،راء کی تخفیف اور زاء کے بعد الف سے۔یہ کوفیوں کی قراءت ہے۔

۳۔﴿تَزَّاوَرُ﴾زاء مشددہ کے فتحہ،راء کی تخفیف اور زاء کے بعد الف سے۔یہ باقی قراء کی قراءت ہے۔

چنانچہ اس کلمہ کو﴿تزور﴾بحذف الف لکھا گیاہے تاکہ تینوں قراءات پڑھی جاسکیں۔جس طرح﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾سے دونوں قراءات پڑھی جاتی ہے۔[1]

حذف واؤ:

(أ)وہ کلمات جن میں ضمہ پر اکتفاء کرتے ہوئے واؤ کو حذف کیا گیاہے،اور یہ کل چار افعال ہیں۔

۱۔﴿وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ ....﴾(الاسراء:۱۱)یہاں لفظ﴿يَدْعُ﴾کی واؤ محذوفہ ہے۔اس کی اصل﴿یدعو﴾ہے۔

۲۔﴿وَيَمْحُ اللهُ الْبَاطِلَ﴾(الشوری:۲۴)یہاں﴿وَيَمْحُ﴾کی واؤ حذف ہے۔اس کی اصل﴿ویمحو﴾ہے۔

۳۔﴿يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ ....﴾(القمر:۶)یہاں﴿يَدْعُ﴾کی واؤ محذوف ہے۔اس کی اصل﴿یدعو﴾ہے۔

۴۔﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾(العلق:۱۸)یہاں﴿سَنَدْعُ﴾کی واؤ محذوف ہے۔اس کی

---

[1]اتحاف فضلاء البشر:۲/۲۱۰.

اصل ﴿سندعو﴾ ہے۔[1]

(ب)وہ کلمات جن میں نون اضافت کی وجہ سے اور واؤ اکتفاء ضمہ کی وجہ سے محذوف ہے

جیسے:﴿وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(التحریم:۴)یہ کلمہ اصل میں ﴿وصالحون﴾ ہے۔

حذف یاء:

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یاء کو حذف کیا گیا ہے۔خواہ وہ یائے اَصلیہ ہو جیسے:﴿الداع﴾اس کی اَصل ﴿الداعی﴾ ہے،یا یائے زائدہ ہو جیسے: ﴿فارھبون،فاتقون﴾۔

مصاحف میں تخفیفاً یاء کو حذف کیا جاتا ہے اور یہ عرب کے ہاں ایک معروف لغت ہے۔وہ کہتے ہیں:((جاء نی القاضِ،مررت بالقاضِ))وہ یاء پر کسرہ کی دلالت کی وجہ سے یاء کو حذف کر دیتے ہیں۔یہاں تک بحث کا تعلق لغت کے اعتبار سے ہے۔[2]

بسا اوقات یاء کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے،کہ وہ اثبات یاء اور حذف یاء دونوں قراءات پر دلالت کر سکے۔بعض قراء کرام اس کو وصلاً و وقفاً حذف کرتے ہیں،بعض اس کو وصلاً و وقفاً ثابت رکھتے ہیں اور بعض وصلاً ثابت رکھتے ہیں اور وقفاً حذف کرتے ہیں۔

[1]علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ مذکورہ چاروں افعال میں واؤ کو،فعل کے وقوع کی سرعت،فاعل پر اس فعل کی سہولت اور شدت قبولیت پر دلالت کرنے کے لیے حذف کیا گیا ہے۔ا۔﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾اس میں فعل کی سرعت اور پکڑنے کی قوت پر دلالت ہے اور یہ بہت بڑی وعید ہے۔۲۔﴿وَيَمْحُ اللهُ الْبَاطِلَ﴾اس میں حق کے جلدی آنے اور باطل کے جلدی سے بھاگ جانے پر دلالت ہے۔۳۔﴿وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ﴾اس کلمہ میں حذف واؤ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ انسان کے لیے شر کو قبول کرنا انتہائی آسان ہے اور وہ خیر کی نسبت اسے جلدی قبول کر لیتا ہے۔۴۔﴿يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ﴾اس میں حذف واؤ،دعاء اور اس کی قبولیت کی سرعت دونوں پر دلالت کر رہی ہے۔(البرھان:۱/۳۹۷،۳۹۸.[2]الکشف عن وجوہ القراءات السبع:۱/۳۳۱.)

وصل کے قائم مقام سمجھ کر حذف کر دیتے ہیں۔

جو اسے وصلاً و وقفاً ثابت رکھتے ہیں وہ اصل کا اعتبار کرتے ہیں۔

اور جو اسے وصلاً ثابت رکھتے ہیں اور وقفاً حذف کر دیتے ہیں،وہ وصل میں اصل کا اعتبار کرتے ہیں اور وقف میں رسم مصحف کا اعتبار کرتے ہیں،کیونکہ خط عموماً وقف وابتداء کے موافق لکھا جاتا ہے۔جب یاء خط میں ثابت نہ ہو تو اسے وقف رسم کی اتباع میں حذف کر دیتے ہیں۔[1]



بدل:

بدل کالغوی معنی عوض ہے، جبکہ اصطلاح میں بدل سے مراد ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف لانا ہے۔ قرآن مجید میں بدل کی متعدد صورتیں ہیں جیسے الف کو واؤ یا یاء سے، سین کو صاد سے، ھاء کو تاء، اور نون کو الف سے بدل دینا۔ ان تمام حروف کو متعدد اسرار و علل کی بنیاد پر بدلا جاتا ہے، جنہیں یہاں بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ بعض کلمات میں اَلف کو یاء سے لکھا جاتا ہے، تاکہ اصل پر دلالت ہو سکے کہ یہاں اَصلاً یاء ہے۔ جیسے ﴿رمى، أعطى، استسقى، اهتدى﴾ ان کلمات میں امالہ کرنے والوں کے لیے امالہ کیا جائے گا۔

۲۔ بعض کلمات میں الف کو واؤ سے لکھا جاتا ہے تاکہ اصل پر دلالت ہو سکے کہ اس کی اصل واؤ ہے جیسے ﴿الصلوة﴾ اس کی جمع ﴿صلوات﴾ آتی ہے۔ اسی طرح لفظ ﴿الربا﴾ ہے جو ربا یربو سے مشتق ہے۔

۳۔ ھاء کی تاء سے کتابت: بعض کلمات میں ھائے تانیث کو تاء کے ساتھ اور بعض میں ھاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ جن کلمات میں ھاء سے مرسوم ہے جیسے: ﴿رحمة، نعمة، كلمة﴾ ان میں وقف بالھاء کرنے پر تمام قراء کا اتفاق ہے۔

اور جن کلمات میں وہ تاء کے ساتھ مرسوم ہے جیسے: ﴿رحمت، نعمت، كلمت﴾ ان

[1] الکشف عن وجوہ القراءات السبع: ۱/ ۳۳۳.

میں وقفا قراء کرام کے لیے دو وجوہ ہیں:

پہلی وجہ:... ھاء کے ساتھ وقف، جس طرح مرسوم بالھاء اصل کلمات میں وقف بالھاء پر تمام قراء کا اتفاق ہے... یہاں کے تاء کو ھاء سے بدل دیں گے۔

دوسری وجہ:... تاء کے ساتھ وقف، کیونکہ مصحف میں تاء لکھی ہوئی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعض کلمات کے رسم میں فرق کیا ہے۔ بعض کلمات کو تاء کے ساتھ لکھا ہے، تاکہ اس سے دونوں قراءات نکل سکیں۔ اس کے برعکس مرسوم بالھاء کلمات میں صرف ایک ہی وجہ ہے۔[1]

قطع ووصل:

علم الرسم کے اہم ترین ابواب میں سے ایک ((باب القطع والوصل)) ہے۔ اس کو مقطوع اور موصول بھی کہتے ہیں۔

اہل علم نے ہر قاری پر اس کی معرفت کو واجب قرار دیا ہے، تاکہ ہر کلمہ پر مصاحف عثمانیہ میں مرسوم اس کے رسم کے مطابق وقف کر سکے۔



جب کلمہ اپنے غیر سے مفصول ہو تو قاری کے لیے عند الضرورہ اس کے کسی ایک جزء پر وقف کرنا جائز ہے۔ جیسے بچوں کو تعلیم دیتے وقت، امتحان لیتے وقت یا سانس ختم ہو جاتے وقت وقف کر لینا۔

اور اگر وہ اپنے مابعد کے ساتھ موصول ہو تو صرف اس کے دوسرے جزء پر وقف کرنا جائز ہے۔ [2]

اس کی مثالوں میں ایک ﴿أم﴾ کا ﴿من﴾ کے ساتھ موصول و مقطوع ہونا ہے۔

یہ دونوں کلمات چار جگہ پر باہم مفصول مرسوم ہیں۔

پہلی جگہ:...﴿أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾(النساء:۱۰۹)

دوسری جگہ:...﴿أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا﴾(التوبہ:۱۰۹)

تیسری جگہ:...﴿أَم مَّنْ خَلَقْنَا﴾(الصافات:۱۱)

چوتھی جگہ:...﴿أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾(فصلت:۴۰)

ان چاروں مقامات کے علاوہ قرآن مجید میں ہر جگہ موصول لکھے ہوئے ہیں جیسے:

﴿أَمَّن لَّا يَهِدِّي﴾(یونس:۳۵)

﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ﴾(النمل:۶۲)

﴿أَمَّن يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ﴾(النمل:۶۳)

نیز یہ بات یاد رہے کہ بعض کلمات کا مخصوص رسم، اختلاف قراءات کی طرف لوٹتا ہے اور اس کی تین انواع ہیں۔

پہلی نوع:...وہ کلمہ جس میں دو قراءات ہوں اور اسے ایک قراءت پر لکھا گیا ہو، جیسے: ﴿صِرَاطَ﴾، ﴿وَيَبْسُطُ﴾، ﴿الْمُصَيْطِرُونَ﴾

دوسری نوع:...وہ کلمہ جس میں دو قراءات ہوں اور اسے ایک قراءت کے رسم پر لکھا گیا ہو اور وہ رسم دونوں کا احتمال رکھتا ہو جیسے: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾(الفاتحہ:۴) اس آیت مبارکہ میں لفظ ﴿مَالِكِ﴾ بدون الف مرسوم ہے جو الف والی قراءت کا بھی احتمال رکھتا ہے۔



تیسری نوع:... وہ کلمہ جس میں دو یا دو سے زیادہ قراءات ہوں اور اسے ہر مصحف میں بھیجے گئے شہر کی قراءت کے موافق لکھا گیا ہو جیسے: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ (البقرۃ:۱۱۶) یہ کلمہ شامی مصحف میں ﴿قَالُواْ﴾ بدون واؤ مرسوم ہے اور امام ابن عامر شامی کی قراءت بھی بدون واؤ ہے۔ جبکہ باقی مصاحف میں واؤ کے ساتھ مکتوب ہے۔ اس کی متعدد مثالیں پہلے ہی گذر چکی ہیں۔[1]

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ کی اس مخصوص رسم پر کتابت کے متعدد اَسرار و رموز ہیں، جن میں سے بعض سے ہم آگاہ ہو چکے ہیں اور بعض سے ابھی تک لاعلم ہیں۔

امام ابو عمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رسم اور نقط میں سے کوئی شے بھی ایسی نہیں ہے، جسے سلف نے بطور اصطلاح استعمال کیا ہو۔ مگر انہوں نے صحت وصواب کی وجہ کو پانے کے لیے پوری کوشش کی ہے، اور اس کے ذریعے وہ لغت و قیاس کے رستے پر چلے ہیں۔ وہ علم و فن اور فصاحت وبلاغت کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ جس نے جان لیا سو جان لیا، اور جو جاہل رہا سو جاہل رہا۔ فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔[1]''

دوسری وجہ: کیا کتابت مصحف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تسامع ہے؟

کتابت مصاحف میں اختلاف کا سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قواعد رسم سے ناآشنا ہونا اور صنعتوں سے دور ہونا ہے۔ یہ قول معروف مؤرخ علامہ ابن خلدون کی طرف منسوب ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''ابتدائے اسلام میں عربی خط اتقان وجودت میں انتہائی، بلکہ متوسط درجے تک بھی نہ پہنچا تھا، کیونکہ عرب بداوت وتوحش کے زیادہ قریب تھے اور صنعتوں سے دور تھے۔ آپ دیکھیں کہ مصحف کے رسم میں اسی لیے خطا واقع ہوئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مصحف کو اپنے خطوط کے مطابق لکھا تھا، جو ابھی تک جودت میں غیر مستحکم تھے۔ اسی لیے ان کے خطوط نے متعدد مقامات پر جدید صنعت خط کی مخالفت کی ہے۔ پھر تابعین عظام نے انہی کے رسم پر اکتفا کر لیا۔ اور اسے تبرک سمجھ کر محفوظ کر لیا، کیونکہ وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی، مخلوق میں سے بہترین اور آپ سے براہ راست وحی اخذ کرنے والے تھے۔ جس طرح عصر حاضر میں کسی بادشاہ یا عالم دین کے خط کو محفوظ کر لیا جاتا ہے اور صحیح وغلط دونوں طرح کے رسم میں اس کی اتباع کی جاتی ہے... حالانکہ ان کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیا نسبت ہے... اسی طرح ان کے خط کی اتباع کی گئی اور ان کے رسم کو ثابت کر لیا گیا اور علماء نے اس کے مقامات کی نشاندہی فرما دی۔''

پھر مزید فرماتے ہیں:

''آپ اس امر میں بعض مغفلین کے دعوے پر ہر گز توجہ نہ دیں جو کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صنعت خط کے ماہر تھے۔ ان کے خطوط کی قواعد رسم کے ساتھ مخالفت کو جو رنگ دیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک کی ایک وجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ﴿لَأَذْبَحَنَّهُ﴾ جیسے کلمات میں الف کی زیادتی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ فعل ذبح ابھی واقع نہیں ہوا اور ﴿بِأَيْيدٍ﴾ جیسے کلمات میں یاء کی زیادتی کمال قدرت ربانی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ اور اس جیسی دیگر مثالیں اٹکل پچو کے سوا کچھ نہیں ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ انہیں اس مقام پر اس عقیدے نے لا کھڑا کیا ہے کہ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت وشان ہے۔ کیونکہ ان کا گمان ہے کہ مہارت خط میں انسانی کمال ہے اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ خط کے ماہر نہیں تھے تو یہ کہنے میں ان کی گستاخی اور توہین ہے۔ لہٰذا اس توہین سے بچنے کے لیے ان کی طرف مہارت خط کی نسبت کی جائے۔ حالانکہ ایسا طرز عمل صحیح نہیں ہے۔[1]"

اس رائے کے حاملین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب بعض آثار سے استدلال کیا ہے۔ جن کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے بعض کلمات کے رسم میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ ان آثار میں سے چند درج ذیل ہیں:

ا... ((عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ الْقُرَشِيِّ، قَالَ: لَمَّا فُرِغَ مِنَ الْمُصْحَفِ أُتِيَ بِهٖ عُثْمَانَ، فَنَظَرَ فِيهِ، فَقَالَ: قَدْ أَحْسَنْتُمْ وَأَجْمَلْتُمْ، أَرٰى فِيهِ شَيْئًا مِنْ لَحْنٍ، وَسَتُقِيمُهُ الْعَرَبُ بِأَلْسِنَتِهَا))

"[1] حارث بن عبد الرحمن سے مروی ہے، وہ عبد الاعلی بن عبد اللہ بن عامر القرشی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب مصحف مکمل کر لیے گئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لائے گئے۔ آپؓ نے ان میں دیکھا اور فرمایا: تم نے بہت حسین وجمیل کام کیا ہے۔ میں ان میں کچھ لحن دیکھتا ہوں، عنقریب عرب اسے اپنی زبان دانی سے درست کر لیں گے۔))"

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ لَحْنِ الْقُرْآنِ: "إِنَّ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ"[1] "وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ[2]"، "وَالَّذِينَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ[3]"، فَقَالَتْ: يَا ابْنَ أُخْتِي! هٰذَا عَمَلُ الْكُتَّابِ أَخْطَاءُوْا فِي الْكِتَابَةِ[4]

"((ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے قرآن مجید کی ان آیات ﴿ان هذن لسحرن﴾، ﴿والمقيمين الصلوة﴾ اور ﴿والذين هادوا والصابؤن﴾ میں لحن کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: اے بھانجے! یہ کاتبوں کا کیا دھرا ہے، انہوں نے کتابت میں غلطی کی ہے۔'

مذکورہ رائے کا رد:

مذکورہ رائے کا متعدد پہلوؤں سے رد کیا جا سکتا ہے۔ ا۔ یہ دعویٰ ہی باطل ہے کہ عربی کتابت عہد نبوی میں لغت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز وقاصر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کتابت جزیرہ عرب کے شمال میں بلاد انباط میں پیدا ہوئی، پھر سیاست کے ماتحت مشرق کی طرف پھیل گئی اور عراق کے



شہر حیرہ میں ارتقائی مراحل طے کرتی رہی اور اسلام سے قبل عراق عربی میں عام ہو گئی۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ مکہ میں عربی کتابت حیرہ سے آئی۔ لہٰذا یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اہل مکہ نے اہل حیرہ سے کتابت سیکھ کر غیر قریش کو بھی سکھلائی ہو۔

[1]عہد اسلام سے قبل کے خطوط و نقوش سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب آمد اسلام سے تین صدیوں سے بھی زیادہ پہلے کتابت کیا کرتے تھے، اگرچہ ان میں کتابت بعثت نبوی کے قریب جا کر زیادہ معروف ہوئی۔

[2]مؤرخین نے ایسے متعدد افراد کے نام ذکر کیے ہیں جو دور جاہلیت میں کتابت سکھلایا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک عمرو بن زرارۃ تھے، جنہیں کاتب کہا جاتا تھا۔ ایک غیلان بن سلمہ تھے، اور قبیلہ بنو ثقیف کتابت کے حوالے سے سب سے زیادہ مشہور و معروف تھا

[3] لقیط بن یعمر الأیادی لغت عربی کا کاتب اور معروف شاعر تھا، وہ بلاد فارس میں ترجمان کی خدمات انجام دیا کرتا تھا۔ وہ اپنی قوم کی طرف خط لکھ کر کہتا ہے۔ سَلَامٌ فِي الصَّحِيْفَةِ مِنْ لَقِيْطٍ اِلٰى مَنْ بِالْجَزِيْرَةِ مِنْ أَيَادٍ "سلام ہو، خط کے ٹکڑے میں، لقیط کی جانب سے، جزیرہ میں بنو ایاد کی طرف۔

[1]"اس زمانے میں صرف مرد ہی کتابت و قراءت نہیں جانتے تھے، بلکہ بعض عورتیں بھی کتابت سے واقف تھیں۔ ان میں سے ایک سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قبیلے سے تعلق رکھنے والی عورت الشفاء بنت عبد تھیں جو اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کتابت کیا کرتی تھیں۔ اس نے سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کو کتابت سکھلائی۔

[2]فتوح البلدان (٦٦٠) میں ہے کہ مکہ میں دخول اسلام کے وقت سترہ افراد کتابت جاننے والے موجود تھے۔ جب اسلام مدینہ میں داخل ہوا تو کتابت نے خوب ترقی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کا چار ہزار درہم فدیہ مقرر کیا اور فرمایا کہ جو شخص یہ فدیہ نہیں دے سکتا وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو کتابت و قراءت سکھا کر آزاد ہو جائے۔

[3] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف کتابت جانتے تھے، بلکہ نقاط و شکل سے بھی آگاہ تھے۔ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وَجُرِدَتِ الْمَصَاحِفُ جَمِيْعُهَا مِنَ النُّقَطِ وَالشَّكْلِ لِيَحْتَمِلَهَا مَا صَحَّ نَقْلُهُ وَثَبَتَ تِلَاوَتُهُ عَنِ النَّبِيِّ

"[4]تمام مصاحف کو نقط و شکل سے خالی رکھا گیا تاکہ ان کا رسم صحیح نقل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تلاوت کا احتمال رکھے۔" سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں):

جَرِّدُوْا الْقُرْآنَ لِيَرْبُوْ فِيْهِ صَغِيْرُكُمْ وَلَا يَنْأَى عَنْهُ كَبِيْرُكُمْ

'[5] قرآن مجید کو نقاط و حرکات سے خالی رکھو، تاکہ تمہارے بچے اسی میں پرورش پائیں اور تمہارے بڑے اس سے مدافعت کریں۔" یعنی مصاحف کو نُقَط، فواتح اور أعشار وغیرہ سے خالی رکھو تاکہ تمہارے بچے یہ نہ سمجھیں کہ یہ بھی قرآن کا حصہ ہیں۔ مذکورہ دلائل کی روشنی میں امام ابن خلدون کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ ابتداء اسلام میں عربی خط، اتقان وجودت کے اعلیٰ معیار پر فائز نہیں تھا۔



2۔ سابقہ دلائل کو بنظر غائر پڑھنے والا شخص اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مصاحف کی کتابت انتہائی دقت نظر کے ساتھ فرمائی ہے، اور اگر انہوں نے کسی جگہ حروف کو نطق سے کم یا زیادہ لکھا ہے تو ان اَسرار و حکم کی بنیاد پر لکھا ہے جو پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔ نیز انہوں نے اگر ایک ہی کلمہ کو مختلف مقامات پر مختلف صورتوں کے ساتھ لکھا ہے تو اس کی وجہ اس کلمہ میں قراءات قرآنیہ کا اختلاف ہے۔ مثلاً: ایک کلمہ ﴿الأیکۃ﴾ قرآن مجید میں چار مقامات پر آیا ہے۔

پہلا ...:﴿وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ﴾) الحجر:۷۸

دوسرا ...:﴿كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ﴾) الشعراء:۱۷۶

تیسرا ...:﴿وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ﴾) ص:۱۳

چوتھا ...:﴿وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ﴾) ق:۱۴ (مذکورہ کلمہ کو سورۃ الشعراء اور سورہ ص میں بدون الف قبل اللام ﴿لَئَيْكَةِ﴾ اور سورۃ الحجر اور سورۃ ق میں بالالف قبل اللام ﴿الْأَيْكَةِ﴾ لکھا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ الشعراء اور سورۃ ص میں دو قراءات پائی جاتی ہیں: پہلی قراءت ...: ﴿لَئَيْكَةِ﴾ بدون الف، بفتح اللام، بدون ہمزہ بعد اللام اور غیر منصرف ہونے کی بنا پر تائے تانیث پر فتح، یہ نافع، مکی، شامی اور ابو جعفر کی قراءت ہے۔ دوسری قراءت ...: ﴿الْأَيْكَةِ﴾ اَلام سے پہلے ہمزہ وصلی، لام کے سکون اور اس کے بعد ہمزہ مفتوحہ اور تائے تانیث کے کسرہ سے، یہ باقی تمام قراء کرام کی قراءت ہے اور یہ دونوں قراءات ہی صحیح اور متواتر ہیں۔ جبکہ سورۃ الحجر اور سورۃ ق میں صرف ایک ہی قراءت پائی جاتی ہے، لہٰذا ان دونوں مقامات پر اس کلمہ کو ﴿أَلْأَيْكَةِ﴾ ہمزہ وصلی، سکون لام، ہمزہ مفتوح بعد اللام اور کسرہ تاء سے پڑھا گیا ہے۔

[1] مذکورہ مثال سے مستنبط نتائج

مذکورہ مثال سے درج ذیل دو نتائج مستنبط ہوتے ہیں:

پہلا نتیجہ:... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کلمات کو دقیق قواعد وضوابط کے مطابق لکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دین اور اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منتخب فرمالیا ہے۔ لہٰذا ان کی طرف اس جیسے عظیم الشان کام میں غلطی اور خطا کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔

دوسرا نتیجہ:... قراءت سنت متبعہ ہے، اس میں اجتہاد و قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ورنہ مثال مذکورہ میں کلمہ ﴿أَلْأَيْكَةِ﴾ میں بعض جگہ دو قراءتیں اور بعض جگہ ایک قرائت نہ پڑھی جاتی۔ تمام جگہ یا تو ایک ہی قراءت ہوتی یا پھر دو ہوتیں۔ نیز اس کلمہ میں بدون ہمزہ وصلی ﴿لَئَيْكَةِ﴾ والی قراءت کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ رسم سے مستنبط ہے، مردود ہے۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ قراءت، کتابت سے مقدم ہے۔ رسم سے

قراءات قرآنیہ کے استنباط کا نظریہ، کہ مصاحف عثمانیہ چونکہ نقاط وحرکات سے خالی تھے اور بعض کلمات کو ایک مخصوص طریقہ کے مطابق لکھا گیا تھا، جس کے سبب قراءات کا اختلاف پیدا ہو گیا، ایک الحادی نظریہ ہے۔ جو بعض مستشرقین کی جانب سے شریعت کے مصدر اول قرآن مجید کی صحت میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے۔

(اردو شاملہ قرآن مجید کا رسم وضبط جامعہ ازہر اور جامعہ ام القریٰ کے استاد دکتور شعبان محمد اسماعیل سے استفادہ کر سکتے ہیں)

علم الرسم کی نوعیت

"الجمع الصوتی الاول للقرآن" کے مؤلف ڈاکٹر لبیب السعید نے اپنی کتاب کی تمہید میں علامہ عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ قرآن کے دیباچہ سے یہ عبارت (بصورت ترجمہ) نقل کی ہے:

"لیس فی الدنیا کتاب وضعت فی خدمته مثل هذه الكثرة من المواهب التي وضعت في خدمة القرآن- ولا مثل هذه الوفرة من العمل والوقت والمال"(۱)

اصل انگریزی عبارت یوں ہے:

“There is no book in the world in whose service so much talent, so much labour ،so much time and money have been expended as has been the case with the Quran.(2)

خدمت قرآن کے بیسیوں میدان اور مطالعۂ قرآن کے سینکڑوں عنوان ہیں۔ اور قرآن کریم سے متعلق یہ "علمی میدان" اور "علمی عنوان" متعدد تحریکات اور سینکڑوں۔ تالیفات کو وجود میں لائے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم اور بنیادی میدان ہے، النص القرآنی (کلمات قرآن) کی (مصحف میں)

کتابت۔ اور اسی (کتابت مصحف) کے قواعد وضوابط کے بیان کا علمی عنوان ہے۔ "علم الرسم"۔ اور اس علم کا مختصر سا تعارف ہی اس مقالہ کا مضوع ہے۔

2۔ عربی زبان میں "لکھائی" کے لیے متعدد (قریباً) ہم معنی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً الکتابة، الخط، الزبر، السطر، الرقم، الرشم (بالشین)، الرسم اور الھجاء وغیرہ (۴)۔ ان میں سے قرآن کریم کی کتابت کے ضمن میں لفظ "خط" سے عموماً خطاطی اور خوشنویسی کا بیان اور اس کی تاریخ



مراد لی جاتی ہے۔اور یہ خطاط اور مؤرخ خط کا میدان ہے۔اور "الھجاء" اور "الرسم" (اور اس کے مشتقات) اور ان پر مبنی بعض تراکیب، املاء قرآن (۵) کے اصول و قواعد کے معنوں میں ایک علم اور فن کا اصطلاحی نام بن چکے ہیں۔

علم الرسم کے لئے مختلف ادوار میں مختلف الفاظ

گزشتہ چودہ صدیوں میں اس علم کے نام کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔مثلاً ابتداء میں تو کتابت یا خط کے لفظ ہی سامنے آئے (٦) پھر آگے چل کر مختلف اسباب وعوامل کی بنا پر اس کے لیے "ھجاء" کا استعمال شروع ہوا۔مثلاً "ھجاء المصاحف"، "ھجاء مصاحف الامصار"، "ھجاء التنزیل" وغیرہ۔لفظ "الھجاء" کے لفظی معنی ہیں: حرفوں (کے ناموں) کی ابتدائی آوازوں سے لفظ بنانا۔مثلاً بکر کا ھجاء "ب ک ر" ہے۔اس طرح ھجاء المصاحف کا مطلب ہوا: قرآن کے لفظوں کو لکھنے کے لیے ان کے حرفوں کو ترتیب وار گن کر باہم جوڑنے کا طریقہ یا اس کے قواعد۔

قریباً پانچویں صدی ہجری سے لفظ "الرسم" اور "مرسوم" کا استعمال شروع ہوا مثلاً "رسم المصحف"، "رسم مصاحف الامصار"، "مرسوم المصاحف"، "رسم القرآن"، "مرسوم خط التنزیل" وغیرہ۔ابن خلدون (ت ۸۰۸ھ) نے اسے فن الرسم اور الرسم المصحفی لکھا ہے (۷)۔قلقشندی نے اسے المصطلح الرسمی اور الاصطلاح السلفی کہا ہے (۸)۔

گیارھویں بارھویں صدی ہجری سے "رسم" کے ساتھ (ترکیب میں) حضرت عثمانؓ یا ان کی طرف منسوب مصاحف کا نام زیادہ استعمال ہونے لگا مثلاً "رسم المصاحف العثمانیہ"، "رسوم مصاحف عثمان"، "رسم المصحف الامام" اور "الرسم العثمانی" وغیرہ۔آج کل اس کے لیے جامع اصطلاح "علم الرسم" یا صرف "الرسم" اختیار کی جاتی ہے۔اس لفظ کے علی الاطلاق استعمال کی صورت میں یعنی کسی توصیفی یا اضافی ترکیب کے بغیر– بھی اس سے مراد "رسم المصحف" ہی ہوتا ہے۔اردو میں اس کے لیے "رسم قرآن"، "قرآنی رسم الخط" یا "رسم عثمانی" (۹) کے الفاظ اور فارسی میں "املاء قرآن" اور بعض دفعہ "رسم مصحف" کی اصطلاح کا رواج ہے۔

الرسم کے لفظی معنی ہیں اثر یا نشان– اور اس کی جمع رسوم (آثار–نشانات) آتی ہے۔غالباً قرآن کریم کی کتابت کے آداب و قواعد کے لیے اس لفظ کے مختص ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں عہد نبوی اور عہد راشدین کی کتابت اور طریق املاء کو ایک یادگار کے طور پر محفوظ کر لینے کا تصور شامل ہو گیا ہے۔اسی تاریخی پہلو کی طرف اشارہ کے لیے "علم الرسم" کی تعریف ہی "الخط المرسوم فی المصاحف العثمانیہ" سے کی جاتی ہے (۱۰) اور اسے رسم عثمانی کہنے کی بنیاد بھی تاریخی ہے۔



سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ہود علیہ السلام عربی زبان میں لکھا کرتے تھے اسی طرح ان سے مروی ہے کہ عربی خط سب سے پہلے سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اجازت کیا کہ کتابت عربی کے موجد اول کے بارے میں متعدد اعراب پائی جاتی ہیں جنہیں امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ 113/1 میں نقل کیا ہے

پھر وہ ان اراء کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے کلام عرب قبیلہ جرہم سے سیکھی جو مکہ میں سیدہ ہاجرہ علیہ السلام کے پاس اترے اور اللہ تعالی نے ان کی زبان پر فصیح عربی جاری فرمائے یہ بات تو واضح ہے کہ عہد نبوت میں کتابت جاننے والوں کی تعداد انتہائی قلیل تھی جن میں سے مکہ میں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سیدنا ابو یوسف ابوسفیان سیدنا طلحہ بن عبید اللہ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان سیدنا ابان بن سعید اور سیدنا الاعلی بن المقری جبکہ مدینہ میں سیدنا عمر بن سعید سیدنا ابی بن کعب سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا منظر بن عمر رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین قابل ذکر ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو تعلیم اور کتابت کی نشر واشاعت پر خصوصی توجہ دی حتی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو تعلیم اور کتابت کی نشر واشاعت پر خصوصی توجہ دی حتی کہ غزوہ بدر میں گرفتار ہونے والے بعض مفلس قیدیوں کا فدیہ مسلمانوں کے بچوں کو کتابت و قرات سکھلانا مقرر کیا ان اصطلاحات کے نتیجہ میں کتابت ہر طرف پھیل گئی اور تمام مفتوح اس اسلامی مملکت میں عام ہو گئی مسلمان اہل علم نے کتابت کے اصولوں قواعد مدون کیے اور ان پر بعض تحسین یات داخل کی جس سے وہ اپنی موجودہ کامل ترین شکل میں سامنے آ گئی علمائے کوفہ اس میدان کے سب سے بڑے شاہ سوار تھے یہی وجہ ہے کہ خط کی نسبت علمائے کوفہ کی جانب کی جانے لگی اور اسے خط کوفی کہا جانے لگا علماء کوفہ کے بعد علمائے بصرہ نے اس میدان میں خدمات سار انجام دیں یہاں تک کہ بنو عباسیہ کے خلیفہ مقتدر باللہ کے وزیر ابو علی محمد بن مقبلہ نے خط کوفی میں مناسب تبدیلیاں کی اور اسے موجودہ شکل میں تبدیل کیا اس کام کی انجام دہی میں انہیں ابو الحسن علی بن حلال البغدادی المعروف بن باب المعروف بن البواب کی معاونت حاصل رہی ان کے بعد ہر دور میں متعدد اہل علم نے اس میدان میں شاندار خدمات سر انجام دیں یہاں تک کہ کتابت رونق خوبصورتی اور حسن ترکیب میں اپنی اس موجودہ شکل تک پہنچی۔

چونکہ املاء قرآن بعض باتوں میں عام عربی املاء سے مختلف ہے اس لیے دونوں کا فرق واضح کرنے کے لیے بعض دفعہ عام املاء کے لیے بھی "رسم" کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے مگر ترکیب کے ساتھ مثلاً [الرسم القرآنی یا الرسم الاصطلاحی کے مقابلے پر] **الرسم الاملائی، الرسم القیاسی یا الرسم المعتاد** کہہ لیتے ہیں (۱۱)۔ اور ان دونوں کے باہمی فرق اور اختلاف کی وجہ سے علم الرسم کی منطقی حد (تعریف) یوں بیان کی جاتی ہے

"ھو علم تعرف بہ مخالفات خط المصاحف العثمانیۃ لاصول الرسم القیاسی (۱۲)

[علم الرسم وہ علم ہے جس کے ذریعے مصاحف عثمانیہ کی املاء میں رسم قیاسی کی مخالفت اور اختلافات کا پتہ چلتا ہے]۔

علم الرسم کی مندرجہ بالا تعریف اور تعارف سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا تعلق حضرت عثمانؓ اور ان کے مصاحف سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ علم الرسم کی تمام کتابوں میں سب سے پہلے جمع و تدوین قرآن کے تین معروف مراحل یعنی عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں اس عمل کے



دواعی اور اس کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے۔ قرآن کریم کے اس عثمانی ایڈیشن یعنی مصاحف عثمانیہ کی تیاری ایک معروف واقعہ ہے۔ یہاں اس کی تفصیلات میں جانا باعث طوالت ہوگا نیز اس وقت ہمارا اصل مرکزی موضوع بھی یہ نہیں ہے۔ تاہم چونکہ "علم الرسم" کی بنیاد یہی مصاحف عثمانیہ بنے، اس لیے اصل موضوع

(الرسم) کی مناسبت سے مصاحف کے بارے میں چند امور قابل ذکر ہیں

۱ (حضرت عثمانؓ کا زمانہ خلافت محرم ۲۴ھ تا ذی الحجہ ۳۵ھ یعنی بارہ سال ہے۔ اس دوران حضرت عثمانؓ کا یہ مصاحف کی تیاری والا کام کب شروع ہوا؟ اور کب اختتام کو پہنچا؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ تاریخی بحث کی تفصیل میں گئے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کام ۲۵ھ تا ۳۰ھ کی درمیانی مدت میں ہی مکمل ہوگیا تھا(۱۳)۔ گویا یہ کام آنحضرت ﷺ کی وفات سے ۱۵ تا ۲۰ سال کے اندر اندر۔ اور غارِ حرا میں پہلی وحی کے نزول سے پچاس سال سے بھی کم عرصے میں (۱۴) سرانجام دیا جاچکا تھا۔

۲ (ان مصاحف کی کتابت میں سب سے اہم کردار حضرت زید بن ثابتؓ کا تھا۔ انہوں نے عہد نبوی میں بھی کتابتِ وحی کا کام کیا تھا۔ عہد صدیقی میں قرآن کریم کی صحف [چھوٹے چھوٹے اجزاء— جن میں سے ہر ایک جزء کم از کم ایک سورت پر مشتمل تھا(۱۵)] میں مکمل کتابت میں بھی ان کا بڑا حصہ تھا۔ اس ۱۵-۲۰ سال کے عرصے میں عربی املاء کے اصول و قواعد میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا۔ [یہ تغیرات پہلی صدی ہجری کے اواخر میں سامنے آتے ہیں]۔ اور اہم کاتب بھی ایک ہی آدمی رہا۔ اس لیے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت یا ان کے ساتھ کام کرنے والے کمیٹی کے دوسرے ارکان نے مصاحفِ عثمانیہ کی کتابت اسی طریق املاء کے مطابق کی جو اس وقت حجاز خصوصاً مدینہ منورہ میں رائج تھا۔ اور یہ طریق املاء یقیناً عہد نبوی میں رائج خط اور املاء سے مختلف نہیں تھا۔

۳ (مصاحفِ عثمانیہ نقط اور اعجام سے معرّیٰ تھے۔ اس لیے ہر نسخہ کے ساتھ پڑھانے والا ایک مستند قاری بھی بھیجا گیا تھا۔ عہد نبوی سے ہی تعلیم قرآن کی بنیاد محض تحریر پر نہیں بلکہ تلقی اور سماع پر رکھی گئی تھی۔ لوگوں نے اپنی روزانہ تلاوت کے لیے اپنے علاقے کے صدر مقام پر بھیجے گئے مصاحفِ عثمانیہ سے اپنے لیے مصاحف تیار کرنا اور کرانا شروع کر دیئے۔ اب ہر نیا مصحف مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک— یا ان سے ہو بہو نقل کردہ کسی ایک نسخہ (مصحف)— کی صحیح نقل ہوتا تھا۔ قرآن کریم کی درست قراءت استاد کی شفوی تعلیم پر— اور قرآن کی درست کتابت مستند اصل سے ہو بہو نقل پر— منحصر تھی۔ مصاحفِ عثمانیہ کی اس ہو بہو نقل کو ہی مصاحفِ عثمانیہ کے رسم (طریق املاء) کا التزام کہا جاتا ہے۔

۴ (حضرت عثمانؓ نے کتنے مصاحف تیار کرائے تھے اور وہ کس کس شہر میں بھیجے گئے؟ روایات میں ان کی تعداد چار سے آٹھ تک بیان کی گئی ہے (۱۶) دو نسخے (مصحف) تو مدینہ منورہ میں رہے ایک پبلک کے لیے مسجد نبوی میں رکھا گیا اور ایک حضرت عثمانؓ کی ذاتی نگرانی میں رہا، جسے **المصحف الامام** بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق میں ایک ایک مصحف (مع قاری) بھیجا جانا ثابت ہے [چار مصاحف والی روایت میں غالباً صرف ان مصاحف کی بات کی گئی ہے جو مدینہ منورہ سے باہر بھیجے گئے تھے۔]۔ کہتے ہیں کہ ایک ایک نسخہ یمن اور بحرین کے لیے بھی بھیجا گیا

تھا، بلکہ بعض نے بحرین کی بجائے مصر میں ایک نسخے کے بھیجے جانے کا ذکر بھی کیا ہے(۱۷)۔ تاہم جن مصاحفِ عثمانیہ سے نقل ہو کر مزید مصاحف تیار ہوئے اور جن کے رسم کا گہری نظر سے لفظ بہ لفظ بلکہ حرف بحرف تنقیدی اور تقابلی مطالعہ کر کے "علم الرسم" کی بنیاد رکھی گئی۔ اس میں صرف پانچ مقامات کے مصاحف عثمانیہ [یا ان سے تیار ہونے والے مصاحف] کا ذکر کتب رسم میں کیا جاتا ہے۔ یعنی مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق کے مصاحف (۱۸)۔

۵ (جغرافیائی اعتبار سے اسلامی مملکت کے مختلف حصوں کے لیے ان ارسال کردہ مصاحفِ عثمانیہ کی مرکزی حیثیت کچھ اس طرح مقرر کر دی گئی یا عملاً ہو گئی کہ مکہ اور مدینہ کے مصاحف تمام جزیرہ نمائے عرب کے لیے۔ بصرہ اور کوفہ کے مصاحف تمام مشرقی علاقوں کے لیے اور دمشق کا مصحف شام کے علاوہ تمام مغربی (افریقی) علاقوں کے لیے۔ نئے مصاحف کی تیاری کے لیے اصل کا کام دینے لگے۔ ان مصاحف۔ اور ان کی نقول کو مکی، مدنی، کوفی، بصری اور شامی کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

۶ (آگے چل کر علماء رسم نے مختلف مصاحف کے ذکر کے لیے کچھ اصطلاحات مقرر کر لیں مثلاً مدینہ منورہ کے دونوں نسخوں (خاص اور پبلک والے) کا ذکر کرنا ہوتا تو "مدنیین" کہتے اور "مدنیین" اور مکی (یعنی تینوں کا) ذکر کرنا ہوتا تو "الحجازیہ" یا "الحرمیۃ" کہتے اور کوفی اور بصری (دونوں) کے لیے مجموعی طور پر "العراقیین" کی اصطلاح استعمال کرتے۔ تاہم یہ اصطلاحات اس وقت استعمال کرتے جب اصل مصاحفِ عثمانیہ مراد ہوتے اور اگر ان سے تیار ہونے والی نقول مراد ہوتیں تو صرف مصاحفِ عراقی، مصاحفِ اہل الشام وغیرہ کہہ کر ذکر کیا جاتا(۱۹)۔ کتب الرسم میں ان اصطلاحات کا استعمال عام ہے۔

۴) (ان مراکز خمسہ میں سے ہر ایک مرکزی شہر میں وہاں قیام پذیر صحابہؓ کے ہاتھوں قراء کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جو قراءت کے ساتھ رسم الکلمات (کا طریقہ) بھی بیان کرتے تھے یعنی ادھر بھی توجہ دلاتے تھے۔ نقط و اعجام سے معرّی مصحف سے قراءت روایت کی بنا پر اور استاد سے بالمشافہ ہی سیکھی جاسکتی تھی۔ تاہم اس مروی قراءت کے مطابق اپنا (ذاتی) مصحف تیار کرنے کے لیے مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک سے یا اس سے نقل شدہ کسی مصحف سے نقل مطابق اصل کئے بغیر بھی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ باجماع صحابہؓ یہی مصاحف صحت کا معیار قرار پائے تھے۔ اس طرح شروع سے ہی قراءت اور رسم ساتھ ساتھ چلے۔

اور یہ "نقل مطابق اصل" کا کام اس لیے بھی ضروری تھا یا یوں کہئے کہ "نقل صحیح" کے اس عمل سے یہ بات بھی سامنے آنے لگی تھی کہ مصاحفِ عثمانیہ میں ایسے کلمات بھی ہیں، جن کی کتابت میں کوئی یکساں اصول اختیار نہیں کیا گیا تھا مثلاً لفظ "کتاب" کہیں الف کے ساتھ اور کہیں بحذف الف (کتب) لکھا گیا تھا۔ یا مثلاً لفظ "نعمۃ" یا "رحمۃ" عموماً تو تائے مربوطہ (ۃ) کے ساتھ ہی لکھے گئے مگر بعض مقامات پر تائے مبسوط (ت) کے ساتھ لکھے گئے تھے۔ اور ایک ہی مصحف کے اندر اس قسم کے تفاوت اور اختلاف کی متعدد صورتیں موجود تھیں۔ آگے چل کر ایسے تمام مقامات کا حصر اور کتابت مصاحف میں اس فرق کو برقرار رکھنا علم الرسم کا ایک اہم مسئلہ بن گیا۔



۵) (جیسا کہ ابھی بیان ہوا صحابہؓ نے مصاحف کی کتابت اپنے زمانے کے رائج "طریق املاء" یارسم کے مطابق ہی کی تھی۔ اس زمانے میں یہی طریق املاء عام کتابت کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا اور یہ طریقہ تابعین (بلکہ تبع تابعین) کے دَور تک جاری رہا(۲۰)۔ کہ قرآنی املاء اور عام عربی املاء میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ ایک لفظ جس طرح قرآن میں لکھا جاتا تھا۔ شعر وادب میں یا کسی سرکاری یا ذاتی مراسلات وغیرہ میں بھی اسی املاء کے ساتھ لکھا جاتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کی قرآنی املاء (یارسم) کے بعض طریقے عام عربی املاء میں اس طرح رچ بس گئے کہ اس کی بعض یادگاریں عام عربی املاء میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر ابھی آگے چل کر آئے گا۔

٦) (جب کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیاں علمی مرکز کے طور پر اُبھریں اور یہاں عربی زبان ولغت اور شعر وادب کے ساتھ ساتھ صَرف اور نحو کے علوم کی ایجاد اور تدوین ہوئی- اور علمی، سرکاری اور روزمرہ کی سطح پر عربی زبان میں کتابت کی بھی بکثرت ضرورت پڑنے لگی، تو علماء وقت نے عربی املاء کو صرفی اور نحوی اصولوں کی روشنی میں یکساں اور کلی قواعد کے ماتحت کرنا ضروری سمجھا۔ اور اس کے لیے بنیادی طور پر املاء کلمات میں "صوتی اصول" (The Phonetic Principle) یعنی لفظ کو اس کے نطق یا تلفظ کے مطابق لکھنے کا اصول اختیار کرنے کو ترجیح دی گئی مثلاً یہ کہ:

أ۔ الف لینہ متوسطہ کو ہمیشہ بصورت الف ہی لکھنا چاہیے (۲۱) اس لیے جو واؤ صرفی تعلیل کی بنا پر الف میں بدل جائے (بلحاظ تلفظ) اسے لفظ میں بصورت الف ہی لکھنا چاہیے اس قاعدے کے تحت "صلوٰۃ" کو صلاۃ اور "نجوۃ" نجاۃ لکھنا بہتر سمجھا گیا۔

ب۔ اسی طرح واؤ جمع کے بعد زائد الف لکھنا تو تسلیم کر لیا گیا (مثلاً ضربوا اور قالوا میں) مگر کسی ناقص واوی کے صیغہ مضارع واحد غائب (مثلاً یدعو، یمحو) میں واؤ کے بعد الف لکھنا غلط قرار دیا گیا (۲۲)۔

ج۔ اسی (الف لینہ متوسطہ) والے قاعدے کے تحت جمع مؤنث سالم کی آخری "ت" سے پہلے الف لکھنا بھی ضروری سمجھا گیا (مسلمات، حسنات میں)۔

د۔ اسی طرح صیغہ جمع مؤنث غائب کے ساتھ التباس سے بچنے کے لیے ماضی جمع متکلم میں بھی آخر پر الف کا لکھنا ضروری قرار پایا۔ اس قاعدے کی بنا پر ہی "انزلنہ" کو انزلناہ کی شکل میں لکھنے لگے وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم میں پہلی شکل استعمال کی گئی تھی۔

اس طرح صرفی اور نحوی قواعد کی روشنی میں ہجاء اور املاء کے قیاسی قواعد کے ارتقاء کا ایک دَور شروع ہوا اور اس کے اصول و قواعد میں تغیر و تبدل اور اصلاح و ترمیم کا عمل جاری رہا (۲۳) [اور کسی حد تک یہ اب بھی جاری ہے] اور اس فن یعنی املاء قیاسی کے اصول و قواعد پر مشتمل مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں (۲۴)۔

املاء قیاسی کی اصلاح اور اس کے انضباط کی اس صرفی و نحوی مہم کے نتیجے میں لوگوں نے بہت سے کلمات کا قدیم ہجاء اور املاء ترک کر دیا اور ان کو نئے اصولوں کے مطابق لکھنے لگے (۲۵) تاہم رسم قرآنی کو ان قواعد کے تحت لانے کو قبول نہیں کیا گیا اور قرآن کریم کی کتابت بدستور " نقل مطابق



اصل" کے اصول پر برقرار رکھی گئی۔اس طرح قرآن کریم میں لوگوں کو ان قواعد نحو کی "خلاف ورزی" کی بکثرت مثالیں نظر آنے لگیں۔حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ **قرآنی رسم تو کبھی ان قواعد کے تابع تھا ہی نہیں۔**

۷) (املاء اور ہجاء کے قدیم اصولوں میں ان تبدیلیوں اور اصلاحات کے باوجود کُتّاب مصاحف کے ہاں عثمانی مصاحف کے طریق املاء یا رسم الخط کا اتباع جاری رہنے کی کچھ وجوہ تھیں مثلاً:

الف۔اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس "رسم" میں اب ایک طرح سے تبرک اور تقدیس کا پہلو پیدا ہو گیا تھا[اور رسم قرآنی کا یہ پہلو کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا گیا]۔

ب۔دوسرے ایک طویل عرصے کے استعمال سے کُتّاب مصاحف اس طریق املاء سے مانوس بھی ہو گئے تھے(۲۶)۔

ج۔تیسرے یہ بھی کہ مصحف کی کتابت کسی مصحف سے ہی براہ راست اور ہو بہو نقل پر منحصر تھی۔اس سے بھی "رسم" سے منحرف ہونے کی گنجائش کم ہی نکلتی تھی۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بعض کلمات کا قدیم یا قرآنی طریق املاء(یا رسم الخط) کثرت استعمال کی بناپر ذہنوں میں اس طرح رچ بس گیا تھا کہ اسے املاء قیاسی کے علمبر داروں نے بھی اپنی اصلی صورت پر برقرار رکھنا قبول کر لیا،بلکہ ان کلمات کو قرآنی املاء کے ساتھ لکھنا ہی درست قرار دیا۔ آج بھی عام عربی املاء(الرسم المعتاد) میں بکثرت ایسے کلمات ملتے ہیں جن کی املاء "صوتی اصول (The Phonetic Principle)" یعنی نطق کے مطابق کتابت کے اصول کی بجاءے ایک طرح سے "تاریخی اصول(the Historic Principle)" کے تحت کی جاتی ہے۔مثلاً:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،لا الٰہ الا اللہ،الّذین،ھٰھُنا،لٰکِنّ،ھٰذا،ذالك،اولئك،ھؤلاءِ،اُولُوْ،ھٰاَنتم،اُولاءِ، اُولاتُ،بلٰی،حتّٰی،متٰی،اِلٰی وغیرہ۔جن کو اگر رسم املائی کے صوتی یا نحوی اصل پر مبنی قواعد کے مطابق لکھا جائے تو ان کی شکل یوں ہو جائے گی: باسم اللآّہ الرحمان الرحیم،لا اِلاہ الا اللآّہ،آللّذین،ھاھنا،لا کن،ھاذا،ذالك،اُلائِك،ھا اُلاءِ،اُولُوْ،ھا انتم،اُلاءِ،اُلاتُ،بلا،حتّا،متا اور اِلا۔(۲۷)۔

۸) (دریں اثنا نقط و شکل اور علامات ضبط کی ایجاد و اختراع نے قرآنی(اور عام عربی) کلمات کا تلفظ نسبتاً آسان کر دیا تھا۔تاہم قیاسی یا عام املاء کے مطابق لکھی ہوئی عبارت پڑھ لکھ سکنے والے آدمی کے لیے قرآنی املاء یا رسم المصحف کا رسم قیاسی سے یہ اختلاف ایک الجھن کا باعث بنتا تھا۔اور غالباً اسی لیے امام مالک بن انسؒ(ت ۱۷۹ھ) سے یہ مشہور سوال پوچھا گیا تھا کہ کیا قرآنی املاء کو بھی جدید املاء کے سانچے میں ڈھال لیا جائے؟جس کا جواب انہوں نے نفی میں دیا تھا اور سلف کے طریقے کے مطابق رسم المصحف کو علی حالہ برقرار رکھنے پر زور دیا تھا۔



البتہ انہوں نے بچوں کی تعلیم میں سہولت کے لیے (قاعدے یا تختی کی صورت میں) رسم عثمانی سے ہٹ کر قیاسی املاء کے مطابق (اسباق) لکھنے کو جائز قرار دیا تھا(۲۸)۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسم قرآنی بیشتر رسم قیاسی کے مطابق ہی ہے۔ صرف ایک قلیل تعداد کلمات کی ایسی ہے جن میں اختلاف ہے۔ قرآن کریم کے ستر ہزار سے زائد کلمات میں سے قریباً نوے فیصد (۹۰٪) کلمات کی املاء عام قیاسی کے مطابق ہی ہے (۹۲)۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ عربی رسم الخط دورِ صحابہ تک اتنی پختگی کو پہنچ چکا تھا کہ اس میں ترمیم واصلاح کی بڑی محدود سی ضرورت در پیش آئی۔

۹) (فریضۂ حج کے ذریعے وسیع اسلامی مملکت کے مغربی (افریقہ واندلس) اور مشرقی (ایشیا) علاقوں سے لوگوں کو حرمین شریفین میں آنے کا موقع ملتا رہتا تھا(۳۰) اس کے علاوہ طلب علم کے لیے بھی لوگ ایک علاقے سے دوسرے علاقوں خصوصاً بڑے شہروں کا رخ کرتے تھے۔ ان علمی اور دینی رحلات (سفروں) میں اہل علم کو اپنے اپنے مختص علم وفن کی تحصیل اور تکمیل کے مواقع میسر آتے تھے۔ قراءات اور علم الرسم کے شائقین کو اس ضمن میں مصاحف امصار [یعنی مختلف صوبائی صدر مقامات میں بھیجے گئے مصاحف عثمانیہ یا ان سے تیار کردہ اس علاقے کے مصاحف] دیکھنے، بلکہ ان کا تقابلی اور تنقیدی مشاہدہ کرنے کا مواقع ملے تو دقتِ نظر سے کام لینے والوں کو یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض قرآنی کلمات کی املاء یا رسم کسی ایک علاقے کے (مثلاً عراقی) مصاحف میں ایک طریقے سے اور کسی دوسرے علاقے کے (مثلاً شامی یا مکی) مصاحف میں کسی دوسرے طریقے سے کی گئی تھی۔ اس طرح

علماءِ رسم کو کتابتِ مصاحف کے ضمن میں تین قسم کے املائی اختلافات سے واسطہ پڑنے لگا

۱۔ رسم المصحف کا عام رسم قیاسی سے اختلاف۔

۲۔ ایک ہی مصحف کے اندر بعض کلمات کا مختلف مقامات پر مختلف رسم میں لکھا ہوا ملنا۔

۳۔ مصاحف امصار (علاقائی مصاحف) کا بعض کلمات کے رسم میں باہمی اختلاف۔

ذیل میں بطور نمونہ ہر قسم کے اختلافات کی کچھ مثالیں دی جاتی ہیں:

۱۔ رسم قیاسی اور رسم قرآنی کا اختلاف:-

رسم قرآنی	رسم قیاسی



اَلْئٰنَ	الآنَ
اِیّٰیَ	اِیَّایَ
العُلَمٰٓؤُا	العُلَمَاءُ
جِایْٓءَ	جِیْٓءَ
لِشَایْٓءٍ	لِشَیْٓءٍ
لَاَاذْبَحَنَّهٗ	لَاَذْبَحَنَّهٗ
دُعٰؤُا	دُعاء
ساُورِیْکم	ساُریکم
لَتَّخَذْتَ	لَاتَّخَذْتَ
الَّیْل	اللَّیْل
الاِنسٰن	الاِنسان
سَلٰسِلاْ	سَلٰسِلَ
یَبْنَؤُمَّ	یَابْنَ اُمَّ
بِاَیْیدٍ	بِاَیْدٍ
اَفَائِنْ	اَفاِنْ
اَلّٰتِیْ	اَللَّاتِیْ
نُنْجِیْ	نُنْجِیْ

وغیرہ

۲۔ ایک ہی مصحف میں کلمات کی مختلف املاء:-

ایک جگہ	دوسری جگہ

کِتٰب	کِتاب
قٰل	قال
طَغَا	طَغٰی
لدا	لدی
اَیّها	اَیُّهَ
مانَشاءُ	مانَشٰؤُا
اِبْرَاہٖم	اِبْرَاھِیمُ
کَیْ لا	کَیْلا
جَزاؤُا	جَزاءُ
آئِذا	أَءِذا
یَمْحُوا	یَمْحُ
شَعائِر	شَعٰئِرُ
تَبٰرَكَ	تَبارَكَ

وغیرہ

۳۔ مصاحف امصار کے اختلاف:-

بعض مصاحف میں	اور بعض مصاحف میں
تُکَذِّبان	تُکَذِّبٰن
طائف	طٰئف
خائف	خٰئفِ
صٰفّٰت	صافّات



كِيْدُونِ	كِيْدُونِي
شركاؤهم	شركائهم
ذواالعصف	ذاالعَصْف
تجری تحتها	تجری من تحتها
منها مُنقلَبا	منهما مُنقلَبا

۴۔ مصحف میں مماثل کلمات کی مختلف املاء:-

مائۃ میں الف ہے مگر فِئۃ بحذف الف ہے اللطیف میں دولام موجود مگر الیّل ہر جگہ صرف ایک لام کے ساتھ، ایّاک میں تو الف ہے مگر اِیٰیّ میں محذوف ہے۔ لدا الباب الف کے ساتھ، مگر لدی الحناجر یاء کے ساتھ، جِایٔ ءَ میں الف موجود مگر سِیٔ ءَ الف کے بغیر اُبْوٰب بحذف الف مگر اَکْوَاب باثبات الف لَااذْ بَحَنَّہمیں زائد الف موجود مگر لُا عَذّ بَنَّہ اس زیادۃ کے بغیر ہے۔ مِن وَرایِٔ ءِ حِجَاب بزیادۃ یاء مگر مِن وراءِ جُدُر بغیر زیادۃ واوٗ جمع کے بعد ہر جگہ الف زائد موجود مگر صرف چار افعال جاءُو، فَاءُو، باءُو اور تبوءُو میں غیر موجود وغیرہ (۳۱)۔

۵۔ اس کے ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ بعض کلمات کی قرآنی املاء، قیاسی املاء سے زیادہ سائنٹفک اور قیاس صرفی ونحوی سے زیادہ قریب اور لہٰذا بہتر ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

قیاسی املاء		قرآنی املاء
اشتراء	کی بجائے	اشترٰہ زیادہ بہتر ہے
مَثْواہ	"	مَثْوٰہ""
اِحداھما	"	اِحدٰھما""
یَغشاھا	"	یَغشٰھا""
ترضاہ	"	ترضٰہ""
نَجّاکم	"	نَجّٰکم""
تَقْواھا	"	تَقْوٰھا""

وغیرہ

۱۰) (ہر کاتب مصحف کا یہ فرض تھا کہ وہ کتابتِ مصحف میں ان اختلافات سے آگاہ ہو اور جس علاقے کے لیے وہ مصحف لکھ رہا ہو یا جس علاقے کے مصحف سے وہ لکھ رہا ہو، کتابت میں یعنی رسم کلمات میں اس علاقے کی خصوصیاتِ رسم کو ملحوظ رکھے۔ نقل صحیح میں ان چیزوں کے نظر انداز ہونے کا امکان تو نہیں رہتا۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر خطاط یا خوشنویس کم علم ہوتے ہیں اور پیشہ ور خطاط جلدی کی خاطر اس قسم کی شرائط کو اکثر ملحوظ نہیں رکھتے۔ اس لیے رسم المصحف پر ماہرانہ نظر رکھنے والے اہل علم نے ایسی کتابیں لکھنا شروع کیں جو کُتّابِ مصاحف کی راہنمائی کر سکیں اور ان کو فرداً فرداً ان تمام مقامات سے آگاہ کر سکیں جہاں املاء میں رسم قرآنی کے مطابق درست املاء سے بھٹک جانے کا خطرہ موجود ہو۔

دوسرے اسلامی علوم کی طرح اس علم میں بھی تالیف کی ابتداء ایسے مختصر "رسائل" سے ہوئی جن میں عموماً کسی ایک پہلو سے جزوی معلومات ہوتی تھیں۔ آہستہ آہستہ متفرق رسائل کی معلومات کو یکجا کر کے علم الرسم پر بڑے مجموعے تیار ہوئے، یہاں تک کہ تدوین عروج کو پہنچی اور اس فن کی امہات الکتب تالیف ہوئیں۔ اس کے بعد انتخاب، تلخیص اور شروع کا سلسلہ شروع ہوا جو اب تک جاری ہے۔ علم الرسم کی کتابوں میں سے بعض میں مصاحف عثمانیہ کی (تیاری کی) تاریخ کو بھی ساتھ شامل کر لیا گیا اور بعض کتابوں میں مرسوم المصاحف کے اختلافات کی تعلیل اور توجیہہ کو بھی موضوعِ بحث بنایا گیا اور بعض میں رسم عثمانی کے التزام یا عدم التزام کی بحث کو بھی لے لیا گیا۔ ان چیزوں کی ابھی آگے وضاحت آئے گی۔

مختلف اسلامی علوم کی تدوین اور ان پر تالیفات کے سلسلے میں یہ ایک عجیب بات سامنے آتی ہے کہ بعض علوم پر کسی ایک علاقے میں زیادہ کام ہوا اور بعض علوم پر دوسرے خطے میں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کی جمع و تدوین اور اس علم کی امہات الکتب کی تالیف کا بیشتر کام مشرقی اسلامی ملکوں میں سرانجام پایا۔ اس کے برعکس علم الرسم کی جمع و تدوین اور اس فن کی امہات الکتب کی تصنیف و تالیف کا کام عالم اسلام کے مغربی حصے خصوصاً اندلس میں زیادہ ہوا (۳۲)۔

اہل مشرق کی تالیف کردہ کتب حدیث (بخاری و مسلم وغیرہ) کو مغرب میں پذیرائی حاصل ہوئی اور اہل مغرب کی تالیف کردہ کتب علم الرسم کو اہل مشرق نے اپنے لیے راہنما بنایا۔ بلکہ یہ کتابیں بلا اختلاف مسلمانوں کے تمام مذاہب و مسالک کے ہاں مستند مانی جاتی ہیں۔ نامہ آستان قدس شمارہ ۱، ۲ دورہ نہم میں عزیز اللہ جوینی کا ایک مضمون بعنوان "املاء قرآن" شائع ہوا تھا جس میں مضمون نگار نے املاء قرآن پر اہم اور بنیادی کتابوں میں الدانی، المراکشی اور ارکاٹی کی کتابوں کو ہی گنوایا ہے۔ ان کا قدرے تفصیلی ذکر ابھی آگے آ رہا ہے۔ البتہ اس نے دو ایرانی مؤلفین کی کتابوں کا نام بھی لیا ہے۔ ان کا ذکر ہم پہلے ہی کئے دیتے ہیں۔

(۱) احمد بن حسین اصفہانی نیشاپوری (ت ۳۸۱ھ) کی "اختلافِ ہجاء قرآنی" (جو غالباً فارسی میں ہے) اور (۲) حافظ اصفہانی کی "کتاب المصاحف" (۳۳)۔

علم الرسم پر اس قدر زیادہ کام ہوا ہے کہ اس فن کی تمام کتابوں کا شمار بھی کارِ دشوار ہے۔ اس کثرتِ تالیفات کا ایک سبب غالب یہ بھی بنا کہ مصاحف کی تیاری مسلمانوں کی روزمرہ کی ضروریات کا ایک جزء تھا (اور ہے)۔ ہر مسلمان کو نہیں تو کم از کم ہر مسلمان کنبہ کو ایک مصحف کی ضرورت



ہوتی تھی اس بناء پر ہر ایک کاتبِ مصحف کے پاس ایک مختصر راہنمائے رسم قرآنی کی قسم کی کتاب یا رسالہ کا ہونا ضروری تھا۔ جس میں کم از کم ضروری مقامات کی املاء کے بارے میں معلومات اور ہدایات موجود ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم کے ایسے تمام مقامات کی سورت بسورت نشان دہی پر مبنی متعدد مختصر کتب بھی لکھی گئیں۔

ذیل میں ہم ترتیب زمانی کے ساتھ اس علم پر لکھی گئی بعض اہم "ابتدائی" اور "انتہائی" تالیفات اور ان کے مؤلفین کا مختصر اًذکر کرتے ہیں۔ جس سے اس علم کے عہد بعہد ارتقاء کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

علم الرسم پر تالیفات

سب سے پہلے ہمیں ابن الندیم کے ہاں اس علم پر یا اس کے بعض پہلوؤں پر لکھی ہوئی کچھ کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے ایک عنوان "**الکتب المؤلفه فی مقطوع القرآن وموصوله**' ہے جس کے تحت اس نے تین مؤلفین کے نام لیے ہیں۔ (۱) عبد اللہ بن عامر الیحصبی (ت ۱۱۸ھ)۔ (۲) حمزہ بن حبیب الزیات (ت ۱۵۶ھ) اور (۳) علی بن حمزہ الکسائی (ت ۱۸۹ھ) اسی کتاب (الفہرست) میں "الکتب المؤلفہ فی اختلاف المصاحف" کے عنوان کے تحت آٹھ مؤلفین اور ان کی کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

)۱(عبد اللہ بن عامر الیحصبی (ت۱۱۸ھ) کی کتاب "اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق" (۲) علی بن حمزہ الکسائی (ت ۱۸۹ھ) کی "کتاب اختلاف مصاحف اھل المدینہ واھل الکوفہ واھل البصرۃ" (۳) خلف بن ھشام البزاز (ت ۲۲۹ھ) کی کتاب "اختلاف المصاحف" (۴) یحیی بن زیاد الفراء (ت ۲۰۷ھ) کی کتاب "اختلاف اھل الکوفہ والبصرہ والشام فی المصاحف"" ان کے علاوہ ابن الندیم نے ابو حاتم سجستانی (ت ۲۵۵ھ)، ابو داؤد وسجستانی، المدائنی اور محمد بن عبد الرحمن الاصفہانی میں سے ہر ایک کی کتاب "اختلاف المصاحف" کا ذکر بھی کیا ہے۔

ابتدائی دور میں رسم کے موضوع پر کے موضوع پر لکھی گئی متعدد کتابوں کے لیے ہجاء المصاحف یا کتاب الھجاء کا نام بھی ملتا ہے۔ "**الکتب المؤلفه فی هجاء المصاحف**" کے تحت ابن الندیم نے تین مؤلفین کا ذکر کیا ہے: (۱) یحیی بن الحارث الذماری (ت ۱۴۵ھ) (۲) احمد بن ابراہیم اوراق (ت ۲۷۰ھ) اور (۳) ابن شبیب (۳۴)۔ صاحب المقنع نے الغازی بن قیس الاندلسی (ت ۱۹۹ھ) کی "**فی هجاء المصاحف**" اور محمد بن عیسیٰ الاصفہانی (ت ۲۵۳ھ) کی "**هجاء المصاحف**" کا ذکر کیا ہے (۳۵)۔ غانم قدوری نے ہجاء المصاحف کے عنوان سے لکھی گئی چار مزید کتابوں کا اضافہ کیا ہے: (۱) ابن مقسم العطار (ت ۳۶۲ھ) کی "**اللطائف فی جمع هجاء المصاحف**" (۲) ابو العباس المھدوی (ت ۴۳۰ھ) کی "**هجاء مصاحف الامصار**" [اس کتاب کا ایک جزء مجلہ معہد المخطوطات جلد ۱۹ میں شائع ہو چکا ہے] (۳) مکی بن طالب القیسی (ت ۴۳۷ھ) کی "**هجاء المصاحف**" اور (۴) ابن معاذ الجھنی (ت ۴۴۲ھ) کی البدیع فی ہجاء المصاحف" (۳۶) [یہ کتاب بھی غانم قدوری کی تحقیق کے ساتھ عراق کے مجلہ المورد - العدد الرابع سنہ ۱۴۰۷ھ میں شائع ہو چکی ہے] (۳۷)۔ "کتاب الھجاء" کے عنوان کے تحت ابن الندیم نے الکسائی، الفراء، ابو حاتم سجستانی اور ابن بشار



الانباری(ت۳۲۷ھ)کی کتابوں کا ذکر کیا ہے(۳۸) مگر یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ ان کا تعلق "ھجاء قرآنی" سے تھا یا ھجاء قیاسی (نحوی) سے تھا۔ یہاں تک علم الرسم پر تالیفات کا ابتدائی یا تشکیلی دَور ختم ہوتا ہے۔

اس کے بعد مذکورہ بالا آخری تین مؤلفین المھدوی، القیسی اور الجھنی کی معاصر مگر اس فن کی "دیو قامت" شخصیت سامنے آتی ہے یعنی ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی الاندلسی(ت۴۴۴ھ) جو اپنے زمانے میں ابن الصیرفی کے نام سے مشہور تھے اور جن کی کل تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ بیان کی گئی ہے جن میں سے گیارہ کتابیں علم الرسم سے متعلق تھیں اور ان میں سب سے اہم سب سے مشہور اور سب سے مفید تر کتاب المقنع الکبیر تھی۔ جس کی تلخیص خود مؤلف نے المقنع الصغیر کی صورت میں کی(۳۹) اور جو "المقنع فی معرفۃ مرسوم مصاحف اھل الامصار" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ الدانی کی یہ کتاب علم الرسم پر لکھی گئی تمام پیشرو کتابوں کی جامع اور اپنے بعد آنے والی کتابوں کی بنیاد ٹھہری۔ اس کتاب میں الدانی نے لفظ رسم اور مرسوم بکثرت استعمال کیا ہے(۴۰)۔ چنانچہ بعد کی کتابوں کے عنوانات پر عموماً یہی لفظ غالب نظر آتا ہے اور کم از کم عنوان کتب میں لفظ "ھجاء" کا استعمال آہستہ آہستہ متروک ہو جاتا ہے۔

الدانی کے بعد اس علم پر لکھی جانے والی کتابوں میں سے خصوصاً قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔ اہم کتابوں کے ساتھ ہم نے کچھ مزید تعارفی نوٹ بھی بڑھا دیا ہے۔

(۱) ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی(ت۴۶۳ھ) کی "تلخیص المتشابہ فی الرسم "(۴۱)۔

التنزیل فی ھجاء المصاحف" جو اس کی چھ جلدوں پر مشتمل ایک بڑی کتاب "التبیین لھجاء التنزیل" کی خود تیار کردہ تلخیص تھی۔ یہ غالباً آخری بڑی کتاب ہے جس کے عنوان میں لفظ "ھجاء" استعمال ہوا۔ اگرچہ یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی تاہم اس کے کچھ مخطوطات (القاہرہ اور دمشق وغیرہ میں) موجود ہیں۔ یہ ابو داؤد الدانی کے نامور تلامذہ میں سے تھے۔ ہمارے زمانے میں شائع ہونے والے چند اہم صاحف (قرآنی ایڈیشنوں) کی تیاری میں الدانی اور ابو داؤد کی کتابوں کو ہی رسم المصحف کی بنیاد بنایا گیا ہے اور ان دونوں میں اختلاف کی صورت میں مصری، سعودی اور شامی مصاحف میں ابو داؤد کو اور لیبی "مصحف الجماھیریہ" کی تیاری میں الدانی کے قول کو ترجیح دی گئی ہے(۴۲)۔

)۳ (ابو الحسن علی بن محمد المرادی(ت۵۶۳ھ) کی "المنصف"۔ اللطائف فی رسم المصاحف"۔

)۵ (القاسم بن فیرّہ الشاطبی(ت۵۹۰ھ) کا قصیدہ "رائیہ فی الرسم الموسوم بعقیلۃ اتراب القصائد فی اسنی المقاصد"۔ یہ معمولی اضافوں (کل چھ کلمات) کے ساتھ المقنع للدانی کا خلاصہ ہے۔ اسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کی متعدد شروح لکھی گئیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر ابھی آئے گا۔

)۶ (ابو طاہر العقیلی اسماعیل بن ظاہر(ت۶۲۳ھ) کی "مختصر ما رسم فی المصحف الکریم"(۴۳)۔



)۷ (ابن وثیق الاندلسی(ت ۶۵۴ھ)کا"رسالہ فی رسم المصحف"۔

)۸ (محمد بن ابراہیم الشریشی الخراز(ت ۷۱۸ھ)کی "مورد الظمآن فی رسم احرف القرآن"۔یہ منظوم کتاب ہے اور الخراز کی ہی ایک سابق تالیف "عمدۃ البیان" کا خلاصہ ہے۔اس کتاب کے دو حصے (یکجا) ہیں۔پہلا علم الرسم سے متعلق ہے اور دوسرے حصے کا موضوع علم الضبط ہے اور اسے مورد الظمآن کی ذیل یا ضبط الخراز بھی کہتے ہیں۔مورد الضمآن چونکہ اپنے سے پہلی چار اہم کتابوں المقنع،التنزیل،المنصف اور العقیلہ سے ماخوذ ہے اس لیے اس کو بھی اہل علم میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کی بھی کئی شروح لکھی گئیں جن میں سے بعض کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

)۹ (ابو العباس المراکشی الشھیر بابن البناء(ت ۷۲۱ھ)کی "عنوان الدلیل فی مرسوم خط التنزیل"۔اس کتاب میں رسم المصحف کے عام خط سے مختلف ہونے کی عجیب وغریب "باطنی"قسم کی تعلیلات اور توجیہات بیان کی گئی ہیں۔اصل کتاب تو ابھی تک نہیں چھپی البتہ زرکشی نے البرہان میں اس کے طویل اقتباسات دیئے ہیں(۴۴)۔

روضۃ الطرائف فی رسم المصاحف"یہ لامیہ قصیدہ ہے جو شاطبی کے رائیہ کی طرز پر لکھا گیا۔

کشف الاسرار فی رسم مصاحف الامصار"۔اس کتاب کے دو باب حاتم صالح الضامن کی تحقیق کے ساتھ مجلۃ المورد–العدد الرابع ۱۴۰۷ھ میں شائع ہو چکے ہیں(۴۵)۔

اس کے بعد ہمیں گیارہوں بارہویں صدی میں بعض ایسی تالیفات کا پتہ چلتا ہے جن کے نام (عنوان) میں خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ یا ان کے مصاحف کا نام آتا ہے۔یہ سب مخطوطات ہیں اور بیشتر مجہول المؤلف بھی ہیں۔مثلاً:

الطارف الطریفۃ فی رسم المصاحف العثمانیہ الشریفہ"۔

جامع الکلام فی رسم المصحف الامام۔

رسالہ فی بیان قواعد رسم المصحف العثمانی۔

–زبدۃ البیان فی رسوم مصاحف عثمان(۴۶)۔

)۱۳ (علم الرسم پر تالیفات کا یہ سلسلہ چودھویں صدی ہجری کے آخر تک بھی جاری رہا ہے۔اس متاخر دور کی کتابوں میں سے قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔یہ سب (کم از کم ایک دفعہ) طبع ہو چکی ہیں(۴۷)۔

)۱ (الشیخ برکات بن عریشہ الھورینی کی کتاب "الجوھر الفرید فی رسم القرآن المجید"۔



۲) (الشیخ محمد ابوزید کی "فتح الرحمٰن وراحۃ الکسلان"۔

۳) (الشیخ عبد الرحمن محمد الھواش کی "تشحیذ الاذھان فی رسم آیات القرآن"۔

۴) (ابو عبید رضوان بن محمد المخللاتی (۱۳۱۱ھ) نے "ارشاد القراء والکاتبین الی معرفۃ رسم الکتاب المبین" کے نام سے کتاب بھی لکھی اور رسم عثمانی کے مطابق ایک مصحف بھی شائع کرایا۔

۵) (المتولی محمد بن احمد بن الحسن نے ایک ارجوزہ "اللؤلؤ المنظوم" کے نام سے لکھا جس کی شرح الشیخ حسن بن خلف الحسینی نے "الرحیق المختوم" کے نام سے لکھی۔

۶) (الشیخ محمد بن علی بن خلف الحسینی (۱۳۵۷ھ) نے "ارشاد الحیران الی معرفۃ ما یجب اتباعہ فی رسم القرآن" نام کا ایک رسالہ تالیف کیا جو دراصل (اس زمانے کے) ہندوستان سے بھیجے گئے ایک استفسار کا جواب تھا۔

۷) (الشیخ محمد بن حبیب اللہ الشنقیطی (۱۳۶۳ھ) نے "ایقاظ الاعلام لوجوب اتباع رسم المصحف الامام" کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ مرحوم رسم قرآنی کے بارے میں سختی سے نظریہ توقیف کے حامی تھے۔ اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۸) (محمد غوث بن ناصر الدین ارکاٹی کی کتاب "نثر المرجان فی رسم نظم القرآن" علم الرسم کے موضوع پر سب سے مبسوط کتاب ہے جو سات جلدوں میں حیدرآباد دکن سے ۹۴-۱۳۳۹ھ میں قریباً دس برس میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب خدمت قرآن کے لیے استقامت سے کام کرنے اور "محنت عشق (Love Labour) " کی ایک زندہ اور روشن مثال ہے۔

۹) (الشیخ علی محمد الضباع استاد جامع الازہر نے "سمیر الطالبین فی رسم وضبط الکتاب المبین" کے نام سے ایک کتابچہ تالیف کیا۔ یہ چھوٹی سی کتاب بقول مؤلف المقنع، التنزیل اور العقیلہ کے مسائل کا جامع خلاصہ ہے۔ اس میں بات سمجھانے کا مختصر مگر قابل فہم انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ان کی تمام آراء سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا تاہم مجموعی طور پر کتاب پر "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کی مثل صادق آتی ہے۔

۱۰) (علم الرسم کی "امھات الکتب" میں سے الشاطبی کے قصیدہ "العقیلہ" اور الخراز کی "مورد الظمآن" کو اساتذۂ فن کے ہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کی متعدد شروح لکھی گئیں۔ علم الرسم پر اہم تالیفات کی کوئی فہرست ان شروح کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں کہلا سکتی۔ لہٰذا ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

شاطبی کے "عقیلہ اتراب القصائد" کی اہم شروح یہ ہیں:-



۱)　(علم الدین علی بن محمد السخاوی (ت ۶۴۳ھ) کی شرح "الوسیلہ الی کشف العقیلہ"۔

۲)　(برہان الدین عمر بن ابراہیم الجعبری (ت ۷۳۲ھ) نے "خمیلۃ ارباب المراصد فی شرح عقیلۃ اتراب القصائد" کے نام سے اس کی شرح لکھی (۴۸)۔

۳)　(ابو البقاء علی بن عثمان ابن القاصح (ت ۸۰۱ھ) نے "تلخیص الفوائد وتقریب المتباعد" کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے اور غالباً العقیلہ کی شروح میں سے واحد مطبوعہ شرح ہے۔

۴)　(ملا علی بن سلطان القاری الھروی (ت ۱۰۱۴ھ) کی شرح کا نام "الھبات السنیہ العلیہ علی ابیات الرائیہ فی الرسم" ہے۔

۵)　(مشہور روسی عالم موسی جار اللہ رستو فدانی (ت ۱۳۶۸ھ) نے بھی العقیلہ کی شرح لکھنا شروع کی تھی جو غالباً مکمل نہ ہو سکی (۴۹)۔

اور الخراز کی مورد الظمآن کی شروح میں سے اہم یہ ہیں:-

۱)　(الشیخ حسین بن علی الرجراجی (ت ۸۴۰ھ) کی شرح کا نام ہے۔ "تنبیہ العطشان علی مورد الظمآن"۔

۲)　(ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن عبد الجلیل التنسی (ت ۸۹۹ھ) نے "الطراز علی ضبط الخراز" کے نام سے مورد الظمآن کی صرف ذیل (ضبط والے حصے) کی شرح لکھی۔ یہ ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔

۳)　(ابو محمد عبد الواحد بن احمد بن علی ابن عاشر الانصاری (ت ۱۰۴۰ھ) کی "فتح المنان المروی بمورد الظمآن" سب سے مشہور شرح ہے۔ اس شارح نے حصہ رسم کے آخر پر "الاعلان بتکمیل مورد الظمآن" کے نام سے ایک تکملہ بھی لکھا، جس کا مقصد دوسری قراءات کو بھی شامل کرنا تھا کیونکہ اصل "مورد" صرف قراءات نافع پر مبنی تھی۔

۴)　(الشیخ ابراہیم بن احمد المارغنی التونسی (۱۳۲۵ تاریخ تکمیل کتاب) کی "دلیل الحیران شرح مورد الظمآن" کے کئی ایڈیشن تونس اور مصر سے شائع ہو چکے ہیں اس کتاب کے رسم والے حصے میں ابن عاشر کی فتح المنان سے اور ضبط والے حصے کے لیے التنسی کی "الطراز" سے زیادہ مدد لی گئی ہے۔

۵)　(الشیخ احمد محمد ابو زیتحار نے "لطائف البیان فی رسم القرآن شرح مورد الظمآن" کے نام سے طلبہ کے استفادہ کے لیے ایک مختصر شرح لکھی ہے مؤلف خود جامع الازہر کے اساتذہ میں سے ہیں۔

۱۵) (ماضی قریب میں علم الرسم کے مسائل یونیورسٹی سطح پر ایم اے اور پی ایچ ڈی کے لیے مقالات کے موضوع بھی بنے ہیں، مثلاً:



۱) (عبدالحی حسین الفرماوی نے ۱۹۷۴ء میں کلیہ اصول الدین جامعہ الازہر سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کا موضوع تحقیق تھا "رسم المصحف ونقطہ"۔

۲) (غانم قدوری الحمد نے ۱۹۷۶ء میں کلیہ دار العلوم جامعۃ القاہرہ سے ایم اے کی ڈگری جس مقالہ کی بنیاد پر حاصل کی اس کا عنوان تھا "رسم المصحف - دراسۃ لغویۃ تاریخیۃ" یہ مقالہ ایک کتاب کی شکل میں عراق کی ھجرہ کمیٹی کی طرف سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ اور اس موضوع پر بہت جامع اور کام کی کتاب ہے۔ مقالہ نگار نے اس سے بکثرت استفادہ کیا ہے۔

گزشتہ اوراق میں علم الرسم پر لکھی گئی پچاس کے قریب کتابوں کا ذکر آگیا ہے (پیراگراف ۱۱ تا ۱۴ میں)۔ یہ فہرست ذرا طویل لگتی ہے تاہم اس علم کے ارتقاء کے بیان کے لیے کم از کم اہم کتابوں کا ذکر کئے بغیر بھی چارہ نہ تھا۔ دوسری طرف یہ فہرست علم الرسم پر لکھی گئی کثیر التعداد کتابوں کا ایک معمولی ساخاکہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علم پر لکھی گئی تمام کتابوں کا شمار بھی ایک کارِ دشوار ہے۔ اور یہ طویل سلسلۂ تالیفات جو قریباً چودہ سو سال سے بغیر انقطاع کے جاری ہے۔ اس بات پر شاہد ہے کہ اس علم پر کتنی توجہ مرکوز کی گئی۔ اور اس کی وجہ کو سمجھنا چنداں مشکل بھی نہیں ہے۔ آخر اس علم کا تعلق قرآن کریم کی درست کتابت سے ہے جو اسلامی معاشرے کی بنیادی دینی ضرورت ہے اور ایک مسلسل اور جاری عمل ہے۔

تاہم اس طویل فہرست میں سے علم الرسم کی اصل امہات الکتب صرف چار ہی شمار ہوتی ہیں یعنی **المقنع، التنزیل، العقیلہ** اور **المنصف**۔ یا پھر وہ کتابیں جن کی تالیف ان کتب اربعہ سے استمداد پر مشتمل ہو مثلاً "مورد الظمآن للخراز" یا "نثر المرجان" جو اس علم کی تمام کتابوں کی جامع ہے۔

باقی کتابوں کی حیثیت شرح یا تلخیص کی ہے یا پھر ترتیب و تبویب اور اسلوب و انداز کا فرق ہے۔

۱۶) (علماء رسم نے تمام کلماتِ قرآن کی کتابت (املاء) کا بنظر غائر مطالعہ اور مشاہدہ (مصاحف میں) کیا اور خصوصاً ان کلمات کا تجزیہ کیا جن میں اختلاف کتابت کی کوئی صورت پائی جاتی ہے۔ پھر ان املائی اختلافات سے کچھ قواعد کلیہ مستنبط کئے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ جملہ اختلافات یا احکام رسم کو مندرجہ ذیل چھ قواعد کے تحت منحصر کیا جا سکتا ہے: حذف، زیادۃ، ھمز (رسم ھمزہ)، بدل، وصل و فصل اور "قراءات کا تنوع"۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ رسم قیاسی کے علماء نے بھی اپنے اصول ان میں سے پہلے پانچ قواعد پر ہی استوار کئے ہیں (۵۰)۔ (صرف چھٹا قاعدہ علم الرسم سے مختص ہے)۔ اور بیشتر صورتوں میں ان قواعد کے تحت کلمات کا طریق املاء رسم قیاسی اور رسم قرآنی میں یکساں رہتا ہے۔ [یہ بات پہلے بھی لکھی جا چکی ہے کہ رسم قرآنی نوے فیصد رسم قیاسی کے مطابق ہوتا ہے]۔ البتہ رسم قیاسی اور رسم قرآنی میں ان قواعد کے اطلاق میں فرق ہے جس سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔



رسم القرآنی کے متعلق تین نظریات پیش کئے گئے ہیں

پہلا نظریہ

یہ ہے کہ رسم المصحف توقیفی ہے اور یہ اسرار الٰہی میں سے ایک سرّ ہے۔ قرآن مجید لوح محفوظ میں اسی "رسم" کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ کاتبِ وحی کو ہر لفظ کی مخصوص املاء بھی بتادیتے اور اسی کے ساتھ لکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ ہماری عقل اس کی وجہ کو نہیں پا سکتی۔ ہمارا کام فقط اس کا اتباع کرنا ہے وغیرہ (۵۵)۔ پھر بعض لوگوں نے رسم قرآنی کے ان "اسرار و حکم" تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی اور رسم قرآنی کی ایسی عجیب وغریب تعلیلات اور توجیہات پیش کیں جو سراسر غیر معقول اور ناقابل قبول ہیں۔ اس کی سب سے بری مثال ابو العباس مراکشی کی کتاب ہے۔ بعض نے نحوی بنیادوں پر بھی بعض تعلیلات پیش کی ہیں جن میں نسبتاً معقولیت کا پہلو پایا جاتا ہے (۵٦)۔

دوسرا نظریہ

رسم قرآنی کی اصل کے بارے میں دوسرا نظریہ یہ ہے کہ یہ رسم اصطلاحی ہے یعنی مصاحف عثمانیہ کے کاتبوں نے بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اس قسم کا رسم الخط یا طریق املاء اختیار کیا۔ مثلاً ایک حکمت احتمال القراءات المتواترہ یا قراءت عرضۂ اخیرہ یا اشتمال الاحرف السبعہ کا اہتمام تھا۔ یہ علم القراءات کے ماہرین کی توجیہہ ہے۔ اس بات کی کوئی واضح نقلی دلیل موجود نہیں ہے کہ صحابہؓ یا مصاحف عثمانیہ کے کاتبوں نے اس موقع پر بعض کلمات کے لیے کوئی خاص نیا طریق املاء "ایجاد" کیا تھا۔ جہاں باہمی اختلاف کی صورت میں کُتّابِ مصاحف کو معاملہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کرنے کا حکم بیان ہوا ہے۔ تو اس میں ایک لفظ "تابوت" کی املاء کا معاملہ اوپر جانے کی روایت تو ملتی ہے لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ مثلاً کاتب نے کہاں ایک لفظ بحذف الف لکھنا ہے اور کہاں باثبات الف - یا (مثلاً) واو جمع کے بعد کہاں الف زائد لکھنا ہے اور کہاں نہیں لکھنا ہے وغیرہ۔ املاء کلمات کے لیے کوئی طریقہ (اصطلاح) وضع کرنے کا نظریہ اس لیے بھی معقول نہیں لگتا کہ صحابہؓ کا آنحضور ﷺ کے وقت میں بلکہ ان کے سامنے لکھے جانے والے طریق املاء کو ترک کر کے اس کی بجائے کوئی نیا طریق املاء اختیار کرنا بہت مستبعد معلوم ہوتا ہے۔

البتہ علامہ ابن خلدون نے اس کی یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ عہد نبوی بلکہ راشدین تک عربی کے علم الاملاء کا ارتقاء ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ کتابت کو حجاز میں متعارف ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور املاء کے قواعد وضوابط ابھی کمال پختگی کو نہیں پہنچے تھے بلکہ ایک قسم کے عبوری دَور سے گذر رہے تھے اور یہی چیز صحابہؓ کے کلمات کے لکھنے میں املاء کے اختلاف اور اضطراب کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہ ایک طرح سے اس میدان میں صحابہؓ کی "علمی کمزوری" کا ایک مظہر ہے۔ ابن خلدون نے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس سے صحابہ کی (خدانخواستہ) توہین کا کوئی پہلو نہیں نکلتا اس لیے کہ کتابت



اور املاء کی مہارت کی حیثیت ذاتی کمال کی نہیں بلکہ ایک اضافی کمال کی ہے(۸۵)۔ تاہم اس کے اس جرأت مندانہ اور محققانہ نظریہ پر بھی تین قسم کے ردّ عمل سامنے آئے ہیں:

الف۔ رسم میں نظریہ توقیف کے حامیوں نے تو خود ابن خلدون کو گستاخ اور جاہل بناڈالا اور بعض نے تو ابن خلدون کے موقف کے پہلے حصے کو بیان کیا مگر (عمداً) دوسرے حصے کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش بھی کی ہے(۹۵)۔

ب۔ رسم المصحف کے مخالفوں اور ''ھجاء حدیث'' اور ''رسم جدید'' کے حامیوں نے ابن خلدون کی رائے کو اپنے لیے ایک عمدہ ہتھیار خیال کیا۔ اسے رسم المصحف کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا زریں موقع سمجھا اور اسے اپنی زبان درازی اور صحابہ کے علم میں طعن کے لیے گویا بطور استدلال یا تائید استعمال کیا۔ اس کی ایک مثال ایک مصری مؤلف محمد عبد اللطیف کی کتاب ''الفرقان'' میں ''ھجاء القرآن ورسمہ'' کے عنوان کے تحت نظر آئے گی۔ جس میں رسم المصحف کے خلاف اپنا سارا زہر اگلنے کے بعد آخر پر ابن خلدون کا اقتباس اس موقف کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ ''رسم المصحف کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے''۔ یہ کتاب حکومتِ مصر نے ضبط کر لی تھی(۶۰)۔

ج۔ بعض اعتدال پسند منصف مزاج اہل علم نے ابن خلدون کے نظریہ کو سراہا ہے اور اسے رسم قرآنی اور رسم قیاسی کے باہمی اختلافات کی ایک معقول توجیہہ قرار دیا ہے(۶۱) اور یہ کہ ابن خلدون ہرگز صحابہؓ کی شان میں کسی گستاخی کا مرتکب نہیں ہوا نہ اس نے کبھی یہ کہا کہ رسم المصحف کو ترک کرنا چاہیے اور نہ ہی اس نے مصری تجدد پسند عبد العزیز فہمی(۶۲) یا مؤلف ''الفرقان'' کی طرح صحابہؓ یا رسم المصحف کے بارے میں جہل یا سخافت وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ بلکہ اس نے تو رسم المصحف کی تقدیس اور تکریم کی معقول وجہ بھی بیان کر دی ہے۔ البتہ اس نے قائلین توقیف کی غیر معقول تعلیلات پر تنقید ضرور کی ہے۔

تیسرا نظریہ

رسم قرآنی اور عام رسم املائی میں اختلافات کی توجیہہ کا ایک (تیسرا نظریہ) ہمارے زمانے میں سامنے آیا ہے۔ عربی خط (کتابت اور املاء) کی تاریخ اور اس کے ارتقاء پر اثری اکتشافات کے نتیجے میں دستیاب ہونے والے بعض نقوش و لواح اور کتابات (Inscriptions) کے حوالے سے جو جدید تحقیق ہوئی ہے(۳۶) اس سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ زمانہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام (عہد نبوی وراشدین تک) حجاز میں جو قواعدِ کتابت اور طریق املاء رائج تھا اس کی اصل نبطی خط تھا(۴۶) جو شمالی علاقوں (شام وغیرہ) سے حجاز میں آیا تھا۔ اور یہ کہ اس زمانے کی عربی املاء (جو مصاحف عثمانیہ کی تیاری تک رائج تھی) کے کم از کم چار مظاہر تو صاف نبطی الاصل ہیں: (۱) نقط و شکل سے عاری ہونا (۲) وسط کلمہ میں الف کا محذوف ہونا (مالک: ملک) (۳) تائے تانیث (ۃ) کو تائے مبسوطہ (ت) کی شکل میں لکھنا اور (۴) رسم ہمزہ کے بعض طریقے مثلاً ہمزہ مضمومہ کے بعد ''و'' لکھنا (جیسے اُولٰئک میں) اور یہ چاروں مظاہر رسم قرآنی میں موجود ہیں(۶۵)۔



املاء عربی کے ارتقاء کے اس عبوری نظریہ سے ایک ہی مصحف کے اندر کسی لفظ کی کتابت کے اختلاف کی بھی توجیہہ ہو جاتی ہے۔ نبطی خط میں حجاز کے اندر آنے کے وقت تک (کم از کم بھی دو صدیوں کے ارتقاء کی بدولت) املاء کے قواعد میں اگرچہ ایک حد تک پختگی تو آچکی تھی تاہم ابھی ان میں اتنا استحکام اور اتنی یکسانیت پیدا نہیں ہوئی تھی اور بعض کلمات کو کبھی ایک ہجاء کے ساتھ اور کبھی دوسرے ہجاء کے ساتھ لکھ لیا جاتا تھا(٦٦)۔ یہ تو اسلام کی برکت سے اور کتابتِ مصاحف اور اسلامی علوم کی بدولت ایسا ہوا کہ عربی املاء نے یکسانیت اور استحکام کے سارے مدارج جلدی سے طے کر لیے اور جس کی وجہ سے "رسم قیاسی" ایک مستقل علم بن گیا جس پر مستقل تالیفات وجود میں آگئیں(٦٧)۔ اور اسی (تیسرے) نظریہ سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ خصوصاً کُتّابِ مصاحف اپنے زمانے میں رائج طریقہ ہائے املاء و کتابت سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ابھی یہ علم خود طفولیت میں ہو۔ مگر صحابہؓ کا اس کے بارے میں علم ہرگز طفل مکتب کا سا نہیں تھا۔ ویسے یہ علم بھی اس وقت تک اپنی طفولیت سے نکل کر بلوغ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ صحابہؓ کے طریق املاء میں کلمات کی صرفی و نحوی "استعداد" یا "بنیاد" سے آگاہی کا پتہ چلتا ہے (خصوصاً قاعدہ بدل کے اطلاق میں)(٦٨)۔ بعد میں آنے والے رسم قیاسی کی اصل بنیاد یہی ظہورِ اسلام کے وقت رائج طریق املاء و ہجاء ہی تھا۔ بہت کم اصول و قواعد تبدیل کرنے پڑے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اس وقت کا معیاری طریق ہجا رہی تھا جو بعد میں رسم قرآنی کہلایا اور رسم قیاسی اسی میں سے نکلا۔ اور یہی وجہ ہے بیشتر قواعد میں رسم قرآنی رسم قیاسی کے مطابق ہے۔ تمام "مخالفات" محدود اور محصور ہیں۔ یہ سمجھنا غلط ہے کہ شاید رسم قیاسی کو مسخ کر کے رسم قرآنی تیار کیا گیا۔ رسم قیاسی تو اس وقت تک موجود ہی نہ تھا اور حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم اپنے زمانے کے معروف طریق املاء کے مطابق ہی لکھا گیا ہے۔

اور اس تیسرے نظریہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دَورِ صحابہؓ میں ایک بھی ایسا واقعہ بیان نہیں ہوا کہ رسم قرآنی۔ قرآن کی تلاوت یا قراءت میں کسی صعوبت یا الجھن کا باعث بنا ہو۔ یہ بات سب سے پہلے امام مالک (ت ١٧٩ھ) کے زمانے میں سامنے آئی۔ جب رسم قیاسی کے اصول و قواعد مرتب ہو چکے تھے اور روزمرہ کی زندگی میں یہی "نیا" رسم قیاسی استعمال ہونے لگا تھا اور لوگ اس سے مانوس ہو چکے تھے اور "پرانا" طریق املاء اب صرف کتابتِ مصاحف تک محدود ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ عجیب اور غیر مانوس لگنے لگا تھا۔ رسم قرآنی کے معاملے میں آج کل عرب ملکوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کو بالکل اسی قسم کی صورتِ حال درپیش ہے۔

١٩) (رسم المصحف اور رسم قیاسی کے درمیان اختلاف کی توجیہہ کے بارے میں مذکورہ بالا (تین) مواقف سے ہی اس (دوسرے) سوال کے بھی مختلف جواب سامنے آتے ہیں کہ "کیا رسم قرآنی اور رسم قیاسی کے اس فرق و اختلاف کو برقرار رکھنا ضروری ہے؟" یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ "کیا کتابتِ مصاحف میں علم الرسم کے اصولوں [جو رسم مصاحفِ عثمانیہ پر مبنی ہیں] کی پابندی واجب ہے؟ اور ان کی خلاف ورزی واقعی حرام ہے؟"



اس سوال کے جواب میں یعنی رسم عثمانی کے التزام یا عدم التزام کے بارے میں بھی تین مواقف سامنے آتے ہیں(۶۹)۔

۱) (وجوب التزام یعنی پابندی لازمی ہے-خلاف ورزی ناجائز ہے۔

۲) (جواز عدم التزام یعنی پابندی لازمی نہیں-خلاف ورزی جائز ہے۔

۳) (وجوب عدم التزام یعنی پابندی جائز نہیں-خلاف ورزی لازمی ہے۔

لہٰذا ہر ایک موقف کے قائلین اور ان کے دلائل کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

پہلا موقف:

کتابتِ مصاحف میں رسم عثمانی(یا علم الرسم کے اصولوں) کے التزام کے وجوب کے قائلین میں جمہور علماء سلف و خلف شامل ہیں۔یعنی یہ اہل علم کی اکثریت کا موقف ہے۔اس موقف کی تائید میں امام مالکؒ،امام احمد بن حنبلؒ،(بلکہ بقول جعبری ائمہ اربعہ)۔تمام ائمہ رسم(مثل الدانی وغیرہ)اور بیشتر مفسرین و محدثین،مثل نظام الدین نیشاپوری،البیہقی،الطحاوی،القاضی عیاض اور عبد الرحمن المغربی وغیرھم کے اقوال وآراء پیش کئے جاتے ہیں (۷۰)۔[تاہم یہ سب قائلین توقیف نہیں ہیں]۔اور اس موقف کی تائید میں دلائل یہ پیش کئے گئے ہیں کہ-:

۱) (آنحضرت ﷺ کے سامنے(اس زمانے میں رائج)رسم کے مطابق قرآن لکھا جاتا رہا۔اور آنحضرت ﷺ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اسی رسم کے مطابق لکھا ہوا قرآن چھوڑا۔گویا اس رسم کو کم از کم بھی سنت تقریری کی حیثیت تو حاصل ہے اور اگر آنحضرت ﷺ کے کتابتِ قرآن سے شغف اور اس کے اہتمام کو دیکھا جائے تو یقیناً اسے واجب بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

۲) (عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں مصحف کی کتابت اسی طریقے پر ہوئی-بلکہ ایک ہی کاتب کے ہاتھوں ہوئی-اور مصاحفِ عثمانیہ ہی باجماع صحابہؓ آئندہ ہمیشہ کے لیے اور سب کے لیے کتابتِ مصاحف کی بنیاد قرار پائے۔

۳) (آنحضرت ﷺ کے بعد تمام صحابہؓ،تابعین،تبع تابعین ائمہ مجتہدین کا(جن کے زمانے میں رسم قیاسی موجود تھا)سب کا اس رسم پر اتفاق ثابت ہے۔کسی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے(۷۱)اہل تشیع سے بھی اس کی حمایت اور تائید ثابت ہے اور وہ قاری اور کاتب ہر ایک کے لیے اس سے آگاہ ہونا ضروری گردانتے ہیں(۷۲)۔

۴) (یہ عہد نبوی کا رسمِ قرآن ہے۔اس وجہ سے اسے ایک تاریخی اہمیت بلکہ تقدیس اور تکریم کا درجہ بھی حاصل ہے اور مسلمانوں پر اس کی حفاظت واجب ہے(۷۳)۔اور اسی غرض کے لیے علم الرسم جیسا مہتم بالشان علم وجود میں آیا۔

۵) (یہی رسم اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ عہد نبوی سے لے کر آج تک قرآن کریم کی کتابت میں ایک حرف تک کا تغیر و تبدل نہیں۔[ھجاء کلمات کے حروف گن کر جوڑنے کا نام ہی تو ہے] بلکہ کسی نبرہ (دندانہ) تک کو بھی نہیں بدلا گیا (مثلاً بِأَییْد، بِأَییّکم میں) حتیٰ کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس رسم میں فنی قواعد کے لحاظ سے کوئی نقص یا کمی رہ گئی تھی۔ تو اس کی بھی اصلاح نہیں بلکہ حفاظت کی گئی ہے۔ اور نہ ہی محض اس وجہ سے کبھی قرآن غلط پڑھا گیا ہے۔

دوسرا موقف:

رسم قرآنی کے عدم التزام کے جواز کے قائلین کا موقف یہ ہے کہ کتابتِ مصاحف میں رسم عثمانی کے التزام کی بجائے املاء قیاسی یا قواعد عامہ کا اتباع اور استعمال جائز ہے۔ اس نظریہ کے حامیوں میں علامہ ابن خلدون اور قاضی ابو بکر الباقلانی کا نام لیا جاتا ہے۔ موئخر الذکر خصوصاً اس نظریہ کے پرجوش حامی تھے (۷۴)۔ اس موقف کے حق میں یہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں:-

۱) (رسم یا املاء کی حیثیت اشارات اور علامات کی ہے لہٰذا جو طریق املاء بھی درست تلفظ پر دلالت کرتا ہے اسی کا اتباع صواب ہے۔

۲) (رسم عثمانی قرآن کی درست قراءت میں صعوبت اور التباس کا باعث بنتا ہے۔ تیسیر اور عدم حرج کے اصول شرعی کی بنا پر- جدید اور متعارف طریق املاء کو اختیار کرنا کیوں ناجائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

۳) (قرآن، سنت یا اجماعِ امت سے کتابتِ مصحف میں کسی خاص رسم کا قطعی وجوب ثابت نہیں ہے اور نہ ہی آنحضرت ﷺ سے کسی کاتبِ وحی کو املاء اور ھجاء کلمات میں کوئی خاص طریقہ اختیار کرنے کی کوئی ہدایت ثابت ہے۔

۴) (قرآن وحدیث میں کسی متعین رسم کی پابندی کا حکم یا اس کی خلاف ورزی سے نہی اور یا اس خلاف ورزی پر کوئی وعید یا تہدید وارد نہیں ہوئی ہے۔

تیسرا موقف:

وجوب عدم التزام کے قائلین کا موقف یہ ہے کہ عوام الناس کے لیے کتابت مصاحف میں عام املائی قواعد کی پابندی کرنی چاہیے اور رسم عثمانی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ رسم عثمانی کی پابندی کے ساتھ لکھے جانے والے مصاحف صرف خواص اور اہل علم کے لیے مختص ہونے چاہئیں (۷۵)۔ اس نظریہ کے قائلین میں بدالدین الزرکشی (صاحب البرھان) اور شیخ عزالدین بن عبد السلام شامل ہیں۔ اور اس موقف کے صرف پہلے "عوامی قرآن" والے حصے کے قائلین بکہ حامیوں میں مصر کے جدید علماء میں سے الشیخ حسین والی اور احمد حسن الزیات کا شمار بھی ہوتا ہے (۷۶)۔

اس موقف کے حق میں یہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں:-



(۱) رسم عثمانی کے مطابق کتابت عوام کے لیے تلاوت اور قراءتِ قرآن میں دقت اور مشقت کا باعث بنتی ہے اور ان سے بعض دفعہ سنگین غلطی کا ارتکاب ہو سکتا ہے جو الٹا باعث گناہ ہوتا ہے۔

(۲) تاہم رسم عثمانی کو محض یادگارِ سلف ہونے کی حیثیت سے باقی رکھنا بھی ضروری ہے۔ایک چیز کا یادگار ہونا اور بات ہے اور روزمرہ کے استعمال میں لانا دوسری بات ہے۔اس لیے ''رسم عثمانی'' والے مصاحف صرف خواص اہل علم تک محدود رہنے چاہئیں۔

اور غالباً اسی نظریہ سے متأثر ہونے اور اسی رفع التباس کی بنا پر ہی اہل مشرق (ایشیائی ممالک) میں بہت سی چیزوں میں رسم عثمانی سے بالفعل (عملاً) خلاف ورزی کا رواج ہو گیا ہے (۷۷) اور اہل مغرب (افریقہ) میں بھی رسم عثمانی کا التزام اس وجہ سے پایا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں امام مالکؒ کا واضح قول ثابت ہے اور افریقہ اور مغرب میں زیادہ تر فقہ مالکی کا اتباع کیا جاتا ہے (۷۸)۔

ان دو نظریوں [جواز عدم التزام اور وجوب عدم التزام] کے قائلین کا ایک مشترکہ استدلال یہ بھی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں کتابت عہد نبوی سے تھوڑا عرصہ پہلے متعارف ہوئی تھی۔اور اس کے جاننے والوں کی تعداد بھی محدود ہی تھی۔گویا عربی املاء نزول قرآن کے وقت اپنے عہد طفولیت میں تھی اور کتابت میں حاذق اور ماہر لوگ کم ہی تھے۔اس لیے اس میں قواعد کے لحاظ سے یکسانیت اور پختگی ابھی نہیں آئی تھی (۷۹)۔لہٰذا ایک مقدس اور متبرک یادگار کے طور پر اس (رسم) کی حفاظت تو ضرور ہونی چاہیے مگر اسے معمول بہ بنانے میں کئی مفاسد ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان مؤخر الذکر دو نظریوں کے حامیوں میں سے کسی نے صحابہؓ یا رسم المصحف کے خلاف کوئی ہرزہ سرائی نہیں کی۔[جس کے مرتکب دو مصری تجدد پسند عبدالعزیز فہمی اور مؤلف ''الفرقان'' ہوئے ہیں] (۸۰) بلکہ ان کا موقف اور مقصد صرف قراءت قرآن میں سہولت پیدا کرنا اور التباس اور خطا کے امکانات کو روکنا ہی معلوم ہوتا ہے۔

(۲۰) بہرحال امت کی غالب اکثریت کتابتِ مصحف میں رسم المصحف یا رسم عثمانی کی پابندی کی قائل رہی ہے۔حتیٰ کہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جن مصاحف کے اندر رسم عثمانی کی (عموماً غیر ارادی) خلاف ورزی موجود ہوتی ہے ان کے بھی سرورق پر ''مطابق رسم عثمانی" لکھا ہوتا ہے (۸۱)۔اہل مشرق میں جو رسم عثمانی کی خلاف ورزی کی زیادہ مثالیں ملتی ہیں۔اس کی بڑی وجہ نقل صحیح کا التزام کرنے کی بجائے حافظہ اور قیاس سے کام لینا ہے۔پیشہ ورانہ عجلت بھی اس کا باعث بنتی ہے اور بڑا سبب کُتّابت مصاحف کی کم علمی اور کتابت کی ماہرانہ نگرانی اور پڑتال کا فقدان ہے۔مصاحف کے مصححین حضرات بھی رسم کی اغلاط سے یا تو خود بھی بے خبر ہوتے ہیں یا رسم کی بجائے حرکات کی اغلاط پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔نظریاتی حد تک لوگ ہمیشہ رسم عثمانی کے التزام کے قائل رہے ہیں۔بلکہ محتاط کاتب نقل صحیح کی پابندی بھی کرتے ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ منقول عنہ نسخہ میں ہی اغلاط موجود ہوں (۸۲)۔

دور طباعت میں جب رسم عثمانی کی (عملی) مخالفت کی مثالیں بکثرت سامنے آنے لگیں (قلمی دور میں ان کا دائرہ محدود تھا) تو اہل علم میں اس کے تدارک کا داعیہ پیدا ہوا جس کے نتیجے میں علم الرسم کے قواعد کی پابندی پر مبنی بعض مصاحف تیار ہوئے (۸۳) جن میں مصری، شامی، سعودی، تونسی اور لیبی مصاحف قابل ذکر ہیں۔ تجدد پسندوں کی انتہاپسندی کے خلاف رد عمل کے طور پر بھی رسم عثمانی کے حق میں داعیہ کی تجدید کا عمل شروع ہو گیا ہے۔

جہاں تک رسم عثمانی کی وجہ سے قراءت میں التباس والے اعتراض کا تعلق ہے تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ علم الضبط کے ذریعے اس مشکل پر مکمل قابو پالیا گیا ہے۔ اور یوں بھی قرآن کریم کی تعلیم صرف کتابت پر کبھی منحصر نہیں رہی۔ اس کے لیے عہد نبوی سے جاری - تلقی وسماع کے طریقے پر استاد یا شیخ سے شفوی طور پر (زبانی) تلفظ اور اداء کا سیکھنا ناگریز ہے۔ بلکہ اس طریقے کے بغیر تو آپ کسی بھی زبان کا پڑھنا یا بولنا نہیں سیکھ سکتے

عرب ممالک کے خواندہ لوگوں کے لیے رسم الخط کی ثنویت (روزمرہ میں رسم قیاسی اور تلاوت میں رسم عثمانی سے واسطہ پڑنا) التباس اور صعوبت کا باعث بنتی ہے۔ ورنہ دنیا میں لاکھوں (بلکہ شاید) کروڑوں ایسے مسلمان ہیں جو اسی رسم عثمانی کے مطابق (بیشتر مطابقت ہی ہوتی ہے) لکھے ہوئے مصاحف سے اپنے علاقے میں رائج علامات ضبط کی بنا پر ہمیشہ درست تلاوت کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں "عوام" کا نام تو محض ایک "نعرہ" کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ ضرورت تو پڑھے لکھے عربی دانوں کو رسم قرآن سے شناسا کرنے کی ہے رسم قرآنی کو ترک کرنا اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ بلکہ اس کے مفاسد بہت زیادہ ہیں (۸۴)۔ جب کہ رسم عثمانی کے التزام میں متعدد علمی اور دینی فوائد کا امکان غالب ہے (۸۵)۔

)۲۱ (البتہ رسم عثمانی کے بارے میں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اس کی بنیاد روایت پر ہے اور روایت میں اختلاف کا پیدا ہونا ایک طرح سے ناگریز ہے۔ یہاں بھی اختلاف روایات موجود ہے۔ خود مصاحف عثمانیہ یا مصاحفِ امصار کے اندر طریق ہجاء اور املاء کے اختلافات سے علم الرسم کی کتابوں میں بحث کی جاتی ہے اور کتب رسم میں ایک اختلاف بیان کر کے عموماً ساتھ یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ اب ہمارے ہاں فلاں صورت پر عمل کیا جاتا ہے۔ مثلاً المارغنی نے لکھا ہے کہ اس کی شرح مورد کی بنیاد "بیان ماجری بہ العمل فی قطرنا التونسی" (اہل تونس کے معمول بہ قواعد کا بیان) ہے۔ اسی طرح علی محمد الضباع نے اکثر جگہ اختلاف روایات بیان کر کے ساتھ اس قسم کے فقرے لکھے ہیں کہ "جری علیہ المغاربۃ" (اہل مغرب کا عمل اس پر ہے) یا مثلاً "علیہ جری عملنا" (ہمارا عمل اس پر ہے) یا مثلاً "وعلیہ العمل" (اور عمل اس پر ہے) (۸۶) وغیرہ۔

پھر علماء رسم میں کسی اختلاف کی صورت میں ترجیح راجح کے اصول بھی بعض دفعہ مختلف ہوتے ہیں مثلاً مصری، سعودی اور شامی علماء الدانی کے مقابلے پر (بصورت اختلاف) اس کے شاگرد ابوداؤد کے قول کو ترجیح دیتے ہیں [مصری، شامی اور سعودی مصاحف اسی اصول پر تیار ہوئے ہیں]۔ مگر لیبیا والے ابوداؤد کے مقابلے پر الدانی کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ لیبیا سے حال ہی میں شائع ہونے والے "مصحف الجماھیریہ" میں کم وبیش ۱۳۶ مقامات پر الدانی کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے مصری یا سعودی مصحف کی (رسم میں) مخالفت کی گئی ہے (۸۷)۔ اس مخالفت سے قراءت یا تلفظ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔



۲۲) پاکستان میں حکومت اور ناشرین قرآن - دونوں ہی رسم قرآنی یا رسم عثمانی کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ سعودی علماء علم الضبط اور علم الرسم میں فرق ہی نہیں کر سکے۔ اور وہ اپنے یا عرب ملکوں کے ضبط کو وحی کا درجہ دیتے ہیں۔ اور اس کے مخالف ضبط والے مصاحف کا اپنی مملکت میں داخلہ بند کر دیا ہے اور عوام کے لیے تلاوتِ قرآن جیسے کام میں رکاوٹیں اور مشکلات پیدا کر دی ہیں۔*

1986 *ء میں مؤلف حج کے لیے گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں انہوں نے سعودی علماء سے پاکستان میں طبع شدہ مصاحف کے ضبط اور رسم کے صحیح ہونے پر سیر حاصل بحث کی۔ الحمد للہ اسی کے نتیجہ میں 1988ء سے مکتبہ ملک فہد مدینہ منورہ سے پاکستان میں رائج ضبط اور رسم کے مطابق قرآن شائع ہوا' جو اب تمام دنیا میں ملتا ہے۔ (مرتب)

حوالے اور حواشی

۱۔ لبیب ص:۲۴

۲۔ یوسف علی (مقدمہ) ص:۹

۳۔ مصحف (مثلث المیم) کے معنی ہیں جامع الصحف۔ اس اصطلاح کے اندر تدوین و جمع قرآن کی پوری داستان جھلکتی نظر آتی ہے] مصحف او مصحف کے معنی اور ان کے باہمی تعلق کی مزید وضاحت کے لیے دیکھئے Denffer ص:۴۴ اور دلیل ص ۱۶[۔ عہد خلافت راشدہ خصوصاً عہد عثمانی سے لفظ "مصحف" "نسخہ قرآن کے معنی میں استعمال ہوتا چلا آیا ہے اس کی جمع "مصاحف" ہے۔ جہاں "نسخہ ہائے قرآن" کہنا ہو، اس کے لیے یہی لفظ (مصاحف) استعمال کرنا چاہیے۔ قرآن کی جمع "قرآنوں" یا "قرآن ھا" یا "Qurans" کا استعمال درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن متعدد نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔

۴۔ دلیل ص:۴۰، سمیر: ص:۲۷، غانم ص:۱۵۵

۵۔ "املاء" بھی عربی لفظ ہے اور اس کے معنی "لکھوانا" یا (Dictation) کے ہیں۔ تاہم اردو فارسی میں یہ لفظ انگریزی Spelling کے مترادف ہے۔ عربی میں اس مقصد کے لیے لفظ "ھجاء" استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ عربی میں اسی لفظ کے کچھ اور معنی بھی ہیں۔

۶۔ مذکورہ الفاظ میں سے "الکتابۃ، الخط، الزبر، السطر اور الرقم" سے افعال اور مشتقات قرآن کریم میں مستعمل ہوئے ہیں۔

۷۔ مقدمہ ج:۱، ص:۸۴۷

۸۔ قلقشندی ج:۳ ص:۱۷۲

۹۔ حضرت عثمانؓ نے خود کوئی مصحف نہیں لکھا تھا۔ یہ مصاحف (عثمانیہ) ان کے حکم سے تیار کرائے گئے تھے۔ اس لیے ان کے طریق املاء کے لیے "رسم عثمانی" کی اصطلاح وجود میں آئی۔ جن لوگوں کو بوجوہ یہ اصطلاح پسند نہیں وہ رسم مصحف یا رسم قرآنی وغیرہ کہہ لیتے ہیں۔ مراد سب کی ایک ہی ہے یعنی "علم الرسم"۔

۱۰۔ تلخیص ص:۵

۱۱۔ المیسر (مقدمہ)' ص: اول

۱۲۔ دلیل' ص:۴۰، سمیر' ص:۳۰

۱۳۔ تجزیہ روایات کے لیے دیکھئے البری' ص ۴۳-۴۵ اور غانم' ص:۱۲۶

۱۴۔ نیز دیکھئے' Denffer ص:۵۴-۵۵، جہاں مراحل جمع قرآن کی ترتیب زمانی کو ایک سادہ مگر عمدہ چارٹ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

۱۵۔ دلیل،ص:۱۵-۱۶

۱۶۔ البری،ص:۴۵بعد، دلیل،ص:۱۸

۱۷۔ البری،ص:۴۷

۱۸۔ دلیل،ص:۱۹

۱۹۔ سمیر،ص:۱۷

۲۰۔ تفصیل کے لیے دیکھئے غانم،ص:۱۹۸اور،ص:۳۰۷

۲۱۔ نخبہ،ص:۲۳

۲۲۔ یہی کتاب (نخبہ)،ص:۵۷-۵۸

۲۳۔ ابن درستویہ (ت ۳۴۶ھ) نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں یہ لکھا ہے کہ اس سے پہلے لوگوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق اصول املاء وضع کئے جن میں بہت سے غلط بھی ہیں۔ اور یہ کہ اس نے اپنی کتاب کو قیاس نحوی سے زیادہ قریب کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھئے ابن درستویہ،ص:٦

۲۴۔ ابن الندیم نے اس قسم کی کتابوں میں سے بعض کا ذکر کیا ہے مثلاً ابو حاتم سجستانی کی کتاب الخط والھجاء (الفہرست،ص:۸۸) ابن درستویہ کی کتاب المتمم اور کتاب الھجاء (الفہرست،ص:۹۴-۹۵) اور الکسائی کی کتاب الھجاء (الفہرست،ص:۹۸) وغیرہ اس قسم کی مزید کتابوں کے ذکر کے لیے دیکھئے غانم،ص:۱۳۷ بعد۔

۲۵۔ غانم،ص:۱۹۸

۲۶۔ اس زمانے تک پیشہ ورانہ اور فنی خطاطی کی طرف بھی پیش رفت شروع ہوگئی تھی۔ تابعین میں سے ابو حکیمہ، مطر اور مالک بن دینار کی عمدہ خطاطی اور (پیشگی طے کئے بغیر) اجرت پر مصاحف لکھنے کا ذکر ملتا ہے۔ دیکھئے المصاحف،ص:۱۳۰-۱۳۲

۲۷۔ الکردی،ص:۱۳۳

۲۸۔ یہ واقعہ علم الرسم کی قریباً تمام کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے مثلاً دیکھئے المقنع،ص:۹، الکردی،ص:۱۰۳-۱۰۴، دلیل،ص:۲۳-۲۴، غانم،ص:۱۹۹اور سمیر،ص:۱۸

۲۹۔ الخلیفہ،ص:۲، دلیل،ص:۴۱، سمیر،ص:۲۷

۳۰۔ اور اس زمانے میں لوگ خصوصاً اہل علم تعلیمی اور دینی وعلمی اغراض کے لیے حرمین میں فی الواقع طویل قیام کیا کرتے تھے۔ نہ تو آج کل کی طرح چالیس دن کے اندر حرمین سے نکل جانے کی پابندی تھی اور نہ ہی وہ لوگ خریداری (Shopping) کے دلدادہ ہوتے تھے۔

۳۱۔ اس قسم کے املائی اختلافات کی مزید یکجا امثلہ کے لیے دیکھئے الفرقان،ص:٦۴، الکردی،ص:۱۲۸-۱۳۱، اور المیسر (مقدمہ)،ص:"و"، "ز" اور ویسے تو علم الرسم کی ہر کتاب اسی قسم کے اختلافات کے بیان سے بھری پڑی ہے۔

۳۲۔ اور اس کی بڑی وجہ غالباً اس بارے میں امام مالکؒ کا مشہور فتوی بھی تھا۔ افریقہ اور اندلس میں زیادہ تر فقہ مالکی ہی رائج ہوئی اور شمالی افریقہ کے ملکوں میں اب تک غالب اکثریت اسی مذہب (فقہ) کی پیرو ہے۔

۳۳۔ تفصیل کے لیے دیکھئے نامہ آستان،ص:۱۵-۱۹

۳۴۔ ابن الندیم کے مذکورہ بالا حوالوں کے لیے دیکھئے الفہرست،ص:۵۴، ص:۱۵۵ اور ص:۸۷۔



۳۵۔ المقنع،ص:۲۲،ص:۲۳

۳۶۔ غانم،ص:۱۷۲-۱۷۳

۳۷۔ دیکھئے المورد،ص:۲۷۱تا۳۱۶

۳۸۔ الفہرست،ص:۸۷،۹۸،۱۰۰اور ۱۱۲

۳۹۔ دلیل،ص:۲۵-۲۶،غانم،ص:۱۷۴

۴۰۔ غانم،ص۱۵۶جس میں لکھاہے کہ ”ویظھر فیہ نزوع شدید الی استخدام مادۃ(رسم)للدلالۃ۔ خاصۃ علی خط القرآن“۔

۴۱۔ یہ کتاب غالباً طبع ہو چکی ہے اگرچہ اشارہ واضح نہیں ہے۔ دیکھئے المورد،ص:۴۱۳

۴۲۔ دیکھئے ان مصاحف کے ضمیمہ ہائے ”التعریف“۔ مصری مصحف،ص:”د“سعودی مصحف،ص:”أ“اور لیبی مصحف،ص:”ج“اور ”و“۔

۴۳۔ غانم،ص:۳۸۸اور ص:۱۷۹۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے مخطوطہ میں کنیت ”ابن الطاہر“اور باپ کا نام طاہر کی بجائے ”ظافر“ لکھاہے اور کتاب کا نام ”فی مرسوم خط المصحف مرتباً علی سور القرآن الکریم“ دیا گیاہے۔ مقالہ نگار نے اسی مخطوطہ سے استفادہ کیاہے۔

۴۴۔ البرہان:ج:۱،ص:۳۸۰-۴۳۰۔ نیز اس پر تنقید کے لیے دیکھئے صبحی،ص:۲۷۷اور المیسر (مقدمہ)،ص:”ی“،”و“،”ک“اور اس کی بعض تعلیلات پر تبصرہ کے لیے دیکھئے الکردی،ص:۱۵۴-۱۵۶

۴۵۔ دیکھئے المورد،ص:۴۱۳-۴۳۲

۴۶۔ ان چار مخطوطات میں سے نمبر ۲ (جامع الکلام.....)کا ذکر غانم قدوری نے اپنی کتابیات میں کیاہے (غانم،ص:۷۸۹)۔ باقی کا ذکر مجلہ المورد العدد العاشر ۱۹۸۱ء میں شائع ہونے والے ابتسام مرھون الصفار کے ایک تحقیقی مضمون بعنوان ”معجم الدراسات القرآنیۃ المطبوعہ والمخطوطہ“میں آیاہے۔

۴۷۔ تفصیل کے لیے دیکھئے غانم،ص:۱۸۴-۱۸۵

۴۸۔ زرکلی نے اس کا نام ”خمیلۃ ارباب المقاصد“ لکھاہے (زرکلی،ج:۱،ص:۴۹) اور غانم قدوری نے اپنی کتابیات میں اس مخطوطہ کا نام خمیلہ (جمیلہ) دونوں طرح لکھاہے۔ علم الرسم میں الجعبری کے اپنے قصیدہ لامیہ ”روضۃ الطرائف“کا الگ ذکر اوپر پیراگراف ۱۲ میں نمبر ۱۰ پر ہو چکاہے۔

۴۹۔ غانم،ص:۱۷۸

۵۰۔ ذرا دیکھئے ابن درستویہ،ص:۷تا۹۔ (فہرست مندرجات) اسی سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ قواعد خمسہ ہی وہاں بھی موجود ہیں۔

۵۱۔ ان مؤلفین اور ان کی کتب کا تعارف مقالہ ھذا کے پیراگراف نمبر ۱۱ اور نمبر ۱۲ میں کرایا جا چکاہے۔

۵۲۔ العقیلی،ورق:۵/الف

۵۳۔ ان کتابوں کا اجمالی ذکر اسی مقالہ کے پیراگراف نمبر ۱۲ میں گزر چکاہے۔ ارکاٹی اور العقیلی کی کتاب (مخطوطے کا فوٹوسٹیٹ) مقالہ نگار کے پاس موجود ہیں۔ باقی کتابوں کے بارے میں غانم قدوری کے بیان پر اعتماد کیا گیاہے دیکھئے غانم،ص:۱۸۶۔

۵۴۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھئے غانم،ص:۳۴-۳۵-۳۷

۵۵۔ سمیر،ص:۲۳-۲۵،الزرقانی،ص:۳۰۷و،ص:۳۷۵،الکردی،ص:۱۹۳اور خصوصاً،ص:۲۲۵-۲۲۷۔ ان میں سے اکثر نے صاحب الابریز شیخ عبد العزیز الدباغ کا ایک اقتباس بھی نقل کیاہے۔

۵۶۔ نمونہ کے لیے دیکھئے البرہان،ص:۳۸۰بعد اور الکردی،ص:۱۵۴بعد۔



۵۷۔ الکردی،ص:۲۲۴ بعد۔ خصوصاً الکردی کے ایک سوال کے جواب میں حبیب اللہ شنقیطی مرحوم کا خط جو مؤلف نے پورا شائع کر دیا ہے۔ نیز مؤلف نے نظریہ توقیف کے ناقابل قبول ہونے پر نہایت عمدہ دلائل دیئے ہیں۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہ پوری بحث مقالہ میں لے آتے۔ جو الکردی ص ۹۸-۲۰۱ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

۵۸۔ ہم نے یہاں ابن خلدون کی رائے کی صرف تلخیص پیش کی ہے۔ مکمل بحث مقدمہ،ص:۷۴۷-۷۴۸ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

۵۹۔ اس کی ایک مثال سمیر،ص:۲۱ پر ملتی ہے جہاں مؤلف نے ابن خلدون کا ادھورا اقتباس دے کر اس کے نظریہ کو "افراط" اور صحابہؓ کی شان کے منافی قرار دیا ہے۔

۶۰۔ الفرقان،ص:۵۴ تا،ص:۹۱۔ نیز دیکھئے غانم،ص:۲۱۲۔ جہاں اس کتاب کا پورا قصہ لکھا ہے۔

۶۱۔ اس کی ایک مثال مصری مؤلف عبدالجلیل عیسٰی ہیں۔ جنہوں نے ابن خلدون کو داد دی ہے۔ دیکھئے المیسر (مقدمہ)،ص:"ی" تا "ل"۔

۶۲۔ یہ فہمی صاحب، مصطفی کمال کی طرح، عربی کو بھی بحروف لاطینی لکھنے کے پر جوش حامی تھے اس کے لیے اس نے ایک کتاب "الحروف اللاتینیۃ لکتابۃ العربیۃ" (قاہرۃ ۱۹۴۴ء) لکھی جس میں اس نے رسم المصحف کو سخیف (احمقانہ) لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے غانم،ص:۲۱۲۔

۶۳۔ اردو میں غالباً اب تک اس موضوع پر بھی کوئی قابل ذکر تحقیقی کام (یا کسی ایسے کام کا ترجمہ تک) نہیں ہوا ہے۔ انگریزی (اور بعض دوسری یورپی زبانوں میں بھی) اور عربی میں اس پر اچھا مواد دستیاب ہے مثلاً صلاح الدین المنجد، سھیلہ الجبوری، نبیہ عبود، صفدی، ماری شمل اور غانم قدوری کی تالیفات قابل ذکر ہیں۔

۶۴۔ نامی،ص:۷، عبود،ص:۲،۳،۱۴۔ ذنون،ص:۷ بعد اور نقشبندی،ص:۲۰۳ بعد۔

۶۵۔ المنجد،ص:۱۹ اور المورد،ص:۳۹-۴۱

۶۶۔ اس کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے ہمارے ہاں انگریزی کے دو ہجاء، برطانوی اور امریکی رائج ہیں۔ بلکہ اردو کے بھی دو ہجاء چلتے ہیں ایک عام معروف ہجاء اور دوسرا انجمن ترقی اردو کا سرکاری ہجاء۔

۶۷۔ دیکھئے مقالہ ھذا کا حاشیہ نمبر ۲۴

۶۸۔ رسم قیاسی کی اتنی ترقی اور استحکام کے باوجود املاء کے بعض طریقوں میں رسم قیاسی کے مقابلے پر آج بھی رسم قرآنی زیادہ علمی اور زیادہ سائنٹفک ہے مثلاً "اشترلہ" کے قرآنی رسم کے مقابلے پر رسم قیاسی کا "اشتراء" علمی اعتبار سے یقیناً ناقص ہے مزید مثالوں کے لے دیکھئے مقالہ ھذا کا پیراگراف نمبر ۹ کے آخر پر دی گئی فہرست کلمات۔

۶۹۔ القاضی،ص:۷۹ بعد، الخلیفہ،ص:۲ اور مجلۃ الکلیہ،ص:۳۴۲ بعد۔

۷۰۔ سمیر،ص:۱۸-۲۰، مجلہ الکلیہ،ص:۳۴۲، الزرقانی،ص:۳۷۲

۷۱۔ القاضی،ص:۸۴

۷۲۔ نامہ آستان،ص:۱۵، تجوید القرآن،ص:۷

۷۳۔ یہ "حفاظت ورثہ" والی بات جذباتی ہی نہیں اپنے اندر ایک تہذیبی بلکہ قانونی اہمیت بھی رکھتی ہے۔ بر سبیل تذکرہ مصر کے ایک ناشر کے خلاف رسم قیاسی کے ساتھ لکھا ہوا ایک مصحف چھاپنے پر مقدمہ چلا۔ عدالت نے ناشر کے خلاف فیصلہ دیا اور نسخہ کی ضبطی کا حکم جاری کیا۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں ایک "نقطہ توجہ" یہ لکھا کہ "آثار سلف کی حفاظت ترقی یافتہ اقوام کا فریضہ اولین ہے۔" یہی وجہ ہے کہ انگریز شکسپیئر (یا دوسرے قدیم شعراء مثل چوسر وغیرہ) کا کلام ان ہی کے زمانے کے ہجاء وغیرہ کے ساتھ چھاپنا ضروری خیال کرتے ہیں اور وہ کسی طابع یا ناشر کو اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ تین چار سو سال میں انگریزی زبان بدل کر کچھ سے کچھ ہو چکی ہے۔ تو پھر قرآن کے بارے میں یہ اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟" واقعہ کی اصل روایت کے لیے دیکھئے القاضی،ص:۸۶-۸۷۔

۷۴۔ الزرقانی،ص:۳۷۳-۳۷۴۔ جہاں الانتصار للباقلانی کا ایک طویل اقتباس بھی دیا گیا ہے۔

۷۵۔ القاضی،ص:۷۹-۸۰، مجلۃ الکلیہ،ص:۳۴۸۔ قریباً یہی بات امام مالکؒ نے کہی تھی کہ بچوں کی تعلیم کے لیے رسم عثمانی سے ہٹ کر لکھنا جائز ہے (دیکھئے دلیل،ص:۲۴)



۷۶۔ القاضی ٬ص:۸۲-۸۳

۷۷۔ القاضی ٬ص:۸۰ بحوالہ التبیان)، الکردی ٬ص:۱۹۷-۱۹۸

۷۸۔ افریقی ممالک میں بچہ جتنا حصہ قرآن پڑھتا ہے وہ تختی پر نقل کر کے استاد کو دکھاتا بھی ہے۔ بلکہ اس مقصد کے لیے وہاں حروف سے بھی پہلے مکمل کلمات کا لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ اس چیز سے وہاں مصحف کی نقل صحیح اور رسم عثمانی کی حفاظت کی روایت قائم ہو گئی ہے۔ جسے بوجوہ اہل مشرق بر قرار نہیں رکھ سکے۔

۷۹۔ القاضی ٬ص:۸۱۔ ہم اس پر ابھی پیراگراف ۸۱ کے آخر پر تنقید اور تبصرہ کر چکے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ دوبارہ اسے بھی مستحضر کر لیا جائے۔

۸۰۔ ان دونوں کے متعلق بھی پیراگراف ۱۸ میں "دوسرا نظریہ" کے تحت بات ہو چکی ہے۔ نیز دیکھئے حاشیہ نمبر ۶۰ مقالہ ھذا۔

۸۱۔ مثلاً راقم الحروف کے پاس بمبئی سے مطبوعہ دو مصحف (ایک ۱۲۸۹ھ کا اور دوسرا ۱۳۰۴ھ کا) ایسے موجود ہیں جن پر صرف رسم عثمانی نہیں بلکہ "مصحف سیدنا عثمان" کے رسم سے موافقت کا خصوصی ذکر ہے۔ مگر وہ رسم کی اغلاط سے یکسر مبرا نہیں ہیں۔

۸۲۔ راقم الحروف نے ایک دفعہ پیر عبدالحمید مرحوم سے (جو تاج کمپنی کے مشہور کاتب مصاحف تھے) یہ پوچھا کہ "آپ کتابت مصحف میں رسم عثمانی کا التزام کس طرح کرتے ہیں؟" انہوں نے رسم عثمانی سے یکسر بے خبری کا اظہار کیا۔ میرے دوبارہ سوال پر کہ "پھر آپ کے پاس کلمات قرآن کی ٹھیک املاء اور درست ہجاء کا کیا معیار ہے؟" تو انہوں نے بتایا کہ "میں اور کچھ نہیں جانتا صرف انجمن حمایت اسلام کا مطبوعہ نسخہ قرآن سامنے رکھ کر ٹھیک ٹھیک نقل کی کوشش کرتا ہوں"۔ انجمن کا یہ نسخہ اپنی صحت کی بجا شہرت رکھتا ہے اگرچہ رسم کے نقطہ نظر سے وہ بھی اغلاط سے خالی نہیں ہے۔

اس مقابلے پر راقم الحروف ہی کے پاس ضلع جھنگ کے ایک صاحب علم کاتب کا لکھا ہوا ایک خاندانی قلمی مصحف ایسا بھی ہے جس میں کاتب خاص خاص جگہوں پر بین السطور یا حاشیہ میں "بحذف الف" یا "بزیادۃ الواو" وغیرہ کا نوٹ دے کر بعض دفعہ ساتھ کسی اہم کتاب الرسم مثلاً "العقیلہ" کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

۸۳۔ اس قسم کے مصاحف کی تباہی کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے دیکھئے القاضی:۹۱-۹۴، غانم ٬ص:۲۰۱-۲۰۹۔

۸۴۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھئے الزرقانی ٬ص:۳۹۰ بعد۔

۸۵۔ تفصیل کے لیے دیکھئے سمیر ٬ص:۲۲-۲۳۔ القاضی ٬ص:۸۶-۸۷ اور الزرقانی ٬ص:۳۶۶ بعد۔

۸۶۔ دیکھئے دلیل ٬ص:۵ اور سمیر ٬ص:۳۶، ۴۰، ۵۰، ۶۷ اور ۷۶ وغیرہ متعدد مقامات پر۔

۸۷۔ دیکھئے مقالہ ھٰذا کا حاشیہ نمبر ۴۲۔

۸۸۔ الازھر کی مجلس فتویٰ کی طرف سے ۱۳۵۵ھ میں (بذریعہ مجلۃ الازھر) یہ فتویٰ جاری ہوا تھا کہ رسم عثمانی کی پابندی کے بغیر قرآن کریم کی طباعت ناجائز ہے۔ اس کے بعد سے طباعت مصاحف میں اس التزام کے بارے میں ایک تحریک سی پیدا ہو گئی ہے۔ مگر جدید اور قیاسی املاء کے عادی خواندہ لوگوں کے لیے رسم قرآنی میں کیسے سہولت پیدا کی جائے؟ اس سوال کا ایک جواب تو وقت نظر سے اختیار کردہ علامات ضبط کا نظام ہے۔ دوسرا علاج اس کا الازھر والوں نے ۱۳۶۸ھ میں ایک دوسرے فتویٰ کی صورت میں دیا جس کی رو سے یہ جائز قرار دیا گیا کہ اصل متن تو رسم عثمانی کے مطابق ہی رہے مگر نیچے ذیل (فٹ نوٹ) کے طور پر "مشکل" کلمات کو جدید املاء یا رسم معتاد کی شکل میں الگ بھی لکھ دیا جائے۔ چنانچہ عبدالجلیل عیسی کے حاشیہ کے ساتھ "المصحف المیسر" اسی اصول پر علماء الازھر کی نگرانی میں تیار ہو کر شائع ہوا تھا۔ یہ بھی اس مسئلہ کا ایک عمدہ حل ہے۔ تاہم غالباً پاکستان میں اس کی ضرورت نہیں۔ یہ پڑھے لکھے عربوں کے مسئلہ کا حل ہے۔ ہمارے ہاں رسم عثمانی کا مکمل التزام درکار ہے۔ اور اس کے پڑھنے کے لیے ہمارا نظام ضبط اور استاد کی تعلیم کافی ہے۔

"مفتاح المراجع"

مقالہ کی تیاری میں جن کتب اور مجلات وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔ تکرار میں طوالت سے بچنے کے لیے ان کے حوالے اختصار کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان تمام حوالوں کی "مفتاح" ابجدی ترتیب کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔ اس میں بیان کتابیات کے روایتی طریقے پر ہر ایک حوالے کے متعلق ضروری معلومات شامل ہیں۔

۱۔ البرھان: امام بدر الدین الزرکشی۔ البرھان فی علوم القرآن۔ عیسی البابی۔ القاھرہ-۱۹۵۷ء۔



۲۔ البری: عبداللہ خورشید البری ـــ القرآن وعلومہ فی مصر دار المعارف القاہرہ، ۱۹۶۹ء۔

۳۔ تجوید القرآن: علی بن محمد الحسینی کا رسالہ تجوید القرآن بزبان فارسی۔ یہ رسالہ ایک ایرانی مصحف مترجم بترجمہ آقائی معزی کے ساتھ شامل ہے جسے کتاب فروشی اسلامی تہران نے ۱۳۷۷ھ میں شائع کیا تھا۔

۴۔ تلخیص: علی بن عثمان ابن القاصح ـــ تلخیص الفوائد و تقریب المتباعد (شرح العقیلہ للشاطبی) مصطفی البابی۔ القاہرہ، ۱۳۶۸ء۔

۵۔ الخلیفہ: دکتور یوسف الخلیفہ ابو بکر السودانی کا مقالہ "الرسم القرآنی و صعوبات التعلیم الناتجۃ عنہ" جو سعودی عرب کے اخبار "المدینۃ المنورہ" کی اشاعت ۱۲ شوال ۱۴۰۱ء میں شائع ہوا تھا۔

۶۔ ابن درستویہ: عبداللہ بن جعفر الشہیر بابن درستویہ کتاب الکتّاب۔ مطبعہ کاثولیکیہ بیروت، ۱۹۲۷ء۔

۷۔ دلیل: ابراہیم بن احمد المارغنی۔ دلیل الحیران شرح مورد الضمآن۔ مکتبہ الکلیات الزہریۃ القاہرہ۔ ت (سنہ ندارد)۔

۸۔ ذنون: یوسف ذنون الموصلی کا مقالہ "قدیم و جدید فی اصل الخط العربی و تطورہ فی عصورہ المختلفۃ"۔ جو عراق کے مجلہ "العدالرابع" ۱۴۰۷ھ میں شائع ہوا۔

۹۔ الزرقانی: عبدالعظیم الزرقانی: مناہل العرفان فی علوم القرآن۔ عیسی البابی، القاہرہ، ۱۳۷۲ھ۔

۱۰۔ الزرکلی: خیر الدین الزرکلی، الاعلام۔ الطبقہ الثالثہ۔ بیروت، ب۔ت (سنہ ندارد)

۱۱۔ سعودی مصحف: سعودی حکومت کا شائع کردہ "مصحف المدینۃ النبویۃ" ۱۴۰۶ء۔

۱۲۔ سمیر: علی محمد الضباع، سمیر الطالبین فی رسم وضبط الکتاب المبین، مکتبہ و مطبعۃ المشہد الحسینی۔ القاہرہ ب ت (سنہ ندارد)۔

۱۳۔ صبحی: دکتور صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، دار العلم للملایین۔ بیروت، ۱۹۶۴ء۔

۱۴۔ عبود: انگریزی مراجع میں Abbot Nabia دیکھئے۔

۱۵۔ العقیلی: ابن الطاہر اسماعیل بن ظافر العقیلی۔ "فی مرسوم خط المصاحف" ادارہ تحقیقات اسلامی کا مخطوطہ [مقالہ کا پیراگراف ۱۲(۶) اور حاشیہ ۴۳ بھی ملاحظہ فرمائیے۔]

۱۶۔ غانم: غانم قدوری الحمد، رسم المصحف، دراسۃ لغویۃ تاریخیۃ۔ بغداد، ۱۴۰۲ھ یہ کتاب عراق کی ہجرہ کمیٹی نے شائع کی ہے۔

۱۷۔ الفرقان: محمد محمد عبداللطیف (ابن الخطیب) الفرقان، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، القاہرہ، ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۸ء (حاشیہ ۶۰ اور ۸۰ پر بھی نظر ڈال لیجئے)۔

۱۸۔ الفہرست: ابن الندیم الفہرست، المطبعہ الرحمانیہ بمصر، القاہرہ، ۱۳۴۸ھ۔

۱۹۔ القاضی: عبدالفتاح القاضی، تاریخ المصحف الشریف، مکتبہ و مطبعۃ المشہد الحسینی، القاہرہ، ب۔ت (سنہ ندارد)

۲۰۔ قلقشندی: ابو العباس احمد بن علی القلقشندی۔ صبح الاعشی فی کتابۃ الانشاء۔ وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی۔ مصر ۱۹۶۳ء۔

۲۱۔ الکردی: محمد طاہر بن عبدالقادر الکردی الخطاط۔ تاریخ القرآن۔ غرائب رسمہ وحکمہ۔ مصطفی البابی۔ القاہرہ، ۱۳۷۲ھ۔ ۱۹۵۳ء۔

۲۲۔ لبیب: دکتور لبیب السعید۔ الجمع الصوتی الاول للقرآن، دار المعارف القاہرہ، ب ت۔

۲۳۔ لیبی مصحف: حکومت لیبیا کا شائع کردہ "مصحف الجماہیریہ"، طرابلس، ۱۹۸۶ء۔

۲۴۔ مجلۃ: مجلۃ کلیۃ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیۃ بالجامعۃ الاسلامیۃ، (المدینۃ المنورہ) العدد الاول، ۱۴۰۲ھ۔

۲۵۔ المصاحف: ابن ابی داؤد السجستانی۔ کتاب المصاحف۔ المطبعہ الرحمانیہ بمصر، ۱۳۵۵ھ۔ ۱۹۳۶ء۔



۲۶۔ مصری مصحف: حکومت مصر کا شائع کردہ "مصحف الملک" القاہرہ، ۱۳۷۷ھ۔

۲۷۔ مقدمہ: علامہ عبد الرحمن ابن خلدون-مقدمہ کتاب العبر، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، ۱۹۶۱ء۔

۲۸۔ المنجد: دکتور صلاح الدین المنجد، دراسات فی تاریخ الخط العربی، منذ بدایتہ الی نھایۃ العصر الاموی-دار الکتاب الجدید-بیروت، ۱۹۷۳ء۔

۲۹۔ المورد: وزارۃ الثقافۃ والاعلام-عراق کے سرکاری مجلہ المورد کا عدد خاص-العدد الرابع، ۱۴۰۷-۱۹۸۶ء [المورد کے ۱۹۸۱ء کے ایک عدد سے بھی کچھ استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر وہیں کر دیا گیا ہے]۔

۳۰۔ المیسر: عبد الجلیل عیسی المصحف المیسر دار القلم، القاہرہ، ۱۳۸۲ھ۔

۳۱۔ نامی: خلیل یحیی نامی کا مقالہ "اصل الخط العربی وتاریخ تطورہ الی ما قبل الاسلام" جو مجلہ کلیہ الآداب-الجامعہ المصریہ کے شمارہ مئی ۱۹۳۵ میں شائع ہوا تھا۔

۳۲۔ نخبہ: عبد الفتاح الخلیفہ-نخبۃ الاملاء-مطبعۃ المعاھد بمصر، القاہرہ، ۱۳۴۵ھ-۱۹۲۶ء

۳۳۔ نقشبندی: اسامہ ناصر النقشبندی کا مقالہ "مبدأ ظھور الحروف العربیۃ وتطورھا لغایۃ القرن الاول الھجری" جو عراق کے مجلہ المورد-العدد الرابع ۱۴۰۷ھ میں شائع ہوا ہے۔

۳۴۔ نامۂ آستان: نامۂ آستان قدس، مشھد-ایران، شمارہ ۱ و ۲ دورہ نہم (محرم صفر ۱۳۹۱ھ)۔

۳۵۔ یوسف علی: دیکھئے انگریزی میں Yusuf Ali

ENGLISH REFERENCES

. ABBOT, NABIA: The Rise of the North Arabic Script and its Karanic Development Chicago, 1939.1

. DENFFER, Ahmad Von: An Introduction to the Sciences of the Quran Islamic Foundation, Leicester (U.K), 1973.2

.Yusuf Ali, Allam.A: The Holy Quran, Translation & commentary. Islamic Centre, Washington D.C (N.D).3

حقیقت قراءات

اس امر میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح، قطعی اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ قراء کرام نے قرآن مجید کی قراءات، اس کے حروف کی روایات اور اس کے مختلف لہجات کو اپنے اساتذہ سے براہ راست سماع کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی اسناد درجہ بدرجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتی ہیں۔ قرآن مجید کی یہ قراءات صحیحہ معروفہ تواتر حقیقی سے ثابت ہیں اور یہ تواتر ایسا ہے جو کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ قراء کرام نے ان قراءات کو کلام کی تمام باریکیوں اور ثقاہت کے ساتھ نقل کیا ہے۔

یہ بات تمام مسلمانوں کے علم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو معروف قراءات کے ساتھ لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور انہیں ان قراءات کے ساتھ قرآن کی تعلیم بھی دی۔ یہ قراءات صحیح اور متواتر اسانید سے ثابت ہیں۔[1] اور یہ بات اتنی معروف ہے کہ جو شخص علومِ قرآن اور قراءات سے ذرا بھی شغف رکھتا ہے وہ اسے بخوبی جانتا ہے۔



[1] ہر قاری نے اپنے شیوخ سے ایک یا ایک سے زائد قراءات کو سنا ہے۔ اور یہ قراء ایک دوسرے کی قراءت کا انکار نہیں کرتے۔ ماسوا اس قراءت کے کہ جس میں راوی سے خطا کا امکان ہو یا اس قراءت کے نقل کرنے والے راوی کی صداقت میں شک ہو۔ یہ معاملہ اس وقت تک تھا جب تک کہ قراءات کی مختلف روایات کو جمع اور اکٹھا نہیں کیا گیا تھا، لیکن جب قراءات کی مختلف اسانید اور طرق معروف ہو گئے۔ متواتر اور صحیح قراءات، شاذہ اور منکر قراءات علیحدہ ہو گئیں تو پھر اب ان میں سے کسی کے انکار یا اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے اور یہ بات ہر اس شخص پر واضح ہے کہ جو اسانید کے علم، نقل و روایت کے فنون، اصولِ دین اور اصولِ فقہ سے اچھی طرح واقف ہے۔ (الکتاب والسنۃ یجب ان یکونا مصدر القوانین فی مصر: ۷۳).

قرآن مجید اور قراءات قرآنیہ کے بارے میں مستشرقین کا نقطۂ نظر

مستشرقین کا خیال ہے کہ تمام علمائے اسلام اور قراء کرام جھوٹے اور افترا پرداز ہیں، جنہوں نے رسم عثمانی سے ہر وہ قراءت اور روایت نکال لی ہے، جس کا اس کے رسم سے نکلنے کا احتمال تھا۔

مستشرقین کا اولین مقصود یہ ہے کہ وہ کسی طرح اللہ کی محفوظ کتاب قرآن مجید کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر دیں اور اللہ کے اس وعدے کو جھوٹا ثابت کر دیں جو اس نے قرآن مجید کی حفاظت کے حوالے سے اپنے ذمہ لیا ہے اور قرآن کی آیت مبارکہ {لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ} (حٰم السجدۃ: ۴۲) "باطل اس قرآن کے نہ آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے" کو جھٹلا دیں۔ نیز وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ جیسے ان کی کتابوں کے بارے میں ان پر مسلمانوں کی طرف سے یہ تہمت لگائی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں کو تبدیل کر دیا ہے وہ یہی الزام مسلمانوں پر بھی ان کی کتابوں کے بارے میں لگائیں۔ [1]

[1] قراءات کے بارے میں مستشرقین کا نظریہ کیا ہے؟ اس کو گولڈ زیہر نے اپنی کتاب "المذاھب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن" میں واضح کیا ہے۔ جس کا عربی ترجمہ جناب استاذ الشیخ علی حسن عبد القادر نے کیا ہے۔ گولڈ زیہر (ص ۳، ۴) لکھتا ہے: یہ مختلف قراءات مصحف عثمانی کے گرد گھومتی ہیں اور یہ وہ مصحف ہے جس پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ کلام اللہ کی حرکات اور اس کے مختلف استعمالات میں جو خطرہ پیدا ہو سکتا تھا اس کو دور کر دیا جائے۔ کیونکہ مسلمانوں نے قرآن کی قراءات میں بہت سستی کا مظاہرہ کیا تھا اور ان سب قراءات کو مسلمان برابری کا درجہ دیتے تھے۔ باوجودیکہ ان میں سے صرف چند ایک ایسی تھیں جن کو فرض کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف کی شکل میں نازل کیا تھا اور اس طرح کا کلام یعنی ایک کلمے اور حرف کے ساتھ لوحِ محفوظ میں بھی تھا اور اسی طرح مبارک فرشتہ جس قرآن کو لے کر نازل ہوا اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک حرکت اور ایک ہی لفظ پر مشتمل ہو اور اس موضوع پر گولڈ نے اپنی کتاب "تاریخ القرآن" میں مفصل بحث کی ہے۔ وہ کہتا ہے، ان قراءات کی بڑی قسم کا اصل سبب عربی رسم الخط ہے۔ کیونکہ اس رسم

الخط کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک کلمے کا ایک ہی رسم حروف کے اوپر نیچے نقاط کے اعتبار سے مختلف حرکات کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ نحوی اعراب اور کلمے کی دوسری حرکات کے نہ ہونے کی وجہ سے عربی خط میں یہ بات ممکن ہے کہ کسی کلمہ کی مختلف حالتیں اس کے مختلف اعراب کے لحاظ سے بنادی جائیں یہ تمام کام کتابی رسم کی تکمیلات میں حرکات و اعراب کا یہ اختلاف ہی دراصل قراءات کے ظہور کا اصل سبب تھا، کیونکہ شروع میں قرآن کے نقاط اور اس کی حرکات نہیں تھیں۔ گولڈ زیہر، کوئی پہلا شخص نہیں ہے جس نے قرآن مجید اور علمائے قراءات کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی کی ہو، بلکہ یہ رائے ان سے پہلے بھی مستشرقین میں معروف رہی ہے اور قرآن اور اس کی قراءات کے بارے میں مستشرقین کی جتنی قیل و قال ہے اس کا مرکز و محور یہی نکتہ ہے۔ (الکتاب والسنۃ یجب ان یکونا مصدر القوانین فی مصر :۷۰،۷۲).

خاص بات

یہ بات عام وخاص سب پر عیاں ہے کہ قرآن مجید ہم تک قطعی الثبوت تواتر کے ذریعے نقل کیا گیا ہے، جو مصاحف میں بھی لکھا ہوا ہے۔[1] اسی طرح قرآن مجید کی متواتر قراءات بھی قرآن کے رسم کے مطابق ہم تک قطعی الثبوت تواتر کے ذریعے منقول ہیں یا بعض قراءات ایسی بھی ہیں کہ جو اگرچہ متواتر تو نہیں ہیں، لیکن صحیح سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے منقول ہیں اور قراء کے مابین معروف ومشہور ہیں۔ ایسی قراءات بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں کہ جن میں تواتر کی شرط پوری نہ ہو رہی ہو، یہ قراءات بھی براہ راست سماعت سے ہم تک پہنچی ہیں اور ان کی ادائیگی کے مختلف طریقے اور تلفظ کی وضاحت بھی براہ راست سماعت سے منقول ہے۔ [2]

اُمت مسلمہ اور مستشرقین کے درمیان اصل اختلاف

مستشرقین کا وہم ہے کہ رسم پہلے سے ثابت شدہ تھی اور اس میں بہت سی قراءات کا احتمال تھا۔ مسلمان قراء نے اپنی خواہش اور استطاعت کے مطابق اس رسم سے قراءات نکال لیں جبکہ اُمت مسلمہ کے نزدیک قراءات اصل ہیں پھر ان قراءات کی ادائیگی کے لئے رسم

[1] یہ عربی رسم الخط معروف ہے۔ اس رسم الخط کو حفاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تمام صحابہ کی نگرانی میں لکھا ہے۔ اس رسم الخط کے محدود اور مفصل طرق کتبِ قراءات، خاص طور پر رسم القرآن کی کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں.

[2] کتب تفسیر اور کتب حدیث مثلاً صحیح بخاری میں جو بعض صحابہ سے مصاحف عثمانیہ کے رسم کے خلاف چند قراءات منقول ہیں، ان میں سے جن روایات کی سند صحیح ہے وہ قراءات درحقیقت اس آیت کی تفسیر ہیں اور ان کی بطور قرآن تلاوت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید کے ثبوت کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مصاحف کے رسم کے مطابق ہو۔ یہ امر اسلام کے بدیہی امور اور ضروریات دین میں سے ہے۔ (یہ بات علامہ احمد شاکر نے اپنی کتاب ''الکتاب والسنۃ یجب ان یکونا...... الخ'' کے حاشیے پر لکھی ہے: ص ۷۴) .



بنایا گیا تاکہ تمام قراءات اس رسم میں سماجائیں اور کوئی بھی قراءت باقی نہ رہے۔

مستشرقین اور ان سے مرعوب بعض نام نہاد مسلمانوں کا گمان ہے کہ جس قرآن مجید کو حضرت جبرائیلؑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے، اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایک ہی حرکت اور ایک ہی لفظ کی صورت میں ہوتا۔[1] چونکہ شروع شروع میں رسم عثمانی میں نقطے اور حرکات نہیں تھیں۔ لہٰذا ہر قاری نے اپنی خواہش اور مرضی سے رسم عثمانی پر حرکات اور نقطے لگالئے جو کہ بعد میں قراءات بن گئیں۔ [2]

[1] یہ گولڈزیہر کا قول ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے.

[2] یہ گولڈ کا قول ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان دونوں کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور قراءات دونوں الگ الگ شے ہیں۔ قرآن وہ ہے جسے فرشتہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے، جو ایک حرکت اور ایک ہی لفظ میں تھا۔ جبکہ قراءات سے مراد وہ وجوہ ہیں جن کا لکھے ہوئے رسم عثمانی میں احتمال موجود تھا، ہر قاری اپنی استطاعت اور رائے کے مطابق ان قراءات کو مختلف شکلیں دے دیتا تھا۔ یہ قراءات اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں تھیں۔ دوسرے الفاظ میں قرآن کی کچھ قراءات اصل ہیں اور کچھ فرعی ہیں۔ اصلی قراءات وہ ہیں جو اللہ کی طرف سے ایک ہی حرکت اور لفظ پر نازل ہوئیں اور فرعی قراءات، وہ احتمالی قراءات ہیں کہ جن کا احتمال رسم عثمانی کے نقاط اور حرکات سے خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا تھا۔ نیز یہ کہ قراءات اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہیں۔

اس قسم کا قول متجددین میں سے ایک شخص کا بھی ہے جو اپنے آپ کو فکرِ اصلاحی کا نمائندہ تصور کرتا ہے اس شخص کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کا متن ہم تک محفوظ طریقے سے پہنچا ہے، لیکن اس کی قراءات میں اختلاف ہے گویا کہ اس کے نزدیک قرآن کا متن محفوظ ہے، جبکہ قراءات قرآن کے علاوہ کوئی غیر محفوظ چیز ہیں۔

قراءات کی ایسی تقسیم کی طرف سلف وخلف میں سے کوئی بھی عالم نہیں گیا اور اس قسم کی تقسیم کی ان کے پاس عقل و نقل سے کوئی سند یا دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ جس بات پر محققین علماء کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ جو قراءات تواتر سے ثابت ہوں، انہیں قبول کیا جائے گا اور وہ قطعی طور پر قرآن شمار ہوں گی اور جو قراءات اخبارِ آحاد سے ثابت ہوں، لیکن قراء کے ہاں معروف ہوں اور انہیں تلقی بالقبول حاصل ہو تو ایسی قراءات کو بھی قبول کیا جائے گا اور قرآن شمار کیا جائے گا اور جو اخبار آحاد سے نقل ہوں، لیکن وہ قراء میں معروف نہ ہوں یا انہیں تلقی بالقبول حاصل نہ ہو تو ایسی قراءات کو رد کر دیا جائے گا اور اس پر شذوذ کا حکم لگایا جائے گا اور انہیں بطورِ قرآن نہیں پڑھا جائے گا۔

پس فکرِ اصلاحی کے نمائندے کا یہ دعویٰ کہ قرآن اور قراءات دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں، ایک محفوظ ہے اور دوسری غیر محفوظ ہے، ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی بھی دلیل ان کے پاس موجود نہیں ہے اور نہ ہی علمائے قراءات میں سے کسی سے قراءات کی یہ تقسیم منقول ہے۔ (بلکہ علمائے قراء ات کی تقسیم وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے) .



مستشرقین کی اس رائے سے صرف ایک ہی مطلب نکلتا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں یعنی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے زمانے کے لوگوں نے یہ قراءات گھڑلی ہیں اور رسم میں جن قراءات کا احتمال تھا مسلمانوں نے انہیں قرآن کا نام دے کر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا اور تمام کے تمام مسلمان اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ یہ قراءات آپ ﷺ سے ثابت ہیں اور انہوں نے یہ قراءات درجہ بدرجہ نسل در نسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی ہیں۔

حالانکہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر پختہ یقین ہے کہ قراءات اصل ہیں اور رسم عثمانی اس کے تابع ہے اور وہ ان قراءات کے لئے بنایا گیا ہے۔ اور تمام مسلمان کے نزدیک یہ بات قطعی تواتر سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف قراءات کے ساتھ قرآن کی ادائیگی اور اس کے تلفظ کی تعلیم دی اور پڑھ کر بھی سنایا۔ مزید یہ کہ تمام قراءات حق ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ اور یہ کہ تمام قراءات لغتِ عرب اور قبائلی لہجات کے مطابق ہیں۔

قرآن کو مختلف قرأت میں نازل کرنے کا مقصد

قرآن کو مختلف قراءات میں نازل کرنے کا مقصد اس کی حفاظت کو یقینی بنانا اور اُمت کے لئے اس کو یاد کرنے میں آسانی پیدا کرنا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قراءات کو اللہ کے رسول ﷺ سے سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالمشافہ پڑھ کر سنائیں اور اپنے سینوں میں محفوظ کیا۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اس کو لکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قراءات سکھانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ قرآن مجید ان حروف پر نازل کیا گیا ہے پس جو حرف تمہیں آسان لگے اس کے مطابق پڑھ لو۔ پس صحابہ نے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن اور اس کی قراءات سنی تھیں ویسے ہی ان کو آگے ادا کرتے ہوئے تابعین کو سنا دیا۔ جیسے انہوں نے ادائیگی اور تلاوت کی مختلف وجوہات سے قرآن پڑھا تھا اسے بغیر کسی کمی بیشی کے آگے پہنچا دیا۔ جو کچھ بھی صحابہ نے قرآن اور اس کی قراءات کو آپ ﷺ سے سنا تھا یا زبانی یاد کیا تھا اس کو انہوں نے رسم عثمانی میں جمع کرنے کی کوشش کی۔ صحابہ کی یہ جماعت وحی کی امین تھی۔ پھر ان کے بعد آنے والے ثقہ، امانت دار راویوں نے ان سے

قرآن اور ان قراءات کو واضح اور قطعی تواتر کے ساتھ نقل کیا

پس مستشرقین کا یہ کہنا کہ رسم پہلے ہے اور قراءات اس کے تابع ہیں، ایک گمانِ باطل ہے، جس کی کوئی دلیل ان کے پاس موجود نہیں ہے، جبکہ مسلمانوں کے نزدیک قراءات پہلے اور رسم ان قراءات کے تابع ہے، یہ اصول تاریخی حقائق سے زیادہ حقیقی اور یقینی طور پر ثابت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا یہی یقین رہا ہے کہ رسم، قراءات کے تابع ہے کیونکہ اس کے علاوہ عقلاً بھی کوئی قول درست نہیں ہے اور نقلی دلائل بھی اس بات کے متقاضی ہیں کہ اسی قول کو درست قرار دیا جائے۔ مسلمان اہلِ علم اللہ کے رسول صلی اللہ



علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء وائمہ قراءات کے متعلق مستشرقین کی نسبت زیادہ واقفیت رکھتے ہیں کہ جنہوں نے ان تک علم دین اور قرآن کو نقل کیا ہے۔ لہٰذا وہ ان کے بارے میں جھوٹ اور افتراء پردازی کا بُرا گمان نہیں کر سکتے۔

قراءات کی کتنی ہی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب (مخطوطات) اور ان کے مطابق قرآن کو پڑھنے والے بے شمار قراء دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اسنادِ قراءات کو ثقہ راویوں کے واسطے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے [1] اور یہ قراء اپنی صداقت، امانت اور تقویٰ میں اتنے معروف ہیں کہ ان پر کوئی طعن یا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

[1] جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے رواۃ اور ان کی اسانید ہیں، اسی طرح علم قراءات کے بھی رواۃ اور اسانید ہیں، لیکن یہ روایات اور اسانید ہمارے زمانے میں لوگوں میں اس طرح مشہور نہیں ہیں جس طرح احادیث کی روایات اور اسانید معروف ہیں۔ اور ان کے لوگوں میں معروف نہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

قرآنی روایات معروف نہ ہونے کی وجوہات

۱۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ قراءات کی اسناد کو مخصوص لوگوں کی ایک جماعت ہی جانتی ہے عوام الناس ان سے ناواقف ہیں۔ لیکن احادیث کی اسانید کو مخصوص اہل علم کے ساتھ ساتھ عوام بھی کچھ نہ کچھ جانتے ہیں۔ کیونکہ واعظین، خطباء اور دعاۃ اکثر اوقات اپنے وعظ، تقریر یا خطبے میں ان اسانید یا ان کی صحت وضعف کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، جس سے عام عوام الناس کو احادیث کی سند کے بارے میں کچھ نہ کچھ علم حاصل ہوتا رہتا ہے، جبکہ قراءات کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شاطبیؒ نے اپنی منظوم کتاب "حرز الامانی" اور ابن الجزریؒ نے "طیبۃ النشر" میں متواتر قراءات کی اسانید اور طرق کے بغیر ان کو جمع کر دیا ہے۔ تاکہ ان کو یاد کرنے میں طلبہ کے لئے آسانی ہو اور ان کی تلاوت باعث عبادت ہو۔ پس شاطبیہ، درۃ اور طیبۃ جیسی کتابوں سے بغیر اسانید کے بھی قراءات متواترہ کا حصول تو آسان ہو گیا، لیکن قراء کی ایک بڑی جماعت اسانید قراءات سے ناواقف رہی جو کہ ابن الجزریؒ کی کتاب "النشر" وغیرہ میں موجود ہیں۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اصل شرط متخصص شیوخ سے تلقی اور اور مشافہت ہے، صرف مصحف سے قراءت پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ شرط صرف علم قراءات میں ہی پائی جاتی ہے، جبکہ دیگر علوم مثلاً حدیث وغیرہ میں تلقی عن الشیوخ کی شرط نہیں ہے۔ (بلکہ حدیث میں تلقی کی بجائے تحمل ہوتا ہے۔ تلقی اور تحمل میں بہت فرق ہے۔ تلقی میں الفاظ کی ادائیگی کے مختلف طریقے، تلفظ، لہجات، تجوید الفاظ وغیرہ شامل ہیں، جبکہ تحمل میں مجرد ایک شخص اپنے شیخ سے احادیث سن کر آگے بیان کر دیتا ہے۔) اور مقری، طالب علم کو قراءت بار بار سنا کر اس کے ذہن میں بٹھاتا اور اس کے لئے ان کی اسانید کی معرفت آسان بنا دیتا ہے اگر وہ طیبہ کے طریق سے ہوں۔



۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن الجزریؒ کے زمانے کے بعد اسانید قراءات میں بحث موقوف ہو گئی ہے۔ چنانچہ کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ "طیبہ" کے مصادر میں سے کسی مصدر مثلاً "التیسیر" اور "المنہج" میں سے کوئی ایسی قراءت پڑھے جو اپنی سند کے ساتھ "النشر" میں موجود نہ ہو۔ اس کے برعکس حدیث کی اسانید میں بحث مسلسل جاری ہے۔ اب بھی متعدد ایسی احادیث موجود ہیں جن کی صحت اور ضعف کو واضح کیا جانا باقی ہے۔

اسانید کے مشہور نہ ہونے کی وجہ سے بعض جہلاء قراءات قرآنیہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالی ان لوگوں سے اس کتاب کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (یہ اسباب میرے استاد محترم فضیلۃ الشیخ عبد الرازق نے اپنی کتاب فتح الرحمانی شرح کنز المعانی کی تحقیق کے مقدمے میں نقل کئے ہیں۔) .

پس مستشرقین یا ان کے خوشہ چینوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ان واضح اور روشن حقائق کے بعد بھی وہ قراءاتِ قرآنیہ کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار رہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان حقائق کے بعد بھی شکوک وشبہات کا شکار رہتا ہے تو وہ جاہل اور منہ کے بل اوندھا چلنے والا انسان ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"پس وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنے کی تلاش اور ان کی حقیقت جاننے کے لئے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ "

اگر مستشرقین کے ان چیلوں کو... جو اس چیز سے اعراض کرتے ہیں جس کو وہ جانتے تک نہیں ہیں اور اس چیز میں فضول بحث کرتے ہیں جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہے... ذرا بھی عقل آجائے تو یہ جان لیں گے کہ ان کی اس رائے کا کوئی نتیجہ یا مقصد نہیں ہے۔ عقل ومنطق تو اس بات کی متقاضی ہے کہ قرآن جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اسی طرح یہ مسلمانوں سے قراءات کی مختلف وجوہات کے ساتھ آگے منتقل ہوا ہے۔

گولڈ زیہر یہودی کا یہ کہنا بھی خلافِ عقل ہے کہ "قرآن کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک ہی لفظ اور ایک ہی حرکت پر مشتمل ہو"۔ اور اس کا کہنا کہ "قرآن کے پڑھنے کا ایک انداز بعد کے زمانوں میں غیر معین اور غیر معروف پڑھنے کے مختلف اندازوں میں تبدیل ہو گیا۔" مزید یہ کہ "قرآن ان وجوہاتِ قراءات پر نازل نہ ہوا تھا۔ مسلمانوں نے رسم کے مطابق قراءات اپنی مرضی سے ایجاد کر لیں اور یہ قراءات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں کی گئیں اور نہ ہی ان کی صحت یا ان کے پڑھنے اور آگے پہنچانے کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ "

گویا مستشرقین اور ان کے متبعین کے نظریہ کے مطابق یہ تمام کی تمام قراءات قرآن کے ساتھ نازل نہیں ہوئی ہیں، بلکہ قرآن ایک ہی قراءت پر نازل ہوا تھا جو کہ غیر معین تھی جسے نہ مسلمان جانتے ہیں اور نہ ہی مستشرقین۔

اللہ کی پناہ کہ معاملہ ایسا ہی ہو... جیسا کہ مستشرقین کا کہنا ہے... ہم اللہ کے بارے میں ایسی بات نہیں کہتے کیونکہ وہ اس سے پاک ہے اور یہ اس پر بہت بڑا بہتان ہے۔ [1]



تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف مختلف شہروں کی طرف بھیجے تھے، وہ چھ تھے۔[2]

مصحف امام :

یہ وہ مصحف ہے جسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اسی سے امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں۔

[1] تہذیب من کتاب: الکتاب والسنة یجب ان یکونا مصدر القوانین فی مصر للعلامة احمد محمد شاکر: ۷۸ تا ۸۱.

[2] صحیح قول کے مطابق (تاریخ المصحف الشریف للشیخ عبد الفتاح القاضی: ۵۹.

مصحف مدنی :

یہ وہ مصحف ہے جو اہل مدینہ کے پاس تھا۔ امام نافع رحمہ اللہ اسی سے نقل کرتے ہیں۔

مصحف مکی :

یہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے لئے تیار کروایا تھا۔ یہ اور اس سے پہلے دو مصاحف تینوں کو مصاحف حجازیہ اور حرمیہ بھی کہتے ہیں۔

مصحف شامی :

اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل شام کے لئے تیار کروایا تھا۔

مصحف کوفی :

اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے لئے تیار کروایا تھا۔

مصحف بصری :



اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کے لئے تیار کروایا تھا۔ ان دونوں کو مصاحف اہل عراق بھی کہا جاتا تھا۔

قرآن مجید کو مختلف مصاحف میں لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ اہل حمص، اہل دمشق، اہل کوفہ اور اہل بصرہ میں سے ہر ایک اپنی قراءت کو دوسرے کی قراءت سے بہتر قرار دیتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا، جن کی اس وقت تعداد بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اس سارے معاملے کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے اسے بہت بڑا معاملہ سمجھا، انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کردوں تاکہ تفرقہ بازی اور اختلاف ختم ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی رائے کی تحسین فرمائی اور کہا: کیا ہی خوب رائے ہے۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ میں جمع کئے گئے صحف منگوائے جو کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے۔ آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کو مصاحف کی کتابت کا حکم دیا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان مصاحف کو عرضہ اخیرہ کے مطابق لکھا؛ یعنی آخری بار جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل ؑ کو اپنی وفات والے سال قرآن سنایا تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایک مصحف مکہ، شام، کوفہ اور بصرہ بھیجا۔ ایک مصحف مدینہ والوں کے لئے رکھ لیا اور ایک مصحف اپنے پاس ذاتی تلاوت کے لئے رکھ لیا، جسے انہوں نے مصحف امام کا نام دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تمام مصاحف کے ساتھ ایک ایک قاری بھی بھیجا، جو اس شہر والوں کو اس مصحف کے رسم کے مطابق صحیح اور متواتر قراءات کی تعلیم دیتا تھا۔ آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اہل مدینہ کو مدنی مصحف کے مطابق قرآن پڑھائیں۔ عبد اللہ بن السائب کو مکہ بھیجا گیا۔ مغیرہ بن ابی شہاب کو شام، ابو عبد الرحمن السلمی کو کوفہ اور حضرت عامر بن عبد قیس کو بصری مصحف کے ساتھ بصرہ روانہ کیا۔

ان شہروں میں اس وقت تابعین میں سے حفاظِ قرآن کریم کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ ہر شہر کے لوگوں نے اپنے شہر کے تیار کردہ مصحف کے مطابق مذکورہ بالا قراء سے قرآن پڑھا اور اپنے شہر کے مصحف کی تمام قراءات کو صحابہ سے نقل کیا، وہ قراءات جو صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لی تھیں۔ [1]

یہ بات اہم ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کے لکھنے اور ان کو مختلف اسلامی شہروں کی طرف بھیجنے کی جو مہم چلائی تھی اس کا مقصد قرآن کی ایک نص پر لوگوں کو اکٹھا کرنا نہیں تھا[2] بلکہ اس سے مطلوب صرف یہ تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ متواتر قراءات کو جمع کر دیا جائے اور جو قراءات شروع میں امت کی آسانی کے لئے نازل کی گئی

[1] تنبیہ الخلان الی شرح الاعلان بتکمیل مورد الظمآن: للعلامۃ ابراھیم بن احمد المارغنی التونسی ص:۴۴۹، وسمیر الطالبین: للشیخ علی محمد الضباع ص:۱۶.

[2] جیسا کہ گولڈ زیہر کا دعوی ہے دیکھیں: القراءات فی نظر المستشرقین: للشیخ عبد الفتاح القاضی ص:۱۹.



تھیں بعد میں عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہوگئی تھیں اور اکثر لوگ جن کو ان کے نسخ کا علم نہ تھا،کا سدِباب کیا جائے،جو ان کو برابر پڑھتے چلے آرہے تھے۔ مصاحف عثمانیہ کو حرکات اور نقاط سے خالی اس لئے رکھا گیا،کیونکہ مصاحف کا حرکات اور نقاط سے خالی ہونا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں اس لحاظ سے مفید تھا کہ وہ ان لوگوں کو منسوخ اور شاذہ کی بجائے متواتر قراءات پر جمع کر سکیں۔

قاضی ابو بکر بن ابو الطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح دو تختیوں کے درمیان قرآن کو جمع کرنا نہیں تھا،بلکہ ان کا اصل مطلوب قراء ات ثابتہ متواترہ پر لوگوں کو اکٹھا کرنا اور ان کو دیگر قراءات سے جدا کرنا تھا۔ [1] ‘‘

حافظ ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی جماعت نے کچھ باطل حروف اور قراءات،جو غیر معروف اور غیر ثابت شدہ تھیں کو الگ کر دیا۔یہ قراءات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور احادیث کے روایت کی گئیں تھیں،اور اس طرح سے نقل شدہ روایات سے قرآن یا قراءات ثابت نہیں ہوتی ہیں۔ [2] ‘‘

حافظ ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح دو تختیوں میں قرآن مجید جمع کرنے کا ارادہ نہ کیا تھا،بلکہ انہوں نے تو صحابہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت معروف قراءات پر جمع کیا تھا اور ان کے علاوہ دیگر قراءات کو الگ کر دیا تھا،لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اور ثابت شدہ کوئی بھی صحیح قراءت ان سے ضائع نہ ہوئی تھی۔‘‘

[1] قالہ فی کتابہ الانتصار۔انظر القراءات فی نظر المستشرقین ص:۹۳.

[2]جامع البیان فی القراءات السبع، مخطوط.

اوپر جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے جن مصاحف کی کتابت کا حکم دیا تھا،ان میں بہت زیادہ مقامات پر رسم کا اختلاف تھا،تاکہ ان مقامات پر قراءات کا اختلاف معلوم ہو سکے۔جیسا کہ قراءات اور رسم القرآن کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔بلکہ رسم کا یہ اختلاف مختلف مصاحف میں بہت کم مقامات پر تھا۔جیسا کہ آگے آرہا ہے۔



اگر حضرت عثمانؓ نے قرآن کی ایک نص پر لوگوں کو جمع کرنے کا ارادہ کیا ہوتا، تو تمام مصاحف کو ایک ہی صورت میں لکھا جاتا اور ان میں کسی قسم کا بھی اختلاف نہ ہوتا، لیکن مصاحف عثمانیہ کی مختلف صورتوں اور متعدد کیفیات میں کتابت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نص کے حصول کا ارادہ نہ کیا تھا بلکہ ان کا اصل مقصود لوگوں کو غیر متواتر قراءات کے بالمقابل متواتر قراءات پر جمع کرنا تھا۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب کسی کو بھی پروپیگنڈا کرنے والوں کی یہ بات پریشان نہ کرے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں قراء ات کے اختلافات محسوس کئے تو ان کو ایک مصحف پر جمع کر دیا اور وہ مصحف وہی ہے جو بلادِ مشرق میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض متجددین کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ بلادِ مشرق، مشرق میں موجود مسلمان ممالک کو کہتے ہیں اور مسلمانوں کا بلادِ مغرب پانچ ممالک پر مشتمل ہے۔ تیونس، الجزائر، مراکش، لیبیا اور موریطانیہ) ان لوگوں کا یہ قول سلف وخلف میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں ہے اور اس قول کے قائلین کے پاس دلیل تو کجا اس سے مشابہ عقل ونقل کی بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کو وہ اس قول کی بنیاد بنا سکیں، بلکہ یہ من گھڑت باتوں کی طرح ایک بات ہے اور ایسے لوگوں کا قول ہے، جو قرآن، علوم قرآن اور قراءات قرآنیہ سے بالکل جاہل اور ناواقف لوگ ہیں۔

یہاں ہم بعض ایسے مقامات ذکر کریں گے، جن میں اہل حجاز، عراق اور شام کے مصاحف میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

سورۃ البقرہ

۱۔ آیت مبارکہ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ (البقرۃ:۱۱۶) اہل شام کے مصاحف میں بغیر واو کے (قالوا) لکھی ہوئی ہے اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی رسم کے مطابق بغیر واو کے (قالوا) ہے، جبکہ باقی تمام مصاحف میں واؤ کے ساتھ (وقالوا) ہے اور باقی قراء کی قراءت بھی اسی رسم کے مطابق واو کے ساتھ (وقالوا) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں:

((وَقَالُوا اتَّخَذَ ايَحْذِفُ شَامٍ وَاوَهٗ۔)) [1]

"اور شامی وَقَالُوا اتَّخَذَ کی واو کو حذف کرتے ہیں۔"

امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں:

((عَلِيْمٌ وَقَالُوا الْوَاوُ الْاُوْلٰى سُقُوْطُهَا۔)) [2]



"عَلَيۡهِمۡ وَقَالُوا میں پہلی واؤ کو ابن عامر شامی رحمہ اللہ نے گرا دیا ہے۔"

۲۔ آیت مبارکہ {وَوَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ}(البقرۃ:۱۳۲) اہل مدینہ اور اہل شام کے مصاحف میں دو واؤں کے درمیان ہمزہ سے (واوصی) لکھی ہوئی ہے۔ امام ابوعبید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس آیت کو مصحف امام میں بھی اسی

[1] آپ کا مکمل نام عبد الواحد ابن العاشر ہے۔ آپ عالم باعمل، عابد، متعدد علوم کے ماہر، علم قراءات اور ان کی توجیہات، تفسیر، رسم، ضبط، علم الکلام، اصول فقہ، فرائض اور علوم عربیہ کو جاننے والے تھے۔ آپ نے متعدد مفید کتب تصنیف فرمائی ہیں، جن میں سے ایک یہ (الاعلان بتکمیل مورد الظمآن) بھی ہے۔ آپ ۳ ذی الحجہ ۱۰۴۰ھ کو فوت ہوئے۔ (تنبیہ الخلان علی الاعلان:۴۴۸).

[2] آپ کا مکمل نام القاسم بن فیرہ بن خلف الشاطبی الاندلسی ہے۔ آپ علم قراءات کے بہت بڑے امام تھے۔ آپ کی معروف کتاب (الشاطبیہ) قراءات سبعہ کے میدان میں ایک دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اور علوم قراءات کے مدارس میں داخل نصاب ہے۔ آپ ۲۸ جمادی الاول ۵۹۰ھ کو فوت ہوئے۔ (غایۃ النھایۃ لابن الجزری:۲-۲۰، ھدایۃ القاری للشیخ عبد الفتاح المرصفی:۱۰۷) .

طرح دو واؤں کے ساتھ (ووصی) لکھا ہوا دیکھا ہے۔ امام نافع 1 اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی دو واؤں کے درمیان ہمزہ سے (واوصی) ہے، جبکہ باقی تمام مصاحف میں (ووصی) بغیر ہمزہ کے لکھی ہے اور باقی قراء کی قراءت بھی اسی کے مطابق بغیر ہمزہ کے ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

"اَوۡصٰى خُذَا لِلۡمَدَنِيَّيۡنِ وَشَامِ۔"

"مدنیین اور شامی کے لئے اوصی کو لازم پکڑ۔"

امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(اَوۡصٰى بِوَصّٰى كَمَا اعۡتَلَا۔)

"وصی کو اوصی کے ساتھ نافع اور شامی نے پڑھا ہے۔"

سورۃ آل عمران

۱۔ آیت مبارکہ {وَسَارِعُوۡٓا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ}(آل عمران:۱۳۳) اہل مکہ اور اہل عراق کے مصاحف میں (وسارعوا) سین سے قبل واؤ کے ساتھ ہے اور امام ابن کثیر مکی، امام ابو عمرو بصری، امام عاصم، امام حمزۃ اور امام کسائی رحمہم اللہ کی قراءت اسی کے مطابق واؤ کے ساتھ (وسارعوا) ہے۔ جبکہ اہل مدینہ اور اہل شام کے مصاحف میں (سارعوا) واؤ کے بغیر ہے اور امام نافع رحمہ اللہ اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق ہے۔



امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

(وَالْمَكِّ وَالْعِرَاقِ وَاوًا سَارِعُوْا۔)

"مکی اور عراقی مصاحف میں (سارعوا) واؤ کے ساتھ مکتوب ہے۔"

امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(قُلْ سَارِعُوْا لَا وَاوَ قَبْلُ كَمَا انْجَلَا۔)

امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ اور امام نافع کے لئے (سارعوا) سے قبل واؤ نہ پڑھو۔

۲۔ آیت مبارکہ {جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ} (آل عمران:۱۸۴) اہل شام کے مصاحف میں (وبالزبر وبالکتاب) دونوں کلمات سے قبل باء کی زیادتی کے ساتھ مکتوب ہے اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق دونوں جگہ (وبالزبر وبالکتاب) باء کے ساتھ ہے۔ جبکہ باقی تمام مصاحف میں یہ آیت باء کے بغیر (والزبر والکتاب) مکتوب ہے اور باقی تمام قراء کرام کی قراءت بھی باء کے بغیر (والزبر و الکتاب) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

((بِالزُّبُرِ الشَّامِيْ بِبَاءٍ شَائِعُ ... كَذَا الْكِتَابِ بِخِلَافٍ عَنْهُمْ۔)) [1]

"بالزبر میں شامی باء کے ساتھ معروف ہیں، اسی طرح بالکتاب میں بھی، ناقلین کے اختلاف کے ساتھ۔"

امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(وَبِالزُّبُرِ الشَّامِيْ كَذَا رَسْمُهُمْ ... وَبِالْكِتَابِ هِشَامٌ وَاكْشِفِ الرَّسْمَ مُجْمَلًا۔)

"امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ بالزبر پڑھتے ہیں، ان کا رسم بھی ایسے ہی ہے، اور ہشام نے بالکتاب پڑھا ہے، آپ مجمل رسم کو واضح کریں۔"

سورۃ النساء

ا۔ آیت مبارکہ {مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ }(النساء:٦٦)اہل شام کے مصاحف میں (الا قلیلا) نصب کے ساتھ مکتوب ہے اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (الا قلیلا) ہے۔ جبکہ باقی تمام مصاحف میں (الا قلیل) رفع کے ساتھ ہے اور باقی تمام قراء سبعہ کی قراءت بھی اسی رسم الخط کے مطابق (الا قلیل) ہے۔

[1](کذا الکتاب بخلاف عنھم)سے مراد مصحف شامی سے نقل کرنے والے رواۃ ہیں.

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

(وَالشَّامِ يَنْصِبُ قَلِيْلًا مِّنْهُمْ)

''اورامام ابن عامر شامی l(قلیلا منھم) کو نصب دیتے ہیں۔ ''

امام شاطبی 'lشاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(وَرَفْعُ قَلِيْلٌ مِّنْهُمُ النَّصْبَ كُلِّلَا)

''اورامام ابن عامر شامی l(قلیل منھم) کے رفع کو نصب دے کر پڑھتے ہیں۔ ''

سورۃ المائدہ

ا۔ آیت مبارکہ {وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا }(المائدۃ:٥٣)اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل شام کے مصاحف میں (یقول)بغیر واؤ کے مکتوب ہے اور امام نافع رحمہ اللہ، امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (یقول) ہے۔ جبکہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ کے مصاحف میں (ویقول)واؤ کے ساتھ مکتوب ہے اور امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ، امام عاصم رحمہ اللہ، امام حمزۃ رحمہ اللہ اور امام کسائی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (ویقول) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

(وَاوَ يَقُوْلُ لِلْعِرَاقِيِّ فَزِدْ۔)

''عراقی مصحف کے لئے (یقول) کی واؤ زیادہ کر دو۔ ''



امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(وَقَبْلَ یَقُوْلُ الْوَاوُ غُصْنٌ وَرَافِعٌ سِوَی ابْنِ الْعَلَاءِ۔)

"(یقول) سے پہلے واؤ ہے کوفیون اور امام ابو عمرو بصری کے لئے اور امام ابو عمرو بصری کے علاوہ تمام قراء اسے رفع دیتے ہیں۔"

۲۔ آیت مبارکہ {یٰٓأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ} (المائدۃ:۵۴) اہل مدینہ اور اہل شام کے مصاحف میں (یرتدد) دو دالوں کے ساتھ مکتوب ہے اور امام نافع رحمہ اللہ اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (یرتدد) ہے، جبکہ باقی تمام مصاحف میں (یرتد) ایک دال کے ساتھ مکتوب ہے اور باقی تمام قراء سبعہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (یرتد) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

(وَالْمَدَنِیَّانِ وَشَامٍ یَرْتَدِدْ۔)

"مدنیان اور شامی (یرتدد) دو دالوں سے پڑھتے ہیں۔"

امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(مَنْ یَرْتَدِدْ عَمَّ مُرْسَلًا ... وَحَرِّكْ بِالْاِدْغَامِ لِلْغَیْرِ دَالَهٗ۔)

"نافع اور شامی نے (من یرتدد) پڑھا ہے، جبکہ دیگر کے لئے اس کی دال کا ادغام کرتے ہوئے حرکت دی گئی ہے۔"

سورۃ الانعام

۱۔ آیت مبارکہ {وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ} (الانعام:۳۲) اہل شام کے مصاحف میں (ولدار) ایک لام کے ساتھ مکتوب ہے اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (ولدار) ہے۔ جبکہ باقی مصاحف میں (وللدار) دو لاموں کے ساتھ مکتوب ہے اور باقی تمام قراء سبعہ کی قراءت اسی کے مطابق (وللدار) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

(لَلدَّارُ لِلشَّامِ بِلَامٍ۔)

"(ولدار) امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کے لئے ایک لام کے ساتھ ہے۔"

امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :



وَلَلدَّارُ حَذْفَ اللَّامَ الْاُخْرَى ابْنُ عَامِرٍ ۔۔۔وَالْآخِرَةُ الْمَرْفُوعُ بِالْخَفْضِ وُكِّلَا ۔

”اور (وللدار) کے دوسرے لام کو امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ نے حذف کیا ہے، اور (الآخرہ) جو مرفوع تھا، اسے مجرور پڑھا ہے۔

سورۃ الاعراف

ا۔ آیت مبارکہ {قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ} (الاعراف:۳) اہل شام کے مصاحف میں (یتذکرون) یاء اور تاء کے ساتھ مکتوب ہے اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (یتذکرون) ہے۔ جبکہ باقی مصاحف میں (تذکرون) میں بدون یاء صرف تاء کے ساتھ مکتوب ہے اور باقی قراء سبعہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (تذکرون) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

(تَذَّكَّرُوْنَ الشَّامِ يَآءً قَدَّمَا ۔)

”(تذکرون) سے پہلے شامی نے یاء بڑھائی ہے۔ “

امام شاطبی ' 1شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(وَتَذَّكَّرُوْنَ الْغَيْبَ زِدْ قَبْلَ تَائِهِ ۔۔۔ كَرِيمًا وَخَفَّ الذَّالَ كَمْ شَرَفًا عَلَا ۔)

”اور (تذکرون) کی تاء سے قبل (یاء) غیب زیادہ کر دے شامی کے لئے، اور اس کی ذال کو مخفف کر دے بلند شرف والے (شامی کے لئے)۔ “

۲۔ آیت مبارکہ {وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ} (الاعراف:۴۳) اہل شام کے مصاحف میں (ما کنا) بغیر واؤ کے مکتوب ہے اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءات بھی اسی کے مطابق (ما کنا) ہے۔ جبکہ باقی مصاحف میں (وما کنا) واؤ کے ساتھ مکتوب ہے اور باقی تمام قراء سبعہ کی قراءت بھی اس کے مطابق (وما کنا) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں:

(وَوَاوُ مَا كُنَّا لَهُ أُبِيْنَا ۔)

”اور (ما کنا) کی واؤ شامی کے لئے حذف کر دی گئی ہے۔ “

امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(وَمَا الْوَاوُ دَعْ كَفَى ۔)



"اور شامی کے لئے (وما کنا) کی واؤ کو چھوڑ دے۔"

۳۔ آیت مبارکہ {قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا} (الاعراف:۸۸) اہل شام کے مصاحف میں (وقال) قاف سے پہلے واؤ کے اضافے کے ساتھ مکتوب ہے اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (وقال) ہے۔ جبکہ باقی تمام مصاحف میں (قال) بغیر واؤ کے مکتوب ہے اور باقی تمام قراء سبعہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (قال) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

(بِعَكْسِ قَالَ بَعْدَ مُفْسِدِينَ ۔)

"(مفسدین) کے بعد میں آنے والے قال کا حکم (ما کنا) کے برعکس ہے۔ (یعنی یہاں شامی کے لئے واؤ زائد ہے)"

امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(وَلَوَاوُ زِدْ بَعْدَ مُفْسِدِينَ كُفُوًا ۔)

"اور (مفسدین) کے بعد واؤ کو زیادہ کر دے شامی کے لئے۔"

سورۃ التوبہ

ا۔ آیت مبارکہ {تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ} (التوبۃ:۸۹) اہل مکہ کے مصاحف میں (من تحتھا) حرف (من) کے اضافہ کے ساتھ مکتوب ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (من تحتھا) ہے، جبکہ باقی مصاحف میں حرف (من) کے بغیر مکتوب ہے اور باقی تمام قراء سبعہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق

(تجری تحتھا الانھار) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

(وَمِنْ مَعْ تَحْتِهَا آخِرَ تَوْبَةٍ يَعُنِ لِلْمَكِّ ۔)

"اور سورہ توبہ کے آخر میں (تحتھا) کے ساتھ (من) کو مکی کے لئے متعین کر دے۔"



امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(وَمِنْ تَحْتِهَا الْمَكِّيُّ يَجُرُّ وَزَادَ مِنْ۔)

''اور (من تحتھا) میں امام ابن کثیر مکی جر دے کر (من) کو زیادہ کرتے ہیں۔ ''

۲۔ آیت مبارکہ {وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا} (التوبۃ:۱۰۷) اہل مدینہ اور اہل شام کے مصاحف میں (الذین) بغیر واؤ کے مکتوب ہے اور امام نافع رحمہ اللہ اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (الذین) ہے۔ جبکہ باقی مصاحف میں (والذین) واؤ کے ساتھ مکتوب ہے اور باقی تمام قراء سبعہ کی قراءت بھی اسی کے مطابق (والذین) ہے۔

امام ابن عاشر الاندلسی رحمہ اللہ 'الاعلان' میں فرماتے ہیں :

(وَالَّذِيْنَ بَعْدَ الْمَدَنِيْ وَالشَّامِ لَا وَاوَ بِهَا فَاسْتَبِنْ۔)

''اور (والذین) مدنی اور شامی مصحف میں واؤ کے بغیر مکتوب ہے، اس کو واضح کرلیں۔ ''

امام شاطبی رحمہ اللہ 'شاطبیہ' میں فرماتے ہیں :

(وَعَمَّ بِلَا وَاوَ الَّذِيْنَ۔)

''اور (الذین) امام نافع اور امام شامی کے لئے بغیر واو کے ہے۔ ''

ہم اتنی ہی مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہاں ہم نے اہل حجاز، اہل عراق اور اہل شام کے مصاحف میں موجود باہمی اختلافات کے چند نمونے پیش کئے ہیں، حالانکہ کتب قراءت اور بالخصوص رسم الخط کی کتابوں میں اس قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ اس سے مفاہیم پر فرق نہیں۔

قراءات قرآنیہ پر طعن و تشنیع

دشمنان اسلام اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ اس کوشش میں مصروف ہیں کہ وہ مسلمانوں میں قرآن کریم کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کردیں اور انہیں باہمی اختلافات کا شکار کرتے ہوئے آپس میں لڑا دیں۔ دشمنان اسلام پر یہ بات بڑی اچھی طرح سے واضح ہے کہ قرآن کریم ہی دینِ اسلام کی اصل بنیاد اور صراطِ مستقیم کا سرچشمہ ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں شکوک وشبہات پیدا کرنا دراصل دین اسلام کو کمزور کرنا اور مسلمانوں کو اس صراط مستقیم سے ہٹا دینا ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی ٹیڑھ یا کجی نہیں ہے۔ قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسا طبقہ موجود ہے، جو



دشمنانِ اسلام کی ان سازشوں سے متاثر ہے اور جرمنی و یورپ میں مستشرقین کے پروان چڑھنے کے بعد قراءات قرآنیہ کے خلاف زیادہ سرگرم ہو گیا ہے۔ یہ طبقہ قراءات قرآنیہ کے بارے میں غلط نظریات بیان کر کے اسلام اور مسلمانوں کو دشمنوں سے بھی زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے۔

جو لوگ 'فکرِ قرآنی' کی ترویج و اشاعت کے دعویدار ہیں، وہ اپنے باطل نظریات زنادقہ، ملحدین اور مستشرقین جیسے دشمنانِ اسلام سے حاصل کرتے ہیں اور حیران کن، عجیب و غریب قسم کے افکار و نظریات پیش کرتے ہیں۔ انہی نام نہاد دعویداروں میں سے ایک بے دین پاکستانی شخص مسٹر غلام احمد پرویز ہے جو قرآن مجید کو حفظ کرنے اور اس کی تلاوت کرنے کا بھی قائل نہیں ہے۔ وہ اپنی اسی بات پر بضد ہے کہ "علماء سلف و خلف قرآن کی حکمت کو نہیں سمجھ سکے اور انہوں نے اس کو دائمی شریعت بنالیا ہے، حالانکہ اللہ تعالی کے ہاں شریعتیں مسلسل بدلتی رہتی ہیں۔

اسی طرح فکر اصلاحی کے حاملین جیسے بعض متجددین نے قرآن مجید کی قراءات متواترہ کا انکار کرتے ہوئے یہ دعوی کر دیا کہ بلاد مشرق میں رائج روایت حفص عن عاصم کے علاوہ کوئی دوسری روایت ثابت نہیں ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ "فقط روایت حفص ہی قرآن مجید کی متواتر قراءت ہے، جبکہ باقی قراءات قراء کرام کی جانب سے گھڑلی گئی ہیں۔" یہاں تک کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ "قراءات سبعہ کا وحی الہی کے ساتھ کوئی تھوڑا بہت بھی تعلق نہیں ہے اور ان کا منکر نہ تو کافر ہوتا ہے اور نہ ہی فاسق اور نہ ہی اس کی دینداری پر کوئی انگلی اٹھائی جائے گی۔ کیونکہ قراءات دراصل مختلف قبائل کے لہجات اور ان کے اختلاف کی وجہ سے بنی ہیں۔ [1] "

لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بعض مخلص علماء نے بھی علوم قرآن و علوم قراءات کا مطالعہ کئے بغیر مستشرقین کے باطل نظریات پر اعتماد کر کے یہ بات کہنا شروع کر دی ہے کہ "روایت حفص عن عاصم ہی وہ روایت ہے جسے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے باقی رکھا تھا اور یہی قرآن مجید کی صحیح قراءت ہے۔" (معاذ اللہ)

مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ قراءات قرآنیہ میں سے کوئی ایک قراءت بھی ایسی نہیں ہے، جس پر معترضین کی جانب سے طعن نہ کیا گیا ہو، یا اس پر جرح نہ ہوئی ہو، یا اس کے بارے میں کسی قسم کا کوئی بحث مباحثہ نہ ہوا ہو۔ اور اگر ہم معترضین کی جرح و طعن کو اس کی قبولیت یا عدم قبولیت کا معیار بنالیں تو پھر کوئی بھی قراءت ثابت نہ ہو گی، چاہے وہ صحت، وثوق اور تواتر کے بلند ترین درجے پر ہی کیوں نہ ہو۔

میں آپ حضرات کے سامنے چند معاصر علماء کے وہ اعداد و شمار بیان کر رہا ہوں، جو اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ بغیر کسی استثناء کے تمام قراءات سبعہ پر طعن کیا گیا ہے اور ان میں غلطیاں نکالی گئیں۔ فضیلۃ الشیخ عضیمہ اس بات کو بیان کرنے کے لئے **(القراء السبعة ونصيب كل منهم في تلحين قراءاته)** "قراء سبعہ اور ان کی قراءات میں سے



[1] یہ بات ڈاکٹر طہ حسین نے اپنی کتاب "الادب الجاھلی" میں لکھی ہے۔ دیکھیں: القراءات القرآنیہ از ڈاکٹر عبد الھادی فضلی: ۸۴.

نکالی جانے والی غلطیاں۔" کے نام سے ایک عنوان قائم کرتے ہیں، پھر وہ قراء سبعہ میں سے ہر قاری کا ذکر کرتے ہوئے اس کی قراءت میں سے جس قدر غلطیاں نکالی گئیں ہیں ان کے اعداد و شمار پیش کرتے ہیں۔ ان اعداد و شمار کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ (مقدمۃ دراسات لاسلوب القرآن الکریم ص: ۳۴ جزء اول، قسم اول)

۱۔ امام نافع رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۹ھ) کی قراءت: اس میں بارہ ۱۲ مقامات پر غلطیوں کا دعوی کیا گیا ہے۔ (المقدمۃ: /۳۹، اور اس کے مابعد)

۲۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۰ھ) کی قراءت: اس میں ۹ مقامات پر غلطیوں کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ (المقدمۃ: /۳۶، اور اس کے مابعد)

۳۔ امام ابو عمرو رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۴ھ) کی قراءت: اس میں ۷ مقامات پر غلطیوں کا دعوی کیا گیا ہے۔ (المقدمۃ: ۱/ ۳۸، اور اس کے مابعد)

۴۔ امام ابن عامر رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۸ھ) کی قراءت: اس میں ۱۸ مقامات پر غلطیوں کا دعوی کیا گیا ہے۔ (المقدمۃ: 1 / ۳۴، اور اس کے مابعد)

۵۔ امام عاصم رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷ھ) کی قراءت: اس میں ۷ مقامات پر غلطیوں کا دعوی کیا گیا ہے۔ (المقدمۃ: ۱/ ۴۰، اور اس کے مابعد)

۶۔ امام حمزۃ رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۰ھ) کی قراءت: اس میں ۱۵ مقامات پر غلطیوں کا دعوی کیا گیا ہے۔ (المقدمۃ: ۱/ ۴۲، اور اس کے مابعد)

۷۔ امام کسائی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۰ھ) کی قراءت: اس میں ۱۱ مقامات پر غلطیوں کا دعوی کیا گیا ہے۔ (المقدمۃ: ۱/ ۴۱، اور اس کے مابعد)

یہ تو صرف قراءات سبعہ پر کئے جانے والے اعتراضات کے چند نمونے ہیں۔ دیگر قراءات، خواہ وہ قراءات عشرہ ہوں، قراءات اربعہ عشر ہو یا ان کے علاوہ ہوں ان میں جو طعن کیا گیا ہے، اس کا کیا حال ہو گا۔ [1]

[1] نظریۃ النحو القرآنی: للدکتور احمد مکی الانصاری: ۱۴۵.

لیکن یاد رہے کہ قراءات متواترہ کا انکار زیادہ لوگ کریں یا کم لوگ کریں، اس سے قراءات کے ثبوت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ محقق علامہ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کتنی ہی قراءات ایسی ہیں، جن کا بعض یا اکثر اہل نحو نے انکار کیا ہے، لیکن ان کا یہ انکار معتبر نہیں ہے، کیونکہ سلف صالحین میں جن ائمہ کی اقتداء کی جاتی ہے وہ سب ان قراءات کو قبول کرنے پر متفق ہیں۔ [1] "



خلاصہ کلام

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی ایک قراءات بھی ایسی نہیں ہے جو مطلق طور پر تسلیم کی گئی ہو اور ہم اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہوں کہ یہی وہ مقدس قراءت ہے، جسے بلا استثناء تمام لوگ تسلیم کرتے ہیں یا اس کو قبول کرنے میں کوئی طعن، جرح یا کسی قسم کا کوئی بحث مباحثہ نہیں ہوا ہے۔

کیا قراءات قرآنیہ کا کھلم کھلا انکار کرنا شرعاً جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔

قراءات قرآنیہ ضروریات دین میں سے ہے۔ امام عبد الوھاب بن سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''قراءات سبعہ، جن کو امام شاطبی رحمہ اللہ نے اور قراءات ثلاثہ (یعنی امام ابو جعفر، امام یعقوب اور امام خلف رحمھم اللہ کی قراءات) جن کو امام ابن الجزری نے بیان کیا ہے، وہ متواتر قراءات ہیں اور دین کی بنیادی تعلیمات میں سے ہیں۔ ہر وہ قراءت جس کے ساتھ قراء عشرہ میں سے کوئی قاری منفرد ہوا ہے، وہ بھی ضروریات دین میں سے ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہیں۔ صرف جاہل شخص ہی ان کا انکار کر سکتا ہے۔ ان قراءات کا تواتر صرف ان قراء کرام تک ہی محدود نہیں ہے جنہوں نے ان روایات کو پڑھا ہے، بلکہ کلمہ شہادت کی گواہی دینے والے ہر مسلمان کے نزدیک متواتر ہیں۔ اگرچہ وہ شخص کوئی عامی اور جاہل ہی کیوں نہ ہو، جس نے قرآن مجید کا ایک حرف بھی زبانی یاد نہ کیا ہو۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اللہ کے دین کو اختیار کرے اور اس بات پر پختہ یقین رکھے کہ جن قراءات کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ سب متواتر ہیں اور یقینی طور پر معلوم ہیں، ظن اور شکوک وشبہات ان سے کوسوں دور ہیں۔ واللہ اعلم [1] ''

[1] النشر فی القراءات العشر:۱-۱۰.

امام ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''قراءات سبعہ، بلکہ عشرہ کئی زمانوں سے کئی شہروں میں رائج ہیں اور ان کے ساتھ نمازیں پڑھی جاتی ہیں، کیونکہ یہ اجماع سے ثابت ہیں۔ [2] ''

علامہ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''ہر وہ قراءت جو مطلق طور پر عربی زبان کے موافق ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے رسم کے مطابق ہو، یہ مطابقت خواہ تقدیراً ہی کیوں نہ ہو اور تواتر سے منقول ہو وہ قراءت متواترہ ہو گی جو قطعی طور پر ثابت ہے۔ ''

علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کے اوپر بیان کردہ تینوں ارکان ہمارے زمانے میں پائی جانے والی قراءات عشرہ (یعنی امام ابو جعفر، امام نافع، امام ابن کثیر، امام ابو عمرو، امام یعقوب، امام ابن عامر، امام عاصم، امام حمزۃ، امام کسائی اور امام خلف رحمھم اللہ کی قراءات) میں بدرجہ اتم موجود ہیں، اور ان قراءات



عشرہ کو لوگوں کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ جنہیں متاخرین نے متقدمین سے حاصل کیا یہاں تک کہ وہ نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے ہمارے زمانے تک پہنچ گئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک قراءت کی تلاوت باقی قراءات کی تلاوت کی مانند ہے جو قطعی طور پر ثابت ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"جو قراءات آج ہم تک تواتر، صحت سند، قطعیت، اجماع، بلا اختلاف اور

[1]منجد المقرئین:۵۱.

[2]القراءات فی نظر المستشرقین والملحدین:۹۳.

تلقی بالقبول کی خصوصیات کے ساتھ پہنچی ہیں، وہ قراء عشرہ اور ان کے مشہور رواۃ کی قراءات ہیں۔ یہ قراءات علماء کرام کے اقوال میں بھی ملتی ہیں اور انہی قراءات پر شام، عراق، مصر اور حجاز میں آج لوگ متفق ہیں۔ [1] "

پھر علامہ ابن جزری رحمہ اللہ نے جمہور ائمہ اسلام جیسے امام ابو محمد حسن بن مسعود بغوی، امام ابو العلاء حسن بن احمد ہمدانی، حافظ ابن الصلاح، امام ابن تیمیہ، امام سبکی رحمہ اللہ اور ان کے بیٹے قاضی القضاۃ وغیرہ سے قراءات عشرہ کے تواتر کو نقل کیا ہے۔ [2]

علامہ عبد الفتاح القاضی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

"جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ قراءات عشرہ متواتر ہیں، تو یہ جاننا بھی آپ پر لازم ہے کہ ان میں سے بعض قراءات کے تواتر کو جمہور اہل علم جانتے ہیں اور بعض کے تواتر کو صرف ماہر قراء ہی جانتے ہیں، جو علوم قراءات کے متخصص ہیں۔ عامۃ الناس ان کے تواتر سے آگاہ نہیں ہیں۔ پس پہلی قسم کی قراءات کا انکار بالاتفاق کفر شمار کیا جائے گا جبکہ دوسری قسم کی قراءات کا انکار اس وقت کفر شمار ہو گا جب دلائل واضح اور صحت قائم ہو جانے کے بعد بھی کوئی اپنے انکار پر مصر رہے۔ [3] "

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ دین اسلام قراءات متواترہ پر طعن کا انکار کرتا ہے اور ہم بعض لوگوں کو طعن کرتے ہوئے دیکھتے بھی ہیں، لہٰذا اس صورتحال میں ہمارا کیا رویہ ہونا چاہیئے؟

[1]منجد المقرئین:۱۵،۲۳.

[2]منجد المقرئین:۴۶اور اس کے مابعد .

[3]دیکھیں: شیخ عبد الفتاح القاضی کی کتاب "القراءات فی نظر المستشرقین والملحدین:۹۲،۹۶، اور انہی کی کتاب "ابحاث فی قراءات القرآن الکریم:۲۵،۲۷ .



امام عماد الاصفہانی[1] فرماتے ہیں :

’’کوئی بھی انسان جب کوئی کتاب لکھتاہے تواگلے روزاس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اگر یہ ایسے ہوتی توزیادہ بہتر ہوتا،اگروہ یہ اضافہ بھی کردیتاتواچھاتھا، اگروہ یہ چیز مقدم کردیتاتوخوبصورت ہوتااور اگر یہ چیز چھوڑدیتاتوزیادہ افضل ہوتا۔یہ بہت بڑی عبرت کی بات ہے اور اس امر پر دلیل ہے کہ انسانی امور میں کمی کوتاہی رہ ہی جاتی ہے۔‘‘

میں اللہ عزوجل کے حضور گڑگڑاتے ہوئے اپنی ہتھیلیاں بلند کرتاہوں اور قبولیت کی امید سے دعاکرتاہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن کریم اور قراءات قرآنیہ کی حفاظت فرمائے اور اپنے اس قول {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ} (الحجر:۹)’’ہم نے اس ذکر کونازل کیاہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔‘‘کو ثابت کردے۔اور قرآن مجید کو ہمارے حق میں حجت بنائے اور اسے ہمارے خلاف حجت نہ بنائے اور ہمارے اس عمل کو شرف قبولیت بخشے اور میری اس کاوش کو میرے لئے،میرے والدین،اساتذہ،بیوی بچوں اور تمام استفادہ کرنے والوں کے لئے اس دن کے لئے ذخیرہ بنادے کہ جس دن مال اور اولاد بھی کام نہ آئیں گے،سوائے اس کے جو اللہ کے ہاں قلب سلیم لے کر آئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین،وعلی آلہ وصحبہ الطاهرین،ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !(کاتب ابو مصعب محمد ابراهیم میر محمدی)

سبعۃ أحرف پر نزولِ قرآن کی احادیث مبارکہ

اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد اَحادیث مروی ہیں،ان میں سے چند اَحادیث کو ذیل میں بعض ضروری وضاحتوں کے ساتھ پیش کیا جارہاہے :

(عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ، فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ.) [1]

’’سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:جبرئیل علیہ السلام نے مجھے ایک لہجہ پر قرآن مجید کو پڑھنے کا حکم دیا،میں نے زیادہ کا مطالبہ کیااور مسلسل زیادتی کا سوال کرتارہا،حتیٰ کہ معاملہ سات لہجات تک جاپہنچا۔‘‘

بعض الفاظِ حدیث کی شرح :

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :



”اس حدیث میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سماع کی صراحت نہیں کی ہے، گویا انہوں نے یہ حدیث سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے عکرمۃ بن خالد عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن اَبیّ بن کعب... الخ کی سند سے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔ [2] “

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ”فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيْدُهُ“ کی وضاحت صحیح مسلم کی حدیث میں ہے،

[1] صحیح بخاری:۴۹۹۱۔

[2] فتح الباری:۱۱-۲۹،۲۸ .

جس کے الفاظ یہ ہیں :

(فَرَدَدْتُّ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِيْ وَإِنَّ أُمَّتِيْ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ۔) [1]

”میں بار بار جبرئیل سے کہتا رہا کہ میری اُمت پر آسانی کیجئے، کیونکہ وہ صرف ایک لہجہ پر قرآن کریم پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی ہے۔ “

دوسری حدیث :

(عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وسلم فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَائَتِهٖ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلٰى حُرُوْفٍ كَثِيْرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيْهَا رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم فَكِدْتُّ أُسَاوِرُهٗ فِي الصَّلٰوةِ فتَصَبَّرْتُ حَتّٰى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهٗ بِرِدَائِهٖ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ؛ قَالَ: أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم. فَقُلْتُ كَذَبْتَ فَإِنَّ رَسُوْلَ الله صلى الله عليه وسلم قَدْ أَقْرَأَنِيْهَا عَلٰى غَيْرِ مَا قَرَأْتَ، فَانْطَلَقْتُ بِهٖ أَقُوْدُهٗ إِلٰى رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ إِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى حُرُوْفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيْهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم أَرْسِلْهُ، اِقْرَأْ يَا هِشَامُ! فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهٗ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ، ثُمَّ قَالَ اقْرَأْ يَا عُمَرُ! فَقَرَأْتُ الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ أَقْرَأَنِيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ، إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔) [2]

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ وہ ایسے لہجات میں پڑھ رہے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر دیتا۔ پھر میں نے صبر سے کام لیا حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیرا۔ میں نے انہی کی چادر کو ان کے گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے کہا جو سورت میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے، وہ تمہیں کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ میں نے کہا تم جھوٹ



بولتے ہو، مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں پڑھائی۔ میں انہیں کھینچتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور کہا کہ میں نے اسے سورہ فرقان ایسے پڑھتے ہوئے سنا ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ !ہشام رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام رضی اللہ عنہ کو پڑھنے کو کہا۔ انہوں نے بالکل ویسے پڑھا، جیسے میں نے انہیں سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: {كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ} یعنی یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھنے کو کہا۔ میں نے ویسے پڑھا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: {كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ} یعنی یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: {إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَئُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ} یعنی قرآن مجید کو سات لہجات میں نازل کیا گیا ہے، جس طرح آسانی ہو، اس کے مطابق پڑھ لیا کرو۔ "

[1] صحیح مسلم: ۸۲۰،۸۲۱.

[2] صحیح البخاری: ۲۴۱۹، ۵۰۴۱ .

بعض الفاظ حدیث کی شرح :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: ((فَكِدْتُّ أُسَاوِرُهٗ فِي الصَّلٰوةِ)) کا مطلب ہے: "أُوَاثِبُهٗ وأُقَاتِلُه أو آخذُ برأسه" یعنی میں اس پر حملہ کروں اور اس سے جھگڑا کروں یا میں اس کے بالوں کو نوچ لوں۔

قولہ:... "فَتَصَبَّرْتُ حَتّٰى سَلَّمَ" کا معنی ہے کہ میں نے بمشکل خود کو کنٹرول کیا اور انہیں نماز سے فارغ ہونے تک کی مہلت دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "فَلَبَّبْتُه بردآئه" کا معنی ہے کہ ان کے گریبان سے کھینچتے وقت میں نے ان کی چادر کو ان کی گردن پر کس دیا تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔ امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں :

" اس کا معنی ہے کہ میں نے انہی کی چادر کو ان کے گلے میں ڈالتے ہوئے انہیں پکڑا اور اسی چادر کے ساتھ انہیں کھینچتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک لے آیا۔ یہ لفظ اللَّبَّة لام کے فتح کے ساتھ ہے، جو گلے کے لیے بولا جاتا ہے، کیونکہ چادر وغیرہ اسی جگہ لٹکائی جاتی ہے۔ اس سارے معاملہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا قرآن مجید کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے گئے الفاظ کا اہتمام، ان کی حفاظت اور دفاع کا زبردست اہتمام واضح ہوتا ہے۔ [1] "

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت طبیعت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر کے معاملہ میں انتہائی شدید تھے، جو سیدنا ہشام رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے سلوک سے واضح ہے۔ انہوں نے ایسا اس لیے کیا کہ ان کے غالب گمان کے مطابق ہشام رضی اللہ عنہ غلط پڑھ رہے تھے اور



یہ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنے کے بجائے خود ہی قراءت وضع کرلی تھی۔ چونکہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ہشام رضی اللہ عنہ کے ساتھ درپیش معاملہ پر نہ تو ان کا مواخذہ کیا اور نہ ہی انہیں ڈانٹا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سیدنا ہشام رضی اللہ عنہ سے کہنا ''كَذَبْتَ ''یعنی تونے جھوٹ بولا ہے، اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں :

''انہوں نے ظن غالب کی بنا پر یہ لفظ مطلقا کہا تھا یا ''كذبت'' سے ان کی مراد أَخْطَأْتَ ہے یعنی تونے غلط پڑھا۔ اہل حجاز خطا پر جھوٹ کا اطلاق کرتے ہیں۔ [2] ''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تو ایسے نہیں پڑھایا، دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ظنِ غالب سے استدلال کرتے ہوئے کہا اور سیدنا ہشام رضی اللہ عنہ کو اپنے علم کے مطابق کہا کہ وہ غلط پڑھ رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیال کے مطابق حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، تو ہو سکتا تھا کہ انہوں نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اسے صحیح طرح سے یاد نہ رکھ سکے ہوں۔ ان کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے تھے، اسلام میں پختہ بھی تھے اور جتنا قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، اسے زیادہ اچھی طرح یاد رکھنے والے اور اس میں زیادہ پختہ تھے۔

[1]شرح مسلم:٦-٣٤٠.

[2]فتح الباری:١١-٣١ .

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

''اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو سورۃ الفرقان آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے سن رکھی تھی۔ پھر جو کچھ بعد میں نازل ہوا، وہ اسے نہیں سن سکے تھے۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ تو فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو بعد میں نازل شدہ کے مطابق پڑھا۔ ان دونوں حضرات میں یہ بات اختلاف کا سبب بنی۔ ابتدأً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انکار کو اسی بات پر محمول کیا جانا چاہیے کہ انہیں اس واقعہ سے قبل حدیث ((أُنزلَ القرآنُ علىٰ سبعةِ أحرفٍ ۔)) کا علم نہیں تھا، لہٰذا انہوں نے انکار کر دیا۔ [1] ''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: ''أَرْسِلْهُ'' کا مطلب تھا کہ اے عمر! ہشام رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیجئے۔ آپ نے ایسا اس لیے کیا تاکہ مدعی علیہ یعنی سیدنا ہشام رضی اللہ عنہ کی بات سنی جا سکے یا آپ نے اس وجہ سے کہا تھا کہ ہشام رضی اللہ عنہ سے بھینچے جانے کی تکلیف دور ہو جائے اور وہ بآسانی قراءت کر سکیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس لیے سنا، کیونکہ امکان تھا کہ غلطی خود عمر رضی اللہ عنہ کی ہو۔



آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول:((أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ ۔))میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل کے لیے اطمینان، پختگی اوراس پر وارد ہونے والے شبہات کا ازالہ تھا۔ یہ شبہات اس وقت پیدا ہوئے جب آپ نے عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ میں سے ہر دو کی قراءت کو درست قرار دیا۔ اس بات کی طرف معجم طبرانی میں موجود ایک حدیث اشارہ کرتی ہے جس میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی ایسی قراءت سنی جو ان کی قراءت کے مخالف تھی، جھگڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو مذکورہ آدمی نے کہا کہ یارسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مجھے یہ قراءت یوں نہیں پڑھائی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ اتنی بات کہنی تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھانپ گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے ہاتھ مارا اور فرمایا:((اَللّٰهُمَّ أَبْعِدْ عَنْهُ الشَّيْطَانَ ۔))''اے اللہ! عمر سے شیطان کو دور فرما۔'' پھر فرمایا :

((أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ ۔)) [1]

ایک روایت میں شَافٍ كَافٍ کی جگہ ''صوابٍ کہ یہ تمام لہجات حق ہیں'' کے الفاظ ہیں۔

[1] فتح الباری:۱۱-۳۱.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول:((فاقرؤا ما تیسّر منه ۔))میں قرآن مجید کو سات لہجات میں نازل کرنے کی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُمت محمدیہ پر آسانی اور تلاوتِ قرآن میں تخفیف ہو، جس کا مطلب ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی زبان پر جو لہجہ آسان ہو، قراءت کرتے وقت اس کی ادائیگی مشکل نہ ہو اور یہ کہ سمجھ وفہم میں کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئے۔

فضیلۃ الشیخ علامہ عبد الفتاح القاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''کتب حدیث میں بسیار کوشش کے باوجود ہم عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ کے مابین سورۃ الفرقان میں ہونے والے اختلافِ لہجہ پر مطلع نہیں ہوسکے کہ وہ اَحرف سبعہ میں سے کون سا لہجہ تھا۔ ''

تیسری حدیث :

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ عِنْدَ أَضَاةِ بَنِيْ غَفَّارٍ، فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُقْرِئَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلٰی حَرْفٍ فَقَالَ: أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهٗ وَمَغْفِرَتَهٗ وَإِنَّ أُمَّتِيْ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُقْرِئَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلٰی حَرْفَيْنِ فَقَالَ: أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهٗ وَمَغْفِرَتَهٗ وَإِنَّ أُمَّتِيْ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ، ثُمَّ جَآئَهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُقْرِئَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلٰی ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ فَقَالَ: أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهٗ وَمَغْفِرَتَهٗ وَإِنَّ أُمَّتِيْ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ، ثُمَّ جَآئَهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُقْرِئَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَأَيُّمَا حَرْفٍ قَرَئُوْا عَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوْا ۔1

[1]النسائی: ۹۴۱.



’’سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے تالاب کے پاس موجود تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حکمِ خداوندی ہے کہ اپنی اُمت کو ایک لہجہ پر قرآن مجید پڑھائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ سے معافی ومغفرت کا طلب گار ہوں، میری اُمت ایک لہجہ پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر اللہ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام دوسری مرتبہ تشریف لائے اور کہا کہ آپ اپنی اُمت کو دو لہجات پر پڑھائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات دہرائی۔ جبرئیل علیہ السلام تیسری مرتبہ تشریف لائے اور کہا کہ آپ کے لیے اللہ کا حکم ہے کہ تین لہجات پر پڑھائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات دہرائی۔ جبرئیل علیہ السلام چوتھی مرتبہ آئے اور کہا کہ آپ اپنی امت کو سات لہجات میں پڑھائیے۔ ان میں سے جس کے مطابق وہ پڑھیں گے درستی کو پالیں گے۔‘‘

[1] صحیح مسلم:۸۲۱.

بعض الفاظ حدیث کی شرح :

الأَضاۃ ہمزہ کے فتحہ اور حرف ضاد معجمہ کے ساتھ، اسم مقصور ہے۔ یہ لفظ رنگ بدلے ہوئے پانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو حوض وغیرہ میں جمع ہو۔ اس کی جمع أَضاً آتی ہے، جیسے حصاۃ کی جمع حصاً آتی ہے۔ اگر یہ لفظ ہمزہ کے زیر اور مد کے ساتھ یعنی إِضآء ہو تو اس کا معنی ٹیلہ کے ہوتے ہیں۔ أَضاۃ یہ مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اور بنی غفار کی طرف اس لیے منسوب ہے کہ وہ اس کے پاس رہتے تھے۔

قولہ: ...((أَيُّمَا قَرَئُوا عَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوا.)) کے حوالے سے امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان سات لہجات سے تجاوز کرے، ان کے لیے انہی سات لہجات میں اختیار ہے۔ انہی حدود میں رہتے ہوئے ان لہجات کو مابعد والوں تک پہنچانا ان کی ذمہ داری اور ان پر واجب ہے۔ [1]‘‘

چوتھی حدیث :

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَرَأَ قراءةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ، ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ قراءةً سِوٰى قراءةِ صَاحِبِهِ. فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِيْعًا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ إِنَّ هٰذَا قَرَأَ قراءةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سِوٰى قراءةِ صَاحِبِهِ، فَأَمَرَهُمَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَرَئَا، فَحَسَّنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم شَأْنَهُمَا، فَسَقَطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا إِذْ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ، فَفِضْتُ عَرَقًا، وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللهِ فَرَقًا. فَقَالَ لِيْ: يَا أُبَيُّ! أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ، فَرَدَدْتُّ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِيْ فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ أَقْرَأْهُ عَلٰى حَرْفَيْنِ، فَرَدَدْتُّ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِيْ فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ أَقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَلَكَ



بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْئَلَةً تَسْأَلُنِيهَا فَقُلْتُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِيْ، فَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتّٰى إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ رواہ مسلم، وأحمد۔ وَفِيْ بَعْضِ طُرُقِ هٰذَا الْحَدِيْثِ: وَاخْتَبَأْتُ الثَّالِثَةَ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

[1]شرح مسلم: ٦-٣٤٤.

’’سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں موجود تھا۔ ایک آدمی آیا اور اس نے ایسی قراءت کی جس پر میں نے تعجب کیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا جس نے اس سے بھی مختلف قراءت کی۔ جب ہم نے نماز ادا کرلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نے ایسی قراءت کی ہے جو میں نہیں جانتا تھا اور دوسرے نے اس سے بھی مختلف تلاوت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ ان دونوں نے پڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے ہر ایک کی قراءت کی تحسین فرمائی۔ اس سے میرے دل میں ایسا وسوسہ پیدا ہوا، جو کبھی دورِ جاہلیت میں بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس کیفیت کو دیکھا تو میرے سینے پر ہاتھ مارا، مارے خوف کے میرے تو پسینے چھوٹ گئے اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابی! اللہ تعالیٰ نے میرے پاس فرشتے کو بھیجا، تاکہ میں ایک لہجہ پر قرآن پڑھوں، میں نے مطالبہ کیا کہ میری اُمت پر آسانی کیجئے۔ فرشتہ پھر دوسری مرتبہ آیا اور کہا دو لہجات پر اُمت کو پڑھایئے۔ میں نے پھر وہی مطالبہ کیا۔ جب تیسری مرتبہ فرشتہ آیا تو اس نے کہا کہ آپ اپنی امت کو سات لہجات میں قرآن مجید پڑھایئے اور ہر ہر مطالبہ کے عوض آپ کو ایک سوال (دعا) کرنے کی اجازت ہے۔ میں نے کہا کہ اے اللہ! میری اُمت کو معاف فرمادے، اے اللہ میری اُمت کو معاف فرمادے۔ تیسری دعا کو میں نے اس دن کے لیے محفوظ کررکھا ہے، جب تمام مخلوق بشمول ابراہیم علیہ السلام میری طرف پلٹیں گی۔ اس روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ [1] ‘‘

اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں کہ تیسری دعا کو میں نے اپنی اُمت کی روزِ قیامت سفارش کے لیے مؤخر کررکھا ہے۔

بعض الفاظ حدیث کی شرح :

حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ سیّدنا ابی رضی اللہ عنہ نے دونوں آدمیوں سے سوال کیا کہ تمہیں یہ قراءت کس نے پڑھائی ہے؟ تو ان میں سے ہر ایک نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چلو میرے ساتھ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں۔ تینوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی قراءت کی تحسین فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کے لیے ’’أَحْسَنْتَ‘‘ اور ’’أَصَبْتَ‘‘ یعنی تونے اچھا کیا، تونے سنت طریقہ کو پالیا، کے الفاظ استعمال کئے۔ مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلافِ قراءت کے باوجود ہر ایک کی قراءت کو صحیح قرار دیا۔ تو میرے دل میں ایسا شبہ پیدا ہوا، جو کبھی جاہلیت کے دور میں بھی پیدا نہ ہوا تھا۔ [2]



جملہ: سَقَطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ... الخ میں من التکذیب جار مجرور ہو کر متعلق ہے محذوف کلمہ ماکا، اور یہی کلمہ ما، سقط فی نفسی کا فاعل ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایسا جھوٹ نہ تو ایامِ ایمان میں اور نہ ہی دورِ جاہلیت میں میرے دل میں کبھی پیدا ہوا تھا، چنانچہ اس جملہ کی اصل عبارت یوں ہے :

فَسَقَطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ مَا لَمْ يَحْصُلْ لِيْ وَقْتًا مَا، وَلَا وَقْتَ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ

تو صحابی کے قول میں 'ما' سقط کا فاعل ہے اور من التکذیبیہ جار مجرور مل کر فاعلِ محذوف مَا اور اس کے بیان کے متعلق ہے اور ولا اِذ میں واؤ عاطفہ ہے۔ 'لا' لم سے حاصل شدہ نفی کی تاکید کے لیے اور اِذ ظرف زمان بمعنی فعل ماضی ہے اور اس کا معطوف علیہ وقتاً مقدر ہے۔

[1] صحیح مسلم: ۸۲۰.

[2] سنن نسائی: ۹۴۱ .

بعض روایات میں ہے :

فَدَخَلَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ الشَّكِّ وَالتَّكْذِيْبِ أَشَدَّ مِمَّا كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ.

''میرے دل میں ایسے شدید شک اور جھوٹ نے جنم لیا، جو دور جاہلیت میں بھی نہ تھا۔ ''

امام نووی رحمہ اللہ اس جملہ کے معنی کے متعلق فرماتے ہیں :

''شیطان نے میرے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں اس قدر سخت وسوسہ ڈالا جو کبھی جاہلیت میں بھی نہیں آیا تھا، کیونکہ قبل از اسلام تو محض غفلت یا شک تھا، لیکن اب شیطان نے گویا نبوت کا قطعی طور پر جھوٹا ہونے کا وسوسہ میرے دل میں ڈالا۔ [1] ''

اس بابت یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے دل میں شیطانی وسوسہ اور بہکاوا آیا تھا جو زیادہ دیر نہ چل سکا، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قوت ایمانی کے سامنے اس قسم کے شبہات اور وساوس کی جتنی بھی آندھیاں آتیں تھیں صحابہ کرامؓ کے مضبوط ایمان کے سامنے وہ اپنی شدت کھو دیتی تھیں۔ یہ بات تو واضح ہے کہ شیطانی وساوس اور دل میں اٹھنے والے خیالات پر انسان کا مواخذہ اور محاسبہ اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک وہ انہیں تسلیم نہ کرے یا ان شبہات کے مطابق عمل نہ کر لے، بلکہ اسے چاہیئے کہ ان خیالات وشبہات کو اپنے دل ودماغ سے نکالنے کی کوشش کرے۔

[1] شرح مسلم: ۶-۳۴۳.

اس حوالے سے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو شیطان نے اس لیے بہکانا چاہا تا کہ وہ ان پر ان کی حالتِ ایمانی کو گڈمڈ کر سکے اور قراءات کی اہمیت کو ان پر دھندلا کر سکے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ان کے سینے پر ہاتھ مارا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ روشن اور باطن روشنی سے منور



فرمادیا،یہاں تک کہ وساوس کے تمام پردے چھٹ گئے اور قراءات کے معارف کے متعلق آپ کا سینہ کھل گیا۔جب ان کے لیے اس وسوسہ کی برائی ظاہر ہوئی تو ان پر اللہ کا خوف چھا گیا اور اللہ سے حیا کی وجہ سے ان کے پسینے چھوٹ گئے۔یہ وسوسہ ان وساوس کے قبیل سے تھا جن کے متعلق بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ ان کے دلوں میں ایسے وسوسے اٹھتے ہیں جنہیں دوسروں سے بیان کرتے ہوئے بھی وہ ڈرتے ہیں،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کہ واقعی ایسے وسوسے پیدا ہوتے ہیں؟تو صحابہ نے عرض کیا:جی ہاں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مضبوط ایمان کی نشانی ہے کیونکہ جہاں ایسا ایمان موجود ہو وہیں دشمن نقب لگانے کی کوشش کرتا ہے۔[1]“

حدیث کے الفاظ:

فَلَمَّا رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ عَرَقًا كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَی اللّٰهِ فَرَقاً۔

کے متعلق قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مذموم وسوسے کو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے چہرے سے جانچ لیا،تو ان کے سینے پر ہاتھ اس لیے مارا تا کہ وسوسہ دور ہو جائے۔فَرَقًا:الفَرَق سے ہے،جس کا معنی ہے:رعب،خوف اور گھبراہٹ۔[2]“

امام طیبی رحمہ اللہ شرح مشکوۃ المصابیح میں فرماتے ہیں:

”حضرت ابی رضی اللہ عنہ ایمان ویقین میں کامل ترین صحابہ میں سے تھے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر یہ شیطانی وسوسہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی برکت کی وجہ سے یہ حالت اور کیفیت حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے پسینے چھوٹنے کے ذریعے جاتی رہی،دوبارہ حالتِ ایمان کی طرف پلٹے اور اللہ سے خوف اور شرمندگی اس لیے محسوس کی کہ مذکورہ وسوسہ شیطانی تھا۔“

[1]تفسیر قرطبی:۱-۴۹.

[2]شرح صحیح مسلم:۶-۳۴۳.

حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بعض طرق کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

فَوَجَدْتُّ فِيْ نَفْسِيْ وَسْوَسَةَ الشَّيْطَانِ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهِيْ۔

”میرے دل میں ایسا زبردست وسوسہ آیا کہ میرے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حالت دیکھتے ہوئے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور دعا کی:

”اے اللہ!ابی سے شیطان کو دور فرمادے۔“



اور بعض روایات میں یوں الفاظ ہیں :

”اے اللہ!ابی رضی اللہ عنہ سے شک کو دور فرمادے۔ “

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول:(فَرَدَدْتُّ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِي۔)میں سوال دہرانے کی وضاحت ہے،جس کی تفصیل دوسری حدیث میں اس طرح آئی ہے :

(أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ۔)[1]

”میں اللہ سے معافی اور مغفرت کا طلبگار ہوں۔ “

اس حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے تیسری مرتبہ کہا کہ سات لہجات میں پڑھائیے،جب کہ اس سے پہلی حدیث میں ہے کہ یہ بات جبریل علیہ السلام نے چوتھی مرتبہ کہی تھی۔ان دونوں روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ بعض اوقات اختصار کی غرض سے تکرار حذف کر دیا جاتا ہے۔

حدیث کے الفاظ:(وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُّكَهَا مَسْأَلَةً تَسْأَلُنِيهَا)کے حوالے سے امامِ نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں :

”اس کا معنی ہے کہ یہ دعائیں تو یقینی طور پر قبول کرلی گئیں ہیں،جب کہ دیگر دعاؤں کی قبولیت کی اُمید تو کی جاسکتی ہے،لیکن ان کی مقبولیت ضروری نہیں ہے۔[1] “

واضح رہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی کی جس قراءت پر انکار کیا تھا،وہ سورۃ النحل کی آیات تھیں،لیکن بہت کوشش کے باوجود ہمیں علم نہیں ہوسکا کہ وہ کون سی آیات تھیں۔

[1] صحیح مسلم:۸۲۱.

پانچویں حدیث

عَنْ أُبَيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ لَقِيَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم جِبْرَائِيْلَ فَقَالَ:يَا جِبْرَائِيْلُ!إِنِّيْ بُعِثْتُ إِلٰى أُمَّةٍ أُمِّيِّيْنَ،فِيْهِمُ الْعُجُوْزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ،قَالَ:يَا مُحَمَّدُ!إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ۔رواه الإمام أحمد فی مسنده،والتِّرمِذِيُّ وقال هذا حديث حسن صحيح۔

”سیدنا ابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،فرماتے ہیں:نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا،میں تو اَن پڑھ لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں،ان میں غلام،لونڈیاں،بوڑھے،کمزور اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے



کبھی کتاب پڑھ کے نہیں دیکھی،تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:اے محمد ﷺ! قرآن سات لہجات میں نازل کیا گیا ہے۔امام احمد رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے نقل کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔[2] "

بعض اَلفاظ حدیث کی شرح :

اُمّیین یہ اُمّی کی جمع ہے،اور اُمّی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو پڑھ لکھ نہ سکتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے :

{هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ}(الجمعۃ:۲)

"اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں رسول بھیجا،جو ان پر آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہے۔"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے :

(إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ۔) [1]

"ہم ایسی قوم ہیں کہ نہ لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور نہ ہی حساب وکتاب کرنا۔"

مطلب یہ ہے،وہ ماؤں کی کوکھ سے ہی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور اب بھی وہ اپنی اس عادت کے مطابق اَن پڑھ ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس طرح کے اَن پڑھ،ناخواندہ لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔اگر انہیں ایک ہی لہجہ وزبان کا پابند کردیا گیا تو یہ معاملہ تلاوتِ قرآن میں گراں گزرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم سے دوری اور اس کی قراءت سے نفرت کا سبب بن جائے گا۔

[1]شرح مسلم:۷-۳۴۴.

[2]جامع ترمذی:۲۹۴۴ .

اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں :

(فَمُرْهُمْ فَلْيَقْرَءُوا الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ۔) [2]

"انہیں حکم دیجئے کہ قرآن مجید سات لہجات میں پڑھ لیں۔"

اس فرمان نبوی میں اُمت کے لیے رحمت اور آسانی ہے کہ جس کے لیے جو لہجہ آسان ہو اسی کے مطابق پڑھ لیا کرے۔

چھٹی حدیث

عَنْ أَبِيْ قَيْسٍ مَوْلٰى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَرَأَ آيَةً مِّنَ الْقُرْآنِ فَقَالَ لَهُ عَمْرٌو إِنَّمَا هِيَ كَذَا وَ كَذَا بِغَيْرِ مَا قَرَأَ الرَّجُلُ فَقَالَ الرَّجُلُ: هٰكَذَا أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم فَخَرَجَا إِلٰى رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وسلم حَتّٰى أَتَيَاهُ فَذَكَرَا ذٰلِكَ لَهُ. فَقَالَ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ. فَأَيَّ ذٰلِكَ قَرَأْتُمْ أَصَبْتُمْ. فَلَا تُمَارُوْا فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّ الْمِرَاءَ فِيْهِ كُفْرٌ. رواه الامام أحمد في مسنده وسنده جيد.

[1] صحیح البخاری:۱۹۱۳.

[2]مسند احمد:۵۱۳۲ .

قَرَأَ الرَّجُلُ فَقَالَ الرَّجُلُ: هٰكَذَا أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم فَخَرَجَا إِلٰى رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وسلم حَتّٰى أَتَيَاهُ فَذَكَرَا ذٰلِكَ لَهُ. فَقَالَ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ. فَأَيَّ ذٰلِكَ قَرَأْتُمْ أَصَبْتُمْ. فَلَا تُمَارُوْا فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّ الْمِرَاءَ فِيْهِ كُفْرٌ. رواه الامام أحمد في مسنده وسنده جيد.[1]

’’سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے غلام ابو قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے قرآن کریم کی ایک آیت کی تلاوت کی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اس طرح تو نہیں ہے۔ آدمی نے کہا کہ مجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا ہے۔ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور معاملہ پیش کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ قرآن سات لہجات میں نازل کیا گیا ہے، ان میں سے جس کے مطابق بھی پڑھو ٹھیک ہے۔ سنو! تم قرآن کریم میں جھگڑا مت کیا کرو، کیونکہ قرآن مجید میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ‘‘

امام ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

’’نتیجہ کے اعتبار سے اس حدیث میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ اختلاف محض لفظی ہے، کیونکہ ایک آدمی نے ایک حرف پر قراءت کی تو دوسرے نے اس کا انکار یا اس سے اختلاف کیا، حالانکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی قراءت اختلاف کے باوجود متلو اور مقروء تھی۔ تو جب کوئی شخص اپنے ساتھی کی ثابت شدہ اور غیر منسوخہ قراءت کا انکار کرتا ہے، تو اس پر کفر اس لیے لازم آتا ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ایک قراءت (حرف) کا انکار کر دیا۔ ‘‘

اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ: ((فانَّ مُرَآءً فيهِ كُفْرٌ)) تو ان الفاظ

[1]مسند أحمد:۴-۲۰۴.

میں ’مرائً‘ کا نکرہ ہونا اس بات کو باور کروا رہا ہے کہ قرآن مجید میں ہلکے سے ہلکا اور چھوٹے سے چھوٹا اور ادنیٰ درجہ کا جھگڑا بھی خصوصا قراءات قرآنیہ کی قبولیت کے باب میں کفر ہے۔

ساتویں حدیث

(عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللہ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ وَالْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَاعْمَلُوْا وَمَا جَهِلْتُمْ مِنْهُ فَرَدُّوْهُ إِلٰى عَالِمِهٖ. أَيْ فَتَعَلَّمُوْهُ مِمَّنْ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكُمْ. رواه النَّسَائِي، والإمام أحمد.) [1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی، لہٰذا اس میں جھگڑا مت کرو۔ اس میں جس بات کا علم ہو اس پر عمل کرلو اور جس کے بارے میں علم نہ ہو اسے اپنے سے بڑے عالم قرآن کے پاس لے جاؤ تا کہ سمجھ سکو، یعنی جو تم سے زیادہ جانتا ہے اس سے سیکھ لو۔ اسے امام نسائی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ "

آٹھویں حدیث

(عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللہ عَنْهُ قَالَ أَقْرَأَنِيْ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُوْرَةً مِنْ آلِ حٰمٓ، فَرُحْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ لِرَجُلٍ اِقْرَأْهَا فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ حُرُوْفًا مَا أَقْرَأُهَا فَقَالَ أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَانْطَلَقْنَا إِلٰى رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرْنَاهُ فَتَغَيَّرَ وَجْهُهٗ، فَقَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْاِخْتِلَافُ، ثُمَّ أَسَرَّ إِلٰى عَلِيٍّ شَيْئًا فَقَالَ عَلِيٌّ إِنَّ رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْمُرُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ كُلٌّ مِّنْكُمْ كَمَا عُلِّمَ، قَالَ فَانْطَلَقْنَا وَكُلُّ رَجُلٍ مِّنَّا يَقْرَأُ حُرُوْفًا لَا يَقْرَأُهَا صَاحِبُهٗ. رواه ابن حِبّان، والحاكم.) [2]

[1] مسند احمد: ۲-۳۰۰.

[2] مستدرک حاکم: ۲-۲۲۳ .

"سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حم والی سورتوں میں سے کوئی سورت سکھائی، میں مسجد میں گیا اور ایک آدمی سے کہا کہ وہی سورت پڑھو۔ جب اس نے پڑھنا شروع کیا تو وہ ایسے حروف (لہجات) میں پڑھنے لگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ جب میں نے کہا کہ تونے یہ کہاں سے پڑھے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ایسے پڑھایا ہے۔ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور معاملہ بیان کیا، تو غصہ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا: تم سے پہلوں کو اسی اختلاف نے ہلاک کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی سرگوشی فرمائی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جیسے تمہیں پڑھایا جاتا ہے، ویسے ہی پڑھو۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ



عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم وہاں سے چل دیئے اور ہم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی قراءت سے قطع نظر اپنی پڑھی ہوئی قراءت کے مطابق پڑھتا تھا۔ اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔"

نویں حدیث

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: أَقْرَأَنِي ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةً أَقْرَأَنِيهَا زَيْدٌ وَأَقْرَأَنِيهَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَاخْتَلَفَتْ قِرَائَتُهُمْ فَبِقراءةِ أَيِّهِمْ آخُذُ؟ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَعَلِيٌّ إِلَى جَنْبِهِ فَقَالَ عَلِيٌّ لِيَقْرَأْ كُلُّ إِنْسَانٍ مِّنْكُمْ كَمَا عُلِّمَ فَإِنَّهُ حَسَنٌ جَمِيْلٌ. رواه ابن جرير الطبري، والطبراني.

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! مجھے ایک ہی سورت تین مختلف اشخاص یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پڑھائی ہے، لیکن ہر ایک کی قراءت دوسرے سے مختلف ہے۔ مجھے بتایئے کہ میں کس کی قراءت کے مطابق پڑھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ آپ ﷺ کی خاموشی دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں موجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: جیسے ہر انسان کو سکھایا گیا ہے وہ ویسے ہی پڑھے، یہی طریقہ اچھا اور خوبی والا ہے۔ اسے امام طبری رحمہ اللہ اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ [1] "

یہ تمام اَحادیث کثرتِ طرق اور مجموعی لحاظ سے حدیث سبعۃ اَحرف کے تواتر پر دلالت کرتی ہیں۔ حافظ ابو یعلی الموصلی رحمہ اللہ نے 'مسند کبیر' میں یہ واقعہ نقل کیا ہے:

"ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جلوہ افروز ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ ہر وہ شخص کھڑا ہو جائے جس نے حدیثِ سبعہ اَحرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ مجمع سے اس قدر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے کہ ان کا شمار مشکل تھا۔ تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں بھی اس بات پر گواہ ہوں کہ واقعتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

(إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ.) [2]

راوی کا یہ کہنا: "فقاموا حتى لم يحصوا" یعنی لوگوں کی ان گنت تعداد کھڑی ہو گئی، اس حدیث کے متواتر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ حفاظِ حدیث اور محدثین کرام کی ایک بہت بڑی جماعت بشمول امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ وغیرہ نے حدیثِ سبعۃ اَحرف کو متواتر احادیث میں شمار کیا ہے۔



امام سیوطی رحمہ اللہ الاتقان میں فرماتے ہیں:"حدیث: أنزل القرآن علی سبعة أحرف کو صحابہ کی ایک بڑی جماعت، جس میں مندرجہ ذیل ۲۱ صحابہ کرام شامل ہیں، نے نقل کیا ہے :

[1] معجم الکبیر:۴۹۳۸.

[2] سنن نسائی:۹۴۱.

سبعہ احرف" سے کیا مراد ہے ؟

سبعہ احرف کے معنی ومفہوم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی نص وارد نہیں ہے جو اَحرفِ سبعہ کی وضاحت اوراس کے مرادی معنی کی تشریح کرے، چنانچہ علمائے کرام نے اس کے معانی میں غور وخوض فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں ان کا اختلاف کئی مذاہب پر منتج ہوا ہے۔

پہلا قول:... سبعۃ احرف بمعنی لغات ولہجات

امام ابوعبید رحمہ اللہ، امام ابن عطیہ رحمہ اللہ، امام بیہقی رحمہ اللہ اور کئی دوسرے آئمہ کرام کا موقف ہے کہ اس سے مراد سات لغات ہیں۔ جب اس مذہب پر گرفت کرتے ہوئے کہا گیا کہ اہل عرب کی تو سات سے زیادہ لغات ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد فصیح ترین سات لغات ہیں۔ پھر اس قول والوں کا لغات کی تعیین میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد قریش، ہذیل، ثقیف، ہوازن، کنانہ، تمیم اور یمن کی لغات مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ قریش، ہذیل، ازد، تمیم، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر کی لغات مراد ہیں۔ اسی طرح بعض نے کہا یہ تمام کی تمام لغت قریش میں ہی موجود تھیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

{وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ}(ابراھیم:۴)

"ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان اور لہجہ کے مطابق بھیجا۔ "

امام ابوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر ہر کلمہ میں سات لغات پائی جاتی ہیں، بلکہ یہ ساتوں لغات قرآن مجید کے مختلف کلمات میں ہیں۔ بعض کلمات قریش، بعض ہذیل اور بعض ہوازن وغیرہ کی لغات میں اترے۔ پھر ان میں سے بعض لغات کی یہ خوش بختی ہے کہ قرآن کا اکثر حصہ ان میں نازل ہوا، جبکہ دیگر لغات میں اس سے کم حصہ نازل ہوا۔ "

امام ابوشامہ رحمہ اللہ بعض شیوخ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :



”پہلے پہل قرآن مجید قریش اوران کے فصیح ترین عرب ہمسایوں کی لغت میں نازل ہوا۔ پھر اہل عرب کو اجازت دے دی گئی کہ وہ جن لغات کو اپنے معمول کے مطابق الفاظ اور اعراب میں استعمال کرتے ہیں، ان میں تلاوت کر لیا کریں۔ مشقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہیں کسی دوسری لغت کی طرف منتقل ہونے کا پابند نہیں کیا گیا تا کہ مرادِ الٰہی کو سمجھنے میں ان کی خاندانی حمیت وغیرت آڑے نہ آئے۔ اپنی لغت کے مطابق پڑھنا اس وقت جائز تھا جب معنی میں تبدیلی واقع نہ ہوتی ہو اور وہ قراءت منزل من اللہ ہو، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ہر اختلاف کی تصحیح فرمائی ہو۔ “

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ’فتح الباری‘ میں فرماتے ہیں :

”اگر اس طرح کہا جائے تو اس بات کی تکمیل ہو سکتی ہے کہ مذکورہ اباحت (اِجازت) اپنی خواہش کے مطابق تبدیلی کا نام نہیں تھا، یعنی جس کلمہ کو چاہے اپنی لغت میں اس کے مترادف لفظ سے بدل لے، بلکہ یہ اجازت محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر موقوف تھی۔ اس بات کی تائید سیدنا عمر اور سیدنا ہشام رضی اللہ عنہما کے قول اور (أَقْرَأَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم) کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ [1] “

دوسرا قول:... سبعۃ أحرف بمعنی قراءات

ہماری رائے میں سبعہ احرف سے سات قراءات مراد لینا سب سے بہتر قول ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: (أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ) میں سبعۃ أحرف کا معنی ”سبعہ قراءات“ ہے۔ [1] فتح الباری.

حدیث مبارکہ میں مجاز مرسل سے کام لیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ جزء (حرف) بول کر کل (مختلف حروف پر مشتمل قرآنی کلمات) مراد لیا گیا ہے۔ ان میں تعلق جزئیت اور کلیت کا ہے، جیسے رقبۃ (گردن) کا اطلاق غلام پر اور عین (آنکھ) کا اطلاق شخص (جاسوس) پر کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ مختلف

قراءات پر مشتمل کلمہ قرآنی کو حرف اس لیے کہا گیا ہے کہ کلمہ میں ایسے حروف ہوتے ہیں جن کی قراءت میں قراء کا اختلاف واقع ہوتا ہے۔ ایک قاری نے ایک کلمہ کو رفع دیا، تو دوسرے نے نصب۔ ایک نے یائے غیب سے پڑھا تو دوسرے نے تائے خطاب سے یا ایک نے کسی حرف کی زیادتی کی، تو دوسرے نے کمی کر کے پڑھا وغیرہ وغیرہ۔ تمام قراءات کا باہمی اختلاف اسی قبیل سے ہوتا ہے۔ لوگوں کے استعمالات میں بھی حرف بول کر مراد قراءت کو لیا جاتا ہے، چنانچہ لوگ جب حرفِ نافع رحمہ اللہ یا حرفِ حمزہ رحمہ اللہ کہتے ہیں تو ان کی حرف سے مراد قراءت ہوتی ہے۔

مذکورہ بیان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام کلماتِ قرآنیہ میں سات سات قراءات پائی جاتی ہیں، بلکہ سات لغات تو گنتی کے چند کلمات میں پائی جاتی ہیں، جیسے جبرئیل، هيت اور أرجهٖ وغیرہ۔ ان کلمات میں بھی سات لغات تب جمع ہوتی ہیں جب تمام صحیح اور شاذ قراءات کو سامنے رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک بھی کلمہ ایسا نہیں ہے جس میں مکمل سات قراءات پائی جائیں۔ قرآن کریم میں صرف ایک کلمہ ایسا ہے جس میں چھ لغات پائی جاتی ہیں اور وہ ہے: أرجه (الأعراف:١١١، الشعراء:٣٦)



واضح رہے کہ اَحرف سبعہ سے مراد قراءاتِ سبعہ یعنی سات معروف قراء کی قراءات بھی نہیں ہیں، جیسا کہ ہم اس بات کو ''آئمہ سبعہ کی قراءات اور حروفِ سبعہ کی ان کی طرف نسبت'' کے زیر عنوان مبحث میں آگے واضح کریں گے۔ معلوم ہوا اَحرف سبعہ سے مراد کلمات قرآنیہ ہیں، جو کبھی ایک، دو یا تین اور کبھی سات قراءات کے مطابق پڑھے جاتے ہیں۔

تیسرا قول:... سبعہ اَحرف بمعنی اَوجۂ قراءات

اَحرف سبعہ سے اَوجہ سبعہ بھی مراد لی گئی ہیں جو کہ مذکورہ قول کے قریب قریب ہے، کیونکہ حدیث میں موجود اَحرف سبعہ کا معنی اَوجہ سبعہ سے بھی کیا گیا ہے۔ لغت میں حرف کا معنی وجہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

{وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ...... الایۃ} (الحج:۱۱)

''کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو اللہ کی عبادت ایک خاص حالت پر کرتے ہیں۔ ''

اس آیت مبارکہ میں 'حرف' سے مراد ایک حالت یا وجہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ آسودگی والی اور متمول زندگی گزارنے کے خواہاں ہوتے ہیں، جب ان کے پاس سہولیات بکثرت ہوتی ہیں، تو ان کا دل مطمئن اور آنکھیں ٹھنڈی رہتی ہیں اور وہ اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کے مال، اولاد یا ذات کو کچھ نقصان پہنچا کر آزماتے ہیں تو وہ عبادت ترک کرکے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر پر اتر آتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے اللہ کی عبادت صرف ایک حالت یعنی آسودگی میں کی، نہ کہ تنگی اور تکلیف میں بھی۔

الغرض جب قراءات کے سلسلہ میں ہم متواتر، مشہور، صحیح، ضعیف، شاذ اور منکر روایات کو بغور دیکھتے ہیں تو یہ اِختلاف مندرجہ ذیل سات اَقسام سے کم یا زیادہ نظر نہیں آتا۔

ا... اَسماء کا اختلاف

اس میں واحد، تثنیہ، جمع اور مبالغہ وغیرہ کا اختلاف شامل ہے۔

واحد اور جمع کی مثالیں ...:

☆ {فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ} (البقرہ:۱۸۴) اور {وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ} (البقرہ:۲۸۵)

☆ {وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ} (المائدہ:۶۷)

☆ {اللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ} (الانعام:۱۲۴)

☆ {وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ} (الاعراف:۱۵۷)

☆ {اَنۡ يَّعۡمُرُوۡا مَسَاجِدَ اللّٰهِ} (التوبہ:۱۷)

☆ {وَسَيَعۡلَمُ الۡكُفّٰرُ} (الرعد:۴۲)

☆ {اِذَا قِيۡلَ لَـكُمۡ تَفَسَّحُوۡا فِى الۡمَجٰلِسِ} (المجادلہ:۱۱)

مذکورہ بالا آیات میں مَسٰكِيۡن، وَ كِتٰبِهٖ، رِسَالٰتِهٖ، اصۡرَهُمۡ، مَسۡجِدَ، الۡكُفۡرُ اور الۡمَجۡلِسِ کو واحد اور جمع دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور کلمات کی کتابی شکل میں بھی دونوں واضح ہیں۔

تثنیہ اور جمع کی مثالیں ...:

☆ {مِنَ الَّذِيۡنَ اسۡتَحَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡاَوۡلَيٰنِ} (المائدہ:۱۰۷)

☆ {فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ} (الحجرات:۱۰)

مذکورہ آیات میں الۡاَوۡلَيٰنِ اور اَخَوَيۡكُمۡ کو تثنیہ وجمع دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

تذکیر وتانیث کے اختلاف کی مثالیں :

☆ {وَلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ} (البقرہ:۴۸)

اس آیت میں يُقۡبَلُ کو بالیاء اور بالتاء دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

دونوں قراءات کی توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ يُقۡبَلُ کو بالیاء اس لیے پڑھا گیا ہے کہ یہاں فاعل شفاعۃ مونث غیر حقیقی ہے، اور بالتاء اس لیے پڑھا گیا ہے کہ یہاں فاعل میں علامت تانیث لفظاً موجود ہے۔

☆ {كَاَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ} (النساء:۷۳)

اس آیت میں یکن کو بالتاء (مونث) اور بالیاء (مذکر) دونوں طرح سابقہ توجیہہ کی بناء پر پڑھا گیا ہے۔

☆ {وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ} (الانفال:۶۵)



اس میں یکن کو بالتاء(مونث)اور بالیاء(مذکر)دونوں طرح سابقہ توجیہ کی بنیاد پر پڑھا گیا ہے۔

☆{اَلَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ}(النحل:۲۸،۳۲)

یہاں بھی تتوفاھم کو مذکر اس لیے پڑھا گیا ہے کیونکہ فاعل مذکر ہے اور مونث اس لیے پڑھا گیا ہے کہ تانیث لفظی موجود ہے۔

اسماء میں مبالغہ اور عدم مبالغہ کی مثال :

☆{عَالِمُ الۡغَيۡبِ}(سبا:۳)

عَالِمُ کو عَلاَّم بروزن فَعَّال مبالغہ کے صیغہ سے بھی پڑھا گیا ہے۔

۲...افعال کا اختلاف

اسمیں الفاظ کے تغیر کے ساتھ کسی فعل کو ماضی یا مضارع کی طرف لوٹانا ہوتا ہے،مثلاً

☆{وَمَنۡ تَطَوَّعَ}(البقرہ:۱۸۴)

اس کو باب تَفَعُّل سے فعلِ ماضی بناتے ہوئے تا،طا،اورع کو مفتوح پڑھا گیا ہے،جبکہ دوسری قراءت میں اسے باب افتعال سے فعل مضارع بناتے ہوئے یَطَّوَّعْ پڑھا گیا ہے۔اس کی اصل یَتَطَوَّعْ تھی،پھر بابِ افتعال کے قواعد کی بنا پر تائے افتعال کو 'ط' سے بدلا پھر 'تاء' کا 'طاء' میں ادغام کر دیا،تو یَطَّوَّعْ ہو گیا۔

☆{فَنُجِّيَ مَنۡ نَّشَآءُ}(یوسف:۱۱۰)

اسے ماضی مجہول بناتے ہوئے نون کے بعد والی جیم مشدد کو مکسور اور یاء کو مفتوح پڑھا گیا ہے۔دوسری قراءت میں اسے باب افعال(أَنْجٰی)سے فعل مضارع بناتے ہوئے نون مضموم کے بعد نون ساکنہ کا اضافہ کرتے ہوئے جیم اور نون کی تخفیف کے ساتھ نُنۡجِيۡ پڑھا گیا ہے۔

اسی طرح اس نوع میں کسی فعل کو ماضی سے مضارع یا اَمر کی لوٹانا بھی شامل ہے،مثلاً

☆{وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى}(البقرہ:۱۲۵)

اس میں اتَّخِذُوۡا کو خاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔کسرہ کی صورت میں فعل اَمر اور فتحہ کی صورت میں فعل ماضی ہو گا۔

☆{قٰلَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ}(الزخرف:۲۴)



اسے ماضی بناتے ہوئے قَالَ اور اَمر بناتے ہوئے قُلْ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

مزید برآں کسی فعل کو مضارع سے اَمر کی طرف لوٹانا بھی اس نوع میں شامل ہے، مثلاً

☆ {فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ} (البقرۃ:۲۵۹)

اس آیت میں فعل مضارع کی قراءت کی صورت میں أَعْلَمُ کو وصل وابتداء میں ہمزہ قطعی مفتوح اور میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ دوسری قراءت میں اس کلمہ کو امر بناتے ہوئے اعْلَمْ کے ہمزہ کو وصلی شمار کیا گیا ہے، جو حالتِ وصل میں حذف کر دیا جائے گا اور حالتِ ابتدا میں اسے مکسور پڑھا جائے گا۔

۳ ...وجوہ اَعراب کا اختلاف

☆ {وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ} (البقرہ:۱۱۹)

اس آیت میں تُسْأَلُ کو تائے مضمومہ اور لامِ مرفوعہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے، چنانچہ اس صورت میں لاء نافیہ ہو گا اور فعل مضارع نواصب وجوازم سے خالی ہونے کی بناء پر مرفوع ہو گا۔ دوسری قراءت کے مطابق تَسْئَلْ کو تائے مفتوحہ اور لام مجزومہ سے پڑھا جائے گا۔ اس وقت لائے نہی ہو گا اور فعل مضارع حالتِ جزمی میں ہو گا۔

☆ {إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً} (النساء:۲۹)

اس آیت میں تِجَارَةً کو تَكُوْنَ کی خبر بناتے ہوئے منصوب پڑھا گیا ہے، جبکہ دوسری قراءت میں تَكُوْنَ کو کان تامہ مانتے ہوئے تِجَارَةٌ کو بربنائے فاعل مرفوع پڑھا گیا ہے۔

☆ {وَلِبَاسَ التَّقْوٰى} (الاعراف:۲۶)

لِبَاسَ کی سین کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

☆ {اللّٰهِ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ} (ابراہیم:۲)

اس میں لفظ اللہ کو مرفوع اور مجرور دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

☆ {فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ} (البروج:۲۲)

مَحۡفُوۡظٍ کو مجرور و مرفوع دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۴ ... کمی وزِیادتی کا اختلاف

☆ {وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ} (آل عمران:۱۳۳)

یہاں سَارِعُوۡۤا کی سین سے پہلے والی واؤ کو حذف واثبات دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔

☆ {وَفِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ} (الزخرف:۷۱)

تَشۡتَہِیۡہِ کی دوسری ہاء کو حذف واثبات دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔

☆ {فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ} (الشوریٰ:۳۰)

فاء کے حذف واثبات کے ساتھ دونوں وجوہ منقول ہیں۔

☆ {فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ} (الحدید:۲۴)

اس آیت مبارکہ کو ضمیر منفصل (ھُوَ) کے حذف واثبات کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

۵ ... تقدیم وتاخیر کا اِختلاف

☆ {وَقَاتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا} (آل عمران:۱۹۵) کو وَقُتِلُوۡا وَقَاتَلُوۡا پڑھا گیا ہے۔

☆ {وَنَاٰی بِجَانِبِہٖ} (الاسرآء:۸۳)

یہاں ہمزہ کو حرف مدے سے مقدم وَنَأَی اور مؤخر وَنَآءَ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

☆ {اَفَلَمۡ یَایۡـَٔسِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا} (الرعد:۳۱)

اسے یَاۡیَسِ یعنی ہمزہ کو یاء سے مقدم کرتے ہوئے اور یَیۡاَسِ یعنی ہمزہ سے یاء کو مؤخر کرتے ہوئے دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

☆ {خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ} (المطفّفین:۲۶)

تاء کو الف سے مقدم اور مؤخر کرتے ہوئے دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔



٦ ...ایک حرف یا کلمہ کی جگہ دوسرے حرف یا کلمے کے ابدال کا اختلاف :

☆ {هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ} (یونس:٢٢)

اسے يَنْشُرُكُمْ یعنی یاء مفتوحہ کے بعد نون ساکنہ اوراس کے بعد شینِ مضمومہ کے ساتھ

پڑھا گیا ہے۔ اس میں دوسری قراءت یاء مضمومہ، سین مکسورہ اور یائے مکسورہ مشددہ ہے۔

☆ {وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ} (النمل:٨١، الروم:٥٣)

اس میں ایک قراءت باء مکسورہ کے بعد هَادِي کو اسم فاعل بناتے ہوئے پڑھا گیا ہے اور دوسری قراءت کے مطابق اسے فعل مضارع بناتے ہوئے تَهْدِي یعنی باء کی جگہ تا مفتوحہ اوراس کے بعد ھاء ساکنہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

☆ {لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا} (العنکبوت:٥٨)

اس میں ایک قراءت لَنُبَوِّئَنَّهُمْ، جبکہ دوسری قراءت لَنُثْوِيَنَّهُمْ ہے۔

☆ {يَقُصُّ الْحَقَّ} (الانعام:٥٧)

اس میں ایک قراءت يَقُصُّ الْحَقَّ اور دوسری يَقْضِ الْحَقَّ ہے۔

☆ {كَيْفَ نُنْشِزُهَا} (البقرۃ:٢٥٩)

اس میں ایک قراءت زا کے ساتھ اور دوسری را کے ساتھ نُنْشِرُهَا ہے۔

☆ {وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا} (الاحزاب:٦٨)

اس میں ایک قراءت كَبِيْرًا اور دوسری قراءت كَثِيْرًا ہے۔

☆ {هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ} (یونس:٣٠)

اس میں ایک قراءت تَبْلُوْا اور دوسری قراءت تَتْلُوْا ہے۔

☆ {وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ} (التکویر:٢٤)

یہاں بِضَنِيْن کو ضاد اور ظاء دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

☆{وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا}(الشمس:۱۵)

اسے فَلَا يَخَافُ اور وَلَا يَخَافُ یعنی فاء اور واوٗ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۷ ...لہجات کا اختلاف

جیسے فتح وامالہ،اظہار وادغام،روم واشمام،تفخیم وترقیق،تسہیل وتحقیق،ابدال،نقل اور تخفیف وتشدید وغیرہ کا اختلاف۔

اس نوع میں وہ کلماتِ مختلف فیہا بھی شامل ہیں،جن کے نطق میں قبائلِ عرب کا اختلاف تھا،جیسا کہ درج ذیل امثلہ سے واضح ہوتا ہے:

☆خُطُوَات:...اسے طاء کے ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

☆بِيُوْت:...اسے باء کے کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

☆يَعْزِب:...اسے زا کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

☆يَلْحَدُوْنَ:...اسے يَلْحَدُوْنَ اور يُلْحِدُوْنَ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

☆بِالْبَخَلِ:...اسے بِالْبُخْلِ اور بِالْبَخَلِ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

☆ضُعْفًا:...اسے ضاد کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

☆فَيَسْحَتَكُمْ:...اسے یاء کے ضمہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ فَيُسْحِتَكُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔

☆شَنْـَٔانُ:...نونِ اوّل کے فتحہ اور سکون کے ساتھ دونوں وجوہ منقول ہیں۔

☆يَقْنَطُ:...نون کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں وجوہ مروی ہیں۔

مذکورہ کلمات کے علاوہ وہ کلمات جن کے نطق اور تلاوت کی ادائیگی میں کیفیتِ اداء کا اختلاف پایا جاتا ہے،وہ بھی اسی نوع میں شامل ہیں۔



سبعہ اَحرف پر نزول قرآن کی حکمت

قرآن مجید کو قراءاتِ سات حروف پر نازل کرنے کی متعدد حکمتیں ہیں، جن میں سے چند اہم حکمتوں کو درج ذیل میں بیان کیا جاتا ہے :

ا۔ نزول کتاب میں ہر قوم کی زبان کی موافقت کا لحاظ رکھنا:

بندوں کے معاملے میں اللہ کی یہ قدیم سنت رہی ہے کہ اس نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں مبعوث فرمایا۔ اس بات کی دلیل اللہ کے مندرجہ ذیل فرامین میں موجود ہے :

{وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ} (ابراھیم:۴)

''ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ دین کی وضاحت کرے۔''

{فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ} (الدخان:۵۸)

''ہم نے قرآن کریم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں اتار کر آسان بنادیا ہے، تا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

اہل عرب جن کی طرف اللہ نے قرآن مجید نازل کیا، مختلف لہجات، متعدد لغات اور بے شمار قسم کی بولیاں بولنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لغات ولہجات کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف لہجات اور لغات میں قرآن مجید کو نازل فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو ایک ہی لغت میں نازل کر دیتے، جبکہ جن کی طرف قرآن نازل کیا جارہا تھا وہ مختلف لہجات والے تھے، تو ایک لغت میں نزولِ قرآن نہ صرف تلاوت میں حائل ہوتا، بلکہ اس سے حصولِ ہدایت میں بھی آڑے آتا، کیونکہ انسان کے لیے مشکل ہے کہ وہ اپنی مادری زبان کو چھوڑے، کیونکہ وہ بچپن سے اسی زبان اور لب ولہجہ میں بات کرتا چلا آرہا ہوتا ہے۔ یہ لغت اس کی طبائع میں سے ایک طبیعت، عادتوں میں سے ایک عادت اور اس کے گوشت پوست کا ایک حصہ بن چکی ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں اس لغت کو چھوڑ کر دوسری لغت اختیار کرنا آدمی کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ اہل عرب کو ان کی زبان سے مختلف کسی دوسری زبان کا پابند بنادیتا، تو اس پر ان کی زبانیں سیدھی نہ رہ سکتی تھیں اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ وہ اسے اپنا سکیں، لہٰذا ان پر ایسی مشقت اور تکلیف نازل ہوتی، جو انسانی فطرت اور بشری قوت سے بالاتر ہوتی۔ یہ مشقت اسلام کے بنیادی اُصول: جلبِ منفعت، اور دفعِ ضرر کے مخالف ہوتی۔

اللہ کی رحمت خاص بھی اس اُمت کے لیے آسانی اور دفعِ حرج کا تقاضا کرتی ہے، تا کہ کتاب اللہ کا حفظ، اس کے دستور کی اتباع اور اس کی تلاوت کو ممکنہ حد تک آسان بنایا جائے، تا کہ اس کی تلاوت سے ثواب اور اس میں موجود خزائن سے بطریقِ احسن واَکمل فائدہ اٹھایا جاسکے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو

مختلف لغات ولہجات میں نازل فرمایااور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربوں پر انہی مختلف لہجات کے مطابق پڑھتے تھے، تاکہ ہر قبیلہ والوں پر ان کی لغت کے موافق لہجے کے مطابق تلاوت کرنا آسان ہو۔

۲۔ دو مختلف قراءتوں سے دو مختلف حکموں کے مابین جمع کا فائدہ:

مثلاً اللہ تعالی کا فرمان ہے :

{فَاعۡتَزِلُوۡا النِّسَآءَ فِي الۡمَحِيۡضِ وَلَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ حَتّٰى يَطۡهُرۡنَ}(البقرۃ:۲۲۲)

"ایام مخصوصہ میں اپنی بیویوں سے دور رہو، حتی کہ وہ پاک ہو جائیں۔"

اس آیت میں لفظ يَطۡهُرۡنَ کو طاء کے سکون اور ہاء کے ضمہ کے ساتھ بغیر تشدید پڑھا گیا ہے اور یہ الطُّهۡرَ سے ماخوذ ہے۔اس میں دوسری قراءت باب تفعّل سے يَطَّهَّرۡنَ ہے۔یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ تشدید والی قراءت عورتوں کے حیض سے طہارت میں مبالغہ پر دلالت کرتی ہے،کیونکہ حروف کی کثرت معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ان دو قراءات سے مندرجہ ذیل احکام اخذ ہوتے ہیں :

☆ حائضہ سے خاوند اس وقت تک مجامعت نہ کرے،جب تک اسے طہارتِ اصلی حاصل نہ ہو جائے اور طہارتِ اصلی سے مراد انقطاعِ دمِ حیض ہے۔

☆ خاوند تب تک صحبت نہ کرے،جب تک حائضہ طہارت میں مبالغہ یعنی غسل نہ کرلے۔چنانچہ اس قراءت کے مطابق مجامعت کے لیے طہر کے بعد غسل بھی لازمی ہے اور اس کے بغیر مباشرت جائز نہیں ہے۔فقہائے اَربعہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

۳۔ مجمع علیہ حکم کی وضاحت:

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے :

{وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ مِّنۡ اُمٍّ}(النساء:۱۲)

اگرچہ یہ قراءت شاذہ ہے، لیکن یہ واضح کرتی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اخیافی بہن بھائی مراد ہیں اور یہ بات علماء کے ہاں متفق علیہ ہے۔

۴۔ دو ایسے مختلف شرعی حکموں کا بیان،جو ایک دوسرے کے بدل ہوں :

مثلاً اللہ تعالی کا فرمان ہے :

{اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ}(المائدہ:٦)



یہاں اَرْجُلَكُمْ کو نصب اور جر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ نصب والی قراءت سے پاؤں کے دھونے کا وجوب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف وَجُوْهَكُمْ پر ہو گا، جو اِغْسِلُوْا کا معمول ہے۔ لہٰذا معطوف علیہ اور معطوف دونوں حکم میں یکساں ہوں گے۔ اور جر والی قراءت مسح کے جواز پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اس صورت میں عطف بِرُءُوْسِكُمْ پر ہو گا، جو کہ وَامْسَحُوْا کا معمول ہے، لہٰذا اس کا معطوف بھی حکم میں اس کے مثل ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جس نے موزے پہنے ہوں وہ مسح کرے اور جس نے موزے نہ پہنے ہوں اس کے لیے پاؤں دھونا واجب ہے۔ یوں یہ دونوں حکم ایک دوسرے کے بدل ہوں گے، جس کا مطلب ہے ایک حالت میں پاؤں دھونا پاؤں پر مسح کا بدل ہو گا اور موزے پہننے کی صورت میں مسح کرنا پاؤں دھونے کا بدل ہو گا۔

۵۔ تعددِ قراءات کی تعددِ اعجاز پر دلالت

یعنی جب ایک قراءت کے مطابق تلاوت کی جائے گی، تو ایک اعجاز ظاہر ہو گا اور جب دوسری قراءت کے مطابق تلاوت کی جائے گی تو دوسرا اعجاز ظاہر ہو گا۔ چنانچہ کئی قراءات سے کئی معجزات کا ظہور ہو گا۔ جس کو جتنے زیادہ معجزات اور آیات یاد ہوں گی وہ اسی قدر قرآن کے کلام اللہ، وحی الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے کی دلیل ہوں گی۔

٦۔ تنوع قراءات میں قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے اور اس کی تصدیق کرنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر براہین قاطعہ اور دلائل صادقہ موجود ہیں:

ایک منصف مزاج آدمی پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قرآن مجید تنوع قراءات کے باوجود ٹکراؤ، تناقض، تضاد اور تعارض سے پاک ہے، بلکہ اختلافِ لہجات اور تنوعِ اَوجہ کے باوجود اس ایک حصہ دوسرے حصے کی تصدیق، وضاحت اور اس کے اسلوب نگارش پر اس بات کی شہادت پیش کرتا ہے کہ وہ ایک ہی نور کی مختلف کرنیں ہیں۔

قرآن مجید کی ترکیبی پختگی اور کمال ہدایت میں یک سمتی اور بلندی تہذیب اس کے منزل من اللہ ہونے کی قوی دلیل ہونے کے ماسوا کچھ نہیں اور جب ہم کلماتِ قرآنیہ میں سے کسی آیت کے کلمہ مختلف فیہا کی قراءات پر انتہائی گہری نظر ڈالتے ہیں تو اسے دو حال سے خالی نہیں پاتے :

ا۔ الفاظ کی تبدیلی سے معنی ایک ہی رہتا ہے یا متقارب ہوتا ہے، مثلاً

☆لفظ **الصِّرٰط**:...اس کو صاد، سین اور اشمام کے ساتھ پڑھنے سے اس کے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆**یَحْسِبُ**:...اس کو سین کے کسرہ یا فتحہ کے ساتھ پڑھنے سے معنی ایک رہتا ہے۔

☆**بِالْبَخَلِ**:...اس کو بِالْبَخَلِ یا بِالْبُخْلِ پڑھنے سے معنی ایک رہتا ہے۔

☆**مِرْفَقًا**:...میم کے کسرہ اور فتحہ دونوں قراءات کا معنی ایک ہی ہے۔

☆**فَتَبَيَّنُوْا** اور **فَتَثَبَّتُوْا** دونوں طرح مروی ہے اور معنی میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔

مذکورہ الفاظ اور ان کے علاوہ بہت سارے دیگر کلمات بھی اسی قبیل سے ہیں۔

۲۔ الفاظ کے مختلف ہونے سے معنی تبدیل ہو جائے، لیکن دونوں معانی ایک دوسرے کے متعارض یا متناقض نہ ہوں، بلکہ کوئی ایسی توجیہہ ممکن ہو، جو اس معنی کو متحد رکھ سکے، مثلاً

☆ {**وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا**} (آل عمران:۲۵۹)

اب **نُنْشِزُ** میں ایک قراءت راء اور دوسری زا کے ساتھ ہے۔ **نُنْشِرُهَا** کا معنی ہے: ہم اسے بعد الموت حساب کے لیے زندہ کریں گے، اور **نُنْشِزُهَا** کا معنی ہے: ہم اس کے بعض حصوں کو بعض کے ساتھ ملادیں گے، یہاں تک کہ وہ ہڈیاں جمع یا اکٹھی ہو جائیں گی۔ اگرچہ معانی دونوں مختلف ہیں، لیکن یہ توجیہہ اسے مصداق سے علیحدہ نہیں ہونے دیتی کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی مخلوقات کو دوبارہ اٹھانے کا ارادہ فرمائیں گے تو وہ ہڈیوں کو اکٹھا فرمائیں گے اور پھر ان ہڈیوں سے مجسم مخلوق کو زندہ کر دیں گے۔

☆ {**اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ**} (الحدید:۱۸)

ان کلمات کو صاد کی تشدید اور تخفیف دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ تشدید کی شکل میں اصل کلمات **الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ** ہوگا، پھر تاء کو صاد کیا اور صاد کا صاد میں ادغام کر دیا تو **الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَات** ہو گیا، جس کا معنی ہے: اپنے مالوں سے صدقات نکالنے والے اور والیاں۔ تخفیف والی قراءت کی صورت میں معنی ہوگا کہ وہ لوگ جو دین کی بھرپور تصدیق کرنے والے ہیں اور دین کے اَحکامات کی بجا آوری اور اتباع کے شوق سے ان کے دل معمور ہیں۔ اگرچہ دونوں قراءات میں معانی کا واضح اختلاف پایا جاتا ہے،

لیکن صدقہ کرنے والے مومن بندوں میں دونوں اَوصاف پائے جاتے ہیں۔



☆{أَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ اور أَزَالَهُمَا الشَّيْطَانُ}(البقرہ:۳٦)

أَزَالَهُمَا کا معنی ہے: دور کر دیا یعنی شیطان نے آدم وحواء کو جنت سے دور کر دیا، اور أَزَلَّهُمَا کے معنی ہیں: شیطان نے انہیں پھسلایا اور غلطی میں واقع کر دیا۔ دونوں قراءات کے اگرچہ معنی مختلف ہیں، لیکن مصداق کے لحاظ سے نتیجہ ایک ہی ہے۔ وہ یوں سمجھیے کہ زلۃ تقاضا کرتی ہے جنت سے دوری کا، تو یہاں دونوں معانی ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں یعنی زلۃ ملزوم اور جنت سے دوری اس کا لازمہ ہے۔

اسی وجہ سے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے :

”قرآن کریم میں جھگڑا اور اختلاف نہ کیا کرو، کیونکہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر دو حروف میں سے ایک کسی ایسی چیز کا حکم دیتا ہے، جس سے دوسرا روکتا ہے تو بظاہر یہ اختلاف نظر آتا ہے، حالانکہ وہ حرف ان سب معانی کا جامع ہوتا ہے۔ چنانچہ جو ایک قراءت پڑھتا ہے، دوسری کو بے رغبتی اختیار کرتے ہوئے نہ چھوڑے، کیونکہ قرآن کے ایک حرف کے انکار سے مکمل قرآن کا انکار لازم آتا ہے۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام اختلافاتِ قراءات تنوع وتغایر کے قبیل سے ہیں، نہ کہ تضاد اور تناقض کے قبیل سے، کیونکہ تناقض اور ضدیت کلام اللہ میں ہر حال میں محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے :

{وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا}(النسآء:۸۲)

چنانچہ جب قرآن کریم میں اختلاف تضاد نہیں ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم منزل من اللہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اَحادیث مبارکہ سے مستنبط فوائد

پچھلے صفحات میں مذکور اَحادیث مبارکہ سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے :

ا۔ تمام قراءات برحق اور درست ہونے میں برابر ہیں۔ جس نے ان میں سے ایک قراءت بھی پڑھی اس نے درستگی کو پالیا۔

اس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرامین ہیں :

☆(فَأَيُّمَا حَرْفٍ قَرَءُوْا عَلَيْهِ فَأَصَابُوْا۔)

”پس جس حرف پر بھی انہوں نے پڑھا درستگی کو پالیا۔“

☆(فَأَيَّ ذٰلِكَ قَرَأْتُمْ أَصَبْتُمْ۔)

”تم ان میں سے جو بھی پڑھ لو، درستگی کو پالوگے۔“

☆ ہر پڑھنے والے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "أَحْسَنْتَ" یعنی تو نے اچھا پڑھا کے الفاظ ارشاد فرمائے، جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ یا بعض روایات کے مطابق "أَصَبْتَ" یعنی تو نے درستی کو پالیا کے الفاظ کہے۔

☆ راوی حدیث کے الفاظ ((فَحَسَّنَ الرَّسُوْلُ صلی اللہ علیہ وسلم شَأْنَهُمَا۔)) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی قراءت کی تحسین فرمائی۔

☆ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جب ایک دوسرے کی قراءت کی مخالفت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت سے اتفاق نہیں کیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی قراءات درست اور صحیح تھیں۔

☆ جب سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے لیے اختلافِ قراءات کا اقرار مشکل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کے سینے پر ہاتھ سے ضرب لگائی، اس سے بھی اس بات کی دلیل لی جاتی ہے، کہ تمام قراءات برحق اور درست ہیں۔

اس بات میں ذرا سا بھی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ تمام واضح اور غیر مبہم دلائل اس بات پر شاہد ہیں کہ منزل حروف میں سے ہر ہر حرف کی قراءات جائز اور درست ہے۔

۲۔ اختلاف کے باوجود تمام قراءات منزل من اللہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے بطریق تلقّی اور مشافهةً حاصل کی گئیں ہیں اور انسان کی مرضی کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔

کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق ایک عبارت کی جگہ دوسری عبارت یا ایک لفظ کی جگہ اس کا مترادف یا اس کے برابر کا کوئی حرف پڑھے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قرائات پڑھنے والے تمام صحابہ میں سے ہر ایک کی قراءت سن کر فرمایا: (كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ۔)

☆ ہر ایک دوسرے سے کہتا رہا کہ (أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قراءات پڑھنے والے صحابہ میں سے ہر ایک کی قراءت کو ثابت رکھا۔

☆ اگر ہر ایک کو اجازت دی جاتی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جو لفظ چاہے پڑھ لے تو اس سے قرآن کریم کی قرآنیت باطل ٹھہرتی ہی، کیونکہ قرآن کریم تو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اگر ہر شخص کو اجازت دے دی جائے کہ وہ جیسے چاہے پڑھ لے تو اس سے قرآن کریم کا اعجاز ختم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ} (الحجر:۹) بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

☆ امام ابن عطیہ رحمہ اللہ امام قرطبی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ان تمام حروف کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مباح قرار دیا،

جبرئیل علیہ السلام نے انہی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دَور کیئے۔ اس میں قرآن کا اعجاز اور پختگی پائی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: (فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ) کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہر صحابی اپنی مرضی سے قرآن کریم میں بعض لغات کی تبدیلی کرتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کریم کا اعجاز ختم ہو جاتا اور قرآن اکھاڑہ بن کے رہ جاتا کہ جس کا جی چاہتا اس میں تبدیلی کرتا، حتیٰ کہ اس کا منزل من اللہ ہونا ختم ہو جاتا۔ حروفِ سبعہ کی اجازت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت پر آسانی کرتے ہوئے دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جو پڑھایا تھا، وہ بھی جبرئیل علیہ السلام سے دَور کیا تھا۔ اسی طرح ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سورۃ الفرقان کی تلاوت بھی اسی قبیل سے تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: (هٰكَذَا أَقْرَأَنِيْهَا جِبْرَائِيْلُ۔) کی صحت کیسے ممکن ہے۔ اس کا ماسوائے اس کے اور کوئی جواب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل علیہ السلام نے ایک مرتبہ ایسے اور دوسری مرتبہ دوسری طرح پڑھایا۔
اگر یہ کہا جائے کہ لوگوں میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل تھا کہ جو چاہے اختیار کر لے تو اللہ کے فرمان: {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ} (الحجر:۹) کا ابطال لازم آتا ہے۔''

۳۔ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اختلافِ قراءات کو قرآن مجید میں لڑائی، جھگڑا اور اسے جھٹلانے، اس میں شک پیدا کرنے یا اس میں شور و غوغا کرنے کا باعث بنائیں۔

یہ اس لیے جائز نہیں ہے، کیونکہ سبعہ حروف پر نزولِ قرآن کا مقصد اُمت پر آسانی، رحمت اور نرمی کرنا تھا، تو یہ مناسب نہیں کہ ہم اس آسانی کو تنگی، وسعت کو سختی اور عطیہ خداوندی کو آزمائش اور مشقت بنا ڈالیں۔ اس کے دلائل میں سے اوپر ذکر کردہ حدیثِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد مبارک یوں آیا ہے :

فَلَا تَمَارُوْا فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّ الْمِرَاءَ فِيْهِ كُفْرٌ۔

''قرآن کریم میں جھگڑا مت کرو، کیونکہ قرآن کریم میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔''

اسی طرح اختلافِ قراءات کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا متغیر چہرے کے ساتھ فرمانا: (إِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الاخْتِلَافُ۔) یعنی تم سے پہلوں کو بھی اختلاف نے ہلاک کیا۔ مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارنا وغیرہ بھی اس قبیل کے دلائل میں سے ہے۔

۴۔ اَحرفِ سبعہ کی رخصت مدینہ میں نازل ہوئی، نہ کہ مکہ میں۔

اس کی دلیل صحیح مسلم کی اوپر ذکر کردہ حدیث ہے، جس میں ہے کہ سیدنا جبرئیل کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات بنی غفار کے حوض کے پاس ہوئی اور یہ جگہ مدینہ منورہ میں تھی۔ اس طرح وہ اَحادیث جو قراءات کے بارے میں مشاجراتِ صحابہ پر دلالت کرتی ہیں، ان سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ یہ معاملہ مسجد میں پیش آیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد مدینہ میں آکر بنائی تھیں۔

قراءات کے مدینہ منورہ میں نازل ہونے کی حکمت یہ سمجھ آتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد انتہائی قلیل تھی اور ان میں بھی اکثریت قریشیوں کی تھی۔ چونکہ وہ بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے ان پر قرآن مجید کی صحیح قراءات اور غلطی و تحریف سے محفوظ تلاوت، نیز قرآن کریم کا حفظ آسان تھا۔ اب مدینہ میں چونکہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی، دعوت کا دائرہ کار وسیع ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۂ عرب کے اندر اور باہر مختلف اقوام و قبائل کی طرف خطوط ارسال کرنے کا سلسلہ شروع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف وفود آنے لگے اور دینِ اسلام میں ایسے لوگ فوج در فوج داخل ہونا شروع ہو گئے جو مختلف لہجات اور لغات والے تھے۔ اگر انہیں ایک ہی لغت میں قرآن کریم پڑھنے کا پابند کر دیا جاتا، تو ان پر بہت گراں گزرتا۔ چنانچہ ہر قبیلہ کو اس کی لغت کے مطابق اور لہجہ کے موافق پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اب ہر قبیلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے بعد جو قراءت اس کی لغت کے مطابق اور لہجہ کے موافق ہوتی اس میں پڑھنا شروع کر دیا۔

قراءاتِ سبعہ کا حروفِ سبعہ سے تعلق

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حدیث مبارکہ میں وارد ''اَحرف سبعہ'' سے آئمہ سبعہ کی قراءات مراد ہیں، چنانچہ ان کے خیال میں سیدنا نافع رحمہ اللہ کی قراءت ایک حرف، سیدنا عبد اللہ بن کثیر مکی رحمہ اللہ کی قراءت دوسرا حرف... علی ہذا القیاس سات حروف آئمہ سبعہ کی سات قراءات ہیں، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ رائے بالکل باطل ہے، جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں :

۱۔ اس رائے سے لازم آتا ہے کہ اَحرف سبعہ تمام کے تمام باقی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی منسوخ نہیں ہوا ہے اور ان تمام کے ساتھ قراءت کرنا آج بھی صحیح ہے، حالانکہ یہ بات اجماعِ اُمت کے خلاف ہے، کیونکہ اولاً اُمت کی آسانی کی غرض سے اَحرف سبعہ کو نازل کیا گیا، پھر عرضۂ اَخیرہ میں ان میں سے بہت سارے حروف کو منسوخ کر دیا گیا۔

۲۔ اس رائے کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کتابتِ مصاحف اور اس پر لوگوں کو جمع کرنے کا عمل بے فائدہ تھا، حالانکہ قراءاتِ شاذہ جو مصدقہ رسمِ مصاحف میں موجود نہ تھیں، ان پر مشتمل مصاحف کو جلانے کا اس کے علاوہ کوئی اور داعیہ اور وجہ نہ تھی۔

۳۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ آئمہ سبعہ کی قراءات میں تمام کے تمام حروفِ سبعہ موجود ہیں، جس کا مطلب ہے کہ امام ابو جعفر رحمہ اللہ، امام یعقوب رحمہ اللہ اور امام خلف العاشر رحمہ اللہ، جن کا شمار آئمہ سبعہ میں نہیں ہوتا، ان کی قراءات اور روایات اَحرفِ سبعہ میں سے نہیں ہیں، حالانکہ یہ بات اُمت کی متفقہ رائے اور اجماع کے خلاف ہے۔



۴۔ آئمہ سبعہ میں سے ہر ایک سے بہت سے راویوں نے مختلف روایات نقل کی ہیں۔ یہ

تمام روایات اس امام کی قراءت سمجھی جاتی ہیں۔ اگر اَحرف سبعہ ہی آئمہ سبعہ کی قراءات ہیں، تو پھر مختلف راویوں نے جو کچھ آئمہ سے نقل کیا ہے، اگر اس کو مد نظر رکھا جائے تو ان منقول روایات (قراءات) کی تعداد کا شمار ممکن نہیں ہے، جبکہ اَحرف سبعہ مخصوص عدد تک محدود ہیں۔

امام ابوشامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ احرفِ سبعہ سے مراد موجودہ قراءاتِ سبعہ ہیں، حالانکہ یہ بات راسخ اہل علم کے اجماع کے خلاف ہے۔ یہ خیال تو فقط جہلاء کا ہے۔''

صحیح بات یہی ہے کہ قراءات سبعہ اور قراءات ثلاثہ، جن کی لوگ آج تلاوت کرتے ہیں اَحرف سبعہ کا ایک حصہ ہیں۔ اس بارے میں منقول تمام روایات متواتر ہیں اور ان کے ثبوت کے لیے حدیث: (أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ اسی طرح یہ قراءات عشرہ اس دور کے موافق ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا تھا۔

امام ابن اَشتہ رحمہ اللہ نے 'المصاحف' اورامام ابن شیبہ رحمہ اللہ نے 'فضائل قرآن' میں امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''جو قراءات لوگ آج پڑھ رہے ہیں، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ کئے گئے اس دَور کے مطابق ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری سال میں کیا تھا۔''

اسی طرح امام ابن اَشتہ رحمہ اللہ نے ہی امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا جبرئیل علیہ السلام سے ہر سال رمضان کے مہینہ میں دور کیا کرتے تھے، لیکن زندگی کے آخری سال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے دو مرتبہ دور کیا۔ اہل علم کا خیال ہے کہ ہماری موجودہ قراءت عرضہ اخیرہ

(آخری دَور) کے مطابق ہیں۔''

یہ قراءات مصاحف عثمانیہ، جنہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کی طرف بھیجا تھا، کے رسم کے مطابق ہیں۔ ان مصاحف کی صحت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی صحابہ کرام کا اتفاق وجود میں آیا کہ جو قراءات ان مصاحف کی رسم کے مخالف ہوں گی، انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور یہ بات معلوم ہے کہ قراءاتِ عشرہ ان مصاحف سے خارج نہیں ہیں۔ ان قراءات کی ایک مصحف سے مطابقت نہیں ہوتی، تو کسی دوسرے سے ضرور ہو جاتی ہے۔ اہل فن کے ہاں رسمِ عثمانی کی مخالفت سے مراد تمام مصاحف کی مخالفت ہے۔

اہلِ فن کے ہاں جو قراءات عرضۂ اَخیرہ کے مخالف تھیں، انہیں منسوخ قرار دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے مصاحفِ عثمانیہ میں صرف وہی حروف لکھے گئے ہیں، جن کو عرضۂ اَخیرہ میں ثابت رکھا گیا اوران کا قرآن کریم ہونا تواتر سے ثابت تھا، چنانچہ ان میں سے کسی بھی قراءت کو منسوخ نہیں کیا گیا۔ البتہ جن حروف کو عرضۂ اخیرہ میں منسوخ کر دیا گیا تھا ان کو مصاحف میں لکھنے سے بھی گریز کیا گیا تھا۔

موجودہ قراءاتِ عشرہ حروفِ سبعہ کا جزء ہیں، کل نہیں:

شروع میں کہا گیا ہے کہ قراءاتِ عشرہ اَحرفِ سبعہ کا جزء ہیں، کل نہیں! اس بات کی مزید وضاحت ہم یہاں بیان کئے دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ قراءات متواترہ ہوں یا غیر متواترہ، ان کا اختلاف سات اقسام میں منقسم ہے اوران سات اقسام کی ہم نے کئی مثالیں پیش کی تھیں۔ پھر ان سات قسم کے اختلافات میں سے ہر ایک کے تحت کئی افراد، متعدد جزئیات اور مختلف صورتیں ہیں۔ ان افراد واجزاء اور صورتوں میں کچھ تو ایسی ہیں، جن کا بطریقِ تواتر قرآن ہونا ثابت ہے، اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کو عرضۂ اخیرہ میں منسوخ کر دیا گیا تھا اور انہیں قرآن کریم شمار نہیں کیا گیا۔

پہلے تو ہم نے متواتر کی سات اقسام کی امثلہ پیش کی تھیں، اب ایسی امثلہ بیان کریں گے جنہیں ان سات اقسام میں سے منسوخ کر دیا گیا تھا اور انہیں قرآن مجید میں شمار نہیں کیا گیا تھا:

ا۔ اَسماء کا اختلاف

اس کی امثلہ درج ذیل ہیں:

☆ {يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللهِ} (البقرہ:۷۵) کو كَلِمَ الله یعنی اس کلمہ کو کاف کے کسرہ، لام کے سکون اور حذف الف کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس صورت میں یہ اسم جنس ہوگا۔

☆ {وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ} (البقرہ:۸۸) کو غُلُفٌ یعنی غین اور لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس صورت میں یہ کلمہ غلاف کا جمع مکسر ہوگا، جیسے خمر کی جمع خمار آتی ہے۔

☆ {اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ} (الانعام:۷۱) میں فعل کو اسْتَهْوَاهُ الشَّيْطٰنُ یعنی فعل کو مونث اور فاعل کو مفرد پڑھا جائے۔

☆ {فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ} (النحل:۲۶) کو السُّقُفُ یعنی سین اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس صورت میں یہ کلمہ سَقْف سے جمع مکسر ہوگا۔

☆ یوں پڑھا جائے: {أَنْ يَغْفِرَلِي خَطَايَايَ} (الشعراء:۸۲) یہ خَطِيئَةٌ کی جمع ہے۔

☆یوں پڑھا جائے:{سَتُكْتَبُ شَهَادَاتُهُمْ}(الزخرف:١٩) یہ شَهَادَتُهُمْ کی جمع ہے۔

☆یوں پڑھا جائے:{فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَانِكُمْ}(الحجرات:١٠) یہ اَخ کی جمع ہے۔

☆{فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ}(المعارج:٤٠) کو واحد پڑھنا۔

☆{إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ}(مریم:٥٨) میں يُتْلَىٰ مذکر سے پڑھا جائے۔

☆{يَوْمَ تُحْمَىٰ عَلَيْهِمْ فِي نَارِ جَهَنَّمَ}(التوبہ:٣٥) میں تاء تانیث سے پڑھا جائے۔

☆{وَلَا يَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ}(النور:٢) میں تاء کی بجائے یائے مذکر سے پڑھا جائے۔

☆{فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ}(محمد:٢٧) کو فعل کی تذکیر سے پڑھا جائے۔

☆یوں پڑھا جائے:{مِنْ رُبُطِ الْخَيْلِ}(الانفال:٦٠) یہ رباط کی جمع ہے، جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔

☆{وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ}(الذاریات:٢٢) میں رَزَقْنٰكُمْ جمع سے پڑھا جائے۔

٢۔ افعال کا اختلاف

اس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں :

☆{كُلَّمَا عُوهِدُوا عَهْدًا}(البقرہ:١٠٠) کو فعل مجہول کے ساتھ پڑھا جائے۔

☆{فَيَمْكُثُ غَيْرَ بَعِيدٍ}(النمل:٢٢) کو ماضی سے مضارع بنا کر پڑھا جائے۔

☆{نُدَبِّرُ الْأَمْرَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ}(الرعد:٢) دونوں افعال کو صیغۂ متکلم سے پڑھنا۔

☆{وَاسْتَفْتِحُوا}(ابراہیم:١٥) کو فعل امر بناتے ہوئے پڑھنا۔

☆{فَنَقِّبُوا}(ق:٣٦) میں قاف کو کسرہ کے ساتھ فعل امر بناتے ہوئے پڑھنا۔

☆{يَوْمَ يُقَالُ لِجَهَنَّمَ}(ق:٣٠) کو معروف کے بجائے مجہول پڑھنا۔

۳۔ اعراب کا اختلاف

اس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں :

☆ {وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ} (الرعد:۴۳) میں مَنْ موصولہ کو جارہ بناتے ہوئے وَمِنْ عِنْدِهِ پڑھنا۔ اس ترکیب کی بناء پر جار (مِنْ) مجرور (عِنْدِهِ) مل کر خبر مقدم اور عِلْمُ الْكِتَابِ مبتدا موخر ہو گا۔

☆ {وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ} (النمل:۸۱) کو بِهَادٍ الْعُمْىَ پڑھنا۔

☆ {فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاءُ} (یوسف:۱۱۰) میں فعل کو معروف یعنی فَنُنْجِي پڑھنا۔

☆ {وَلِيَتُوْبَ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ} (الاحزاب:۷۳) میں نئے جملہ کی وجہ سے يَتُوْبُ رفع کے ساتھ پڑھنا۔

☆ {فَأَذَاقَهَا اللهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ} (النحل:۱۱۲) میں لِبَاسَ پر عطف ڈالتے ہوئے وَالْخَوْفَ کو منصوب پڑھنا۔

☆ {مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوْا} (الجاثیہ:۲۵) میں حُجَّتُهُمْ کو کَانَ کا اسم بناتے ہوئے مرفوع پڑھیں اور اَن کو مصدریہ ٹھہراتے ہوئے جملہ کو تاویلِ مصدر میں کر کے کَانَ کی خبر بنائیں۔

☆ {وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا} (النازعات:۳۰) کو مبتداء بناتے ہوئے وَالْأَرْضُ پڑھا گیا ہے اور بعد کا جملہ خبر بن کر محل رفع میں ہو گا۔

☆ {بَلٰغٌ} (الاحقاف:۳۵) کو بَلَاغاً نصب کے ساتھ پڑھنا۔ اس صورت میں یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہو گا۔ تقدیری عبارت ہو گی: بلغنا القرآن بلاغاً۔

☆ {فَاللهُ خَيْرٌ حَافِظًا} (یوسف:۶۴) میں خَيْرٌ کو حَافِظًا کی طرف مضاف کرتے ہوئے خَيْرٌ کی تنوین کو گرا دیا اور حَافِظٍ کو اس کا مضاف الیہ بنا دیا۔

☆ {تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ} (یس:۵) میں وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ سے بدل بناتے ہوئے لام کو مجرور پڑھنا۔

۴۔ نقص وزیادتی کا اختلاف

اس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں :

☆ یوں پڑھا جائے: {وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى} (اللیل:۳)



☆یوں پڑھا جائے: {فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا} (البقرہ:۱۳۷)

☆یوں پڑھا جائے: {إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَعِبَادُكَ} (المائدہ:۱۱۸)

☆یوں پڑھا جائے: {وَلَا يَحْسَبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا} (الانفال:۵۹)

☆یوں پڑھا جائے: {فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ إِلَّا امْرَأَتَكَ} (ہود:۸۱)

یہاں {وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ} محذوف ہے۔

☆یوں پڑھا جائے: {الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ} (النحل:۲۸) اصل میں تَتَوَفّٰهُمْ ہے۔

☆یوں پڑھا جائے: {وَشَاوِرْهُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ} (آل عمران:۱۵۹)

☆یوں پڑھا جائے: {إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُكُمْ أَوْلِيَآءَهٗ} (آل عمران:۱۷۵)

☆پڑھنا: {كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهٗ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِّنْ أُمٍّ} (النساء:۱۲)

☆یوں پڑھا جائے: {لَقَدْ تَّقَطَّعَ مَا بَيْنَكُمْ} (الانعام:۹۴)

۵۔ تقدیم و تاخیر کا اختلاف

اس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

☆یوں پڑھا جائے: {كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ} (المومن:۳۵)

☆یوں پڑھا جائے: {وَجَآءَتْ سَكْرَتُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ} (ق:۱۹)

☆یوں پڑھا جائے: {إِذَا جَآءَ فَتْحُ اللّٰهِ وَالنَّصْرُ} (النصر:۱)

۶۔ ابدال کلمہ کا اختلاف

اس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:



☆یوں پڑھا جائے: {فَأْيَقَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ} (البقرۃ:۲۷۹)

یہاں اصل میں فَأْذَنُوْا ہے۔

☆پڑھنا: {وَكَانَ عَبْدُ اللهِ وَجِيْهًا} (الاحزاب:۶۹) یہاں اصلاً عِنْدَ اللهِ تھا۔

☆پڑھنا: {وَإِنْ عَزَمُوْا السِّرَاحَ} (البقرۃ:۲۲۷) یہاں اصل میں الطَّلَاقَ تھا۔

☆پڑھنا: {وَأَتِمُّوْا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلْبَيْتِ} (البقرۃ:۱۹۶) یہاں للہ تھا۔

بسا اوقات ابدال کلمہ کے بجائے ابدالِ حرف ہوتا ہے، جیسے:

☆یوں پڑھا جائے: {الْحَيُّ الْقَيَّامُ} (البقرۃ:۲۵۵) یہاں اصل میں الْقَيُّوْمُ تھا۔

☆پڑھنا: {وَجَرَيْنَ بِكُمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ} (یونس:۲۲) یہاں فی الاصل بِهِمْ تھا۔

☆پڑھنا: {فِيْ شُغُلٍ فَاكِهِيْنَ} (یس:۵۵) یہاں فَكِهُوْنَ تھا۔

☆پڑھنا: {قَدْ شَعَفَهَا حُبًّا} (یوسف:۳۰) اصل میں یوں تھا: قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا۔

۷۔ اختلافِ لہجات

اس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

☆{اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ} (الفاتحہ:۲) کو اَلْحَمْدِ الله پڑھنا، کیونکہ اس کے بعد للہ کے جوار (پڑوسگی) کی وجہ سے اس کو بھی جر دے دیا۔ یہ تمیم اور بعض غطفان کی لغت ہے۔

• {حَتّٰى تِشْهَدُوْنَ} (النمل:۳۲) علامتِ مضارع پر ضمہ کے بجائے کسرہ پڑھنا، یہ بنو ہذیل، بنو اسد اور بنو ربیعہ کی لغت ہے۔

☆{فَلَا تَكُ فِيْ مُرْيَةٍ} (ھود:۱۰۹) کو میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھنا، یہ تمیم اور بنو اسد کی لغت ہے۔

☆یوں پڑھا جائے: {وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا} (الانبیاء:۹۰) میں رَغَبًا وَّرَهَبًا کو رُغْبًا وَّرُهْبًا پڑھنا۔ یہ بعض اہل عرب کی لغت ہے، جیسے اسی قبیل سے قرآن کریم میں الْبُخْل اور الرُّشْد کی متواتر قراءات ہیں۔



خلاصۂ کلام

قرآن مجید کو سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، لیکن ہر ہر حرف کے تحت کئی افراد اور صورتیں آتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں، جنہیں عرضۂ اخیرہ میں باقی رکھا گیا اور ان کا قرآن کریم ہونا بطریق تواتر ثابت ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کو عرضۂ اخیرہ میں منسوخ کر دیا گیا اور ان کا قرآن کریم ہونا بطریق تواتر ثابت نہیں ہے۔ ایسی قراءات کو 'شاذہ' کا نام دیا جاتا ہے۔

نتیجہ:... موجودہ قراءات سبعہ و عشرہ، جن کے مطابق لوگ آج تلاوت کرتے ہیں، اَحرف سبعہ کا کل نہیں، بلکہ جزء ہیں۔

قراءات ائمہ عشرہ کا تواتر اور ان کا ثبوت

بذریعہ علم قطعی ویقینی

آئمہ عشرہ مندرجہ ذیل ہیں:

سیدنا نافع بن ابونعیم مدنی، سیدنا ابوجعفر یزید بن قعقاع مدنی، سیدنا عبداللہ بن کثیر مکی، سیدنا ابوعمرو بن العلاء بصری، سیدنا یعقوب بن اسحاق حضرمی، سیدنا عبداللہ بن عامر الشامی، سیدنا عاصم بن ابی النجود کوفی، سیدنا حمزہ بن حبیب زیات کوفی، سیدنا علی بن حمزہ الکسائی اور سیدنا خلف بن ہشام بزار کوفی۔

علمائے اُصول کے مطابق تواتر کی تعریف

علمائے اُصول کے مطابق تواتر کی تعریف یہ ہے کہ کسی خبر کو اتنی بڑی جماعت، جن کا جھوٹ پر جمع ہونا یا ان سے بالاتفاق جھوٹ کا صادر ہونا عادۃً محال ہو۔ چنانچہ متواتر خبر ایسی ہوگی جسے اتنی بڑی جماعت نے ابتدائے سند سے انتہائے سند تک ہر زمانہ میں نقل کیا ہو، جس کا جھوٹ پر جمع ہونا یا بالاتفاق ان سے جھوٹ کا صادر ہونا عادۃً محال ہو۔ طبقہ اولی سے طبقہ اَخیرہ تک اس خبر کی بنیاد حسی ہو، یعنی مشاہدہ اور سماع پر مبنی ہو۔ یہ بات تو واضح ہی ہے کہ تواتر تب ہی حاصل ہوسکے گا جب سند کے تمام طبقات میں ابتدائے سند سے انتہائے سند تک ناقلین کی تعداد مذکورہ صفت کے مطابق ہو۔ اگر عدد کی یہ شرط سند کے کسی بھی طبقہ میں مفقود ہوگی تو تواتر ثابت نہیں ہوگا۔ اور خبر متواتر سامع کو علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

آئمہ قراءات کی قراءات میں تواتر کا یہ درجہ پایا جاتا ہے، کیونکہ صحابہؓ کی بہت بڑی جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبعہ اَحرف کے ساتھ قرآن کریم کو نقل کیا۔ ان سے تابعین اور تبع تابعین نے اور ان سے ائمہ اداء اور ماہرین شیوخ نے نقل کیا۔ پھر ان لوگوں سے اُمت



اِسلامیہ کے تمام زمانوں میں لوگوں کی اس قدر کثیر تعداد نے نقل کیا کہ ان کا شمار کرنا محال ہے۔

زمین کے اطراف واکناف میں ہر زمانے میں ائمہ قراءات سے بکثرت لوگوں نے نہ صرف ان کو نقل کیا، بلکہ ان میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں مابعد لوگوں تک، حتی کہ ہمارے زمانے تک منتقل بھی کیا، چنانچہ مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اَئمہ عشرہ کی قراءات متواترہ ہیں۔اس سلسلہ میں کچھ مزید شواہد درج ذیل ہیں :

۱۔یہ قراءات قرآن مجید کا بعض حصہ اور جزء ہیں، جبکہ قرآن مجید تو اپنے اجزاء سمیت سارے کا سارا بطریق تواتر ثابت ہے۔اس کا ہر ہر جز اور حصہ تواتر سے ثابت ہے، کیونکہ کل کے ثبوت کے لیے اجزاء کا ثبوت لازمی ہے۔مثلا الصِّرَاطَ میں سین والی قراءت بھی قرآن کریم کا حصہ ہے اور صاد والی بھی۔یہ دونوں قراءتیں متواتر ہیں، جس سند سے ایک قراءت ہم تک پہنچی ہے، اسی سند سے دوسری بھی موصول ہوئی ہے۔ان میں سے ہر ایک قراءت قرآن ہے۔اگر ہم یہ کہیں کہ ان میں سے ایک قراءت متواترہ ہے اور دوسری نہیں، حالانکہ دونوں کا ذریعہ نقل ایک ہے، تو یہ محض سینہ زوری اور دو ایک جیسی چیزوں کو بغیر دلیل کے قبول کرنا یارد کرنا ہے، چنانچہ یہ دعویٰ باطل اور غیر صحیح ہے۔معلوم ہوا دونوں قراءات متواترہ ہیں اور یہی ہمارا مطلوب ہے، کیونکہ کسی قراءت کے تواتر کے انکار سے پورے قرآن کے تواتر کا انکار لازم آتا ہے۔جب پورے قرآن کریم کے تواتر کی نفی کریں گے تو لامحالہ اجزاء کی نفی ہوگی، حالانکہ قرآن کے تواتر کا انکار سراسر باطل ہے۔وہ آدمی جو قراءات میں سے بعض کو متواتر مانتا ہے، لیکن بعض کے تواتر سے منکر ہے تو اس کے قول کا بطلان واضح ہوگیا۔جب اس قول کا بطلان متعین ہوگیا تو نتیجہ ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم متواتر ہے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

۲۔چونکہ حدیث:’’**أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ**‘‘متواتر ہے اور متواتر ہونے کی وجہ سے علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عرضہ اَخیرہ میں ان دس قراءات کے علاوہ کو منسوخ کردیا گیا تھا، جبکہ یہ دس قراءات قطعی طور پر ثابت ہیں۔

۳۔اُمت کے اَسلاف کا موقف بھی ہمارے مؤقف کا مؤید ہے۔اس سلسلہ میں آئمہ سلف کے چند اقوال ملاحظہ ہوں :

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

’’تمام دیار واَمصار میں مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہوچکا ہے کہ جو کچھ آئمہ نے صحیح سمجھتے ہوئے نقل کیا اور اپنی کتابوں میں لکھا ہے، وہ معتمد ہے اور اُمت کا یہ اجماع ایک صحیح بات پر ہوا ہے۔اللہ نے جو اپنی کتاب کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے وہ بھی اس اجماع سے ثابت ہوتا ہے۔علمائے متقدمین میں سے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اور قاضی ابو بکر بن ابو الطیب رحمہ اللہ وغیرہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔‘‘

قاضی ابو بکر بن ابو الطیب رحمہ اللہ اپنی کتاب ’الانتصار‘ میں فرماتے ہیں :

"سیدنا عثمانؓ کا مقصد، سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی مانند قرآن مجید کو فقط دو گتوں کے درمیان جمع کرنا نہیں تھا۔ بلکہ ان کا مقصد تمام مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ معروف قراءات متواترہ پر جمع کرنا تھا اور قراءات غیر متواترہ کو ختم کرنا تھا۔"

امام ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قراءاتِ سبعہ و عشرہ کے ثبوت پر اعصار (زمانوں کے زمانے) اور امصار (شہروں کے شہر) گزر چکے ہیں۔ ان قراءات کی نماز میں تلاوت کی جاتی ہے، کیونکہ یہ اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔"

محقق فن ابن جزری رحمہ اللہ علامہ سبکی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"قراءات سبعہ، جن پر امام شاطبی رحمہ اللہ نے اقتصار کیا اور قراءات ثلاثہ جو سیدنا ابو جعفر رحمہ اللہ، سیدنا یعقوب رحمہ اللہ اور سیدنا خلف العاشر رحمہ اللہ کی مرویات ہیں، یہ متواتر ہیں اور دین کا لازمی حصہ ہیں۔ ان قراءات میں سے جس قراءت کو بھی آئمہ عشرہ میں سے کوئی ایک یا ان کے راویوں میں کوئی ایک نقل کرنے میں منفرد ہوا ہے، بشرطیکہ وہ شرائط پر پوری اتری ہو، اسے دین کا لازمی طور پر حصہ سمجھا جائے گا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار صرف جاہل آدمی ہی کر سکتا ہے۔ ان کا متواتر ہونا صرف راوی کی حد تک نہیں، بلکہ ان کا تواتر تو ہر اس شخص کے ہاں ثابت ہے، جو أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دیتا ہے، چاہے وہ شخص کس قدر سادہ لوح ہی کیوں نہ ہو اور اس نے قرآن کریم کا ایک حرف بھی نہ یاد کیا ہو۔ ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ جس بات کو میں نے نقل کیا ہے، اللہ پر توکل کرتے ہوئے اسے دل میں بٹھالے کہ قراءات قطعی طور پر ثابت ہیں۔ انہیں شک و شبہ کی بنا پر رد نہیں کیا جا سکتا۔ [1]"

امام ابن جزری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"ہر وہ قراءت جو مطلق طور پر عربیت کے مطابق ہو، رسمِ عثمانی کے موافق ہو (چاہے یہ موافقت تقدیری و احتمالی ہی ہو) اور بطریق تواتر ثابت ہو تو یہ قراءت قطعی طور پر متواترہ ہو گی۔ [2]"

بعض اُمور کی وضاحت

امام جزری رحمہ اللہ کے قول: "مطلق طور پر عربیت کے مطابق ہو" کا مطلب ہے: چاہے استعمالات اہل عرب میں سے کسی بھی وجہ کے مطابق ہو، جیسے سیدنا حمزہ رحمہ اللہ کی قراءت الأَرْحَامِ (میم کے جر کے ساتھ) اور سیدنا ابو جعفر رحمہ اللہ کی قراءت لِيَجْزِيَ قَوْمًا ہے۔



امام جزری رحمہ اللہ کے قول: ”مصحف کے مطابق ہو“ کا مطلب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف شہروں میں روانہ کردہ مصاحف میں سے کسی ایک مصحف کے مطابق ہو، مثلاً سیدنا مکی رحمہ اللہ {تَجۡرِيۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ} (التوبۃ:۱۰۰) میں مِن کو زیادہ کرتے ہیں اور

[1]منجد المقرئین:۶۷.

[2]منجد المقرئین:۱۸ .

یہ مصحف مکی کے مطابق ہے۔

امام جزری رحمہ اللہ کے قول: ”چاہے یہ موافقت تقدیری واحتمالی ہی ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ رسمِ مصحف میں اس کا احتمال ہو، مثلاً {مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ} (الفاتحۃ:۳) میں الف والی قراءت، حالانکہ یہ کلمہ تمام مصاحف میں بغیر الف کے مرسوم ہے۔ اس کلمہ کی بلا الف کتابت، الف والی قراءت (مَالِكِ) کا احتمال بھی رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی قادر اور صالح اسم فاعل اور اس قسم کے دیگر کلمات والا معاملہ کیا گیا ہے کہ ان میں الف کو اختصار کی غرض سے رسمِ مصحف سے حذف کیا گیا ہے۔

امام جزری رحمہ اللہ کے قول: ”بطریق تواتر ثابت ہو“ سے ہماری مراد: ایسی روایت ہے جس کو کافی بڑی جماعت، جس کے افراد کی تعداد صحیح قول کے مطابق متعین نہیں، نے کافی بڑی جماعت سے نقل کیا ہو اور یہ صفت ابتدائے سند سے انتہائے سند تک ہر طبقہ میں ہو، ایسی روایت علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔

موجودہ دور میں جن قراءات میں یہ اَرکان ثلاثہ پائے جاتے ہیں، وہ آئمہ عشرہ کی قراءات ہیں جن کے نقل وحصول پر لوگوں کا اجماع ہے۔

ان آئمہ کی قراءات کو متاخرین نے متقدمین سے حاصل کیا، یہاں تک کہ موجودہ زمانہ کے لوگ آئے۔ مزید برآں یاد رہے کہ تمام ائمہ کی قراءات قطعیت میں ایک جیسی ہیں۔

حافظ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

قراءاتِ صحیحہ کی دو اَقسام ہیں

پہلی قسم... ایسی قراءت جس کی سند صحیح ہو، ابتدائے سند سے انتہائے سند تک تمام راوی عادل ضابط ہوں اور عربیت اور رسمِ مصاحف کے مطابق ہو۔

اس کی پھر دو قسمیں ہیں :

ا ...وہ قراءت جس کی نقل مشہور ہو، وہ اہل فن کے ہاں معروف ہو اور آئمہ قراءات کے ہاں اسے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے، جیسا کہ بعض اَئمہ عشرہ یا ان کے رواۃ سے منقول بعض اوجۂ قراءات، جیسے مقدار مدود اور ان کے مراتب کا اختلاف، امام حمزہ رحمہ اللہ واِمام ہشام رحمہ اللہ کی ہمزہ پر وقفی وجوہ

اور اَوجہ مدعارض وغیرہ۔ یہ تمام وجوہ قطعی طور پر صحیح ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ حروفِ سبعہ میں سے ہیں اور علم یقینی کے ذریعے ہم تک منتقل ہوئی ہیں، لیکن ان کا ثبوت درجہ تواتر کو نہیں پہنچا، البتہ دیگر قرائن سے متصف ہونے کے سبب قراءاتِ متواترہ کی مثل ان سے بھی قطعی علم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

۲ ...وہ قراءات جو نہ تو معروف ومشہور ہو اور نہ ہی اُمت کے ہاں اسے تلقّی بالقبول حاصل ہو۔ یہ قراءاتِ شاذہ ہوگی، جسکی نماز یا خارج نماز میں تلاوت کرنا حرام ہے۔

دوسری قسم... قراءاتِ صحیحہ کی دوسری قسم وہ ہے جو عربیت کے موافق ہو، اس کی سند صحیح ہو، لیکن کسی کلمہ کی کمی زیادتی، یا دوسرے کلمہ سے تبدیلی کی وجہ سے رسمِ عثمانی کے مخالف ہو، ایسی قراءت کو بھی شاذ ہی کہا جائے گا، کیونکہ یہ رسمِ مصحف کے مخالف ہوتی ہے۔ اس کی سند کے صحیح ہونے کے باوجود علماء اسلام کا اجماع ہے کہ اسے نماز یا غیر نماز میں تلاوت کرنا جائز نہیں ہے۔ ''

مذکورہ ساری تفصیل کے بعد ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''علماء کے اَقوال کا خلاصہ یہی ہے کہ جو قراءات ہم تک اجماعی طور پر بغیر کسی اختلاف کے اور اہل فن کے ہاں تلقّی بالقبول کے ساتھ قطعی ذرائع کے ساتھ پہنچی ہیں، وہ معروف آئمہ عشرہ اوران کے رواۃ کی قراءات ہیں۔ یہی موقف آج کل حجاز، شام، عراق اور مصر کے علماء کا ہے۔ ''

پھر ابن جزری رحمہ اللہ نے بہت سے آئمہ، جیسے امام محی السنہ ابو محمد حسن بن مسعود بغوی رحمہ اللہ، حافظ مشرق ابو العلاء حسن بن احمد ہمدانی رحمہ اللہ ، امام حافظ ابو عمرو بن صلاح رحمہ اللہ شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ، امام ابو الحسن سبکی رحمہ اللہ اوران کے بیٹے اوران کے علاوہ کئی کبار متقدمین علمائے اسلام سے ان قراءات عشرہ کا متواتر ہونا نقل کیا ہے۔

اِنکارِ قراءات کا حکم

جب سابقہ بحث سے آپ نے یہ جان لیا ہے کہ آئمہ عشرہ کی قراءات متواترہ ہیں تو یہ جاننا بھی واجب ہے کہ ان قراءات میں سے کچھ ایسی ہیں، جو جمہور کے ہاں قطعی طور پر متواتر ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو عام لوگوں سے ہٹ کر صرف محققین اہل فن کے ہاں متواتر ہیں۔

پہلی قسم کا منکر بالاتفاق کافر ہے اور دوسری قسم کے منکر پر جب واضح دلائل کے ساتھ قراءات کا تواتر ثابت کر کے اس پر حجت قائم کر دی جائے اور وہ پھر بھی اپنے انکار پر مصر رہے، تو پھر اس پر بھی کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

قراءات کی صحابہ یا آئمہ کی طرف نسبت کا سبب یہ بات بھی یاد رہے کہ جب کسی قراءت کی نسبت کسی صحابی کی طرف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں



ہوتا کہ وہ صحابی صرف یہی قراءت جانتے تھے، یا صرف اس سے یہی قراءت نقل کی گئی ہے یا صحابی نے اپنی مرضی سے اس قراءت کو گھڑ لیا تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ صحابی اس قراءت میں سب سے زیادہ ضابط تھے۔ اس کے اس قراءت کی طرف بکثرت میلان اور تعلق کی وجہ سے یہ قراءت اُس صحابی سے مشہور ہوئی اور اسی سے حاصل کی گئی۔ یہ چیز اس بات سے مانع نہیں کہ وہ صحابی کوئی اور قراءت نہیں جانتے تھے۔

اسی طرح حروف اور قراءات کی نسبت آئمہ قراءات اور ان کے رواۃ کی طرف ہے۔ اس نسبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف یہ قاری یا راوی ہی اس قراءت کو جانتا تھا یا یہ قاری یا راوی اس قراءت کے علاوہ دیگر قراءات نہیں جانتا تھا یا اس قاری یا راوی نے اپنی مرضی سے اس قراءت کو گھڑ لیا تھا۔ ہر وہ قراءت جس کی نسبت کسی ایک فرد کی طرف کی جاتی ہے، اس قراءت کو اس فردِ واحد کے علاوہ بھی اتنے لوگ پڑھتے اور جانتے تھے، جن کا شمار ناممکن ہے۔ اس طرح اس قراءت کی نسبت محض اس لیے کی جاتی ہے کہ اس قاری یا راوی نے اس میں پختگی اور مہارت حاصل کی، اس کے پڑھنے پڑھانے میں اپنی عمر کھپا دی، ان کا نقل وضبط بھی ہم پر واضح ہے، چنانچہ وہ مختار قراءات انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اور چونکہ ان وجوہات کی بنا پر تعلیم و تعلّم کے لیے انہی کی طرف لوگ رجوع کرتے تھے، چنانچہ بعد ازاں یہ روایت انہی کے طریق سے نقل کی گئی، لہٰذا اس کی نسبت ان کی طرف ہونے لگی۔ اَحرف سبعہ کی ان روایات (اصطلاح قراء میں جنہیں قراءات کہا جاتا ہے) کو امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت اور امام حمزہ رحمہ اللہ وغیرہ کی قراءت کہا جانے لگا۔ یہ نسبت صرف اختیاری اور ان کے اس قراءت کے ساتھ تعلق کی بنا پر ہے، نہ کہ یہ نسبت وضعی وایجادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ عشرہ میں سے کوئی بھی امام اپنے شاگردوں کو دوسرے اِمام کی اختیار کردہ خاص قراءت اخذ کرنے یا پڑھنے سے منع کرتا تھا اور نہ ہی ان قراءات کا انکار کرتا تھا، بلکہ وہ لوگ ان قراءات کے صحیح اور متواتر ہونے کے قائل تھے، بلکہ ان کے پڑھنے پڑھانے کی اجازت دیتے تھے اور بسا اَوقات بذاتِ خود اُس قراءت کو بطور عبادت تلاوت بھی کیا کرتے تھے۔

ایسے آئمہ میں سے سیدنا ابو حفص بن عمر دوری رحمہ اللہ ہیں، جو امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ اور امام علی الکسائی رحمہ اللہ کے راوی ہیں۔ سیدنا دوری رحمہ اللہ تمام قراءات صحیحہ متواترہ کا علم رکھتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی علم قراءات پر مستقل کتاب لکھی۔ اس سب کے باوجود عملاً ان سے صرف دو روایات (ایک سیدنا ابو عمرو رحمہ اللہ سے اور دوسری سیدنا الکسائی رحمہ اللہ سے) مشہور ہوئیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان قراءات کو دوسری قراءات پر ترجیح دی اور انہی کی تعلیم تک خود کو محدود رکھا، چنانچہ یہ روایات ان سے مشہور ہوئیں اور ان کی طرف منسوب کی جانے لگیں۔

ائمہ عشرہ کے اختیارات

یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آئمہ عشرہ کی قراءات تو محض ان کے اختیارات ہیں، جس کا مطلب ہے کہ ان ائمہ میں سے ہر ایک نے جو کچھ نقل کیا، پھر اس کے متعلق تمام قرآنی وجوہات کو پرکھا اور جو وجہ جس جس کے نزدیک زیادہ صحیح اور بہتر تھی، اس نے اسی کو اس کے طرق سمیت اختیار کر لیا۔ اس کے پڑھنے پڑھانے میں لگ گیا۔ اسی سے وہ قراءت مشہور ہوئی، یہاں تک کہ وہ اس کی پہچان بن گئی اور اسی کی طرف منسوب کی جانے لگی۔



آئمہ اعلام میں سے امام قرطبی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں اور امام زرکشی رحمہ اللہ نے البرہان میں مذکورہ بات کی صراحت فرمائی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ امام نافع رحمہ اللہ نے اپنی قراءت مدنی تابعین مثلا ابوجعفر رحمہ اللہ، عبدالرحمن بن ھرمز الاعرج رحمہ اللہ، شیبہ بن نصاح رحمہ اللہ اور محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ انہوں نے ان تمام کی قراءات سے ایک قراءت اختیار کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایک حرف امام ابوجعفر رحمہ اللہ کی قراءت سے، دوسرا امام شیبہ رحمہ اللہ سے، تیسرا زہری رحمہ اللہ سے اور چوتھا ان کے علاوہ کسی اور سے لے کر ان تمام اختلافات کو ایک قراءت میں جمع کر دیا۔ المختصر سیدنا نافع مدنی رحمہ اللہ کی قراءت مذکورہ تابعین کی قراءات کا امتزاج ہے۔

امام اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''سیدنا نافع رحمہ اللہ نے مجھے بتایا کہ میں نے سیدنا ابوجعفر رحمہ اللہ کی قراءت کے ستر (۷۰) حروف کو ترک کیا ہے۔ ''

اسی طرح سیدنا ابوعمرو بصری رحمہ اللہ نے اپنا اختیار امام شیبہ بن نصاح رحمہ اللہ سیدنا عاصم بن اَبی النجود رحمہ اللہ، سیدنا عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ، امام حسن بصری رحمہ اللہ اور امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ وغیرہ کی قراءات سے مرتب فرمایا۔ انہوں نے بھی سیدنا نافع رحمہ اللہ کی طرح اپنے ذوق کے مطابق مذکورہ لوگوں کی قراءات کی تلخیص وتہذیب کی۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کا اختیار اور ان کی متعین قراءت ان کے شیوخ کی قراءات کا امتزاج ہے۔

اسی طرح امام کسائی رحمہ اللہ نے امام حمزہ زیات رحمہ اللہ، امام عیسیٰ بن عمر ہمدانی رحمہ اللہ، امام اسماعیل بن جعفر رحمہ اللہ اور امام یعقوب بن جعفر رحمہ اللہ سے جو کہ امام نافع رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، کی قراءات سے اپنا اختیار مرتب کیا۔ انہوں نے ان سب کی قراءات سے ایک نیا اختیار

ترتیب دیا۔ چنانچہ سیدنا کسائی رحمہ اللہ سے منقول روایت ان کے شیوخ کی قراءات کا مجموعہ ہے۔ اس طرح باقی آئمہ کی قراءات کو سمجھئے۔

امام ابومحمد مکی القیسی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الإبانة عن معاني القراءات میں اس طرح کی کئی مثالیں بیان کی ہیں، ان کا تفصیلی ارشاد ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں :

''ہر قاری کو یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ کس قراءت کو ترک کرے اور کسے اختیار کرے۔ سو امام نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر (۷۰) تابعین سے علم قراءات حاصل کیا، لیکن ان میں سے ہر استاد کے ان حروف کو لے کر اپنا اختیار ترتیب دیا جس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریک و متفق تھا اور جس حرف کو صرف ایک استاد نے پڑھا تھا، اسے چھوڑ دیا۔ حتی کہ میں نے قراءت کا یہ سیٹ بنالیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی خاص اختیار کردہ قراءت پڑھاتے تھے اور ان سے ان کے اکثر تلامذہ نے اسی اختیار کو اخذ کیا اور آگے نقل فرمایا ہے۔ سیدنا نافع رحمہ اللہ کے ربیب (یعنی بیوی کے پہلے شوہر کے بیٹے) اور شاگردِ خاص سیدنا قالون رحمہ اللہ نے آپ سے یہی اختیار نقل فرمایا ہے، لیکن سیدنا نافع رحمہ اللہ کے دوسرے مشہور شاگرد سیدنا ورش رحمہ اللہ، جن کا امام قالون رحمہ اللہ سے فصل ووصل اور ہمزہ کی تحقیق و تخفیف وغیرہ کے سلسلہ میں تقریبا تین ہزار سے زائد



حروف میں اختلاف ہے، ان کی روایت کی صورتحال یہ ہے کہ وہ سیدنا نافع رحمہ اللہ کے دوسرے رواۃ میں سے کسی سے بھی مروی نہیں اور نہ ہی ان اختلافات کو امام ورش رحمہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے نقل کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ورش رحمہ اللہ نے سیدنا نافع رحمہ اللہ کو اس طرح پڑھتے سنا، جیسے ان کے ملک 'مصر' میں پڑھا جاتا تھا، چنانچہ انہوں نے خصوصی مطالبہ کے بنا پر سیدنا نافع رحمہ اللہ سے ان کے اختیار کے بجائے ان کے اساتذہ میں سے کسی کی روایت کو اخذ کیا۔ چنانچہ امام ورش رحمہ اللہ کا اس طرح پڑھنا سیدنا نافع رحمہ اللہ کی اس روایت کے مطابق تھا، جو انہوں نے اپنے بعض شیوخ سے نقل کی، لیکن بعد میں جب انہوں نے اپنا ایک اختیار بنالیا تو اس کو چھوڑ دیا۔ تمام قراء کے رواۃ کا اختلاف اسی طرح سے ہے۔

سیدنا نافع رحمہ اللہ کے علاوہ کسی سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی سنانے والے کی تردید نہیں کرتے تھے، جب اس کا پڑھنا ان کے کسی بھی شیخ کی قراءت کے مطابق ہو۔

امام کسائی رحمہ اللہ نے جب امام حمزہ رحمہ اللہ کے سامنے پڑھا تو ان سے تین سو حروف میں اختلاف کیا، کیونکہ انہوں نے یہ حروف سیدنا حمزہ رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر مشائخ سے پڑھے تھے، چنانچہ ان سب کے مجموعہ سے اپنا ایک مستقل سیٹ بنالیا۔ انہوں نے سیدنا حمزہ رحمہ اللہ یا دیگر ائمہ میں سے کسی ایک کی قراءت کا ابتدائے قرآن سے انتہائے قرآن تک مکمل التزام نہیں کیا، بلکہ ان کے نزدیک جو قراءت زیادہ ان کے ذوق کے مطابق تھی اسی کو انہوں نے اختیار کر لیا۔ انہوں نے تمام مشائخ کی قراءات میں سے اپنا خاص اختیار ترتیب دیا، جو ان کی شہرت کا باعث بنا۔ بعد ازیں وہ انہی قراءات کو پڑھانے میں لگ گئے، یہاں تک کہ وہ ان کی طرف منسوب کر دی گئیں۔

اسی طرح سیدنا ابو عمرو بن العلاء بصری رحمہ اللہ نے امام مکی رحمہ اللہ کو سنایا تو ان سے تین ہزار حروف میں اختلاف کیا، کیونکہ انہوں نے وہ حروف بصری رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر مشائخ سے حاصل کیے تھے۔ انہوں نے بھی مکی رحمہ اللہ و دیگر کی قراءات سے ایک سیٹ اختیار کیا۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اوّل قرآن سے آخر تک مکی رحمہ اللہ اور ان کے شیوخ کی قراءات کا التزام نہیں کیا، بلکہ اپنے تمام اساتذہ کی قراءات سے اس کو اختیار کیا، جو ان کے نزدیک مختار تھا۔ پھر انہوں نے اسی سیٹ کو آگے پڑھایا، وہی ترتیب دی گئی قراءت ان سے بعد ازاں نقل کی گئی اور پھر ان کی طرف منسوب کی جانے لگی۔ کچھ تصرف اور وضاحت کے ساتھ الابانۃ کی عبارت مکمل ہوئی۔ [1] "

مذکورہ کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قراء عشرہ کی قراءات میں سے کوئی ایک قراءت بھی ایسی نہیں ہے جس کو انہوں نے مکمل طور پر اول قرآن سے لیکر آخر تک اپنے سے پہلے کسی ایک امام سے نقل کیا ہو۔ بلکہ یہ قراءات انہوں نے اپنے متعدد شیوخ کی قراءات سے منتخب کی تھیں۔ کچھ حروف کسی ایک شیخ کی قراءت سے اختیار کر لیے تو کچھ کسی دوسرے شیخ کی قراءت سے اختیار کر لیے اور پھر ان حروف کو جمع کر کے اپنی اپنی ایک خاص قراءت ترتیب دے لی جو بعد میں ان کی طرف منسوب ہونے لگی، رواۃ نے ان سے اسی کو نقل کیا اور بالمشافہ حاصل کیا۔

وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

قراءت کی تعریف

لفظِ قراءات، قراءۃ کی جمع ہے،اور قراءۃ قَرَأَ ،یَقْرَؤُہٗ،وَیَقْرُؤُہٗ،کے مصادر ثلاثہ (قَرْئًا ،وَقِرَاءَۃً وَقُرْءَانًا) میں سے ایک ہے۔

یہ مادہ (ق ر أ) لغوی طور پر متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے۔مثلاً :

۱۔الجمع والضم= جمع کرنااور باہم ملانا۔اسی سے عربی محاورہ ہے "مَا قَرَأَتْ ھٰذِہِ النَّاقَۃُ سَلِیً قَطّ ۔" "اس اونٹنی کے رحم نے کبھی حمل کو جمع نہیں کیا۔"پہلے قرآن کی تعریف میں تفصیل گزر چکی ہے۔

۲۔التلاوۃ= مکتوب کو پڑھنا یا تلاوت کرنا۔جیسے کہا جاتا ہے:(قَرَأْتُ الْقُرْآنَ) میں نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کی تلاوت کی۔تلاوت کو اس لئے قراءت کہا جاتا ہے کیونکہ تلاوت کلمات کی تشکیل کے لئے حروف کی آوازوں کو ذہن میں جمع کرتی ہے۔ [2]

[1]الإبانۃ:۹۷،۹۹.

[2]لسان العرب مادہ(ق ر أ)،المعجم الوسیط،مادہ(ق ر أ)،معجم الفاظ القرآن الکریم،مادہ(ق ر أ) .

اصطلاحی تعریف

ائمہ فن نے علم قراءات کی متعدد تعاریف نقل کی ہیں:مثلاً

۱۔امام زرکشی (ت ۷۹۴ھ) فرماتے ہیں :

(ھِیَ اخْتِلَافُ أَلْفَاظِ الْوَحْیِ الْمَذْکُوْرِ فِیْ کِتْبَۃِ الْحُرُوْفِ أَوْ کَیْفِیَّتِھَا مِنْ تَخْفِیْفٍ وَتَثْقِیْلٍ وَغَیْرِھِمَا) [1]

"قراءات سے مراد الفاظِ وحی کا وہ اختلاف ہے،جو تخفیف و تشدید کے اعتبار سے حروف کی کتابت یا کیفیت (ادائیگی) کے بارے میں مذکور ہے۔"

۲۔ محقق،علامہ ابن الجزری صلی اللہ علیہ وسلم (ت:۸۳۳ھ) فرماتے ہیں :

(اَلْقِرَاءَاتُ عِلْمٌ بِکَیْفِیَّۃِ أَدَاءِ کَلِمَاتِ الْقُرْآنِ وَاخْتِلَافِھَا مَعْزُوًّا لِنَاقِلِہٖ)[2]

"کلمات قرآنیہ کی ادائیگی کی کیفیت اور ناقلین (ائمہ قراءات) کی طرف منسوب اختلاف کو جاننے کا نام علم قراءات ہے۔"

۳۔امام قسطلانی رحمہ اللہ (ت:۹۲۳ھ) رقمطراز ہیں :



(هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ مِنْهُ اتِّفَاقُ النَّاقِلِيْنَ لِكِتَابِ اللهِ وَ اخْتِلَافُهُمْ فِي اللُّغَةِ وَ الْإِعْرَابِ وَالْحَذْفِ وَ الْإِثْبَاتِ، وَ التَّحْرِيْكِ وَ الْإِسْكَانِ، وَ الْفَصْلِ وَ الْإِتِّصَالِ، وَ غَيْرِ ذَالِكَ مِنْ هَيْئَةِ النُّطْقِ وَ الْإِبْدَالِ مِنْ حَيْثُ السِّمَاعِ)[3]

"علم قراءات وہ علم ہے جس کے ذریعہ کتاب اللہ میں سماع سے ثابت فصل ووصل، تحریک واسکان، حذف واثبات اور لغت واعراب جیسی نطقی کیفیات کو نقل کرنے والوں کے اتفاق واختلاف کا علم ہو جاتا ہے۔"

[1]البرھان:۱-۳۱۸.

[2]منجد المقرئین:۳.

[3]لطائف الاشارات:۱-۱۷۰.

۴۔طاش کبری زادہ (ت ۹۶۲ھ) فرماتے ہیں:

(هُوَ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيْهِ عَنْ صُوَرِ نَظْمِ كَلَامِ اللهِ تَعَالٰى مِنْ حَيْثُ وُجُوْهِ الْإِخْتِلَافِ الْمُتَوَاتِرَةِ ... وَقَدْ يُبْحَثُ فِيْهِ أَيْضًا عَنْ صُوَرِ نَظْمِ الْكَلَامِ مِنْ حَيْثُ الْإِخْتِلَافَاتِ الْغَيْرِ مُتَوَاتِرَةِ الْوَاصِلَةِ إِلٰى حَدِّ الشُّهْرَةِ)[1]

"علم قراءات وہ علم ہے جس میں کلام اللہ کی متواتر اختلافی وجوہ کو منظم کرنے کی صورتوں کے بارے میں بحث کی جاتی ہے...اور بسا اوقات اس علم میں کلام اللہ کی شہرت کی حد کو پہنچی ہوئی غیر متواتر اختلافی وجوہ کو منظم کرنے کی صورتوں کے بارے میں بھی بحث کی جاتی ہے۔"

۵۔امام البنا الدمیاطی (ت ۱۱۱۷ھ) فرماتے ہیں:

(عِلْمٌ يُعْرَفُ مِنْهُ اتِّفَاقُ النَّاقِلِيْنَ لِكِتَابِ اللهِ وَاخْتِلَافُهُمْ فِي الْحَذْفِ وَالْإِثْبَاتِ، وَالتَّحْرِيْكِ وَالتَّسْكِيْنِ، وَالْفَصْلِ وَالْوَصْلِ، وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ هَيْئَةِ النُّطْقِ وَالْإِبْدَالِ وَغَيْرِهِ مِنْ حَيْثُ السِّمَاعِ)[2]

"علم قراءات سے مراد وہ علم ہے جس سے حذف واثبات، تحریک وتسکین، فصل ووصل اور ابدال وسماع جیسی کتاب اللہ کی نطقی کیفیات کے ناقلین کا اتفاق واختلاف معلوم ہوتا ہے۔"

۵۔امام زرقانی (ت ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں:

(هُوَ مَذْهَبٌ يُذْهَبُ إِلَيْهِ إِمَامٌ مِنْ أَئِمَّةِ الْقِرَاءَةِ مُخَالِفًا بِهِ غَيْرَهُ فِي النُّطْقِ بِالْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ مَعَ اتِّفَاقِ الرِّوَايَاتِ وَالطُّرُقِ عَنْهُ، سَوَاءٌ أَكَانَتْ هٰذِهِ الْمُخَالَفَةُ فِي نُطْقِ الْحُرُوْفِ أَمْ فِي نُطْقِ)

[1]مفتح السعادۃ:۲-۶.

[2]اتحاف فضلاء البشر:۱-۶۷. حَيْثِيَا تِهَا))[1]



”قراءات سے مراد وہ مذہب ہے جس پر ائمہ قراءات میں سے کوئی امام چلتا ہے اور وہ قرآن مجید کے نطق میں اپنے علاوہ دیگر آئمہ کرام کی مخالفت کرتا ہے،اگرچہ بعض روایات وطرق میں متفق بھی ہوتا ہے۔برابر ہے کہ یہ اختلاف حروف یا حروف کی کیفیات میں ہو۔“

قراءات کی مذکورہ بالا تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اہل علم کے دو مذہب پائے جاتے ہیں:

۱۔پہلا مذہب: قراءات کا مدلول وسیع ہے جو متفق علیہ اور مختلف فیہ دونوں طرح کے کلمات پر مشتمل ہے۔یہ موقف امام ابن الجزری رحمہ اللہ اور امام البنا الدمیاطی رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔

۲۔دوسرا مذہب: قراءات سے مراد صرف اختلافی کلمات ہیں۔یہ موقف امام زرکشی رحمہ اللہ اور امام زرقانی 1کا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مذاہب ہی درست ہیں اور ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔کیونکہ لفظ قراءات سے بسااوقات مشہور علم مراد لیا جاتا ہے جیسے قراء صحابہ کرام کی معرفت،کتب قراءات اور ان کے مولفین وغیرہ۔اس کو علم درایت کہتے ہیں۔اور بسااوقات اس سے نطق کے اعتبار سے قرآن مجید کی لفظی وجوہ مراد لی جاتی ہیں۔اس کو علم روایت کہتے ہیں۔اور ان دونوں مفاہیم کے درمیان فرق سیاق سے ہوگا۔

روایات کی تعریف

لغوی تعریف

لفظ”روایات“یا”روایا“روایۃ کی جمع ہے۔جو(روی)کے مادہ سے مشتق ہے اور یہ مادہ درج ذیل معانی پر دلالت کرتا ہے۔

[1]مناھل العرفان:۱-۴۱۰.

۱۔حمل الشئ:کسی شئ کو اٹھانا،اہل عرب کہتے ہیں:(إِنَّ فُلَانًا لَرَاوِيَةُ الدِّيَاتِ)”فلاں شخص دیات کو اٹھانے والا ہے۔اسی طرح کہا جاتا ہے۔هُوَ يَرْوِي الْمَاءَ’وہ پانی اٹھانے والا ہے۔“اس سے لفظ رواۃ الحدیث ہے۔یعنی حاملین حدیث۔

۲۔النقل:کسی شئ کو نقل کرنا:جیسے کہا جاتا ہے۔(رَوَيْتُ عَلَى أَهْلِي الْمَاءَ)میں نے اپنے اہل کے لیے پانی نقل کیا۔



اصطلاحی تعریف

اہل فن کی اصطلاح میں روایت کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے۔

(هِيَ كُلُّ خِلَافٍ مُخْتَارٍ يُنْسَبُ لِلرَّاوِيْ عَنِ الْإِمَامِ مِمَّا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ الرُّوَاةُ) [1]

"روایت سے مراد وہ اختلافِ مختار ہے جو امام کی بجائے راوی کی طرف منسوب ہو (جیسے امام قالون) اور اس پر (راوی سے آگے نقل کرنے والے تمام) ناقلین متفق ہوں۔"

روایات کا مصدر وحی ہے، قراء کرام کے پاس ان روایات کو نقل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

طرق کی تعریف

لغوی تعریف

طرق، طریق کی جمع ہے جو (طرق) کے مادہ سے مشتق ہے۔ لغوی طور پر لفظ طریق، کشادہ راستے پر بولا جاتا ہے جس پر لوگوں کی آمد ورفت رہتی ہو۔

اصطلاحی تعریف

اہل فن کی اصطلاح میں طریق کی تعریف کچھ یوں ہے:

[1] سراج القاری: ۱۳۰.

(كُلُّ خِلَافٍ مُخْتَارٍ يُنْسَبُ لِلْآخِذِ عَنِ الرَّاوِيْ) [1]

"طریق سے مراد ہر وہ اختلاف مختار ہے جو راوی سے نقل کرنے والے کی طرف منسوب ہو۔ جیسے امام ابونشیط۔"

طرق کا مصدر بھی وحی ہے۔



اوجہ کی تعریف

لغوی تعریف

لفظ اوجہ، وجہ کی جمع ہے۔ جو (وج ہ) کے مادہ سے ماخوذ ہے۔ لغوی طور پر یہ لفظ، وضاحت، ظہور، جانب، جہت، کنارہ، نوع اور قسم کے معانی پر دلالت کرتا ہے۔

اصطلاحی تعریف

اہل فن کی اصطلاح میں اس کی تعریف کچھ یوں ہے :

(هُوَ كُلُّ خِلَافٍ يُنْسَبُ لِاِخْتِيَارِ الْقَارِئِ)[2]

''ہر وہ اختلاف جو قاری کے اختیار کی طرف منسوب ہو۔''

مذکورہ بالا تینوں اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہوئے امام دمیاطی صلی اللہ علیہ وسلم رقمطراز ہیں :

(اِعْلَمْ اَنَّ الْخِلَافَ اِمَّا اَنْ يَكُوْنَ لِلشَّيْخِ كَنَافِعٍ، أَوْلِلرَّاوِيْ عَنْهُ كَقَالُوْنَ، أَوْلِلرَّاوِيْ عَنِ الرَّاوِيْ وَاِنْ سَفَلَ كَاَبِيْ نَشِيْطٍ عَنْ قَالُوْنَ، وَالْقَزَّازِ عَنْ اَبِيْ نَشِيْطٍ، أَوْلَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ. فَاِنْ كَانَ لِلشَّيْخِ بِكَمَالِهٖ، اَيْ مِمَّا اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الرِّوَايَاتُ، وَالطُّرُقُ عَنْهُ، فَقِرَاءَةٌ، وَاِنْ كَانَ لِلرَّاوِيْ عَنِ الشَّيْخِ، فَرِوَايَةٌ، وَاِنْ كَانَ لِمَنْ بَعْدَ الرِّوَايَةِ وَاِنْ سَفَلَ، فَطَرِيْقٌ، وَمَا كَانَ عَلٰى غَيْرِ هٰذِهِ الصِّفَةِ، مِمَّا هُوَ رَاجِعٌ اِلٰى تَخْيِيْرِ الْقَارِئِ فِيْهِ فَهُوَ وَجْهٌ)[3]

''جان لیجیے کہ قراءات قرآنیہ کا اختلاف یا تو شیخ کی طرف منسوب ہو گا جیسے امام نافع، یا راوی کی طرف منسوب ہو گا جیسے امام قالون۔ یا راوی کے راوی کی طرف منسوب ہو گا خواہ نیچے تک ہو۔ جیسے ابو نشیط عن قالون اور القزاز عن ابی نشیط، یا ان کے علاوہ ہو گا۔ اگر مکمل اختلاف شیخ کی طرف منسوب ہو، یعنی اس پر تمام روایات وطرق متفق ہوں، تو وہ قراءۃ ہے۔ اور اگر راوی کی طرف منسوب ہو، تو وہ روایت ہے اور اگر نیچے تک راوی کے راوی کی طرف منسوب ہو، تو وہ طریق ہے۔ اور جو اختلاف اس کے علاوہ ہو، اور قاری کا اختیار ہو، وہ وجہ ہے۔''

[1] النشر: ۲-۱۹۹.

[2] الاتقان: ۱-۲۰۹ .



[3] اتحاف فضلاء البشر: ۱-۱۰۲.

اختیار کی تعریف

لغوی تعریف

لفظ اختیار (خ ی ر) کے مادہ سے مشتق ہے اور لغوی طور پر فضیلت اور پسندیدگی کے معانی پر دلالت کرتا ہے۔

اصطلاحی تعریف

اہل فن کے ہاں اختیار سے مراد وہ وجہ یا صورت ہے، جسے قاری اپنی مرویات میں سے، یا راوی اپنی مسموعات میں سے یا راوی کا راوی اپنے محفوظات میں سے اختیار کرلیتا ہے۔ اور ان تینوں (قاری، راوی اور راوی کے راوی) میں سے ہر ایک اپنے اپنے اختیار میں مجتہد ہے۔

دکتور عبد الهادی الفضلی اختیار کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(إِنَّهُ الْحَرْفُ الَّذِيْ يَخْتَارُهُ الْقَارِئُ مِنْ بَيْنِ مَرْوِيَّاتِهِ مُجْتَهِدًا فِي اخْتِيَارِهِ)[1]

”اختیار سے مراد وہ حرف ہے جسے قاری اجتہاد کرتے ہوئے اپنی مرویات میں سے پسند کرلیتا ہے۔“

[1] القراءات القرآنية: ۱۰۵.

الدکتور الطویل اختیار کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(إِسْنَادُ كُلِّ حَرْفٍ مِنْ حُرُوْفِ الْقِرَاءَةِ إِلٰى صَاحِبِهِ مِنَ الصَّحَابَةِ فَمَنْ بَعْدَهُمْ يَعْنِيْ أَنَّهُ كَانَ أَضْبَطَ لِهٰذَا الْحَرْفِ وَأَكْثَرَ قِرَاءَةً وَ إِقْرَاءً بِهِ وَمُلَازَمَةً لَّهُ وَمَيْلًا إِلَيْهِ) [1]

”اختیار کا مطلب یہ ہے کہ حروف قراءت میں سے ہر حرف کو صحابہؓ اور ان کے بعد والے قراء کرام کی طرف منسوب کرنا جو اسے پڑھنے والا ہو۔ یعنی جو اس حرف کو دیگر کی نسبت زیادہ ضبط کرنے والا، کثرت سے پڑھنے پڑھانے والا، اس کی پابندی کرنے والا اور اس کی طرف میلان رکھنے والا ہو۔“

مذکورہ بالا تعاریف کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اختیار سے مراد وہ وجہ یا صورت ہے جسے قاری راوی یا راوی کا راوی اپنی مرویات اور مسموعات میں سے پسند کرلیتا ہے۔

محقق علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قراءۃ پر قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ سوائے اٹھارہ حروف کے۔ یہ اٹھارہ حروف انھوں نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ سے لیے تھے۔ [2] “

امام نافع بن ابو نعیم رحمہ اللہ (ت ۱۶۹ھ) فرماتے ہیں :

”میں نے ستر تابعین کرام سے قراءات قرآنیہ پڑھی ہیں۔ جس قراءت میں دو یا دو سے زیادہ تابعین متفق ہوتے ہیں، میں اسے اختیار کر لیتا ہوں، اور جس میں صرف ایک تابعی ہوتا ہے، اسے ترک کر دیتا ہوں۔ اس انداز سے میں نے اپنی اس قراءت کو جمع کیا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو جعفر رحمہ اللہ کی قراءت سے ۷۰ حروف کو ترک کر دیا ہے۔ [3] “

[1]علوم القراءات:۵۵.

[2]غایۃ النھایۃ:۱-۴۲۶ .

[3]معرفۃ القراء الکبار:۱-۱۵۹ .

امام مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ (ت ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں :

”امام کسائی نے امام حمزہ رحمہ اللہ سے قراءات قرآنیہ پڑھی ہیں۔ لیکن تین سو کے لگ بھگ حروف میں ان کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ وہ خود صاحب اختیار امام ہیں۔ انھوں نے امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءۃ میں سے بعض حروف کو لے لیا ہے اور بعض کو ترک کر دیا ہے۔ [1] “

اسی طرح امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ نے امام ابن کثیر مکی[1] سے پڑھا ہے۔ لیکن متعدد حروف میں ان کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ انھوں نے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر اساتذہ کرام سے بھی پڑھا تھا۔ چنانچہ آپ نے کچھ حروف امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت سے اختیار کر لیے اور کچھ حروف دیگر اساتذہ کرام کی قراءات سے اختیار کر لیے۔ علماء قراءات میں سے کثیر تعداد ایسے ائمہ کرام کی ہے جو اپنا اپنا اختیار رکھتے تھے۔ چنانچہ امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (ت ۲۲۴ھ) کا بھی ایک اختیار ہے اسی طرح امام ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ (ت ۲۵۵ھ) بھی صاحب اختیار ائمہ میں سے ہیں۔

قراء کرام کے اختیارات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انھیں احاطہ ٔشمار میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔ اکثر قراء کرام کے دو یا دو سے زیادہ اختیارات تھے۔ [2]

کلام مذکورہ سے ان اصطلاحات کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے کہ قراءۃ، روایۃ، طریق اور وجہ دراصل اوپر سے نیچے آنے والے رواۃِ قراءات کی طرف سند اور نسبت کرنے کی اصطلاحات کا فرق ہے۔ اور اختیار ان تمام طبقات پر مشتمل ہے۔ خواہ وہ قاری کا ہو، راوی کا ہو یا راوی کے راوی کا ہو۔

[1]الابانۃ:۵۵.

[2]غایۃ النھایۃ:۱-۵۳۸ .



بین السورتین بسملہ کا اثبات امام ابن کثیر، امام عاصم، امام کسائی اور امام ابو جعفر کی قراءت ہے، جبکہ قالون عن نافع کی روایت اور اصبہانی عن ورش، صاحب الهادی عن ابی عمرو، صاحب العنوان عن ابن عامر، صاحب التذکرة عن یعقوب اور صاحب التبصرة عن ازرق عن ورش سب کے لئے طریق ہے۔ اسی طرح بین السورتین وصل امام حمزہ کی قراءت ہے، جبکہ التیسیر عن خلف، صاحب العنوان عن ابی عمرو، صاحب الھدایۃ عن ابن عامر، صاحب الغایۃ عن یعقوب اور صاحب العنوان عن ازرق عن ورش سب کے لئے طریق ہے۔ اسی طرح دو سورتوں کے درمیان سکتہ صاحب الارشاد عن خلف، صاحب التبصرة عن ابی عمرو، صاحبی التلخیص عن ابن عامر، صاحب الارشاد عن یعقوب اور صاحب التذکرة عن ازرق عن ورش سب کے لئے طریق ہے۔ ہم یہی کہتے ہیں کہ بسملہ پڑھنے والوں کے لئے بین السورتین تین وجوہ ہیں، یہ نہیں کہتے ہیں کہ تین قراءات ہیں یا تین روایات ہیں یا تین طرق ہیں۔

قراءت میں تلفیق (ایک بات کو دوسری بات میں ملانا) کا حکم

بعض ائمہ کرام خلط قراءات کو منع کرتے ہیں جبکہ اکثر ائمہ مطلقاً اس کے جواز کے قائل ہیں اور درست یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے :

اگر دونوں قراءات میں سے ایک قراءت دوسری قراءت پر مترتب ہو تو ان میں خلط حرام ہے۔ جیسے {فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ} [البقرة:۳۷] میں دونوں جگہ رفع پڑھنا یا دونوں جگہ نصب پڑھنا۔ اسی طرح ہر وہ قراءت جو عربی میں ناجائز اور لغت میں غیر صحیح ہو اس کا خلط بھی حرام ہے اور جو قراءت ایسی نہ ہو اس کے بارے میں روایت اور غیر روایت کا فرق کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص بطور روایت تلاوت کر رہا ہے تو بھی خلط ناجائز ہے، کیونکہ یہ ایک تو اس روایت میں جھوٹ ہے اور دوسرا اہل علم پر التباس کا باعث ہے اور اگر بطورِ روایت یا نقل کی بجائے بطور تلاوت پڑھ رہا ہو تو پھر خلط جائز اور صحیح ہے۔ اس میں کوئی ممانعت اور حرمت نہیں ہے۔ اگرچہ بطور سد ذریعہ کے ہم اہل علم کے لیے اسے عیب شمار کرتے ہیں۔[1]

[1]النشر:۲-۲۰۰.

چنانچہ علم قراءات معرض وجود میں آیا اور اہل علم نے منقولات کے ضبط اور ان کی تحقیق کی غرض سے طرق اور روایات کو نکھارنے کا اہتمام کیا۔ اہل علم نے علم قراءات سے متعلق ہر چیز کو جمع کر دیا۔ حتیٰ کہ وجوہ قراءات میں سے کسی ایک وجہ کو بھی بیان کیے بغیر نہ چھوڑا۔ اس جمع میں ان کا منہج روایت، نقل، سماع اور مشافہت کی طرف رجوع کا تھا۔

اسی دوران ان سے منہج اختیار معروف ہوا۔ بے شمار قراء کرام ایسے تھے کہ انہوں نے اپنی ذات کے لیے کسی ایک قراءۃ یا وجہ کو منتخب کر لیا اور پھر مداومت کے ساتھ اسے پڑھتے پڑھاتے رہے۔ جس کے سبب وہ قراءت یا وجہ ان کی طرف منسوب ہونے لگی... یہ نسبت قراءت وروایت میں اختیار کی نسبت ہے نہ کہ اس قراءت کو وضع کرنے، گھڑ لینے یا ایجاد کرنے کی ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ وحی پر مبنی ہے۔ تاریخ قراءات میں اسی منہج اختیار کے سبب معروف قراءات سبعہ، قراءات عشرہ اور قراءات اربعہ عشر سامنے آئیں۔

قراءات کی اقسام

ہم تک پہنچنے والی قراءات قرآنیہ کی مختلف اعتبارات سے متعدد اقسام ہیں۔ یہاں ہم صرف قبول وردّ کے اعتبار سے، سند کے اعتبار سے اور اتحاد معنی و تعدد معنی کے اعتبار سے قراءات کی اقسام بیان کریں گے۔

ا ... قبول وردّ کے اعتبار سے قراءات کی اقسام

قبول وردّ کے اعتبار سے قراءات کی دو اقسام ہیں:

قراءات مقبولہ اور قراءات مردودہ

ا۔ قراءت مقبولہ

یہاں ہم قراءات مقبولہ کی تعریف، ضوابط، انواع اور حکم بیان کریں گے۔

(1) قراءت مقبولہ کی تعریف:

اس سے مراد ہر وہ قراءت ہے جس کی سند صحیح ہو، جو مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے رسم کے موافق ہو، خواہ احتمالاً ہی ہو اور وجوہ عربیہ میں سے کسی ایک وجہ کے مطابق ہو۔

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ اپنی کتاب "طیبۃ النشر" میں فرماتے ہیں:

فَكُلُّ مَا وَافَقَ وَجْهَ نَحْوِ وَ كَانَ لِلرَّسْمِ احْتِمَالًا يَحْوِي

وَ صَحَّ إِسْنَادًا هُوَ الْقُرْآنُ فَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ الْأَرْكَانُ

وَ حَيْثُمَا يَخْتَلُّ رُكْنٌ أَثْبِتِ شُذُوذَهُ لَوْ أَنَّهُ فِي السَّبْعَةِ[1]



”ہر وہ قراءت جو کسی نحوی وجہ کے مطابق ہو، رسم عثمانی میں اس کا احتمال موجود ہو اور سند صحیح ہو تو وہ قرآن ہے۔ کسی بھی قراءت صحیحہ کے لئے یہی تین ارکان ہیں۔ اگر کسی قراءت میں ان میں سے کوئی ایک بھی رکن نہ پایا جائے تو وہ شاذ ہو گی، اگرچہ وہ معروف سبعہ قراءات میں سے ہی کیوں نہ ہو۔“ [1]طیبۃ النشر:۳.

(2) قراءات مقبولہ کے ضوابط

اہل علم نے قراءات مقبولہ کے لیے کچھ ضوابط اور معیار مقرر کیے ہیں تاکہ قراءات مقبولہ دیگر قراءات سے ممتاز ہو سکیں۔ میرے علم کے مطابق سب سے پہلے جس نے قراءات مقبولہ کے ضوابط پر گفتگو کی ہے، وہ امام ابن مجاہد رحمہ اللہ (ت ۳۲۴ھ) ہیں۔ ان کے بعد امام ابن خالویہ رحمہ اللہ (ت ۳۷۰ھ)، امام مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ (ت ۴۳۷ھ)، امام ابو شامہ رحمہ اللہ (ت ۶۶۵ھ) اور امام الکواشی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور سب سے آخر میں علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ (ت ۸۳۳ھ) نے ضوابط کو مقرر کیا ہے۔ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ کے بعد انہی (ابن الجزری) کے مقرر کردہ ضوابط پر عمل چلا آرہا ہے۔

قراءات مقبولہ کے لیے اہل علم کے مقرر کردہ ضوابط کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر تین ضوابط میں منحصر ہیں: ضابط السند، ضابط الرسم اور ضابط العربیہ۔

۱ ...ضابط السند: قبول قراءت کے لیے علماء قراءات نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ قراءت صحیح سند سے ثابت ہو اور یہ شرط سب سے اہم ترین شرط ہے۔ جب کوئی قراءت صحیح سند سے ثابت ہو گی تو تب ہی اس کے لیے دیگر شرائط کو دیکھا جائے گا۔

بعض اہل علم نے صحت سند کے لیے تواتر کی شرط لگائی ہے، بعض نے تواتر یا مشہور کی شرط لگائی اور بعض نے تواتر، مشہور یا آحاد کی شرط لگائی ہے۔ مجھے تواتر کی شرط والا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ [1]

۲ ...ضابط الرسم: قبول قراءت کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قراءت مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے رسم کے موافق ہو، خواہ احتمالاً ہی ہو۔ کیونکہ یہ موافقت بسا اوقات ظاہری اور صریح ہوتی ہے جبکہ بعض اوقات احتمالی اور مقدر ہوتی ہے۔ [1]

[1]النشر:۱-۱۳.

مثال:...ارشاد باری تعالیٰ ہے: {مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ} [الفاتحۃ:۴] اس آیت مبارکہ میں لفظ ”ملک“ کو الف کے ساتھ اور بغیر الف کے دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اس لفظ میں بلا الف قراءت مصحف کے رسم کے ساتھ صریحاً اور ظاہراً موافق ہے، جبکہ بالالف والی قراءت مصحف کے رسم کے ساتھ مقدراً اور احتمالاً موافق ہے۔



ا ...ضابط العربیۃ: قبول قراءات کی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ وجوہ عربیہ میں سے کسی ایک وجہ کے مطابق ہو، برابر ہے کہ وہ وجہ فصیح ہو یا افصح متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو۔

مثال:...ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ﴾ [البقرۃ:۵۴] "اس آیت مبارکہ میں لفظ "بارئکم" کو ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ نافع، مکی، شامی، عاصم، حمزہ اور کسائی کی قراءت ہے اور یہ وجہ لغت عرب میں مشہور ترین وجہ ہے۔ اسی طرح لفظ "بارئکم" کو ہمزہ کے سکون اور اختلاس کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور یہ امام ابو عمرو بصری بروایۃ الدوری کی قراءت ہے اور یہ وجہ لغت عرب میں پہلی وجہ کی نسبت کم مشہور ہے۔ چنانچہ اس ضابطے کی بنیاد پر دونوں قراءات ہی صحیح اور مقبول ہیں۔

لغت عرب کی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہونے کے ضابطے سے ہر گز یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم لغت عرب کو قرآن مجید پر حاکم بنارہے ہیں۔ لیکن چونکہ قرآن مجید لغت عرب میں نازل ہوا ہے، چنانچہ یہ امر محال ہے کہ اس میں لغت عرب کے مجمع علیہ اصلی قواعد کے مخالف کوئی چیز ہو۔ اس کا یہ معنی ہر گز نہیں ہے کہ ہم نحویوں کے اقوال کو قرآن مجید پر حاکم بنارہے ہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

اس بناپر اگر ہمیں کوئی ایسی قراءت ملتی ہے جو لغت عرب اور اسم دونوں کے موافق ہو تو اس امر میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ ہم اس کی موجودہ سند سے زیادہ صحیح اور اقوی سند تلاش کریں۔ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اسناد کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض صحیح لنفسہٖ ہیں، بعض صحیح لغیرہٖ ہیں، بعض حسن لذاتہٖ ہیں اور بعض حسن لغیرہٖ ہیں۔

[1] النشر:۱-۱۱.

محقق علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ قبول قراءت کے لیے صرف تواتر کی شرط لگانے والوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اس رکن میں بعض متاخرین نے تواتر کی شرط لگائی ہے اور صحتِ سند پر اکتفا نہیں کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ قرآن مجید تواتر کے بغیر ثابت نہیں ہوتا ہے اور جو روایات خبر آحاد سے آئی ہیں ان سے قرآن ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب تواتر ثابت ہو جائے تو پھر دوسرے دونوں ارکان (رسم اور لغت عرب) کی ضرورت نہیں رہتی ہے...اگر کوئی حرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہو تو اسے قبول کرنا واجب ہے اور اس کا قرآن ہونا قطعی ہے، خواہ وہ رسم کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ لیکن اگر ہم اختلافی حروف میں سے ہر حرف میں تواتر کی شرط لگائیں تو قراء سبعہ وغیرہ سے ثابت بے شمار اختلافی حروف ختم ہو جائیں گے۔ پہلے میں بھی اسی تواتر والے قول کی طرف میلان رکھتا تھا۔ پھر جب اس کا فساد ظاہر ہوا اور امام ابو شامہ امام جعبری اور امام مکی وغیرہ کے اقوال کا علم ہوا تو میں نے دوسری رائے کو اختیار کر لیا۔ [1] "

(3) قراءات مقبولہ کی انواع :

ا۔ قراءات متواترہ ۲۔ قراءات مشہورہ



۳۔ قراءات آحادیہ،جو لغت عرب کے موافق ہوں،ان کی سند صحیح ہو اور ان میں علت وشذوذ اور رسم کی مخالفت نہ ہو۔

(4) حکم :

قراءات متواترہ اور قراءات مشہورہ بالاتفاق قرآن ہیں، جنہیں نماز میں پڑھا جاسکتا ہے، بطور عبادت ان کی تلاوت کی جاسکتی ہے، ان سے اعجاز اور چیلنج کیا جاسکتا ہے اور ان کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔ جبکہ قراءات آحادیہ، جو لغت عرب کے موافق ہوں، ان کی سند صحیح ہو اور ان میں علت وشذوذ اور رسم کی مخالفت نہ پائی جاتی ہو تو وہ بھی قراءات مقبولہ ہیں، لیکن ان کی قراءت نہیں کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ایک تو وہ آحادیہ ہیں، مجمع علیہ امر کے مخالف ہیں اور ان کی صحت قطعی نہیں ہے۔ ان کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ [1]

[1] النشر:۱-۱۳،۱۴.

اس کی مثالیں آپ "سند کے اعتبار سے قراءات کی اقسام" میں آگے دیکھیں گے۔

۲۔ قراءات مردودہ :

قراءات مقبولہ کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد اب ہم قراءات مردودہ کی تعریف، ضوابط، اقسام اور حکم کو بیان کریں گے۔

(1) قراءات مردودہ کی تعریف :

قراءات مردودہ سے مراد ہر وہ قراءت ہے جس میں قراءت مقبولہ کے تینوں ارکان میں سے کوئی ایک رکن مفقود ہو۔

(2) قراءات مردودہ کے ضوابط :

قراءات مردودہ کے ضوابط قراءات مقبولہ کے تینوں ضوابط کے برعکس ہیں :

۱ ...ضابط السند: ہر وہ قراءت جس کی سند صحیح نہ ہو وہ قراءت مردودہ ہے، کیونکہ اس میں صحت سند کی شرط مفقود ہے۔

مثال:...اس کی مثال سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے، وہ {مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ} کو {مَلَكَ يَوْمَ الدِّيْنِ} پڑھتے تھے۔ [2]

۲ ...ضابط المتن: ہر وہ قراءت جو مصاحف عثمانیہ کے رسم یا لغت عرب کی وجوہ کے مخالف ہو یا اس کا معنی قراءات مقبولہ کے معنی کے معارض ہو تو وہ قراءت مردودہ ہے۔

[1] النشر:۱/۱۴.

[2] مختصر فی شواذ القرآن لابن خالویۃ:۷ .

مصاحف عثمانیہ کے رسم کے مخالف قراءت کی مثال :

اس کی مثال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے جو {إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً} کی جگہ {إِنْ كَانَتْ إِلَّا زَقِيَّةً وَّاحِدَةً} پڑھتے تھے۔ [1]

لغت عرب کے مخالف قراءت کی مثال :

اس کی مثال وہ قراءت ہے جو ابن بکار عن ایوب عن یحیی عن ابن عامر سورۃ الانبیاء کی آیت مبارکہ {وَإِنْ أَدْرِىٓ أَقَرِيبٌ} میں {أَدْرِيَ أَقَرِيبٌ} یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ [2]

معنوی طور پر مردود قراءت کی مثال :

اس کی مثال وہ قراءت ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ {إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ} لفظ اللہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کیونکہ یہ مراد کے خلاف ہے۔ بے شک علماء کرام ہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

قراءت مردودہ کی اقسام:

قراءات مردودہ کے ضوابط بیان کرنے کے بعد یہاں ہم اختصار کے ساتھ قراءت مردودہ کی اقسام بیان کرنا چاہتے ہیں۔ قراءات مردودہ کی اقسام میں قراءات آحادیہ، جن کی لغت عرب میں کوئی وجہ نہ ہو، قراءات شاذہ، قراءات مدرجہ اور قراءات موضوعہ شامل ہیں۔ ان تمام انواع کی تعریف آگے آرہی ہے۔

قراءات مردودہ کا حکم :

قراءات مردودہ کو قرآن شمار نہیں کیا جائے گا، صحیح رائے کے مطابق بطور عبادت نماز و غیر نماز میں ان کی تلاوت نہیں کی جائے گی۔ جمہور اہل علم کی رائے کے مطابق نصوص کی تفسیر، استنباط احکام اور ان کے مدلول پر عمل کرنے کے حوالے سے انہیں قبول کیا جائے گا، بشرطیکہ سنداً مقبول ہوں۔ اسی طرح انہیں لغوی مسائل میں بطور شواہد پیش کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ مجہول شاعر کے شعروں سے زیادہ اوثق ہیں۔

[1] مختصر فی شواذ القرآن لابن خالویہ:۱۲۵.

[2] النشر:۱/۱۶ .

۲ ...سند کے اعتبار سے قراءات کی اقسام

سند کے اعتبار سے قراءات کی درج ذیل چھ اقسام ہیں :

متواترہ مشہورہ آحادیہ

شاذہ مدرجہ موضوعہ

ان کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱۔ قراءات متواترہ :

تواتر کا لغوی معنی ''پے درپے آنا'' ہے۔اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:{ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا} [المومنون:۴۴] ''پھر ہم نے پے درپے رسول بھیجے۔'' عربی کا محاورہ ہے "جَاءَتِ الْخَيْلُ تَتْرَا" ،گھوڑے مسلسل آئے۔ ''

اصطلاحی طور پر تواتر سے مراد وہ قراءت ہے جسے ابتدا سے لے کر انتہا تک اتنی بڑی جماعت نے نقل کیا ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔ [1]

قرآن مجید کی اکثر قراءات اسی نوع سے تعلق رکھتی ہیں۔یہ نوع بالاتفاق قرآن ہے، جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔

۲۔ قراءات مشہورہ :

شہرت کا لغوی معنی ''ظہور ووضاحت'' ہے اور مشہورہ کا لغوی معنی ''ظاہرہ اور واضحہ'' ہے۔یہ (ش ھ ر) کے مادہ سے اسم مفعول مشتق ہے۔اسی سے قول ہے: "فلان من الشهرة بمكان ." یعنی وہ واضح ہونے میں جھنڈے کی مانند ہے۔ ''

اصطلاحی طور پر مشہورہ سے مراد وہ قراءت ہے جس کی سند صحیح ہو اور تواتر کے درجے کو نہ پہنچتی ہو، رسم اور لغت کے موافق ہو۔قراء کرام کے ہاں مشہور ہو اور وہ اسے غلط یا شاذ میں سے شمار نہ کرتے ہوں۔ [2]

[1] الاتقان:۱-۲۴۱.

[2] الاتقان:۱-۲۴۲ .

مثال:...اس نوع کی مثال {مَاۤ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ} کی جگہ {مَاۤ اَشۡهَدۡنَاهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ} پڑھنا ہے۔اسی طرح {وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ عَضُدًا} کی جگہ {وما كنتَ} تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا ہے۔یہ دونوں قراءات امام ابو جعفر مدنی کی ہیں۔

یہ نوع بھی بالاتفاق قرآن ہے۔



۳۔ قراءات آحادیہ :

آحاد، احد کی جمع ہے جو(وح د) کے مادہ سے مشتق ہے۔اس کا لغوی معنی ”وحدت اور انفرادیت“ ہے۔اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: {قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ} [الاخلاص:۱]”کہہ دو! اللہ ایک ہے۔“

اصطلاحی طور پر قراءات آحادیہ سے مراد وہ قراءات ہیں جن کی سند صحیح ہو۔وہ رسم مصاحف یا لغت عرب یا ان دونوں کے مخالف ہوں اور وہ قراءات مشہور کی طرح مشہور نہ ہوں۔

مثال:... صحیح سند اور رسم کی مخالف قراءت کی مثال جحدری اور ابن محیصن کی یہ قراءت {مُتَّكِئِيۡنَ عَلٰى رَفَارِفَ خُضۡرٍ وَعَبَاقَرِيّ حِسَانٍ} ہے۔ [1]

صحیح سند اور لغت عرب کی مخالف قراءت کی مثال "وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِي الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَائِشَ" بالہمزۃ ہے۔ [2]

صحیح سند اور غیر مشہور قراءت کی مثال {لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفَسِكُمۡ} ف کے فتحہ کے ساتھ والی قراءت ہے۔ [3]

مذکورہ تینوں انواع کو بطور قرآن نہیں پڑھا جا سکتا ہے۔کیونکہ ان کے بارے میں یہ احتمال باقی ہے کہ یہ عرضہ اخیرہ میں یا مصاحف عثمانیہ میں باجماع صحابہ منسوخ کر دی گئی ہوں۔

صحیح سند اور لغت عرب کے موافق، لیکن رسم کے مخالف قراءت کی مثال {وَالذَّكَرِ وَالۡاُنۡثٰى} اور {وَكَانَ اَمَامَهُمۡ مَلِكٌ يَّاۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ صَالِحَةٍ غَصۡبًا} ہے۔ [4]

[1]مختصر فی شواذ القرآن:۱۵۰.

[2]مختصر شواذ القرآن:۴۲ .

[3]مختصر فی شواذ القرآن:۵۶ .

[4]النشر:۱/۱۴ .



خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جب قراءات آحادیہ کی سند صحیح ہو، لغت عرب کے موافق ہو، رسم کے موافق ہو یا مخالف ہو تو وہ مقبول ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ سو وہ قراءت جس کی سند صحیح ہو یا ضعیف ہو، لیکن لغت عرب میں اس کی کوئی وجہ نہ ہو، اگرچہ وہ رسم کے موافق ہی کیوں نہ ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

قراءات شاذہ

لفظ شذوذ (ش ذ ذ) کے مادہ سے مشتق ہے، جس کا معنی "ندرت، انفرادیت اور خلاف اصل شے" ہے۔ اسی سے اہل عرب کا قول ہے: "شذ ار جل" آدمی اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔" اسی طرح کہا جاتا ہے: "شذ عنہم" "وہ جمہور سے الگ ہو گیا۔"

اصطلاحی طور پر شاذ سے مراد وہ قراءت ہے جس کی سند صحیح نہ ہو، یا وہ رسم کے مخالف ہو یا لغت عرب میں اس کی کوئی وجہ نہ ہو۔ [1]

مثال:... قراءت شاذہ کی مثال ابن السمیفع اور ابو السمال کی قراءت ہے جو آیت مبارکہ {فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ} کی جگہ {فَالْيَوْمَ نُنَحِّيكَ بِبَدَنِكَ} بالحاء پڑھتے ہیں۔ اس نوع کی بھی بطور عبادت تلاوت نہیں کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ کسی معتبر طریق سے ہم تک نہیں پہنچتی ہے۔

قراءات مدرجہ

لفظ "اِدراج" (درج) کے مادہ سے مشتق ہے، جس کا لغوی معنی "دخول" ہے۔ اسی سے اہل عرب کا قول ہے: "أَدْرَجْتُ الشَّيْءَ فِي الشَّيْءِ" میں نے ایک شے کو دوسری شے میں داخل کر دیا اور انہیں ملا دیا۔"

اصطلاحی طور پر ادراج سے مراد وہ عبارت ہے جو کلمات قرآنیہ کے درمیان بطور تفسیر زیادہ کر دی گئی تھی۔ بالفاظ دیگر وہ عبارت جو قراءات قرآنیہ میں بطور تفسیر زیادہ کر دی گئی تھی۔ [2]

[1] الاتقان: ۱-۲۴۲.

[2] الاتقان: ۱-۲۴۳ .

مثال:... اس کی مثال سیدنا سعد بن ابی وقاص کی یہ قراءت "وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِنْ أُمٍّ" اور سیدنا عبد اللہ بن عباس کی قراءت {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ} ہے۔ ان میں سے پہلی قراءت میں "من ام" اور دوسری میں "فی مواسم الحج" کی زیادتی ہے۔



اس نوع کو بھی قراءت شمار نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس کی نسبت اس کے راوی کی طرف کرنا معتبر ہے۔

قراءات موضوعہ

لفظ وضع (وض ع) کے مادہ سے مشتق ہے، جس کا لغوی معنی "گھڑنا اور گرا دینا" ہے۔

اصطلاحی طور پر اس سے مراد وہ قراءت ہے، جس کی نسبت اس کے قائل کی جانب بغیر سند کے ہی کی گئی ہو۔ یا وہ قراءت جھوٹی اور من گھڑت ہو اور اپنے قائل کی طرف جھوٹی منسوب ہو۔ [1]

مثال:...اس کی مثال وہ قراءت ہے، جس کی امام ابو حنیفہ کی طرف جھوٹی نسبت کی گئی ہے۔ اسے امام ابو حنیفہ سے ابو الفضل محمد بن جعفر الخزاعی نے جمع کیا اور اس سے ابو القاسم الہذلی نے نقل کیا ہے۔ اس میں سے ایک مثال {إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ} لفظ اللہ کے ضمہ اور العلمائَ کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے۔

۳ ... معنی کے متحد اور الگ الگ ہونے کے اعتبار سے قراءات کی اقسام

معنی کے متحد اور الگ الگ ہونے کے اعتبار سے قراءات کی دو اقسام ہیں :

ا۔ متحد المعنی قراءات :

اس سے مراد وہ قراءات ہیں جن کے الفاظ مختلف اور معانی متفق ہوتے ہیں۔ اس قسم میں وہ قراءات داخل ہیں، جو اصولوں میں مختلف ہیں۔ جیسے مد کی مقدار میں اختلاف، ہمزہ کی تحقیق و تخفیف میں اختلاف اور اظہار و ادغام وغیرہ کے اختلافات شامل ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: {الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ} [البقرۃ:۳] اس آیت میں لفظ "يُؤْمِنُونَ" کو ہمزہ کی تحقیق اور ابدال دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اسی طرح آیت مبارکہ {وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ} [البقرۃ:۳] میں لفظ "رَزَقْنٰهُمْ" کی میم کو اسکان اور صلہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اس میں بعض فرشی قراءات بھی شامل ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَإِنْ يَأْتُوْكُمْ أُسَارٰى تُفٰدُوْهُمْ} [البقرۃ:۸۵] اس آیت مبارکہ میں لفظ "أسارى" کو امام حمزہ "أسرى" پڑھتے ہیں۔

[1] الاتقان:۱-۲۴۳.

۲۔ متعدد المعنی قراءات :



اس سے مراد وہ قراءات ہیں جن کے الفاظ اور معانی دونوں مختلف ہوں۔ یاد رہے کہ تعدد معنی کا یہ اختلاف تنوع کا اختلاف ہوتا ہے، تضاد کا نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تضاد کی نفی کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

{اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا}[النساء:۸۲]

”تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔ “

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (ت۵۹۷ھ) آیت مبارکہ {لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا} کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

اس میں تین اقوال ہیں :

۱۔ اس سے مراد تناقض ہے۔ یہ ابن عباس اور جمہور کا موقف ہیں۔

۲۔ اس سے مراد جھوٹ ہے۔

۳۔ اس سے مراد غیر بلیغ ردی کلام ہے۔ [1]

تنوع کا یہ اختلاف صرف فروش میں پایا جاتا ہے۔ فروش کا ایک بڑا حصہ اسی نوع پر مشتمل ہے۔

مثال:...اس نوع کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ {وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُکَ مِنْہُ یَصِدُّوْنَ}[زخرف:۵۷]ہے۔ اس میں لفظ ”یصدون“ کو صاد کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

پہلی قراءات (ضمہ والی) کا معنی ہے: ”وہ دوسروں کو ایمان لانے سے روکتے ہیں۔ “

دوسری قراءات (کسرہ والی) کا معنی ہے: ”وہ خود ایمان لانے سے رک جاتے ہیں۔ “

اور ان دونوں قراءات کا حاصل معنی ایک ہی ہے۔

اس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِہٖ}[ابراہیم:۳۰]اس آیت مبارکہ میں لفظ ”لیضلوا“ کو امام ابن کثیر مکی اور امام ابو عمرو بصری ”لِیَضِلُّوْا“ پڑھتے ہیں، جبکہ باقی قراء سبعہ ”لِیُضِلُّوْا“ پڑھتے ہیں۔

پہلی قراءت کا معنی ہے: ”وہ گمراہ ہوگئے ہیں۔ “

دوسری قراءت کا معنی ہے: ”وہ دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ “

ان دونوں قراءات کا حاصل معنی ایک ہی ہے اور دوسری قراءت پہلی کی نسبت زیادہ ابلغ ہے۔



[1]زاد المسیر:۲/۱۴۴،۱۴۵۔

تیسری مبحث :

قراءات کامصدر

قراءات قرآنیہ کی بنیادی اصطلاحات،انواع واقسام اور مختلف تقسیمات کو جان لینے کے بعد ضروری ہے کہ ہم مصدر قراءات کے بارے میں بھی آگاہی حاصل کرلیں۔کیا قراءات قرآنیہ کامصدر وحی ہے؟لہجات ہیں؟اجتہاد ہے؟یارسم ہے؟

اس معرکۃ الآراءمسئلہ میں جب میں نے محققین اور اہل علم کے اقوال کا مطالعہ کیاتومعلوم ہوا کہ وہ بنیادی طور پر دومذاہب میں تقسیم ہیں۔

۱ ...پہلا مذہب:ان کے نزدیک قراءات قرآنیہ کامصدر وحی اور توقیف ہے۔قرائات قرآن کا حصہ ہیں اور قطعی دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا جبرئیل علیہ السلام کوان میں کوئی دخل نہیں ہے کہ وہ ایک حرف کی جگہ کوئی دوسرا حرف لائیں۔چونکہ قراءات قرآن کا حصہ ہیں۔چنانچہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور نبی ﷺ اور فرشتے سمیت کسی بھی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید میں کمی بیشی کرے یا تبدیلی کرے۔

اس مذہب والوں کے قرآن وسنت سے دلائل

۱۔متعدد آیات قرآنیہ اس امر پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم رضی اللہ عنہم کو قرآن مجید میں ایک حرف کی جگہ دوسرااور ایک کلمہ کی جگہ دوسرے کلمہ کی تبدیلی کرنے کااختیار حاصل نہ تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ ھٰذَآ اَوْ بَدِّلْہُ قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۔قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوْتُہٗ عَلَیْکُمْ وَلَآ اَدْرٰکُمْ بِہٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔(یونس:۱۵)

”جب انھیں ہماری صاف صاف باتیں سنائی جاتی ہیں تووہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے،کہتے ہیں کہ ”اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ،یااس میں کچھ ترمیم کرو۔“اے نبی رضی اللہ عنہم !ان سے کہو”میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اسی میں کوئی تغیر وتبدل کرلوں۔میں توبس اسی وحی کا پیروہوں جومیرے پاس بھیجی جاتی ہے۔اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تومجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کاڈر ہے۔“اور کہو اگر اللہ کی مشیئت یہی ہوتی تومیں یہ قرآن تمھیں کبھی نہ سناتااور اللہ تمھیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں،کیاتم عقل سے کام نہیں لیتے۔“



۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

{وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا.}(الاسراء:۱۰۶)

”اور عظیم قرآن، ہم نے اس کو جدا جدا کر کے (نازل) کیا، تاکہ تو اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور ہم نے اسے نازل کیا، (تھوڑا تھوڑا) نازل کرنا۔“

۳۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

{وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ. لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ. ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ. فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ.}(الحاقۃ: ۴۴،۴۶)

”اور اگر اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس کام سے روکنے والا نہ ہوتا۔“

۴۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

{وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى.}(النجم:۳تا۵)

”وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے، اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔“

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ سے واضح ہوتا ہے کہ قراءات قرآنیہ کا مصدر وحی الٰہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن مجید میں تبدیلی کا اختیار حاصل نہیں تھا، چہ جائیکہ کوئی عام شخص یہ جسارت کرتا۔ چونکہ قراءات قرآنیہ بھی قرآن ہیں، لہٰذا وہ بھی وحی الٰہی اور منزل من اللہ ہیں۔ انھیں بھی کوئی شخص اپنے اجتہاد یا قیاس سے نہیں پڑھ سکتا، بلکہ روایت اور نقل کا پابند ہے، جس سے لہجات یا لغات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ قراءات قرآنیہ کے وحی الٰہی ہونے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ بڑی صریح اور واضح ہے جو سیدنا عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

(أَقْرَأَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهٗ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيْدُهٗ وَيَزِيْدُنِيْ حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ.)[1]

”سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے جبریل علیہ السلام نے ایک حرف پر قرآن مجید پڑھایا، میں نے عرض کیا (کہ یہ تنگی ہے) اور مسلسل زیادہ طلب کرتا رہا اور وہ زیادہ کرتے رہے، حتیٰ کہ سات حروف تک پہنچ گئے۔“

۲ ...دوسرا مذہب: ان کے نزدیک قراءات کا مصدر غیر توقیفی ہے۔ لیکن اس مصدر کی تحدید میں ان کے تین قول پائے جاتے ہیں :



پہلا قول:...ان میں سے بعض کے نزدیک قرائات کامصدر اہل عرب کے لہجات اور ان کی لغات ہیں۔ڈاکٹر طہ حسین اپنا یہ موقف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

(وَالْحَقُّ أَنَّ لَيْسَتْ هٰذِهِ الْقِرَاءَاتُ السَّبْعُ مِنَ الْوَحْيِ فِيْ قَلِيْلٍ وَلَا كَثِيْرٍ ,وَلَيْسَ مُنْكِرُهَا كَافِرًا ,وَلَا فَاسِقًا ,وَلَا مُغْتَمِزًا فِيْ دِيْنِهٖ, وَإِنَّمَا هِيَ قِرَاءَاتٌ مَصْدَرُهَا اللَّهْجَاتُ... وَلَيْسَتْ هٰذِهِ الْقِرَاءَاتُ بِالْأَحْرُفِ السَّبْعَةِ الَّتِيْ أُنْزِلَ عَلَيْهَا الْقُرْآنُ, وَإِنَّمَا هِيَ شَيْئٌ, وَ هٰذِهِ الْأَحْرُفُ شَيْئٌ آخَرُ)[1]

[1] صحیح البخاری،کتاب فضائل القرآن،باب انزل القرآن علی سبعۃ أحرف:۴۹۹۲.

"حق بات یہی ہے کہ مروجہ قراءات سبعہ کا قلیل وکثیر کچھ حصہ بھی وحی سے ثابت نہیں ہے،لہٰذا ان کا منکر نہ تو کافر وفاسق ہو گا اور نہ ہی اس کے دین میں کوئی عیب لگایا جائے گا۔قرائات قرآنیہ کامصدر لہجات ہیں۔مروّجہ قرائات سبعہ،وہ اُحرف سبعہ نہیں ہیں،جن پر قرآن مجید نازل کیا گیا تھا۔"

یہ مذہب جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں،قرآن وسنت سے ثابت کسی بھی مستند اور معتبر دلیل کے بغیر قائم ہے۔کتاب وسنت کے دلائل اس بات پر صریح موجود ہیں کہ قرائات قرآنیہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ وحی ہیں۔

دوسرا قول:...ان میں سے بعض کے نزدیک قرائات کامصدر قراء کرام کا اجتہاد ہے۔حالانکہ ان کا یہ موقف مسلمانوں کے علمی وعملی موقف کے خلاف ہے۔ اس موقف کے حاملین کے پاس بھی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے،چند احادیث ایسی موجود ہیں جن کے ظاہر سے یہ وہم ہوتا ہے، حالانکہ حقیقت امر اس کے خلاف ہے۔

یہ موقف متکلمین،ابن مقسم اور ابو القاسم الخوئی کا ہے۔

تیسرا قول:...ان میں سے بعض کے نزدیک قرائات کامصدر مصاحف عثمانیہ کا رسم ہے جو نقاط اور حرکات سے خالی تھا۔

یہ موقف بھی غلط اور بہتان بازی جو منطقی قوانین،معتبر تاریخی حقائق اور عقلی تقاضوں کے خلاف ہے۔اس موقف کے حاملین میں مشہور مستشرق گولڈزیہر اور صلاح الدین المنجد قابل ذکر ہیں،جبکہ ڈاکٹر علی عبد الواحد الوافی نے اس موقف سے رجوع کر لیا ہے۔

[1] الادب الجاھلی:۹۶،۹۵.

راجح موقف

مذکورہ مذہب اور ان کا مطالعہ کرنے سے جو بات کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ "قراءات کامصدر وحی اور توقیف ہے" والا پہلا مذہب ہی راجح اور صحیح ہے۔کیونکہ جہاں صحیح اور صریح دلائل اس کی تائید کرتے ہیں وہیں عقل سلیم اور اعجاز قرآنی بھی اس کے موافق ہیں۔اہل علم نے جو اہتمام قرآن



مجید کا کیا ہے کسی اور کتاب کا نہیں کیا۔ خواہ وہ اہتمام اس کی کتابت اور اس کے حروف کی رسم کا ہو، اس کی تلاوت اور قراءت کا ہو یا اس کے احکام اور معانی کے بیان کا ہو۔

قراءات قرآنیہ کے تمام اصول اور تمام فروش متواتر ہیں۔ بعض سلف نے اصول کے متواتر ہونے کا انکار کیا ہے۔ جس کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''ابن حاجب سمیت جن لوگوں کا یہ گمان ہے کہ مد، امالہ، ادغام، ترقیق راءات، تفخیم لامات، نقل حرکت اور تخفیف ہمزہ جیسے اصول، جو اَدا سے تعلق رکھتے ہیں، یہ غیر متواتر ہیں۔ ان کا یہ گمان صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مد مطلق، مد طبعی، مد عارض اور ؟ مد طبعی ؟ سمیت مد کی متعدد اقسام ہیں اور ان کے بغیر قراءت کرنا ممکن نہیں ہے۔ پھر یہ مد ہمزہ اور سکون پر منحصر ہوتی ہے، جب حرف مدہ کے بعد سبب مد سکون یا ہمزہ ہو تو مد ہوتی ہے۔ گویا کہ مد حرف کے قائم مقام ہے۔ جسے کسی بھی مسلمان کے لیے غیر متواتر کہنا جائز نہیں۔ اسی طرح ہمزہ کی دو اقسام ہیں: ہمزہ یا تو اسی کلمہ میں ہو گا یا پھر دوسرے کلمہ میں ہو گا۔ اگر ہمزہ اسی کلمہ میں ہو تو مد متصل ہو گی اور اگر دوسرے کلمہ میں ہو تو منفصل ہو گی۔ ''

پھر علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ، ابن حاجب پر ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''مذکورہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مد، امالہ اور تخفیف ہمزہ قراءات سبعہ میں شامل ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ قراءات سبعہ متواتر ہیں، لہٰذا یہ اصول بھی متواتر ہیں۔ [1] ''

[1] منجد المقرئین: ۵۷.



قرآنی خطاطی

جزیرۃ العرب میں اسلام پھیلا تو قرآن پاک کی اشاعت کے لیے خطاطی کو عام کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ حضور ﷺ نے قرآنی کتابت پر خصوصی توجہ دے کر اس کی مناسب ترویج کی اور انہوں نے عہد رسالت کے تیرہ برس مکہ معظمہ گزارے وہاں جو لوگ فن کتابت سے وابستہ ہوئے ان کا ذکر کئی کتب میں ملتا ہے۔ دس سالہ مدنی زندگی میں مذکورہ صحابہ کے علاوہ حضور ﷺ کی ہدایت پر کئی صحابہ کرام نے لکھنا سیکھ لیا ان میں سے ابی بن کعب، سعید بن زرارہ، منذر بن عمر، رافع بن مالک شامل ہیں۔ ماہ رمضان ۲ ہجری مطابق ۶۲۴ء میں مسلمانوں کو غزوہ بدر میں فتح نصیب ہوئی اور کئی مخالفین اسلام گرفتار ہو کر آئے ان میں سے جو اسیران جنگ اپنی رہائی کے لیے نقد فدیہ ادا کرنے سے قاصر رہے ان میں سے ۷۰ ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ حکم ہوا کہ ان میں سے ہر قیدی انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دے تو یہ اس کا فدیہ سمجھا جائے گا۔ پڑھے لکھے اسیران نے یہ شرط فوراً قبول کر لی اور یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں میں سات سو افراد تھوڑے عرصہ میں فن کتابت سے آشنا ہو گئے۔ (۱) حضرت زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ تعلیم الخط کا پہلا مدرسہ مدینہ منورہ میں قائم ہوا قبل از اسلام عرب لکھنے کو حافظے کی کمزوری کی علامت سمجھتے تھے مگر اب اس نظریہ میں تبدیلی آگئی اور انہوں نے تحریر کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا لیا۔ اسلام کی فتوحات سے یہ سلسلہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ مکہ میں بنی ہاشم میں **خط قیر آموز** رائج تھا اور مصحف کی کتابت اسی خط میں ہوئی۔ مدینہ منورہ میں جو کتابت ہوئی وہ **خط حمیری** میں ہوئی دوسری صدی ہجری میں **خط نسخ** اختیار کیا گیا۔ (۲) خط حمیری یمنی خط تھا اور حضور ﷺ کے نامہ ہائے مبارک حمیری خط ہی میں ہیں۔ (ع۔ا)

کوفہ کے نواح میں جو خط رائج تھا وہ کوفہ کے پرانے نام حیرہ کی مناسبت سے خط حیری کے نام سے مشہور تھا۔ خط حیری میں ترامیم سے جو خط ایجاد ہوا اسے خط کوفی کا نام دیا گیا۔ حضور ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عربی خط سرزمین عرب سے باہر نکلا۔ اس زمانے میں ملٹری سیکرٹریٹ کا سارا کام عربی زبان میں ہوتا تھا مگر مفتوحہ علاقوں میں سول سیکرٹریٹ کی زبان مقامی ہی رہی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہی کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیاں آباد ہوئی مگر بہت جلد یہ شہر یمنی تہذیب کے اثرات لیے ہوئے اسلامی تہذیب و ثقافت کے مراکز بن گئے۔

عربی خط نے اسلام کے زیر سایہ سب سے پہلے جو نیا جمالیاتی لباس پہنا اسے جدید **کوفی خط** کہا جاتا ہے جو بعد میں اپنے علاقائی ناموں سے بھی مشہور ہوا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تو سب سے پہلے آپ نے وہاں کے خط میں حسن و جمال پیدا کر کے اس کا نام خط کوفی رکھا جس کے ثبوت کے طور پر سلطان علی مشہدی کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

مرتضی اصل خط کوفی را کرد پیدا و نشو و نما

یہاں لفظ اصل خط کوفی کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت تک کوفی اپنی بہت سے اقسام کے ساتھ ارتقائی منازل طے کر چکا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ صحابہ رضوان علیہم کو پورے آداب و قواعد (ترتیل) کے ساتھ سنا دیتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین

اس کو پوری احتیاط کے ساتھ ازبر کر لیتے اور کاتبان وحی ان آیات کو اسی وقت اونٹ کے شانے کے ہڈی، پتھر کی سل، کھجور کے پتے یا درخت کی چھال پر منضبط کر لیتے تھے۔ اس زمانے میں اعراب و نقاط کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ حفاظ الفاظ کو صحیح مخارج اور پوری صحت کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہوتے تھے ابتداء میں قرآن مجید چمڑے کے ٹکڑوں (۳) پتھروں، کھجور کے پتوں، اونٹ کے شانے کی ہڈیوں پر لکھا جاتا رہا بعثت نبوی ﷺ کے وقت قریش میں خط قیر آموز رائج تھا (۴) اس لیے مکہ معظمہ میں جس قدر کتابت وحی ہوئی وہ اسی خط میں ہوئی جبکہ مدینہ منورہ میں خط حیری لکھا جاتا تھا چنانچہ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد قرآن کریم کے جو نسخے لکھے گئے وہ خط حیری میں تھے۔ (۵) حضرت خالد سعید ابی العاصؓ کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے بسم اللہ میرے والد ماجد نے لکھی یہ ربیع الاول سن ۴ ہجری کا واقعہ ہے اس لحاظ سے خالد بن سعید وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنہیں سب سے پہلے کتابت وحی کی سعادت حاصل ہوئی حضرت خالد پانچویں مسلمان تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ راوی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلاتے میں لوح وغیرہ لے کر حاضر خدمت ہو جاتا۔ آنحضرت ﷺ پہلے وحی لکھاتے اور پھر سنتے اور اگر کوئی غلطی ہوتی تو درست کرا دیتے پھر میں اس کو لوگوں میں لاتا (۶) آخری وحی ۳ ربیع الاول ۱۱ھ / ۶۳۲ء کو نازل ہوئی جو ابی بن کعبؓ نے لکھی۔ اس کے بعد نزول وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ (۷) جناب رسول مقبول ﷺ کے کاتبان وحی کی تعداد مختلف روایات کے مطابق کم و بیش چالیس تھی۔ (۸) حضور ﷺ کے زمانے کے لکھے ہوئے قرآنی نسخے صحابہ کے پاس موجود تھے بعض صحابہ نے خود لکھے اور بعض نے لکھوائے کیونکہ قرآن لکھنے اور پڑھنے کو ابتدائی اسلامی دور سے بھی عبادت کا درجہ حاصل تھا (۹)۔

امہات المؤمنین حضرت ام سلمہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ نے قرآن پاک لکھوائے جن کو دیکھ کر آپ تلاوت کیا کرتی تھیں (۱۰) حضرت عائشہ نے اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونسؓ سے کلام اللہ لکھوایا (۱۱) حضرت عمر بن رافع نے حضرت حفصہؓ کے لیے قرآن کریم لکھا۔ عرب کے مشہور شاعر لبیدؓ جب مسلمان ہوئے تو انہوں قرآن نویسی کا شغل اختیار کیا۔ (۱۲) حضرت ناجیہ الطفائی عمر بھی قرآن پاک کی کتابت کرتے رہے (۱۳) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے چار مرتبہ قرآن کریم لکھا ایک حضور ﷺ کی حیات میں، دوسرا مکمل قرآن بہ ترتیب نزول تیسری بار عہد صدیقی میں اور چوتھی مرتبہ عہد عثمانی میں (۱۴) دور نبوت میں صہیب رومی۔ سلمان فارسی ایشیا اور بلال حبشی افریقہ سے آ کر مسلمان ہوئے آگے چل کر ان خطوں کے علاقائی خط بھی اپنے اپنے علاقائی اثرات کے تحت نمایاں ہوئے۔

خلافت صدیقی میں قرآنی خطاطی

حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ میں نے ابو بکرؓ کے حکم سے چمڑے کے ٹکڑوں پر قرآن پاک لکھا۔ یہ قرآن پاک خط حیری میں لکھا گیا۔ اسی نسخے کو "نسخہ ام" کہتے ہیں امام بن خرم نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں لوگوں کے پاس بکثرت قرآن پاک موجود نہ ہوں۔



خلافت فاروقی

فاروقی عہد میں حضرت زیدؓ نے ڈیڑھ برس کی مدت میں کلام مجید خط حمیری میں کتابت کیا اس عہد کے ایک مصحف کا ورق جس پر سورہ جن کی کی آیات درج ہیں جو یورپ کے کتب خانے میں محفوظ ہے (۱۵) حضرت عمرؓ کے عہد میں صرف مصر، عراق، شام اور یمن میں قرآن کریم کے ایک لاکھ سے زائد نسخے موجود تھے (۱۶) نافع بن ظریب النوفلی کے متعلق ابوالمنذر وہشام بن محمد الکلبی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے لیے معارف کی کتابت کرتے۔ (۱۷)

خلافت عثمانی

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک میں، میں نے قرآن پاک جمع کیا ۲۵ھ / ۶۴۵ء میں حضرت عثمانؓ نے ۱۲ آدمی مامور فرمائے۔(۱۸) جن میں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت سعید بن العاصؓ، حضرت عبد الرحمنؓ بن حارث بن ہشام، (۱۹) عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، انس بن مالکؓ، مالک بن ابی عامرؓ اور افلح بن کثیر بھی شامل ہیں جنہوں نے قرآن پاک کی تدوین کی اور لغت قریش پر یہ نسخہ تیار کرایا اس وجہ سے حضرت عثمانؓ جامع القرآن مشہور ہوئے۔(۲۰) اگر چہ عہد عثمانی سے پہلے کاتبین وحی کے علاوہ کچھ لوگ کتابت مصاحف کے لیے مشہور رہے۔ مگر حضرت عثمانؓ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے صحف صدیق کی اشاعت عامہ کر کے تمام مصاحف فردیہ کو یک قلم منسوخ کر دیا۔ اس مصحف کی اشاعت کی کارروائی ۲۵ سے ۳۰ھ / ۶۴۵ء تک جاری رہی اور تمام نسخے اس وقت کے خط الجزم یا خط حیری میں لکھے گئے۔(۲۱) جسے بعد میں خط کوفی کا نام دیا گیا۔ اس وقت خط جزم نقط اور شکل سے خالی ہوا کرتا تھا اس لیے مصاحف عثمانیہ بھی نقطوں اور اعراب سے یکسر بری تھے ہر نسخے کے ساتھ قاری بھی روانہ کیے گئے۔ مصاحف عثمانی کے کل آٹھ نسخے تھے جن میں سے ایک حضرت عثمان کے پاس رہا اور باقی نسخے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام، یمن اور بحرین بھیجے گئے۔ اگر چہ یہ مصحف ایک خط میں لکھے گئے اور قریشی لہجے میں پڑھے گئے۔ اس کے بعد قرآن کریم ہر خط میں لکھا گیا جو قرآن کریم جس خطے میں لکھا گیا وہ اس کے علاقائی اثر کے تحت تھا۔

خلافت علوی

عہد عثمانی تک جس قدر قرآن شریف لکھے گئے وہ سب خط حیری میں تھے۔(۲۲) حضرت علیؓ کے دور خلافت میں آپ کے ندیم خاص اور نامور شاگرد ابوالاسود دوئلی (م ۶۹ھ / ۶۸۸ء) نے رسم الخط میں ترمیم اور قرآن کریم میں اعراب بھی لگائے۔ ابوالاسود دوئلی نے اعراب لگواتے وقت کاتب کو ہدایت کی کہ جس لفظ کو ادا کرنے سے میرا منہ کھل جائے اس کے اوپر ایک نقطہ لگا دینا (فتحہ یعنی زبر کا قائم مقام) اور جس حرف کو ادا کرتے وقت میرے دونوں لب کناروں سے مل جائیں اور میں اسے منہ گول کر کے ادا کروں اس کے آگے ایک نقطہ لگا دینا۔ (ضمہ یعنی پیش کا قائم مقام) اور جس



حرف کے ادا کرنے میں بخلاف دیگر حروف کے آواز کا رخ نیچے کی جانب ہو، اس کے نیچے ایک نقطہ لگا دینا یعنی (کسرہ زیر کا بدل) کاتب ان ہدایات پر عمل کرتا رہا اور مصحف کا اعراب شدہ نسخہ تیار ہو گیا اور اگلے سو برس تک یہ نقاط اعراب کا کام دیتے رہے۔ ابوالاسود کے نامور شاگرد نصر بن عاصم، یحی بن یعمر عدوانی، میمون بن اقرن اور عنسبہ بن معدان فہری تھے۔ عبدالمحمد ایرانی کی تالیف پیدائش خط و خطاطاں کے صفحہ ۵۶ پر کلام پاک کے ایک نسخے کا عکس چھپا ہے اس میں حروف پر بجائے اعراب کے نقطے ہی لگائے گئے ہیں یہ نسخہ مصحف مکرم مصر کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور اس کو قرن اول کی یادگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب اسلامی سلطنت نے وسعت پائی تو لہجہ کے اختلاف کے باعث خود عربوں کو کلام اللہ کے تلفظ میں دشواریاں پیش آئیں اس لیے کہ کتابت مصحف مکرم میں ب ت ث کے لیے صرف ایک شکل تھی ج ح خ کی شکل بھی ایک اسی طرح د ذ۔ ر ز۔ س ش۔ ص ض۔ ط ظ۔ ع غ۔ کے لیے ایک ہی شکل بنائی جاتی تھی عجمیوں کے لیے یہ اور بھی مشکل تھا۔ عبدالملک بن مروان بر سر اقتدار آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد اس اہم مسئلے کی طرف متوجہ ہوا اس نے عراق کے گورنر حجاج بن یوسف سے کہا کہ ابوالاسود کی مقرر کردہ علامات اعراب (نقاط) ناکافی ہیں۔ اس لیے اہل علم سے مشورہ کر کے متجانس الخط حروف میں تمیز کرنے کی غرض سے نقطے تجویز کیے جائیں حجاج نے علماء و فضلاء سے مشورہ کیا اور سب کی رائے سے نصر بن عاصم (شاگرد ابوالاسود دوئلی) نے متجانس الخط حرف کی تمیز کے لیے کلام پاک کے ایک نسخے پر ایک دو اور تین نقطے لگا دیے مگر اعراب (زبر۔ زیر۔ پیش) ظاہر کرنے والے نقطوں کو بھی برقرار رکھا۔ فرق کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی کہ اعراب کے لیے سیاہ نقطے لگائے اور متجانس الخط حروف کے لیے سرخ بعد کے نسخوں میں اس صورت کا عکس بھی اختیار کیا گیا یعنی اعراب کے لیے سرخ نقاط لگائے گئے متجانس الخط حرف کے لیے سیاہ، پہلی سے پانچویں صدی عیسوی تک نہ صرف قرآن کریم خط کوفی کی مختلف اقسام میں لکھا گیا بلکہ یہ خط پانچ سو سال تک کتبات کے لیے بھی مستعمل رہا۔ قرآن کریم کا قدیم ترین نسخہ آٹھویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے جس کی تاریخ کتابت ۱۶۸ھ / ۷۸۴ء ہے قاہرہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ (۲۳) ابتدائی دو صدیوں میں زیادہ تر قرآن کریم کپڑے پر لکھا گیا جس کے لیے لکھنے کی سطح ہموار مصفیٰ اور دونوں اطراف کی سیاہی ایک ہی روانی نہیں رکھتی تھی جبکہ پیپی رس سرکاری فرائض اور کھاتوں کا حساب کتاب رکھنے کے لیے استعمال ہوا بعد میں کاغذ چین نے نویں صدی عیسوی کے وسط میں سمرقند کے راستے سے متعارف کرایا جس سے اسلامی آرٹ و فنون کی بساط ہی پلٹ گئی۔ دنیا کے مختلف عجائب خانوں میں پہلی صدی ہجری سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک لکھے ہوئے قرآن کریم کے جو نسخہ جات ملتے ہیں ان میں خط کوفی کے مختلف مدارج کا پتہ ہے (ع ۲)

کوفی کے عروج کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اس مدت میں قرآنی کتابت کے لیے خط کوفی ہی خاص کر رہ گیا تھا۔

بنو امیہ

حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں قطبہ کاتب تھے جنھوں نے آبِ زر سے کلام پاک لکھا ولید بن عبدالملک م ۹۶ھ / ۷۱۴ء کے عہد میں خالد بن ابی الہیاج مشہور خطاط قرآن تھے انہوں نے مسجد نبوی پر سورۃ الشمس آب زر سے لکھی یہ خط کوفی کے مصلح مانے جاتے ہیں آپ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ تک حیات تھے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے خالد نے ایک قرآن کریم کتابت کیا۔ جب یہ کلام پاک حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پیش کیا



گیا تو آپ خط دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مصحف پاک کو بوسہ دیا اور سر پر رکھا اور سوچا کہ اس کمال خط اور نفاست کا کیا ہدیہ یا انعام دیں مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اصل قرآن پاک ہی بطور ہدیہ خالد کو دے دیا۔ حسن بصری، ابو یحیٰ، مالک بن دینار، سامہ بن لوی بن غالب بھی اس دور کے کاتبان قرآن میں شمار ہوتے ہیں۔

بنو عباس کے قرآنی خطاط

ابو العباس سفاح بانی دولت عباسیہ کے عہد میں ضحاک بن عجلان شامی قرآن پاک کے مشہور خطاط تھے انہوں نے قطبہ کی طرز نگارش میں اصلاحات کیں ۱۵۴ھ/ ۷۷۰ء میں فوت ہوئے۔ اسی عہد کے مشہور کاتب اسحاق بن حماد تھے جنہوں نے ضحاک کے خط میں ترمیم کی یہ مہدی عباسی کے دور تک زندہ رہے خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں خشنام بصری اور مہدی کوفی مشہور کاتبان قرآن تھے، مامون الرشید کے دور میں علم الخط کو بہت فروغ حاصل ہوا اس کے استاد امام کسائی (م ۱۸۲ھ/ ۷۹۸ء) نحو، ادب، قرآن اور علم خط کے امام تھے جنہوں نے خط میں خاص اصلاحات کیں ان کا اصلاح شدہ خط اس قدر مقبول ہوا کہ قرآن کریم کی کتابت اسی طرز میں ہونے لگی (۲۴) اہلِ کوفہ نے اس خط کو بہت پسند کیا۔

ضحاک بن عجلان اور اسحاق بن حماد کے بے شمار شاگرد تھے جن میں ابراہیم الشجری کا شاگرد الاحول المحرر اپنے زمانہ کا امام فن تھا اسی کے شاگردوں میں ابن مقلہ ۳۲۸ھ/ ۹۴۰ء کے ہاتھوں زاویہ دار کوفی کی جگہ نسخ نے اپنا سکہ جمانا شروع کیا جس نے پہلی مرتبہ حروف کی پیمائش کے لیے قلم کی موٹائی کو اکائی قرار دیا۔ ابن مقلہ کو موجودہ نسخی طرز نگارش کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ ابن مقلہ کے بعد ابن البواب ۳۵۰-۴۳۱ھ/ ۹۶۱-۱۰۳۹ء نے اپنی زندگی میں ۶۴ قرآن کریم کتابت کیے۔ (۲۵) ابن البواب کے سو سال بعد تک **ریحان، محقق، ثلث** جو کہ نسخ ہی کی طرح گولائی دار خطوط اپنی ترقی کی انتہائی منازل طے کر چکے۔ (۲۶) پانچویں صدی ہجری کے آغاز سے خط کوفی کا استعمال قرآنی کتابت کے لیے کم ہونے لگا اور یہ خط صرف عنوان نگاری، عمارتی خطاطی، لکڑی، پتھر، شیشے اور دھات کے ظروف تک محدود ہو گیا اور ساتویں صدی عیسوی تک کوفی کا استعمال محض آرائش تزئین تک محدود ہو گیا۔ نقش و نگار عباسی اسلوب کے ساتھ مخصوص ہیں جن میں ساسانی آرٹ کی بہت سی خصوصیات موجود ہیں مثلاً چوکھٹے کے ساتھ درخت وغیرہ ۔(۲۷) یہی وہ دور ہے جب تذہیب کاری کا آغاز قرآنی کتابت میں بھرپور طریقے سے ہوا۔

ساتویں صدی ہجری/ تیرہویں صدی عیسوی میں قرآنی کتابت ترک خطاط یاقوت المستعصمی کے ہاتھوں انتہائی خوبصورت قالب میں ڈھل کر سامنے آتی ہے (ع ۳) جس نے قرآن کریم کی کتاب کے لیے ایک نیا انداز اختیار کیا جسے بعد میں کئی خطاطوں نے اپنایا (۲۸)۔ یاقوت المستعصمی نے قرآن کریم کی کتاب ۱۱ سطور فی صفحہ کے حساب سے کی اور ان سطور میں پہلی چھٹی اور گیارہویں سطور کو خط محقق میں قدرے جلی قلم سے لکھا اور سطور ۲ تا ۵ اور ۷ تا ۱۰ کو نسخ میں یا ریحان میں تیز اور خفی قلم سے لکھا (۲۹) شروع میں یاقوت نے سورہ کے عنوان کوفی اور متن ریحان میں کتابت کیا۔ اس سے قبل جس طرح ابن البواب نے ابن مقلہ کے نسخ کو خوبصورت شکل دی تھی اسی طرح ابن البواب کے نسخ کو یاقوت المستعصمی نے مزید بہتر صورت میں رائج کیا۔ یاقوت المستعصمی کی انہی منفرد خصوصیات کی بناء پر مؤرخین نے اسے سلطان الخطاطین کا خطاب بھی دیا۔ مارٹن لنگز کے مطابق۔

It is often said that the supremacy of Ibn-al-Bawwab lasted only until the last part of the thirteenth century, when his script was surpassed by that of Yaqut al Mushtasii who is sometimes called sultan of calligraphers. It is also said that Yaqut himself was surpassed by the Ottoman Turkish and Safavid (۲۸)Persian calligraphers of the sixteenth and seventeenth centuries.

۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء میں بغداد میں لکھے گئے ایک نسخہ قرآن میں یاقوت نے سورہ کے عنوان تو پرانی روایت کے مطابق کوفی میں دیے ہیں۔ لیکن ۶۶۹ھ/ ۱۲۷۰ء کے مکتوبہ قرآن کریم میں سورہ کے عنوان ثلث میں لکھ کر ان کے گرد آؤٹ لائن لگا کر سنہرے کر دیے۔ عمومی طور پر یاقوت نے قرآنی کتابت میں چھ مختلف ڈیزائن استعمال کیے۔

۱۔ متن ریحان میں عنوان کوفی ہیں۔

۲۔ متن نسخ میں اور عنوان آؤٹ لائن میں خط ثلث جلی، سنہرے رنگوں سے مزین

۳۔ متن نسخ میں اور عنوان سورہ محقق میں مستطیل چوکھٹے میں

۴۔ نسخ میں دائرے اور مفردات س، ص، ان، م، ق، ک، ط، ع کے انداز میں۔

۵۔ پہلی درمیانی اور آخری سطور میں محقق میں اور بقایا متن نسخ میں

۶۔ متن ریحان میں اور سورہ کے عنوان ثلث میں جبکہ آؤٹ لائن سنہری رنگ میں (۳۰) اور اس انداز کو ترکوں نے خوب اپنایا مگر جہاں تک قرآنی کتابت میں رکوع، سجدات، رموز او قاف کا تعلق ہے اس کی مثالیں بقول الفاروق تین طرح سے ملتی ہیں۔(۳۱)

چوتھی صدی ہجری کے بعد قرآن کریم اور دیگر دینی کتب کی کتابت کے لیے خط نسخ کا رواج عام ہوا اور گزشتہ ایک ہزار سال سے نسخ کو عالم اسلام کا قرآنی کتابت کے لیے کامل مکمل خط سمجھا گیا۔(۳۲) مگر ابن مقلہ اور ابن البواب کے نسخ نے ارتقائی منازل طے کیں اور یاقوت المستعصمی نے قرآنی کتابت کو ایک خوبصورت انداز دیا خط نسخ کی ایک بڑی فتح یہ تھی کہ اس نے بہت جلد کتابت قرآن کے لیے کوفی کی جگہ لے لی۔ پانچویں صدی ہجری کے آغاز ہی سے خط کوفی کا رواج کم ہونے لگا جس کی بجائے قرآن کریم کے لیے خط نسخ اور آرائشی مقاصد کے لیے ثلث کا رواج ہوا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں قرآن نویسی کے لیے خط کوفی کا استعمال کم ہو گیا اور خط نسخ نے اس کی جگہ لے لی۔ اس کے باوجود عرصہ دراز تک سورتوں کے عنوانات خط کوفی میں ہی دیے جاتے رہے بارہویں صدی عیسوی کے نصف اول یعنی دولت فاطمیہ کے آخری دور میں نسخ اوج کمال کو پہنچ گیا تھا۔

ترکی مستشرق معمر اولکر لکھتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم مکہ میں اترا۔ مصر میں پڑھا اور ترکی میں لکھا گیا۔(ع۔۴)



مگر اس کی اشاعت اور خطاطی کی تمام مروجہ اقسام میں برصغیر کے خطاطوں نے نمایاں جگہ پائی یاقوت المستعصمی کا فیضان پورے عالم اسلام میں جاری رہا جس کے چھ باکمال شاگردوں نے اس کے اسلوب کو پوری دنیا میں متعارف کرایا ان میں ارغون بن عبد اللہ کاملی، یوسف مشہدی، نصر اللہ طبیب، ملقب بہ صدر عراقی شیخ زادہ احمد سہروردی۔(۳۳)(ع ۴)مبارک شاہ زریں قلم بن قطب تبریزی، سید حیدر جلی نویس اور اس کے شاگرد مولانا عبد اللہ الصیرافی جن کے بارے حالاتِ ہنروراں میں ہے۔

سلسلہ شاگردی خطاطان خراسان بخواجہ عبد اللہ صیرافی می رسد

مولانا عبد اللہ صیرافی (۳۴) کے متعلق مشہور ہے کہ وہ برصغیر پاک وہند بھی آئے موصوف سلطان ابو سعید خدابندہ م ۷۳۷ھ / ۱۳۳۶ء کے معاصر تھے۔ پورے عالم اسلام میں جس طرح قرآنی خطاطی نے عروج حاصل کیا۔ وہاں قرآنی کتابت اس کی تذہیب اپنے علاقائی انداز میں پورے زور و شور سے ظہور پذیر ہوئی خطاطوں اور مصوروں کی اجتماعی کوششوں سے عالم اسلام کو خطاطی کے شاہکار میسر آئے ہر خطے کے لوگوں نے اپنی حس جمالیات اور اپنی تمام تر فنکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر دنیا کے عجائب گھروں کو قرآنی مخطوطات کے ایسے شاہکار مہیا کیے جن کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ روحانی بالیدگی کے بغیر ایسے شاہکار وجود میں آنا ممکن نہیں۔ دنیا کے دوسرے علاقوں یعنی شمال مغربی افریقہ اور سپین میں دوسری صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی میں اسلام پہنچا جن کے ثقافتی مراکز قاہرہ، مراکش، الجیریا، تیونس اور لیبیا ہیں۔ مغربی خط اس علاقے کا نمائندہ خط ہے۔ جو کوفی سے وجود میں آیا آج بھی اس خط میں قرآن کریم مراکش میں چھپ رہے ہیں۔ مشرقی کوفی اور مغربی کوفی کو آپس میں ملائیں تو پتہ چلتا ہے کہ مغربی خط کیسے وجود میں آیا۔ ابن خلدون کے مطابق خط مغربی میں مکمل لفظ کی بجائے حرف لکھا جاتا ہے ایک نسل سے دوسری نسل تک پانچویں صدی ہجری / گیارہویں صدی عیسوی میں مغربی کوفی دو شاخوں میں بٹ گئی ان میں سے ایک اندلسی شاخ تھی جو تیونس سے نکلی جبکہ دوسری شاخ مغربی خط ہے۔

عہد ممالیک کے قرآنی نسخوں کے نہایت اعلیٰ نمونے قاہرہ کے شاہی کتب خانہ میں محفوظ ہیں یہ بڑی تقطیع کے قرآن پاک ہیں جو خط طومار میں لکھے گئے ہیں جو خط نسخ کی ایک صورت ہے۔ مسلمانان ایران نے رسم الخط عربوں سے لیا۔ عباسی عہد میں کوفی نے ایک ایسی صورت اختیار کی جس کے حروف کے عمودی حصوں پر افقی حصوں کی نسبت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس طرز کے کوفی خط سے ایک اور خاص طرز نکلی جس کے حروف زیادہ زاویہ دار ہیں یہ طرز زیادہ تر عمارتی کتبات کے لیے موزوں قرار پائی عہد سلجوق کے مصاحف میں جو گیارہویں صدی عیسوی سے متعلق ہیں ایرانی طرز کا خط کوفی کمال کو پہنچا جس کے نقش و نگار بھی زیادہ خوبصورت ہیں۔ برٹش میوزیم میں قرآن کریم کا ایک ایسا نسخہ موجود ہے جس کے چند اوراق سلجوقی طرز میں بہت آراستہ ہیں۔ اسے ابو القاسم بن ابراہیم نے جمادی الاول ۴۲۷ھ / ۱۰۳۶ء میں لکھا اس طرز کا خط گیارہویں اور بارہویں صدی میں سلاجقہ کے عہد حکومت میں ایران میں رائج تھا اور مصر میں فاطمی دور میں ۹۶۹ھ / ۱۱۷۱ء میں مقبول عام تھا جبکہ ایلخانیوں کے دور میں خطاطی اور رنگ آمیزی کو نیا عروج ہوا۔ چنانچہ اس دور کے متعدد نفیس اور عمدہ مصحف مختلف عجائب خانوں اور پرائیویٹ مجموعات میں محفوظ ہیں ان میں سے بعض خدابندہ محمد کی فرمائش پر لکھے گئے تھے ان میں سب سے مشہور دو مصاحف ہیں ایک جو ۹۰۶ھ / ۱۳۰۶ء میں بغداد میں لکھا گیا اور آج کل جرمنی کے شہر لائپزگ میں ہے اور دوسرا قاہرہ کے قومی کتب خانہ میں ہے جسے عبد اللہ بن محمد ہمدان میں ۷۱۳ھ / ۱۳۱۳ء میں لکھا تھا۔ (۳۵)



خدابندہ الجائی تو کے دور میں پہلی مرتبہ خطاطی کے ساتھ ساتھ خوبصورت رنگوں کا استعمال کیا گیا چودھویں صدی کے اواخر اور پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں کالے اور سنہرے باریک لائنوں سے حاشیے لگائے گئے (۳۶)۔

قرآنی خطاطی برصغیر میں

پورے عالم اسلام میں جس طرح قرآنی خطاطی نے عروج حاصل کیا برصغیر میں بھی اس کی اشاعت کی تاریخ یکساں پرانی ہے برصغیر میں اسلامی حکومت کا قیام محمد بن قاسم کی فتح سندھ ۹۳/ ۷۱۲ء سے شروع ہوا اور یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے اس طویل عرصے میں اسلامی خطاطی نے کئی عروج وزوال دیکھے قرآنی کتابت کے لحاظ سے ہم برصغیر کو چھ ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

پہلا دور ۹۳ تا ۴۱۳ھ / ۷۱۲ تا ۱۰۲۲ء

دوسرا دور ۴۱۳ تا ۹۳۲ھ / ۱۰۲۲ء تا ۱۵۲۶ء

تیسرا دور ۹۳۲ تا ۱۱۱۵ھ / ۱۵۲۶ تا ۱۷۰۳ء

چوتھا دور ۱۱۱۵ تا ۱۲۷۴ھ / ۱۷۰۷ تا ۱۸۵۷ء

پانچواں دور ۱۲۷۵ تا ۱۳۶۷ھ / ۱۸۵۷ تا ۱۹۴۷ء

چھٹا دور (پاکستان میں خطاطی) ۱۳۶۷ تا ۱۴۱۶ھ / ۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۵ء۔

پہلا دور (۹۳۔۴۱۳ھ / ۷۱۲۔۱۰۲۲ء)

خطاطی کا پہلا دور محمد بن قاسم کے فتح سندھ سے لے کر سلطان محمود غزنوی کے فتح لاہور تک محدود ہے اسلامی حکومت اس دور میں سندھ اور ملتان کے نواح تک محدود رہی جبکہ خط اسلامی قرآنی مخطوطات اور عماراتی کتبات تک محدود رہا منصورہ کی کھدائی کے دوران قرآن کریم کے جلے ہوئے اوراق ملے۔(۳۷) سندھ سے محمد بن قاسم دیبل فتح کر کے الرور اور ملتان سے ہوتا ہوا دیپالپور تک جا پہنچا یہ سلسلہ ۲۹۰ھ / ۹۰۲ء تک جاری رہا جو یعقوب بن لیث صفار پر ختم ہوا اس عرصہ میں یہاں کوفی ہی رائج تھا جس کے شواہد جلے ہوئے قرآنی اوراق سے ملتے ہیں اور بھنبھور کی کھدائی سے مقامی پتھر پر جو کتبات میسر آتے ہیں ان کا زمانہ ۱۰۹۔۲۹۴ھ / ۷۲۷۔۹۰۶ء مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ۱۴ کتبات برصغیر میں عالم اسلام کی پہلی مسجد کے ہیں (۳۸)۔ جن میں سے ۱۱۴اس وقت بھنبھور میوزیم میں محفوظ ہیں۔



ان کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خط کوفی ہی قرآنی کتابت اور عمارتی کتبات کے لیے مستعمل تھا۔ مندرجہ بالا شواہد پر انحصار کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائے اسلام ہی سے برصغیر پاک وہند کے ایک خطہ میں خط اسلامی رواج پا گیا تھا جو تیسری صدی ہجری کے اختتام تک ایک رسمی کیفیت اختیار کر گیا جو معیار میں باقی اسلامی دنیا کے خط کوفی کے بالکل متوازی تھا۔

دوسرا دور (۴۱۳ھ۔۹۲۲ھ / ۱۰۲۲ء۔۱۵۲۶ء)

برصغیر میں اسلامی حکومت کا دوسرا دور سلطان محمود غزنوی کے شمال سے وارد ہو کر فتح لاہور ۴۱۳ھ / ۱۰۲۲ء کے بعد سے شروع ہو کر بابر کے فتح ہندوستان تک پھیلا ہوا ہے۔ لاہور میں اسلامی خطاطی وسط ایشیائی اثرات لیے ہوئے آئی اور یاقوت المستعصمی کے شاگردوں میں سے سید حیدر علی جلی نویس کے شاگرد مولانا عبدالصیرافی کا خط بھی لاہور میں پہنچا۔ نستعلیق کی ایجاد سے قبل یہ عہد نسخ اور کوفی کی ترمیمات تک محدود رہا۔ اس عرصہ میں فارسی کے علاوہ عربی زبان کا رواج بھی رہا اور خطاطی زیادہ تر قرآنی کتابت تک ہی محدود رہی تاہم کاغذ اور تعلیمی مدرسوں کے رواج سے یہ فن زیادہ مقبول ہوا اس عہد کے نمونے مختلف مخطوطوں، عمارتی کتبات اور سکوں وغیرہ کی عبارات کی صورت میں ملتے ہیں محمود غزنوی نے جب لاہور کو غزنوی سلطنت میں شامل کیا تو لاہور میں باقاعدہ دفتر دیوانی قائم کیا گیا اور یہاں قلم کاغذ دوات عمدگی سے دستیاب ہونے لگا۔ محمد بن قاسم کے تین سو سال بعد حملہ لاہور کے وقت ۴۱۲ھ۔۴۱۳ھ / ۱۰۲۱ء۔۱۰۲۱ء سلطنت غزنی کا لاہور کے ساتھ الحاق کر کے اسے چھوٹے غزنی کا درجہ دیا گیا اور اس طرح یہاں علم و ہنر کے سرچشمے پھوٹے۔ اس دور میں لاہور اس قدر اہمیت اختیار کر گیا کہ غزنویوں کے ہاتھ سے غزنی پہلے نکلا اور لاہور بعد میں۔ محمود کے علاوہ مسعود بھی اہل علم کا مربی و قدردان تھا اس کے دربار سے کئی اہل کمال وابستہ تھے لیکن اس زمانے کی اہم قابل ذکر تبدیلی لاہور اور اہل لاہور کا علم و فن میں راج تھا۔ (۳۹) سلطان محمود غزنوی کی فتوحات سے جہاں معاشی سماجی، ثقافتی طور پر ہندوؤں کو نقصان پہنچا وہاں اہل لاہور کو یہ فائدہ ہوا کہ اسلامی سلطنت کے قیام سے غزنی سے کئی اہل علم بسلسلہ ملازمت یہاں آکر آباد ہوئے اس لیے ان کے فیض سے یہ شہر بھی اسلامی علوم وفنون اور مذہب کی اشاعت کا مرکز بن گیا۔ (۴۰) ابتداً یہاں پر علم اور اہل علم کا قحط تھا حضرت داتا علی ہجویریؒ آئے تو انہیں غزنی کی محفلیں یاد آتی تھیں اس امر کی شکایت انہوں نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں اس طرح کی۔ کہ میں یہاں آکر ناجنسوں میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ (۴۱)

ابراہیم غزنوی کے زمانہ حکومت ۴۵۱ھ۔۴۹۲ھ / ۱۰۵۹ء۔۱۰۹۸ء میں لاہور علمی سرگرمیوں کا گہوارہ بن چکا تھا اور بقول عرفی لاہور اس وقت علم و فضل کا بڑا مرکز تھا۔ ابراہیم کا ایک وزیر ابونصر فارسی جو ادبی دلچسپیوں کی وجہ سے ادیب مشہور تھا علم و فضل کا مربی تھا اس نے لاہور میں ایک خانقاہ قائم کی جو اہل علم اور دوسرے بزرگوں کی جائے پناہ تھی اور آہستہ آہستہ کاشغر، بخارا، خراسان، سمرقند، غزنی اور دوسرے ممالک سے اہل علم کھچ کر یہاں آنے لگے (۴۲)۔ تاریخ حبیب السیر مصنفہ اخوند میر میں مذکور ہے کہ محمود غزنوی کا وزیر ابوالعباس فضیل بن احمد بھی خطاط تھا اور یہ وزیر اپنے ابتدائی زمانے میں فائق کے دربار میں کاتب کے عہدے پر فائز تھا۔ (۴۳) فائق کے دربار کے بعد ابوالعباس نے سبکتگین کے دربار میں اثر رسوخ پیدا کیا اور وزارت کے عہدے تک پہنچا۔ سبکتگین کے بعد محمود نے بھی اسے وزارت پر بحال رکھا عربی زبان سے اس کی عدم واقفیت کی بناء پر جو منشور اور فرامین عربی زبان میں لکھے جاتے تھے اب فارسی زبان میں لکھے جانے لگے۔ (۴۴) مگر ان کا رسم الخط نسخی اور کوفی آمیز ثلث رہا۔ یہ شخص دس سال تک عہدہ



وزارت پر رہا پھر اسے وزارت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ سلطان محمود غزنوی کا دوسرا وزیر خواجہ حسن بن احمد میمندی جو ابوالعباس کے بعد منصب وزارت پر متمکن ہوا سلطان محمود کا رضاعی بھائی اور ہم سبق بھی تھا(۴۵)۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی پھرتیلا، عقلمند، سمجھدار اور خوش خط آدمی تھا سب سے پہلے اسے عہدہ انشاء رسالت تفویض کیا گیا پھر وہ صدر محسبی میر بخشی اور خراسان کی حکومت تک پہنچا اور اس نے ۱۸ سال تک خدمات انجام دیں(۴۶)۔ احمد بن حسن شاہی عتاب کی وجہ سے ۱۳ سال کالنجر کے قلعہ میں اسیری کے دن گزارے اور سلطان مسعود کے زمانہ میں دوبارہ وزارت کے عہدہ پر سرفراز ہوا اس نے ۴۲۴ھ / ۱۰۳۲ء میں وفات پائی۔ مذکورہ بالا دونوں وزراء کے دور خطاطی کے لیے انتہائی حوصلہ افزاء ثابت ہوئے اور وسعت سلطنت لاہور تک ہونے کی وجہ سے قرآنی خطاطی پر وسط ایشائی اثرات چھوڑے۔ دور سلاطین میں دو بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں اولاً دارالحکومت لاہور کی بجائے دہلی قرار پایا دوسرے برصغیر میں اسلامی سلطنت وسط ایشیا سے لے کر ہندوستان کے مرکز دہلی تک پھیل گئی۔ سلطان شمس الدین التمش باکمال خطاط تھا سلطان ناصر الدین اپنے ہاتھ سے کلام مجید لکھ کر روزی کماتا(۴۷) غیاث الدین بلبن کے عہد کی تاریخ فیروز شاہی میں مذکور ہے کہ جو کاتب قرآن مجید لکھ کر بادشاہ کے سامنے پیش کرتا وہ اس کو ہدیہ دیتا اور پھر یہ نسخہ کسی ایسے شخص کو دے دیا جاتا جو اس کے مطالعہ کی خواہش کرتا اس زمانے میں قرآنی خطاطی اجرت پر ہوتی تھی۔ خلجی عہد میں یہاں پر اسلامی خطاطی اپنے عروج پر تھی اسی عہد میں نسخ کے ساتھ ساتھ ایک اور رسم الخط قرآنی کتابت کے لیے متعارف ہوا جس کا اصل وطن وسط ایشیا تھا۔ اس خط کو خط بہار کا نام دیا گیا(ع ۵) یہ خط قرآنی خطاطی اور عمارتی کتبات میں مستعمل ہوا جو بالخصوص بنگال اور بہار میں بڑی سرعت سے ملتا ہے۔

چودھویں صدی میں نقاشی اور رنگ آمیزی صرف قرآنی نسخوں تک ہی محدود نہ تھی رفتہ رفتہ اس کا استعمال دیگر کتب میں بھی ہونے لگا ان کی آرائش و زیبائش کے لیے کبھی تو کتاب کے آخر میں بیل بوٹے بنائے جاتے تھے۔ اور کبھی تصویروں کے ارد گرد چوکھٹوں کی شکل میں گل کاری کرتے تھے۔ اس عہد میں بعض قرآن کریم محقق میں اور بعض ریحان میں بھی لکھے گئے(۴۸)۔

تغلق عہد میں بھی قرآنی مخطوطات بڑے تزک و احتشام سے لکھے جاتے تھے خود سلطان محمد تغلق اعلیٰ پائے کا خطاط تھا بغداد کی تباہی کے بعد مشہور خطاط عبداللہ ہروی متوفی ۸۸۰ھ / ۱۴۷۵ء محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان آکر امراء اور وزراء کا مقرب ہوا اس نادر روزگار خطاط نے ۴۵ قرآن کریم یادگار چھوڑے۔(۴۹) عہد لودھی کی خطاطی کا ارتقاء ہمیں اس عہد کے عمارتی کتبات، فرامین، مخطوطات کے مشاہدات سے ملتا ہے اس عہد میں علم و فضل کی شاہی سرپرستی جاری رہی اور اعلیٰ پائے کی لائبریریوں کے وجود کا پتہ بھی چلتا ہے۔

تیسرا دور (۹۳۲تا۱۱۱۹ھ / ۱۵۲۶۔۱۷۰۷ء)

برصغیر میں قرآنی خطاطی کا تیسرا دور بابر کی فتح ہند ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء سے شروع ہو کر اورنگ زیب ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء تک محیط ہے برصغیر میں اس دور میں قرآنی خطاطی نے جو عروج دیکھے وہ نہ تو پہلے نصیب تھے اور نہ ہی بعد میں ہوئے بانی مغلیہ سلطنت بابر اور آخری مغلیہ حکمران اورنگ زیب اور متاخر مغلیہ حکمران بہادر شاہ تینوں اعلی خطاط تھے ماثر الامراء میں ہے کہ۔



کتب نزد بادشاہ بردہ منطقنہ ساخت کہ مارا بہ چیزہائے دیگری نماید وچوں خلوت می رود آں کار گر میکند (۵۰)

ایک مرتبہ شہزادہ سلیم ابوالفضل (جو اس وقت لاہور میں مقیم تھا) کے گھر آیا دیکھا کہ چالیس کاتب قرآن وتفسیر لکھنے میں مصروف ہیں وہ سب کو بادشاہ (اکبر) کے حضور لے گیا۔ (۵۱)

مولانا علم الدین سالک کے مطابق ہندوستان میں چند سو سال قبل تک یہ رواج عام پایا جاتا تھا کہ جب کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ کفارے کے طور پر قرآن مجید خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر یا لکھوا کر کسی بزرگ کی درگاہ پر رکھوا تا لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ کی درگاہ پر بڑے بڑے نایاب نسخے ہوا کرتے تھے جو محکمہ اوقاف نے دریا برد کروادیے ان نسخوں میں سے لاہور کے فقیر خانہ میوزیم میں اعتماد الدولہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے چار پارے محفوظ ہیں۔ (۵۲) اس دور میں کشمیر میں ایک خاص انداز سے قرآن کریم نسخ میں مذھب کیے گئے۔ اور پنجاب میں جو نسخے مذھب کیے گئے منفرد خصوصیت کے حامل تھے۔

خطاطی کا چوتھا دور (۱۱۱۹۔ ۱۲۷۴ھ / ۱۷۰۷۔ ۱۸۵۷ء)

خطاطی کے چوتھے دور کا آغاز اورنگ زیب کی وفات ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء سے شروع ہو کر ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء میں ختم ہوتا ہے اس دور میں مرہٹوں کی لوٹ مار سکھا گردی اور افغانیوں کی یورش کی وجہ سے خطاطی کی وہ سرپرستی نہ رہی۔ مغلوں کے ابتدائی دور عروج میں آگرہ کے بعد لاہور ملک کا دوسرا بڑا دارالسلطنت تھا اکثر امراء یہیں مقیم تھے مغل سربراہ بھی یہاں پر اپنا قیام بالعموم رکھتے حکمرانوں کی اس نقل وحرکت کی وجہ سے درباری کاتب دوسرے شہروں کے کاتبوں اور ان کے فن سے باخبر رہتے۔ ایک دوسرے کے فن پر اثرات چھوڑتے اور قبول کرتے۔ ایران کی طرف سے خطاطوں کی آمد ورفت جاری رہی یہی وجہ ہے کہ اس دور میں قرآنی خطاطی زیادہ تر ایرانی خطاط احمد نیریزی ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء کی طرز کی مرہون احسان ہے کہ

برصغیر میں اس دور سے آج تک جتنے بھی قرآن کریم لکھے گئے وہ زیادہ تر نیریزی طرز میں ہیں۔ (ع۶) اس دور کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے مرکزی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ راجے مہاراجے خود مختار ہو چکے تھے اور فنون کو وہ شاہی سرپرستی حاصل نہ رہی جو کبھی مغلیہ دور کا شاخسانہ تھی کاتب زیادہ تر اجرت پر خطاطی کرنے لگے اور راجے مہاراجے خال خال ہی کوئی مخطوطہ اپنی سرپرستی میں لکھواتے قرآنی مخطوطات جو پہلے منظم طریقے سے انتہائی اہتمام سے تیار ہوتے اب اجرت پر تیار ہونے لگے۔ دیگر فنون مثلاً روشنائی سازی، جلد سازی، قلمدان سازی، کاغذ سازی، مصوری، نقش و نگاری، قلم سازی جن میں سے سیاہی اور قلم سازی ہی باقی رہی باقی سارے فنون شاہی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے موقوف ہو گئے۔ اس دور میں پنجاب میں زیادہ تر جلی حروف میں قرآنی کتابت کا اہتمام ہوا جبکہ کشمیر میں خوبصورت نقش ونگاری جاری رہی مگر اس میں وہ رعنائی باقی نہ رہی جو کبھی مغلیہ دور کا طرۂ امتیاز تھی۔ وسط ایشیا سے آنے والے قرآن کریم متوسط قلم سے سادہ زمین پر تیار ہوتے رہے۔ عہد محمد شاہ کے مشہور خطاط محمد حفیظ خاں (م ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء) جو ہر طرز میں خطاطی کرتے اور بادشاہ کے داروغہ کتاب خانہ تھے انہوں نے چند نسخے قرآن کریم کے طرز یاقوت میں اور مذھب لکھ کر بادشاہ کو دیئے۔ (۵۳)

خطاطی کا پانچواں دور (۱۸۵۷ سے ۱۹۴۷ء)

خطاطی کے پانچویں دور میں برصغیر میں قرآنی خطاطی سمٹ کر چند شہروں تک محدود ہوئی ان میں لاہور، دہلی اور لکھنو دبستان خطاطی کی حیثیت سے نمایاں خصوصیت کے حامل ہوئے لکھنو روش کو جہاں پر قاضی نعمت اللہ لاہوری اور حافظ نور اللہ نے چھوڑا تھا منشی شمس الدین اعجاز رقم نے آگے بڑھایا عبدالرشید دیلمی کی روش کو جہاں محمد افضل لاہوری آقائے ثانی نے چھوڑا تھا امام ویردی لاہوری نے آگے بڑھایا۔ دہلی سکول حافظ امیر الدین المعروف میر پنجہ کش اور مولوی ممتاز علی نزہت رقم جیسے خطاطوں کو نہیں بھولے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ضلع گوجرانوالہ کے نواح جنڈیالہ ڈھاب والا سے محمد الدین مرحوم دہلی تشریف لائے جہاں ان کے بیٹے محمد یوسف نے دہلوی طرز کو آگے بڑھایا۔ لاہور دبستان خطاطی میں امام ویردی سے خطاطی کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا پروین رقم نے اس طرز کو آگے بڑھایا۔ خطاطی کا یہ وہ دور ہے کہ جب پرنٹنگ پوری آب و تاب کے ساتھ جاری تھی اور قرآن مجید طبع ہوتا تھا اور ہر ادارے کے اپنے اپنے کاتب ہوتے تھے۔ (۵۴) منشی گلاب سنگھ المعروف رائے صاحب کے مطبع میں قرآن کریم بڑے اہتمام سے چھاپا جاتا اور موصوف نے غلطی کا امکان کم کرنے کے لیے آٹھ حافظ قرآن ملازم رکھے ہوئے تھے اور ان حفاظ کے لیے ایک چبوترہ بنوا رکھا تھا یہ پتھر کی پرنٹنگ کا دور تھا اور جب پلیٹیں استعمال کے بعد دھونا مقصود ہوتیں انہیں دھو کر، دھون دریائے راوی میں بہا دی جاتی۔ قرآن کریم اور خاص کر عربی رسم الخط لکھنے والوں کو اکثر خط نسخ لکھنے کی وجہ سے نساخ کہا گیا ہے ایک رسالہ "اصول النسخ" کے نام سے (۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) الناظر پریس لکھنو میں شائع ہوا تھا جس کے مصنف مولوی حامد علی مرصع رقم نساخ ابن مولانا شیخ محمد علی محدث لکھنوی ہیں۔ اس کا تعارف نامہ محمد جان نے لکھا ہے۔ مصنف نے اس کے شروع میں سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھنو کے دور متاخرین کے نسخ نگاروں کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

عہد اورنگ زیب کے محمد عارف یاقوت رقم نے یاقوت المستعصمی کے طرز تحریر میں بہت کچھ تغیر و تبدل کیا اور نیریزی طرز کو اپنایا ان کے برادر زادے قاضی عصمت اللہ تھے جن کا لقب یاقوت رقم ثالث تھا ان سے استفادہ یا تلمذ کرنے والے عبداللہ طباخ تھے ان کے بعد ان کے دو فرزند علی اکبر اور علی امیر نے اپنے باپ سے نسخ کی تعلیم حاصل کی ان کے تلامذہ میں شاہ غلام علی خلیفہ حاجی محمد تقی مہونوں باکمال نسخ نگار تھے ان کے بعد ان کے دو فرزند میر اکبر علی اور میر کلن علی مشہور ہوئے پھر ان کے بعد درویش مشرب شاہ غلام علی نسخ نگار ہوئے ان کے معاصرین میں نواب احمد قلی خان عرف مرزائی بڑے کامل استاد تھے جن کے بعد ان کے نواسے میر بندہ علی مرتعش رقم اعلیٰ درجہ کے نساخ تھے یہ سو سال کی عمر میں ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں فوت ہوئے۔ آغا محمد اور محمد میرزا مولوی محمد مہدی ان کے شاگرد تھے مولوی محمد یحیٰ مہاجر مکہ معظمہ بھی مشہور نساخ تھے اسی زمانے میں مولوی زکریا اور حافظ خورشید برادر حافظ نور اللہ کا فیض ہند میں جاری تھا اور منشی عبدالحئی سندیلوی بھی مشہور تھے ان کے تلامذہ میں میر طفیل اور بلگرامی بھی اچھے نسخ نگار تھے میر اکبر علی سکنہ قصبہ کالپی بھی تھے اس زمانے میں دہلی میں حافظ امیر الدین بادشاہ بہادر شاہ کے ہاں قرآن لکھتے جن کا انتقال ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں ہوا ان کے علاوہ منشی محمد حفیظ، مولوی محمد صالح اور منشی محمد جعفر وغیرہ بھی قرآن لکھتے تھے اس کے مقابلے میں پنجاب کے ضلع



گوجرانوالہ کے مقام ایمن آباد، سوہدرہ، کوٹ وارث، سمبڑیال کے نساخ مشہور تھے جن میں سے عبدالرشید، محمد حسین، مولوی عبداللہ ان کے صاحبزادے مولوی عنایت اللہ وغیرہ اس فن میں سبقت لے گئے مولوی محمد دین بڑے مشہور کاتب تھے۔(۵۵)۔

قیام پاکستان کے بعد قرآنی خطاطی

قیام پاکستان کے بعد دہلی اور دیگر ہندوستانی علاقوں سے بہت سے اعلیٰ خطاط ہجرت کر کے پاکستان آکر آباد ہوئے ان میں محمد یوسف دہلوی اور کپورتھلہ کے خورشید عالم خورشید رقم معروف خطاط ہیں۔ قیام پاکستان سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ مغربی پنجاب خطاطی کے میدان میں پورے برصغیر میں نمایاں اہمیت اختیار کر گیااور لاہور ایک اہم اشاعتی مرکز کے طور پر ابھرا یہاں اخبارات کی کثیر تعداد نے اشاعت شروع کی اور بے شمار پبلشنگ کے ادارے معرض وجود میں آئے اور کاتبوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوااور لاہوری طرز نستعلیق عبدالمجید پروین رقم کے ہاتھوں عروج کو پہنچی اور لاہور خطاطی کے میدان میں پورے برصغیر میں اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوا۔ یہی وہ دور ہے جب عالم اسلام کے معروف خطاطین یاقوت المستعصمی، شیخ حماد اللہ ، مصطفی زادہ، کرشانی، حافظ عثمان، مصطفی عزت جیسے خطاطوں کے نمونوں کے علاوہ خوبصورت قرآن مجید چھپ کر لاہور آنے لگے اور یہاں کے خطاطین دیگر اسلامی ممالک میں گئے۔ قرآنی کتابت کے لیے پنجاب کے علاقے سیالکوٹ، گوجرانوالہ، پیر کوٹ، عادل گڑھ، کوٹ وارث اور کیلیانوالہ ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ برصغیر میں پچھلے صد سالہ دور میں جہاں بے شمار مسلمانوں نے اس کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیاوہاں ہندو اور سکھوں نے بھی اس کی اشاعت کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ جن میں جے ایس سنت سنگھ لاہور، مطبع مفید عام، مطبع منشی گلاب سنگھ ، مطبع نولکشور، سراج الدین، عزیزیہ کتب خانہ، فیروز سنز، قبول عام پریس، میراں بخش، شیخ محمد اشرف (چنیاں والی مسجد کے سیکرٹری) انجمن حمایت اسلام ریلوے روڈ، تاج کمپنی ریلوے روڈ، چاند کمپنی شیخ محمد حسین اینڈ سنز، اویس کمپنی اردو بازار لاہور، نیو انڈس پبلشنگ کمپنی اردو بازار لاہور، ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی اردو بازار لاہور، حافظ اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور، خالق بک سنٹر اردو بازار، اقراء کمپنی، ممتاز کمپنی، ممتاز کمپنی،، مہتاب کمپنی، احمد بک سنٹر، ضیاء القرآن، فیض اینڈ کمپنی، قدرت اللہ اینڈ کمپنی، مکتبہ تعمیر انسانیت پبلشر الوہاب مارکیٹ، قرطاس کمپنی احمد علی بھٹہ سے قرآن کریم 20×30 آدھے پر 4 ملی میٹر موٹی قلم سے کتابت کروا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ 8 انچ چوڑائی اور 90 فٹ لمبائی میں قرآن کے 11 پارے قدیم کوفی حجازی میں احمد علی بھٹہ نے کتابت کئے۔ اسی طرح دار القرآن والوں نے دو قرآن کریم کتابت کروائے اور فیصل آباد صبح نور پبلشر نے ایک قرآن کریم کتابت کروایا۔ اس طرح احمد علی بھٹہ نے اب تک کل سات (۷) قرآن کریم کتابت کئے (۵۶)۔ اقبال اینڈ کمپنی الکریم مارکیٹ، قرآن کمپنی، ذکاء پبلشر بالمقابل کامیاب ڈاکخانہ زر کمپنی، شیخ غلام حسین اینڈ سنز (کاتب محمد عثمان۔ عبدالرؤف)، سلمانیہ کتب خانہ ملک دین محمد پیکو لمٹیڈ، دین محمدی پریس، مجاہد کمپنی اردو بازار، خواجہ محمد اسلام، شیخ غلام علی اینڈ سنز جیسی کمپنیاں پچھلی صدی سے قرآن کریم کی اشاعت میں نمایاں خدمات دے رہی ہیں۔ ہر ادارے کے اپنے خطاط ہیں جو اجرت پر کتابت کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صدیوں سے مسلمانوں کی توجہ کا اہم مرکز چونکہ کلام اللہ ہے اس لیے جہاں اس کی سورہ اقراء کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اس کی ترتیل و تجوید میں غیر معمولی ترقی ہوئی ہے اس کی خطاطی میں بھی مہارت کا ثبوت دیا گیا۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ مسلمان اسلامی خطاطی جیسے

پاکیزہ فن سے روشناس ہوئے۔ قرآنی خطاطی کوفی رسم الخط سے جدید نسخ اور نستعلیق تک کا ارتقائی سفر ہمیں مختلف ادوار کے شاندار ماضی اور حال کی خبر دیتا ہے کہ شمسی قمری رسم الخطوط گلزاری بہاری رسم الخط اور خود کوفی رسم الخط، ثلث، ریحان اور محقق جیسے رسم الخطوط کو قرآنی آیات ہی نے لافانی بنادیا۔ جس طرح وہ دوسرے علوم وفنون میں لاہور کو مرکزیت حاصل رہی قرآنی کتابت میں بھی ہمیں لاہور کے کم وبیش ۸۵ کے قریب خطاط ملتے ہیں جنہوں نے مختلف ادوار میں قرآنی کتابت کو ذریعہ روز گار بنایا اور آج بھی عظمت رفتہ کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔ لاہور میں یہ سلسلہ ابراہیم غزنوی سے شروع ہو کر خورشید عالم گوہر قلم پر ختم ہوتا ہے۔ برصغیر کے قرآنی خطاطوں میں صرف لاہور شہر سے جن کا تعلق رہا ہے ان میں سلطان ابراہیم غزنوی ، ابراہیم سیالکوٹی، احمد یار خان یکتا۔ حافظ شیخ احمد۔ امام الدین کیلانی، برکت علی سیالکوٹی، شہزادہ پرویز، خوشی محمد ناصر قادری، خورشید عالم گوہر قلم، شہزادہ داراشکوہ، مولوی سراج الدین، نجیب الدین بابر، پیر عبدالحمید، منشی عبدالحکیم جنڈیالوی، مولوی عبدالرشید محبوب رقم، عبدالرحمن کیلانی، عبدالرؤف، خلیل الرحمن، عنایت اللہ، محمد یعقوب، محمد یوسف، محمد سعید، ریاض احمد، نورالہی، عبدالغفار، محمد الدین، محمد حنیف، خالد محمود، محمد سلیمان، مولوی عبدالقادر، عبدالکریم، محمد علی زاہد، مولوی عبدالمجید شیریں قلم، عبداللہ ہردی، عمر بخش رسول نگری، عبیداللہ، مولوی عنایت اللہ وارثی، سید عنایت اللہ حسینی، مولوی غلام رسول عادل گڑھی، میاں غلام قادر، غلام محمد اچھروی، غلام محمد لاہور، حافظ غلام علی لاہوری، مفتی غلام محمد لاہوری، مولوی غلام محی الدین انصاری، غلام یسین لاہوری، فاطمہ الکبری، مولوی فضل الدین صحاف، حافظ فضل الہی، سید فضل شاہ، لطف اللہ مہندس، قاضی محمد امام الدین، قاضی میراں بخش، سید محمد اشرف علی سید القلم، مولوی محمد حسین عادلی، حافظ محمد حسین لاہوری، مفتی محمد حیات اللہ قصوری، محمد دین جنڈیالوی، محمد روح اللہ لاہوری، محمد شریف لدھیانوی، حافظ محمد شریف، محمد شفیع لدھیانوی، حافظ محمد طاہر، محمد مظہر قیوم بھٹہ، محمد عباس، محمد عبداللہ وارثی، محمد عبدالغفور، محمد عمر کابلی، محمد غوث، مولوی محمد قاسم لدھیانوی، میر صالح، شیخ میر لاہوری، مولوی میراں بخش، مولوی محمد یسین قریشی، حاجی محمد امین، محمد یوسف، مولوی نیاز احمد، مولوی نورالہی، نذر محمد قریشی، حکیم سید نیک عالم شاہ، فیض رسول بھٹہ جیسے خطاط کسی تعارف کے محتاج نہیں (۵۷)۔ (از افادات ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ، رخسانہ ندیم بھٹہ)

حوالے وحواشی

۱۔ احمد بن محمد بن حنبل، المسند، ادارہ دارالمعارف، مصر ۱۹۵۳ء، ۱/۲۴۶

۲۔ خالد محمود، اقرا باسم ربک الذی خلق، جشن نزول قرآن نمبر روزنامہ کوہستان ۲۹ دسمبر ۱۹۶۷ء

۳۔ سلیم اختر، قرآن کے نادر قلمی نسخے، سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر، شمارہ ۵، جلد ۱۳، نومبر ۱۹۶۹ء۔ لاہور، ۲/۸۲۴

۴۔ سید انور حسین نفیس رقم، خطاطان قرآن، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر۔ جلد ۱۳، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۶۹ء۔ ۱/۴۰۱

۵۔ ایضاً



٦۔ الھیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر (متوفی ۸۰۷ھ) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱۹۸٦ء، ۱۔۲/۱۹

۷۔ سید انور حسین نفیس رقم، خطاطان قرآن، محولہ بالا ۴ ص ۴۰۱

۸۔ مندرجہ ذیل کاتبین وحی خاص طور پر مشہور ہیں۔

۱۔ حضرت ابو بکرؓ ۲۔ حضرت عمر فاروقؓ ۳۔ حضرت عثمان غنیؓ ۴۔ حضرت علیؓ ۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ ٦۔ حضرت عبد اللہ بن سعدؓ ۷۔ حضرت زبیر بن العوامؓ ۸۔ حضرت خالد بن سعدؓ ۹۔ حضرت حنظلہ بن ربیعؓ ۱۰۔ حضرت علاء خالد بن ولیدؓ ۱۱۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ ۱۲۔ حضرت محمد مسلمؓ ۱۳۔ حضرت عبد اللہ بن سلولؓ ۱۴۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ۱۵۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ ۱٦۔ حضرت عمرو بن العاصؓ ۱۷۔ حضرت جہم بن الصلتؓ ۱۸۔ حضرت شرجیل بن حسنہؓ ۱۹۔ حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ ۲۰۔ حضرت ثابت بن قیسؓ ۲۱۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ ۲۲۔ حضرت عامر بن فہیرہؓ ۲۳۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ ۲۴۔ حضرت ابان بن سعیدؓ۔

۹۔ ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ، لاہور اور فنِ خطاطی، علم وعرفان پبلشرز، دسمبر ۲۰۰۷، ص ۱۰۳

۱۰۔ علی المتقی، ابوالحسن البکری سیوطی، علاؤالدین کنزالعمال فی سنن الاقوال الافعال، دائرہ معارف نظامیہ، حیدرآباد، ۱۳۱۳ھ ص ۲۲۳

۱۱۔ ترمذی، الجامع مترجم مولانا فضل احمد دار اشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ اردو بازار کراچی۔ ص ۲۲۸

۱۲۔ ابن حزم، محمد علی بن احمد بن سعید اندلسی، جمھرۃ انساب العرب، تحقیق عبد السلام محمد ہارون، دار المعارف مصر، قاہرہ ۱۹٦۳ء۔ ص ۲۸۵

۱۳۔ ابن حجر، احمد بن علی بن محمد بن، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، دار الکتب المصریہ ۱۹۳۹ء، ۳/۵۱۳

۱۴۔ سید انور حسین نفیس رقم، خطاطان قرآن، محولہ بالا۔ ص ۴۰۲

۱۵۔ خالد محمود، اقرا باسم ربک الذی خلق، روزنامہ کوہستان، محولہ بالا ۲، ۲۹۔ دسمبر ۱۹٦۷ء

۱٦۔ ایضاً

۱۷۔ ابو محفوظ الکریم المعصومی، مصحف عثمانی کے تاریخی نسخے، مجلہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ۔ دسمبر ۱۹٦۱ء۔ ص ۲

۱۸۔ کتاب المصاحف، ص ۲۵

۱۹۔ حمیدی، الجمع بین الصحیحین میں عبد الرحمن بن حارث کی جگہ عبد اللہ بن الحارث المخزومی کا نام ملتا ہے جبکہ صحیح بخاری کے ابتدائی نسخوں میں ایسا اختلاف نہیں۔



۲۰۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عہد عثمانی سے قبل مصاحف کی تیاری حضرت ابو بکرؓ کے دور میں ہوئی حضرت عثمانؓ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مصحف صدیق کی اشاعت عام کر دی۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: مصحف عثمان کے تاریخی نسخے، محولہ بالا فٹ نوٹ ۱۷

۲۱۔ابو محفوظ الکریمی، مصحف عثمانی کے تاریخی نسخے، محولہ بالا ۱۷۔ص ۸

۲۲۔سید انور حسین نفیس رقم، خطاطان قرآن، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، محولہ بالا، ۱/ ۲۰۴

۲۳۔ایس ایم ڈیمنڈ مترجم پروفیسر شیخ عنایت اللہ ، مسلمانوں کے فنون، پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور ۱۹۱۴ء۔ص ۱۰۰

۲۴۔ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ، لاہور اور فنِ خطاطی، علم و عرفان پبلشرز، دسمبر ۲۰۰۷، ص ۱۰۵

۲۵۔سید انور حسین نفیس رقم، خطاطان قرآن، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، محولہ بالا۔۱/ ۲۰۵

۲۶۔طارق مسعود، اسلامی خطاطی قدیم و جدید، لاہور عجائب گھر، لاہور ۱۹۸۱ء۔ص ۶

۲۷۔ایس ایم ڈیمنڈ، مسلمانوں کے فنون، محولہ بالا، ص ۱۰۱۔۱۰۰

۲۸۔Martin Lings. The Quranic Art of Calligraphy and Illumination. London.

۲۹۔عبدالقیوم، تدریس نسخ، آزاد بک ڈپو اردو بازار لاہور فروری ۱۹۶۷ء۔ص ۱۱

۳۰۔Lois Lamya Alfaruqi, Islam and Arts. National Higher Council, Islamabad, 1985, pp. 50-51.

۳۱۔Ibid

۳۲۔عبدالقیوم، تدریس نسخ، آزاد بک ڈپو، اردو بازار لاہور۔فروری ۱۹۶۷ء۔ص ۱۰

۳۳۔احمد سہروردی کا مکتوبہ قرآن کریم نیشنل میوزیم کراچی کی زینت ہے۔احمد سہروردی یاقوت کے چھ باکمال شاگردوں میں سے ایک تھا۔

۳۴۔مسٹر بیٹی کے مجموعہ میں عبداللہ الصیرافی کے ہاتھ کا قلمی قرآن کریم موجود ہے جس کی تاریخ کتابت ۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء ہے اس میں سورتوں کے عنوان کوفی میں ہیں جو شوخ قرمزی، فیروزی اور سبز رنگوں سے لکھے گئے ہیں۔جن کی زمین طلائی ہے۔

۳۵۔ایس ایم ڈیمنڈ، مسلمانوں کے فنون، محولہ بالا، ص ۱۰۲۔۱۰۳

۳۶۔انجم رحمانی، برصغیر پاک و ہند میں خطاطی، لاہور عجائب گھر، ۱۹۷۸ء، ص ۷۔

۳۷۔ Ahmed Nabi Khan, Al Mansurah A Forgotten Arab Metropolis, Deptt. of Archaeology, Karachi, p. 14.

۳۸۔ F. A. Khan. Bhanbore, Dept. of Archaeology, Karachi, p. 14.

۳۹۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ ۱۹۹۰ء، ۴/ ۶۴۔۶۵

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ سید علی ہجویریؒ، کشف المحجوب، مترجم سید محمد احمد قادری، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور۔ ۱۹۸۰ء ص ۱۰۷

۴۲۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، محولہ بالا، ص ۳۹

۴۳۔ ابوالقاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحیٔ خواجہ، تاریخ فرشتہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۴ء، ۱/ ۱۵۲

۴۴۔ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، محولہ بالا، ص ۱۵۲

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۵۳

۴۶۔ اعجاز راہی، تاریخ خطاطی، ادارہ ثقافت پاکستان، ۱۹۸۶ء، ص ۱۴۴

۴۷۔ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، محولہ بالا، ص ۲۶۸

۴۸۔ انجم رحمانی، تعارف مخطوطات گیلری، عجائب گھر، لاہور، ص ۲۷۔

۴۹۔ انجم رحمانی، برصغیر پاک وہند میں خطاطی، لاہور عجائب گھر، لاہور ۱۹۷۸ء۔ ص ۷

۵۰۔ شاہنواز خان مترجم محمد ایوب قادری، ماثر الامراء، مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۰ء۔ ۲/ ۴۵۷۔۴۵۸

۵۱۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، طبع سیز دہم ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۳۶

۵۲۔ عابد نظامی، لاہور میں قرآنی نوادر، سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر، شمارہ ۵، جلد ۱۳ نومبر ۱۹۶۹ء۔ ۲/ ۸۳۳

۵۳۔ عبداللہ چغتائی، خطاطی ۱۷۰۷ء۔ ۱۹۷۲ء، تاریخ ادبیات فارسی مسلمانان پاکستان، جلد ۵، فارسی ادب، پنجاب یونیورسٹی۔ ۳/ ۳۳۴

۵۴۔ ایضاً، ص ۳۴۲



۵۵۔ ایضاً، ص ۳۴۲

۵۶۔ بحوالہ احمد علی بھٹہ (احمد علی بھٹہ نے راقم کو اپنے کتابت شدہ کلام پاک دکھائے)

۵۷۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: لاہور اور فن خطاطی از ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ، علم و عرفان پبلشرز اردو بازار لاہور، ص ۱۱۵ تا ۱۴۰

قرآن کی طباعت

سترہویں صدی سے قرآن کی طباعت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، لیکن مسلم دنیا میں اس کو قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ 1788ء میں سلطنت عثمانیہ کی نگرانی میں طباعت سے آراستہ ہوا۔ سب سے زیادہ مقبول ترین طباعت شدہ مصحف وہ ہے جو قاہرہ سے شیخ الازہر کی سرپرستی میں 1923ء کو شائع ہوا اور پھر یہاں سے طباعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے بعد مجمع ملک فہد نے طباعت کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ نہ صرف مصحف کی طباعت بلکہ کئی زبانوں میں عمدہ کوالٹی میں ترجمہ و تفسیر کا سہرا بھی مجمع ملک فہد کے سر جاتا ہے۔

نسخ

نسخ کے لغوی معنے نقل کرنے، تبدیل کرنے اور مٹانے کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کرنے کے ہیں، یہ نسخ اللہ کی طرف سے ہوا ہے، آدم علیہ السلام کے زمانے میں سگے بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا بعد میں اسے حرام کر دیا گیا، اسی طرح قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعض احکام منسوخ فرمائے اور ان کی جگہ نیا حکم نازل فرمایا، جمہور علماء امت کی رائے ہے کہ قرآن و حدیث میں نسخ واقع ہوا ہے۔ (تفسیر احسن البیان للشیخ صلاح الدین یوسف لاہوری اور ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ کی تفسیر تیسیر الرحمن لبیان القرآن)

نسخ فی القرآن کی تین قسمیں ہیں

(1) تلاوت منسوخ ہو لیکن حکم باقی ہو۔ (2) حکم منسوخ ہو پر تلاوت باقی ہو۔ (3) تلاوت اور حکم دونوں بھی منسوخ ہو۔

نسخ کی قسموں کو آیات کے ساتھ واضح کریں۔

نسخ کی شرائط

علمائے تفسیر وحدیث نے نسخ کے لیے درج ذیل شرائط بیان کیے ہیں:



۱۔ منسوخ کی جانے والی چیز شرعی حکم ہو کوئی قصہ یا کہانی نہ ہو۔

۲۔ جس دلیل سے حکم شرعی کو اٹھایا جائے وہ بھی شرعی ہو۔

۳۔ دلیل شرعی (ناسخ) زمانے کے اعتبار سے حکم شرعی (منسوخ) کے بعد ہو۔

۴۔ حکم شرعی (ناسخ) اور دلیل شرعی (منسوخ) کے درمیان تعارض یعنی تضاد ہو۔

۵۔ نسخ نبی اکرم ﷺ کے دور میں اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ہوا ہو۔

نسخ کی حکمت

علماء قرآن کے مطابق، قرآن مجید میں پائے جانے والے نسخ کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ مثلاً:

☆ شریعت بناتے وقت تدریج کا اصول سامنے رکھا گیا تا کہ لوگ معاشرتی رسم ورواج، اکابر کی تقلید کو آہستہ آہستہ ختم کریں، پیار و محبت سے دینی احکام کو سمجھیں اور انہیں قبول کر لیں۔ نیز عام مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت کو سامنے رکھا گیا۔ مثلاً: تحویل قبلہ میں حکمت یہ بتائی گئی کہ یہ سب کچھ بطور امتحان تھا کہ وہ الٰہی حکم کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ ایک بڑی حکمت یہ بھی پوشیدہ تھی کہ جب مسلمانوں کے دلوں میں مسجد اقصیٰ اور ارض شام کی محبت وعقیدت سرایت کر گئی تو پھر تین مساجد کو ہی باہم مربوط کر کے باور کرا دیا گیا کہ امت محمدیہ ہی نبوت کی وارث اور مقدس مقامات کی رکھوالی کرنے والی ہے۔

☆ بعض سیاسی حالات کا تقاضا تھا۔ مثلاً: مکی دور میں مسلمان سیاسی طور پر کمزور تھے تو جہاد سے روکا گیا اور صبر کا حکم دیا گیا۔ لیکن جب مدینہ میں حالات بہتر ہو گئے تو پہلے حکم کو منسوخ کر کے جہاد کا حکم دیا گیا۔

☆ طوالت سے بچنے کے لیے تلاوت کو منسوخ کر کے حکم کو باقی رکھا گیا مثلاً: حکم رضاعت پر آیات کی منسوخی مگر حکم باقی۔

☆ کسی حکم کو منسوخ کر کے اس سے بہتر حکم لایا جاتا تھا۔ مثلاً: شراب کی حرمت وغیرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ جب بھی نسخ کرے گا تو یا تو اس سے بہتر حکم عطا کرے گا یا اس جیسا۔ جو بالکل سچا ہے۔

☆ بعض احکام کی تلاوت منسوخ کر کے حکم باقی رہنے دیا گیا۔ جس کی وجہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ مثلاً:

الشَّیْخُ وَالشَّیْخَةُ إِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ نَکَالًا مِّنَ اللهِ۔

ترجمہ: بوڑھا مرد اور عورت جب دونوں زنا کریں تو انہیں بالکل رجم کر دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عبرتناک سزا ہے۔

رجم کا لفظ بعض طبیعتوں پر گراں تھا مگر تحویل قبلہ کی طرح یہ بھی امتحان بنا دیا گیا کہ کون رسول کی اطاعت کرتا ہے؟

نوٹ: ہر چیز کی توجیہ ممکن نہیں اس کے پیچھے حکمت یہ ہے کہ "کون ہے جو بلا توجیہ محض **سمعنا و اطعنا** کہہ کر مانتا ہے یا نہیں، یعنی عبد اللہ ہے یا عبد العقل؟ اس بات کا امتحان ہے۔

آیات منسوخہ کی تعداد

ابتدائی دور میں تقریباً پانچ سو آیات کو منسوخ قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ اور امام سیوطی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق نسخ صرف اکیس آیات میں ہوا۔ (الاتقان ۲/۳۵)۔ ڈاکٹر صبحی صالح رحمہ اللہ کے یہاں ان کی تعداد صرف دس ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ منسوخ آیات کی تعداد میں یہ فرق، پہلے اور بعد کے علماء میں نسخ کی اصطلاحی تعریف میں فرق کرنے کی وجہ سے ہے۔

نسخ کی اقسام

ا۔ نسخ قرآن از قرآن:

علماء ایسے نسخ کے جائز ہونے اور واقع ہونے کے قائل ہیں۔ مثلاً:

{وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ} (سورۃ البقرۃ: ۲۴۰) کو

{وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا} (سورۃ البقرۃ: ۲۳۴) نے منسوخ کیا۔ قرآن پاک میں اس قسم کے نسخ تین طرح کے ہیں۔

☆ تلاوت و حکم دونوں منسوخ:

وہ نسخ جس میں تلاوت و حکم دونوں منسوخ ہوگئے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثم نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُنَّ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ۔

" قرآن میں یہ حکم اترا تھا کہ دس بار دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے پھر حکم منسوخ ہو گیا اور یہ پڑھا گیا کہ پانچ بار دودھ چوسنا حرمت کا سبب ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت یہ قرآن میں پڑھا جاتا تھا"۔ (صحیح مسلم: ۱۴۵۲)



اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دس دفعے رضاعت کا حکم بھی منسوخ ہو گیا اور تلاوت بھی محو کر دی گئی اور جہاں تک پانچ دفعے رضاعت کا تعلق ہے تو اس کی تلاوت نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری زمانے میں منسوخ ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا حکم باقی ہے جو آپ ﷺ نے حدیث کے ذریعے امت پر واضح کر دیا۔ یا جو اسے پڑھتے تھے انہیں اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو سکا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ جن الفاظ اور ان کے احکام تک کو اٹھالیا گیا تو ان پر عمل کرنا یا تلاوت کرنا بے اثر تھا اس لیے لفظی و حکمی دونوں چیزیں اللہ تعالی نے منسوخ کر دیں۔

٭حکم منسوخ تلاوت موجود: (تفسیر طبری)

اس سے مراد وہ نسخ ہے جس میں حکم اٹھ گیا لیکن تلاوت ثواب کے لیے اور مشقت کے اٹھ جانے کے بعد اخف نعمت کی یاد دہانی کے لیے ابھی باقی ہے۔ مثلاً:

{وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ} (سورۃ البقرہ:۱۸۴)

اور جو لوگ اس (روزے) کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو فدیہ کے طور پر کھانا کھلا دیں۔

یہ حکم ابتدائی حکم تھا اور سہولت کی خاطر دیا گیا تھا کہ وہ نو مسلم جو روزہ رکھنے کے عادی نہیں، انہیں آسانی ہو۔ یہ حکم تقریباً ایک سال تک نافذ رہا۔ پھر اس آیت کو منسوخ کر کے اس سے اگلی آیت میں یہ حکم دیا گیا:

{فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ} (سورۃ البقرہ:۱۸۵)

تو جو بھی اس ماہ میں موجود ہو وہ اس کے روزے ضرور رکھے۔

ابتدائی حکم منسوخ ہونے کے باوجود اس کی تلاوت ابھی تک موجود ہے۔

☆ تلاوت منسوخ حکم موجود:

وہ نسخ جس میں حکم تو ابھی موجود ہے لیکن تلاوت منسوخ ہو گئی۔ مثلاً: موطأ امام مالک اور صحیح مسلم میں آیت رجم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے:

قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِيَّاكُمْ أَنْ تَهْلِكُوا مِنْ آيَةِ الرَّجْمِ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: لَا نَجِدُ حَدَّيْنِ فِي كِتَابِ اللهِ.. إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ، فَإِنَّا قَدْ قَرَأْنَاهَا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کوئی شخص آیت رجم کو یہ کہہ کر نہ چھوڑ دے کہ کتاب اللہ میں (زنا کے بارے میں) دو قسم کی سزائیں نہیں ملتیں۔ کیونکہ خود رسول ﷺ نے بھی رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر رضی



اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں اس کو ضرور قرآن میں لکھ دیتا۔ وہ آیت یہ ہے۔ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت اگر زنا کریں تو ان کو ضرور سنگسار کرو۔ کیونکہ ہم نے اس حکم کو (قرآن میں) پڑھا ہے"۔

حدود میں رجم سے متعلق یہ حکم موجود ہے۔ لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہے۔ صحیح بخاری میں (۶۸۳۰) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے کے یہ الفاظ ہیں: قَدْ قَرَأْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا۔

جو آیت رجم آپ ﷺ پر اتری تھی ہم نے اس کو پڑھا، سمجھا اور اچھی طرح یاد کیا۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ عام کو سننے والے بے شمار جلیل القدر صحابہ تھے۔ کسی نے ان کی اس وضاحت پر اعتراض نہیں کیا۔ اس طرح یہ حدیث صحابہ کے دور میں بھی اور بعد میں بھی متواتر ٹھہری۔

محکمات اور متشابہات

محکمات لغۃ بمعنی واضحات۔

ان آیات کو کہتے ہیں جن میں اوامر ونواہی، احکام ومسائل اور قصص وحکایات ہیں، جن کا مفہوم واضح اور اٹل ہے اور ان کے سمجھنے میں کسی کو اشکال پیش نہیں آتا۔

متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جو محکمات کے بالکل برعکس ہوں۔

مجمل، مؤول اور مشکل سب متشابہات کی قسمیں ہیں۔ (الاتقان للسیوطی ج ۲ ص ۵)

احکام: متشابہات میں دو معنی اور مطلب نکلتے ہیں، لہذا یہ آزمائش ہے کہ آدمی ہوائے نفس کے مطابق چلتا ہے یا محکمات کی روشنی میں متشابہات کا وہ معنی لیتا ہے جو محکمات کے موافق ہو!!

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ.



وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں۔ تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے، حالانکہ ان کے حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور پختہ و مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں۔ (سورۃ ال عمران:7)

متشابہات کی تین اقسام

امام راغب اصفہانی نے ایک معتدل راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ متشابہات کو تین قسموں میں تقسیم کیا:

1۔ ایک قسم کی متشابہات وہ ہیں جن کا جاننا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ مثلاً قیامت کا وقت، **دابة الأرض** کا نکلنا، اللہ کے ناموں اور صفتوں کی کیفیات۔

2۔ ایک قسم وہ ہے جس سے آگاہ ہونے کے لیے انسان کے پاس وسائل موجود ہیں۔ مثلاً مشکل الفاظ اور پیچیدہ مسائل وغیرہ۔

3۔ تیسری قسم وہ ہے جو دونوں کے درمیان ہے۔ اس سے بعض علماء راسخین واقف ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ اس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ رسول ﷺ نے مندرجہ ذیل ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ آپ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں دعا کی: **اللهم فقهه في الدين وعلمه التأويل**. (اے اللہ اس کو دین کی سمجھ عطا کر اور اس کو تاویل سکھا دے۔) [الاتقان]

اس میں شبہ نہیں کہ امام راغب کا نقطۂ نگاہ اعتدال سے قریب تر ہے۔ (علوم القرآن از ڈاکٹر صبحی صالح)

محکمات اور متشابہات کے قرآن مجید میں مختلف معنوں میں استعمالات

اگر قرآن کے محکم ہونے سے یہ مراد لیا جائے کہ اس کی آیات میں اس حد تک ضبط و اتقان اور اس کے نظم میں اس قدر حسن و جمال پایا جاتا ہے کہ اس کے الفاظ و معانی میں ضعف کے پیدا ہونے کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا۔ تو اس کی تائید مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے۔ قرآن میں فرمایا:

کتاب **احکمت اياته**. یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکمات (مضبوط کی گئی) ہیں۔ (سورۃ ہود:1)

اس اعتبار سے سارا قرآن محکم ہے۔

اور اگر متشابہات سے مراد یہ ہو کہ آیات قرآنیہ اعجاز و بلاغت میں باہم ملتی جلتی ہیں اور اس کے اجزاء میں تقابل نہیں کیا جا سکتا۔ تو سارا قرآن متشابہ ٹھہرے گا۔ اس کا ثبوت مندرجہ ذیل آیت میں ملتا ہے، قرآن میں فرمایا گیا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا۔ اللہ تعالی نے بہترین کلام کو ملتی جلتی کتاب کی صورت میں اتارا۔(سورۃ الزمر:23)

دونوں آیتوں میں جس محکم و متشابہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔

قرآن مجید میں امثال کا فائدہ

شیخ شنقیطی رحمہ اللہ تعالی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{ہم نے اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے لوگوں کے لیے تمام مثالیں بیان کر دی ہیں لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے} سورۃ الکھف:54۔

قرآن کریم کی ان اور ایسی ہی دوسری مثالوں میں عبرت اور وعظ و نصیحت اور ڈانٹ سے بھری عظیم مثالیں ہیں اس کے ساتھ حق کا التباس نہیں ہو سکتا ،لیکن ان مثالوں کے معانی اہل علم ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالی نے اس فرمان میں ذکر کیا ہے:

{ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں، انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں} سورۃ العنکبوت:43۔

اور مثالیں بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالی نے اپنے اس فرمان میں فرمایا ہے:

{اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں} سورۃ الحشر:21۔

اور اللہ تعالی نے دوسرے مقام پر یہ بیان کیا ہے کہ مثالوں کے ساتھ حق کی وضاحت کی جاتی ہے تا کہ اس سے کچھ لوگ ہدایت اختیار کر لیں اور کچھ لوگ اس سے گمراہ ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

{یقیناً اللہ تعالی کسی مثال کے بیان کرنے سے شرماتا نہیں، خواہ وہ مثال مچھر کی یا اس اس سے بھی ہلکی چیز کی ہو، ایمان والے تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں، اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالی نے کیا مراد لی ہے ؟، اس کے ذریعے بیشتر کو گمراہ کرتا اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر چلاتا ہے، اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے} سورۃ البقرۃ:26۔

اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو لوگ اس کو تسلیم کرتے ہیں وہ ہی عقل مند اور عالم ہیں، جنہوں نے ان مثالوں کے معانی سمجھے اور ان میں جو حق بیان ہوا ہے اس سے مستفید ہوئے، اور جنہوں نے ان مثالوں کو تسلیم نہیں کیا یہ وہی لوگ ہیں جو ان کو سمجھے ہی نہیں، اور نہ ہی انہیں اس کا علم ہوا کہ ان مثالوں میں کن حقائق کی وضاحت کی گئی ہے۔

تو پہلا فریق وہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے یہ فرمایا کہ {اس کے ذریعے اکثر کو راہ راست پر چلاتا ہے}۔

اور دوسرا فریق وہ ہے جس کے بارہ میں اللہ تبارک و تعالی کا فرمان یہ ہے {اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے}۔



قرآن کریم میں مذکورہ قصوں کے فوائد

1. اپنے نبی محمد ﷺ کو قوم کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر تسلی دینا اور صبر دلانا۔
2. جو حادثات وواقعات ہو چکے ہیں ان سے درس عبرت حاصل کرنا۔
3. توحید کا اثبات اور انبیاء سابقین کی تصدیق۔
4. آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے دلوں کو قرار پہنچانا۔

ایک ہی واقعہ کو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر دہرائے جانے کی حکمتیں کیا ہیں؟

(1) قرآن کی بلاغت بیان کرنا مقصود ہے۔

(2) ایک ہی معنی و مفہوم کو مختلف صورتوں میں لا کر قرآن کے اعجاز کو بیان کرنا ہے اور یہ دلیل ہے کہ قرآن منتہی درجہ کا اعجاز ہے۔

(3) ایک ہی واقعہ کو بار بار اس لیے دہرایا گیا ہے تاکہ وہ واقعہ لوگوں کے دل ودماغ میں نقش ہو جائے۔

قرآن مجید میں حروف مقطعات کا مطلب کیا ہے؟

اکثر علماء کرام نے ایسی آیات جن میں حروف مقطعات ہیں کی تفسیر میں توقف اختیار کیا ہے، مثلاً خلفاء راشدین اور بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، تابعین عظام اور تبع تابعین رحمہم اللہ اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر ثابت ہے۔

تو بہتر اور صحیح یہی ہے کہ ہم ان کے بارہ میں یہی کہیں، اللہ اعلم بالمراد منھا، کہ ان کی مراد اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔

اور بعض علماء کرام نے ان حروف کی حکمت تلاش کرتے ہوئے کہا ہے کہ: واللہ اعلم، یہ حروف ان سورتوں کے شروع میں ذکر کیے گئے ہیں جن میں اعجاز قرآن کا بیان ہے، اور مخلوق اس جیسا کلام پیش کرنے سے قاصر ہیں، اور وہ اس لیے کہ یہ حروف ان ہی حروف سے بنے ہیں جن حروف کے ساتھ وہ مخاطب ہوتے اور کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی قول کی طرف داری کی ہے اور ابو الحجاج المزی رحمہ اللہ تعالی نے اس قول پسند کیا ہے۔

(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ج4/ص144)



اسباب نزول

قرآن کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالی نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ ان کے نزول کا سبب نہیں بنا اور ان آیتوں کو اور ایسے کلام کے نزول کو ابتدائی کہا جاتا ہے، دوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے یا کسی کے سوال کے جواب میں ہوا، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہیے، یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں "سبب نزول" یا شان نزول کہلاتا ہے اور ان جیسی آیات کے نزول کو سببی کہا جاتا ہے۔

مثلاً سورۃ الاخلاص کے شان نزول کے بارے میں آتا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے یہ سوال پوچھا کہ بتاؤ تمہارا رب کیسا ہے؟ اس کے جواب میں سورۃ الاخلاص کا نزول ہوا۔

نوٹ: بعض کتابوں میں اسباب نزول سے مراد مخصوص حالات پر آیات کا انطباق مراد لیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں ایک ہی آیت پر کئی اسباب نزول کا لفظ ملتا ہے، اس کی توجیہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حقیقت میں یہ آیت کا سبب نزول نہیں بلکہ آیت کا استنباط اور انطباق مراد ہے، جس کو توسیعی مفہوم میں سبب نزول کہا گیا۔ بعض اوقات اسباب نزول کے اختلاف کی وجہ ضعیف اور صحیح احادیث ہیں۔ بہر حال مندرجہ ذیل کتابوں کی مدد سے اسباب نزول کے باب میں احتیاط برتتے ہوئے مستفید ہوں۔

اسباب النزول پر چند مفید کتابیں

العجاب - ابن حجر (مارکٹ میں مع التخریج موجود ہے)

لباب النقول فی اسباب النزول - مقبل بن ہادی

الجامع فی اسباب النزول - ابراہیم علی

اسباب النزول - الواحدی (تخریج کے ساتھ مکتبہ شاملہ میں موجود ہے

قرآن مجید کی نئے نظریات کے ساتھ تفسیر کا حکم

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالی سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:



علمی نظریات کے ساتھ قرآن کی تفسیر کرنے میں خطرہ پایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ جب ہم ان نظریات سے تفسیر کریں تو پھر ان کے خلاف دوسرے نظریات آجائیں تو دشمنان اسلام کی نظروں میں یہ ہو گا کہ قرآن مجید صحیح نہیں رہا، لیکن مسلمانوں کی نظر میں تو یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں جس نے اس کی تفسیر کی ہے اس سے خطا کا تصور کیا جاسکتا ہے، لیکن دشمنان اسلام اس کے خلاف داؤ لگانے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

لہذا آپ اس سے بہت ہی زیادہ بچ کر رہیں کہ ان علمی امور سے تفسیر کریں اور ہمیں یہ معاملہ حقیقت حال پر چھوڑ دینا چاہیے، اور اگر یہ فی الواقع ثابت ہو جائے تو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی کہ ہم یہ کہیں کہ اسے قرآن مجید نے ثابت کیا ہے۔

قرآن مجید تو عبادت اور غور وفکر اور عقل اور تدبر کے لیے نازل ہوا ہے، اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

یہ کتاب برکت والی ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ دانش مند لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور نصیحت حاصل کریں.

(سورة ص:29۔)

اور یہ ان امور کی طرح نہیں جو تجربات سے حاصل ہوں اور لوگ اسے معلومات کے ذریعے حاصل کر لیتے ہیں، پھر ہو سکتا ہے کہ اس پر قرآن کریم کو لاگو کرنے میں عظیم خطرہ پیدا ہو جائے، اس کی مثال یہ دے سکتے ہیں کہ مثلا اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾

اے گروہِ جن واِنس! اگر تم اِس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل سکو (اور تسخیرِ کائنات کرو) تو تم نکل جاؤ، تم جس (کرّۂ سماوی کے) مقام پر بھی نکل کر جاؤ گے وہاں بھی اسی کی سلطنت ہو گی (سورة الرحمن:33)

جب انسان چاند پر جا پہنچا تو بعض لوگوں نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اسے اس واقعہ پر فٹ کر دیا اور کہا کہ: اس آیت میں سلطان سے مراد علم ہے، اور وہ اپنے علم کی بنا پر زمین کے کناروں سے باہر جانکلے اور جاذبیت سے تجاوز کر لیا ہے، تو یہ بہت بڑی غلطی ہے اور تو یہ جائز ہی نہیں کہ اس معنی میں قرآن مجید کی تفسیر کی جائے۔

تو یہ اس کا متقاضی ہے کہ آپ نے یہ شہادت دی کہ اللہ تعالی نے یہ چاہا اور یہ شہادت بہت ہی بڑي شہادت ہے جس کے بارہ میں تجھ سے سوال ہو گا۔

اور جو بھی اس آیت پر غور وفکر اور تدبر کرے گا تو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ تفسیر باطل ہے اور صحیح نہیں اس لیے کہ یہ آیت اللہ تعالی کے اس فرمان

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾



ہر کوئی جو بھی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہےo اور آپ کے رب ہی کی ذات باقی رہے گی جو صاحبِ عظمت و جلال اور صاحبِ انعام واکرام ہےo پس تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گےo(سورۃ الرحمن:26-28)

توہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ لوگ آسمان کے کناروں سے باہر نکل گئے ہیں ؟۔

توجواب نہیں میں ہو گا اور اللہ تعالی تو فرمارہا ہے:

{اے انسانوں اور جنوں کی جماعت !اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکلنے کی طاقت ہے}۔

حقوق قرآن کیا کیا ہیں ؟

پہلا حق—ایمان و تعظیم

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ(سورۃ البقرہ–285)

رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اس کے رب کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے۔

دوسرا حق—تلاوت و ترتیل

وَرَتِّلِ الْقُرءانَ تَرتِيلًا.(سورۃ مزمل:4)

" آپ قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر،اطمینان کے ساتھ پڑھئے"

تیسرا حق- تذکر وتدبر

كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَٰبِ۔(سورۃ ص:29)

ہم نے برکت والی کتاب اس لیے اُتاری ہے کہ اس سے عقل والے لوگ نصیحت حاصل کریں اور اس کی آیات میں تدبر اور غور وفکر کریں۔"

چوتھا حق—نفاذ کی کوشش حتی المقدور و حتی الامکان

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ۔(سورۃ مائدہ:44)



جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں(استطاعت رکھ کر بھی)وہ عملی کفر میں مبتلاہیں۔(ابن عباس)

پانچواں حق۔ تبلیغ و تبیین

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ(سورۃ مائدہ:67)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔(سورۃ مائدہ:67)

تلاوت قرآن کے آداب

1 . حدث سے پاک(باوضو)ہو کر تلاوت کرے،خواہ یہ حدث چھوٹا ہو یا بڑا۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے:لا یمسه إلا المطهرون.(سورۃ الواقعۃ79)،"اسے بس پاک(فرشتے)ہی ہاتھ لگاتے ہیں"(بعض علماء کے پاس وضو مستحب ہے واجب نہیں قرآن کو چھونے میں)

2 . تلاوت شروع کرنے سے پہلے أعوذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھ لے۔ اگر سورت کی ابتدا سے شروع کرے تو بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ پڑھ کر شروع کرے۔ سوائے سورۂ توبہ کے۔

3 تدبر و تذکر، فہم و تذکیر اور دعوت و اصلاح کی غرض سے تلاوت کی جائے۔

4 رحمت کی آیت کے وقت اللہ تعالی سے رحمت طلب کرے،عذاب کی آیت کے وقت پناہ مانگے، تسبیح کی آیت کے وقت تسبیح کرے اور جب سجدے کی آیت گزرے تو سجدہ کرے۔

5 قرآن کو تجوید کے قواعد کے ساتھ پڑھے(پر تجوید میں غلو سے بچے)

6 بے فائدہ باتوں کے لیے قراءت منقطع نہ کرے۔

7 ہمیشہ تلاوت کے معمول سے قرآن کی محافظت کرے تاکہ اسے بھول جانے کا عارضہ پیش نہ آئے-حدیث میں آتا ہے،عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہماروایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اور جب قرآن کو یاد کرنے والا کمر بستہ ہو کر دن رات اسے پڑھتا رہے تو اسے یاد رہتا ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو بھول جاتا ہے"(مسلم:789)

8 جس قدر ممکن ہو قرآن کو اچھی آواز سے پڑھے۔اللہ کا فرمان ہے:ورتل القرآن ترتیلا(المزمل4)،"اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف پڑھاکر۔اور حدیث میں بھی آیا ہے:زينوا القرآن بأصواتكم ۔"قرآن کو اپنی آواز سے مزین کرو"(سنن ابی داؤد:1468، صحیح)

9 قرآن کی قراءت سنتے وقت خاموش رہنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: **وإذا قرء القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون**(سورۃ الأعراف204)"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کی جائے"

10 مصحف(قرآن) کا احترام کرے، اسے زمین پر رکھے نہ اس کے اوپر کوئی چیز رکھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ**(سورۃ عبس14،13)، "(وہ) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے۔ جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں"

بچوں میں قرآن سے شغف پیدا کرنے کے ذرائع کیا ہیں؟

بچے کے سامنے تلاوت قرآن

قرآن مجید سب سے قیمتی اور خوبصورت ہدیہ

قرآن کریم میں بیان کیے گئے قصے

ابتدائی سالوں میں قرآن کریم کے ذریعے تعلیم دینا

عمر کے لحاظ سے قرآنی کلمات کی تلاش کا کام

ہر وقت قرآن کریم کا نسخہ ساتھ رکھنے پر آمادہ کرنا

حفظ قرآن کے لیے موجودہ جدید ذرائع کا استعمال

بچوں کو اپنی قرات ریکارڈ کرانے کی ترغیب

بچوں سے تلاوت اور قرآنی قصوں کو بغور سننا

گھر میں ایک دوسرے کی امامت پر ہمت افزائی کرنا

مسجد کے حلقے میں شرکت

آسان لغتوں میں قرآن کے الفاظ کے معانی تلاش کرنے پر ہمت افزائی کرنا

بچوں کو تفسیر کی آسان کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب

علم کی محفلیں بچوں کے لیے قرآن کریم کی طرف راہیں ہموار کرتی ہیں



بچے کے سامنے میں قرآنی اصطلاحات کو بار بار دہرانا

قرآن کیسے حفظ کیا جائے؟

قرآن مجید حفظ کرنا ایک مقدس عمل ہے اسی لیے علماء کرام نے حفظ قرآن کے لیے چند اصول وضوابط بیان کئے ہیں، اگر حفظ قرآن کا طالب ان اصول وضوابط کو اپنالے تو وہ باذن اللہ حافظ قرآن اور حامل قرآن کے لقب سے ملقب ہو سکتا ہے۔ یہ اصول وضوابط حقیقت میں ان چند کبار حفاظ کے تجربوں کا خلاصہ ہے جسے آپ کے سامنے ذیل کے سطور میں رکھا جارہا ہے:

(1) قرآن حفظ کرنے سے پہلے اپنی نیت خالص اللہ کے لیے کیجئے کہ حفظ قرآن سے میرا مالک ومولی خوش ہو جائے، کیوں کہ جس نے ریاکاری اور شہرت کے لیے قرآن حفظ کیا وہ گنہگار ہے،

إنَّ أخوفَ ما أخافُ عليكم الشركُ الأصغرُ الرياءُ، يقولُ اللهُ يومَ القيامةِ إذا جزى الناسُ بأعمالِهم: اذهبوا إلى الذين كنتم تُراؤون في الدنيا، فانظروا هل تجدون عندَهم جزاءً(صحيح الجامع:1555)

ترجمہ: میں تم پر سب سے زیادہ جس چیز کا خطرہ محسوس کرتا ہوں وہ شرک اصغر کا خطرہ ہے اور وہ ریاکاری ہے، قیامت کے دن جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو ریاکاروں سے اللہ تعالی کہے گا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم دنیا میں اعمال کرتے تھے اور دیکھو کیا تم ان کے پاس کوئی صلہ پاتے ہو۔

(2) حفظ قرآن سے پہلے اپنا عزم پختہ کیجئے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ۔(سورۃ آل عمران:159)

(3) گناہ اور معصیت کے کاموں سے مکمل اجتناب کیجئے، اس سے اللہ کی تائید ونصرت شامل حال رہے گی۔ (استغفر اللہ)

(4) حفظ قرآن کے لیے ایک ہی طباعت والا مصحف (قرآن کریم) استعمال کیا جائے تاکہ حفظ کرنے والے کے ذہن میں پورا نقشہ محفوظ رہے۔

(5) حفظ کے لیے ایسے استاد کا انتخاب کیا جائے جو ماہر اور تجربہ کار ہو۔

(6) حفظ قرآن کے لیے اوقات مقرر کر لیے جائیں پھر ان اوقات میں حفظ قرآن کا اہتمام کیا جائے، حفظ قرآن کے لیے فجر سے پہلے کا وقت یا فجر کے فوراً بعد کا وقت اختیار کیا جائے کیوں کہ یہ وقت حفظ قرآن کے لیے انتہائی مناسب ہے اس لیے کہ اس وقت سکون کا سماں رہتا ہے۔ اور فرشتوں کی حاضری کا وقت بھی رہتا ہے۔



(7) حفظ قرآن کے لیے ضروری ہے کہ اپنی قرات اور حروف کے مخارج درست کئے جائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کسی قاری قرآن کا ریکارڈ شدہ قرات سننے کا اہتمام کیا جائے یا کسی قاری قرآن یا ماہر حافظ سے براہ راست استفادہ کیا جائے، خود نبی ﷺ زبان کے معاملے میں تمام عربوں سے زیادہ فصیح تھے پھر بھی جبرئیل امین علیہ السلام سے براہ راست سیکھتے اور اپنے صحابہ کو سکھاتے تھے۔

(8) حفظ قرآن کے لیے ضروری ہے کہ طالب علموں کا انعام کا جائز لالچ دیا جائے کہ جو طالب علم جتنا جلدی حفظ کرے گا اسے اتنا انعام ملے گا۔

(9) حفظ کے لیے طالب علموں پر تشدد نہ کیا جائے۔

(10) عمر کے ابتدائی مرحلے میں قرآن حفظ کیا جائے جس کے لیے مناسب وقت سات سال سے پندرہ سال ہے کیونکہ اس عمر میں سہولت وآسانی کے ساتھ معلومات و محفوظات ذہن قبول کرلیتا ہے، اس لیے اکثر صحابہ جو قاری قرآن مشہور ہوئے انہوں نے اپنے بچپن میں قرآن حفظ کرلیا تھا جیسے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی میں قرآن حفظ کرلیا تھا، وہ خود فرماتے ہیں کی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت میری عمر دس سال تھی اور میں قرآن حفظ کر چکا تھا۔

(11) حسب استطاعت روزانہ سبق لیا جائے اور استاد کو سنایا جائے پختہ یاد نہ رہنے کی صورت میں وہی سبق پھر دوبارہ یاد کیا جائے۔

(12) حفظ شدہ سورتیں یا آیات بار بار دہرائی جائیں، ایسا کرنے سے اچھی طرح حفظ ہو جائے گا۔

(13) قرآن حفظ کرلینے کے بعد روزانہ ایک پارہ یا آدھا پارہ سنایا جائے تاکہ قرآن بھول نہ سکے۔

(14) آیات کا معنی و مفہوم سمجھنے سے حفظ کرنا آسان ہو جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ قران حفظ کرنے والا ان آیات کا ترجمہ و تفسیر پڑھے جن کو وہ یاد کرنا چاہتا ہے۔

(15) ہمیشہ اچھے حافظ قرآن کو قرآن سنایا جائے، ایسا کرنے سے حفظ مضبوط رہے گا۔

. قرآن کریم کے کسی حکم کو ناپسند کرنے یا کسی آیت کا مذاق اڑانے کی سزا کیا ہے؟

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ. ﴿سورۃ البقرۃ: ٨٥﴾

کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے، اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی مار، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ. (سورة محمد:9)

یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے، پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ. ﴿سورة التوبة: ٦٥، ٦٦﴾

اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟(65) تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے، اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کر لیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے۔

قرآن کریم سے روگردانی کی سزا

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾

اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے (124) وہ کہے گا کہ الٰہی! مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ ﴿سورۃ طہٰ: ۱۲۵، ۱۲۴﴾

قرآن کریم روز قیامت باعمل انسان کے حق میں گواہی دے گا اور اس کی شفاعت کرے گا

ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: القرآن حجة لك او عليك

(روز قیامت) قرآن تیرے حق میں گواہی دے گا یا تیرے خلاف گواہی دے گا۔ (مسلم:223)

قرآن کی فریاد

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں

تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر وریشم کے، اور پھول ستارے چاندی کے

پھر عطر کی بارش ہوتی ہے، خشبو میں بسایا جاتا ہوں

جس طرح سے طوطا مینا کو کچھ بول سکھائے جاتے ہیں

اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں

جب قول وقسم لینے کے لیے تکرار کی نوبت آتی ہے

پھر میری ضرورت پڑتی ہے، ہاتوں میں اٹھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں، آنکھیں ہے کہ نم ہوتی ہی نہیں

کہنے کو میں اک اک جلسہ میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے، سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے

اک بار ہنسایا جاتا ہوں، سوبار رلایا جاتا ہوں

یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے، قانون پہ راضی غیروں کے

یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں، ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں مجھ کو بار نہیں، کس بزم میں میری دھوم نہیں

پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں، مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

(ماہر القادری)

(شیخ ارشد بشیر عمری مدنی وفقہ اللہ فاؤنڈر اینڈ ڈائریکٹر آسک اسلام پیڈیا)



سند القرآن عند أهل السنة

1 ـ إسناد قراءة نافع:

قرأ نافع على سبعين من التابعين (أي تتلمذ على أيديهم) منهم:

أبو جعفر وعبد الرحمن بن هرمز الأعرج ومسلم بن جندب، ومحمد بن مسلم بن شهاب الزهري، وصالح بن خوات، وشيبة بن نضاح، ويزيد بن رومان.

.وقرأ الأعرج (التابعي) على (الصحابة): عبد الله بن عباس وأبي هريرة وعبد الله بن عياش المخزومي.

.وقرأ مسلم وشيبة وابن رومان على عبد الله بن عياش.

.وسمع شيبة القراءة من عمر بن الخطاب.

.وقرأ صالح على أبي هريرة.

.وقرأ الزهري على سعيد بن المسيب.

.وقرأ سعيد على ابن عباس وأبي هريرة.

.وقرأ ابن عباس وأبو هريرة على أبي بن كعب.

.وقرأ ابن عباس أيضاً على زيد بن ثابت.

.وقرأ أبي وزيد وعمر رضي الله عنهم على رسول الله -صلى الله عليه وسلم-.

2 ـ إسناد قراءة ابن كثير: (ليس هو المفسر المعروف فذاك متأخر جداً حتى لا يحدث التباس)

.وقرأ ابن كثير على التابعين: أبي السائب المخزومي، وعلى مجاهد بن جبر المكي، وعلى درباس مولى ابن عباس.

.وقرأ عبد الله بن السائب على أبي ابن كعب، وعمر بن الخطاب.

.وقرأ مجاهد على عبد الله بن عباس، وعبد الله بن السائب.

.وقرأ درباس على ابن عباس.

.وقرأ ابن عباس على أبي بن كعب، وزيد بن ثابت.

.وقرأ أُبي وزيد، وعمر رضي الله عنهم على رسول الله -صلى الله عليه وسلم-.

3- إسناد قراءة أبي عمرو:

قرأ أبو عمرو على التابعين: يزيد بن القعقاع، ويزيد بن رومان، وشيبة بن نصاح، وعبد الله بن كثير ومجاهد بن جبر، والحسن البصري، وأبي العالية الرياحي، وحميد المكي، وعبد الله الحضرمي، وعطاء بن أبي رباح، وعكرمة بن خالد، وعكرمة مولى ابن عباس، وابن محيصن، وعاصم بن أبي النجود، ونصر بن عاصم، ويحيى ابن يعمر.

.وقرأ ابن محيصن على حطان الرقاشي، وأبي العالية الرياحي.

.وقرأ حطان على أبي موسى الأشعري.

.وقرأ أبو العالية على عمر بن الخطاب وأبي بن كعب، وزيد بن ثابت، وابن عباس.

.وقرأ حميد على مجاهد، وتقدم سنده في رواية ابن كثير.

.وقرأ عبد الله بن أبي إسحاق على يحيى بن يعمر، ونصر بن عاصم.

.وقرأ عطاء على أبي هريرة، وتقدم سنده.

.وقرأ عكرمة بن خالد على أصحاب ابن عباس، وتقدم سنده.

.وقرأ عكرمة مولى ابن عباس على ابن عباس.



وقرأ ابن محيصن على مجاهد ودرباس وتقدم سندهما.
وقرأ نصر بن عاصم، ويحيى بن يعمر على أبي الأسود.
وقرأ أبو الأسود على عثمان وعلى رضى الله عنهما.
وقرأ أبو موسى الأشعري وعمر بن الخطاب، وأبي بن كعب، وزيد بن ثابت وعثمان وعلى رضى الله عنهم على رسول الله -صلى الله عليه وسلم-.

4-إسناد قراءة ابن عامر:

قرأ ابن عامر على أبي هاشم المغيرة بن أبي شهاب المخزومي وعلى أبي الدرداء.
وقرأ المغيرة على عثمان بن عفان رضى الله عنه، وقرأ عثمان وأبو الدرداء على رسول الله -صلى الله عليه وسلم-.

5-إسناد قراءة عاصم:

قرأ عاصم على عبد الله بن حبيب السُّلَمي الضرير، وعلى زر بن حبيش الأسدي، وعلى ابن إياس الشيباني.
وقرأ هؤلاء الثلاثة على ابن مسعود.
وقرأ السلمي وزر أيضاً على عثمان بن عفان وعلى بن أبي طالب رضى الله عنهما.
وقرأ السلمي أيضاً على أبي بن كعب، وزيد بن ثابت رضى الله عنهما.
وقرأ ابن مسعود، وعثمان، وعليٌّ، وأبي وزيد على رسول الله -صلى الله عليه وسلم-.

6-إسناد قراءة حمزة:

قرأ حمزة على الأعمش عرضاً.
وقرأ حمزة على ابن أعين، وعلى أبي إسحاق السبيعي، وعلى ابن أبي ليلى، وعلى ابن مصرف اليامي، وعلى جعفر الصادق.
وقرأ الأعمش وطلحة على يحيى بن وثاب الأسدي.
وقرأ يحيى على علقمة بن قيس وعلى ابن أخيه الأسود بن يزيد بن قيس، وعلى زر بن حبيش وعلى زيد بن وهب، وعلى السلماني وعلى مسروق.
وقرأ حمران على أبي الأسود الديلمي، وتقدم سنده، وعلى عبيد بن نضيلة.
وقرأ عبيد على علقمة.
وقرأ حمران أيضاً على محمد الباقر.
وقرأ أبو إسحاق على السلمي وعلى زِرّ بن حبيش، وتقدم سندهما.
وعلى عاصم بن ضمرة، وعلى الحارث الهمذاني.
وقرأ عاصم والحارث على عليّ.
وقرأ ابن أبي ليلى على المنهال بن عمرو وغيره.
وقرأ المنهال على سعيد بن جبير، وتقدم سنده.
وقرأ علقمة، والأسود، وابن وهب، ومسروق، وعاصم بن حمزة، والحارث أيضاً على عبد الله بن مسعود.
وقرأ جعفر الصادق على أبيه محمد الباقر.
وقرأ الباقر على أبيه زين العابدين.
وقرأ زين العابدين على أبيه الحسين رضى الله عنه.
وقرأ الحسين على أبيه على بن أبي طالب رضى الله عنهما.
وقرأ على وابن مسعود رضى الله عنهما على رسول الله -صلى الله عليه وسلم-.

7-إسناد قراءة الكسائي:

قرأ الكسائي على حمزة، وتقدم سنده، وعلى ابن أبي ليلى وتقدم سنده، وعلى عيسى الهمذاني وروى أيضاً الحروف عن أبي بكر بن عياش، وإسماعيل بن جعفر،



وزائدة بن قدامة.
.وقرأ عيسى الهمذانى على عاصم، وطلحة بن مصرف، والأعمش، وتقدم سندهم. وكذلك أبو بكر بن عياش.
.وقرأ إسماعيل بن جعفر على شيبة بن نضاح ونافع، وتقدم سندهما.
.وقرأ أيضاً إسماعيل على سليمان بن جماز، وعيسى ابن وردان وسيأتى سندهما.
.وقرأ زائدة بن قدامة على الأعمش وتقدم سنده.

8. إسناد أبي جعفر:
قرأ على عبد الله بن عياش بن أبي ربيعة، وعبد الله بن عباس، وأبي هريرة، وهكذا فإن أبا جعفر من أعلى القراء إسناداً، إذ أخذ عن الصحابة مباشرة.

9. إسناد يعقوب الحضرمى:
قرأ على سلام الطويل ومهدى بن ميمون، وسمع الحروف من الكسائى ومحمد بن زريق الكوفى عن عاصم.
وقرأ على شهاب بن شرنقة عن أبي الأسود الدؤلى عن على بن أبي طالب.
وقرأ على أبي الأشهب عن أبي رجاء عن أبي موسى الأشعرى.

10. إسناد خلف:
قرأ على حمزة وقد تقدم إسناد حمزة.

والآن بعد أن سقنا إسناد هذه القراءات العشر جدير بنا أن نعلم الآتى:
-1أن كل رجال هذه الأسانيد المتعددة هم من المعروفين لدينا جيداً فى كتب الرجال وعلم الجرح والتعديل، ومعلوم مدى عدالة وثقة كل منهم ودرجته من الحفظ ومنهجه فى القراءة، ومعلوم اسم كل منهم تحديداً ونسبه وشيوخه وتلاميذه.

-2الطرق إلى هؤلاء القراء العشر متواترة يستحيل حصرها، فقد حمل هذا العلم عنهم الآلاف فى كل جيل حتى جيلنا الآن حيث أصبح عدد الحفاظ الأحياء الذين يحفظون القرآن كلياً عن ظهر يعدون بمئات الآلاف على أقل تقدير.

-3لا يزال الإسناد إلى رسول الله موصولاً حتى هذه اللحظة، ولم ينقطع، رغم طول الزمن وتعدد القرون، ورغم دخولنا منتصف الألف الثانى، ولا يزال طلاب العلم يلهثون خلف الحصول على إجازة بإسناد من أحد المشايخ الكبار المعروفين، وقد بلغ عدد الرواة منذ عهد النبى إلى عهدنا ثمانية وعشرين راوياً وسوف أسوق مثالاً واحداً على هذا فيما يلي:

الله جل وعلا

أم الكتاب [السماء السابعة]

الملائكة السفرة الكرام البررة




بیت العزة [السماء الدنیا]



جبریل علیه السلام



الرسول صلی الله علیه وسلم
محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم



عثمان بن عفان وعلی بن أبی طالب وعبد الله بن مسعود وأُبی بن کعب وزید بن ثابت.



أبو عبد الرحمن عبد الله بن حبیب السلمی



عاصم بن أبی النجود الکوفی



حفص بن سلیمان بن المغیرة الأسدی



أبو محمد عبید بن الصباح



أبی العباس أحمد بن سهل الأشنانی



أبی طاهر عبد الواحد بن أبی هاشم البغدادی



أبی الفرج عبید الله بن عمر بن محمد بن عیسی المصاحفی



أبی بکر محمد بن علی بن محمد البغدادی



سبط الخیاط



الکمال بن فارس



↓

الصائغ

↓

أبي محمد عبد الرحمن بن أحمد البغدادي وأبي بكر بن الجندی كليهما

↓

الإمام الحافظ حجة القراء محمد بن محمد بن محمد بن يوسف الجزری الشافعي مؤلف النشر و الطيبة

↓

الشهاب أحمد بن أسد الأميوطی

↓

محمد بن إبراهيم السمديسی

↓

علیّ بن غانم المقدسی

↓

شيخ قراء مصر عبد الرحمن بن شحاذة اليمنی

↓

شيخ قراء زمانه محمد بن قاسم البقری

↓

الشيخ الشهاب أبي السماح أحمد بن رجب البقری القاهری الشافعي كان حياً سنة 1140ھ

↓

عبد الرحمن بن عبد الله بن حسن بن عمر الأجهوری الفقيه المالكی المقری (المتوفی سنة 1198ھ)

↓

إبراهيم العبيدی

↓

سلمونة،

↓

الدری التهامی

↓



المتولی



شمروخ-----------الهنیدی



عبد الباسط هاشم-------الزیات

والشیخ عبد الباسط هاشم والشیخ أحمد الزیات هما من المعاصرین لنا ومن الذین تلقی عنهم إخواننا قراءة القرآن الکریم بروایة حفظ عن عاصم.

مخطط أعده أحد طلاب العلم -جزاه الله خیراً- یوضح فیه إسناد قراءات القرآن الکریم حتی أیامنا هذه:

والأرقام المرفقة بکل اسم هو رقم ترجمته فی بعض کتب الرجال المختصة بذکر تراجم الرواة.

سلسلة السند

سلسلة السند هی سلسة الرجال الذین نقلوا الناالقرءان العظیم مشافهةً، کلّ واحدٍ منهم قرأ علی شیخِهِ، وشیخُهُ علی شیخِهِ، وهکذا إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم، عن أمین الوحی جبریل علیه السلام، عن رب العزة جل جلاله.

سلسلة سند فی القرءان الکریم متصلة بالنبی صلی الله علیه وسلم

سند روایة الإمام حفص

أخذ حفص بن سلیمان الکوفی الأسدی القراءة عن عاصم بن أبی النَّجود. عن أبی عبد الرحمن عبد الله بن حبیب السلمیّ الضریر و أبی مریم زِرِّ بن حُبَیْش الأسدیّ و أبی عمرو سعد بن إیاس الشیبانی، وقرأ هؤلاء الثلاثة علی عبد الله بن مسعود، وقرأ أبو عبد الرحمن السّلمیّ وزِرِّ بن حبیش أیضاً علی عثمان بن عفان وعلی بن أبی طالب رضی الله عنهما، وقرأ السلمی أیضاً علی أبیّ بن کعب وزید بن ثابت رضی الله عنهما، وقرأ ابن مسعود وعثمان وعلیّ وأبیّ وزید علی رسول الله صلی الله علیه وسلم .



قال الإمام الشاطبی فی حرز الأمانی ووجه التهانی

وَبِالْكُوفَةِ الْغَرَّاءِ مِنْهُمْ ثَلاَثَةٌ ... أَذَاعُوا فَقَدْ ضَاعَتْ شَذاً وَقَرَنْفُلاَ

فَأَمَّا أَبُو بَكْرٍ وَعَاصِمٌ اسْمُهُ ... فَشُعْبَةُ رَاوِيهِ الْمُبَرِّزُ أَفْضَلاَ

وَذَاكَ ابْنُ عَيَّاشٍ أَبُو بَكْرٍ الرِّضَا ... وَحَفْصٌ وَبِالْإِتْقَانِ كَانَ مُفَضَّلاَ

سند روایة الإمام ورش

أخذ الإمام عثمان بن سعید ورش القراءة عن نافع المدنی، عن أبی جعفر یزید بن القعقاع، عن أبی هریرة، عن أُبی بن کعب، عن النبی صلی الله علیه وسلم.

اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں





جل جلاله

أمين الوحي جبريل

عليه السلام



1. زيد بن ثابت
2. أبو عبد الرحمن عبد الله السُلميّ
3. عاصم ابن أبي النجود الكوفيّ
4. حفص ابن سليمان الكوفيُّ الأسديّ
5. أبو محمَّد عبيد بن الصبَّاح النهشليّ
6. أحمد بن سهل الأشنانيّ
7. علي بن محمد بن صالح الهاشميّ
8. أبو الحسن طاهر بن غلبون
9. أبو عمرو عثمان بن سعيد الداني
10. أبو داود سليمان بن نجاح الأمويّ
11. علي بن محمد بن هذيل البلنسيّ
12. القاسم بن فيره الشاطبي الأندلسيّ
13. أبو الحسن علي بن شجاع العباسي
14. أبو عبد الله محمد بن أحمد الصائغ
15. عبدالحمن ابن أحمد البغداديّ
16. محمد بن محمد الجزريّ الدمشقيّ
17. أحمد ابن أسد الأميوطيّ
18. محمد بن إبراهيم السمديسيّ
19. علي بن محمد بن غانم المقدسيّ
20. عبدالرحمن ابن شحاذة اليمنيّ
21. محمد ابن قاسم البقري
22. أحمد ابن رجب البقري
23. عبدالرحمن ابن حسن الأجهوريّ
24. إبراهيم ابن بدوي العبيديّ
25. أحمد ابن رمضان المرزوقيّ
26. أحمد الحلوانيّ الرفاعيّ الدمشقيّ الكبير
27. محمد سليم الحلوانيّ
28. بكري بن عبد المجيد الطرابيشيُّ
29. هاني بن إبراهيمَ العَليُّ المقدسيُّ
30. عزات بن أحمد بن سعيد السويركيّ
31. عارف بن عبد الله بن عارف العشيّ
32. أشرف بن فوزي بن عمر العشي